فکرِ شیعی میں یزید

اثر خامہ

سعید الرحمٰن علوی

مکتبہ آلِ عمران لاہور

سعید الرحمٰن علوی

مکتبہ آلِ عمران لاہور

سن الطبع:

(بار اوّل ۱۴۱۹ھ - ۱۹۹۹ء

انتساب

ہر منصف مزاج شیعہ و غیر شیعہ کے نام

فہرست

فکر شیعی میں یزید - امام باقر تا شیخ مفید
(دوسری تا چوتھی صدی ہجری)

۳- باب سوئم ۳۹۱

فکر شیعی میں یزید ۔ سید مرتضٰی تا عصر جدید

(پانچویں تا پندرھویں صدی ہجری)

عرض مؤلف

باسمه تعالی حامداً و مصلیاً و بعد :-

گزشتہ چودہ سو سال سے شیعی افکار و روایات میں ائمہ اہل تشیع کی امامت و خلافت منصوصہ و معصومہ کے فکری و تاریخی تناظر میں حسینؓ و یزید، فکر و مباحث اہل تشیع میں مرکزی اہمیت و حیثیت کے حامل چلے آرہے ہیں۔ مگر امامت و خلافت منصوصہ و معصومہ علیؓ و آل علیؓ کے شیعی پس منظر اور امامت و خلافت ابوبکر و عمر و عثمان و علی و حسن و معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم کے اسلامی تناظر و تاریخی تسلسل میں مقام و خلافت یزید کی حقیقی و منصفانہ تصویر کشی ہنوز تشنہ تکمیل ہے۔ خواہ اس تشنگی کا سبب علم و تحقیق کی کمی قرار پائے یا کتمان حقائق بسبب خوف ملامت منجانب عامۃ الشیعہ و المسلمین۔

چنانچہ زیر نظر مختصر تصنیف میں اقوال و روایات اہل تشیع سے اقتباس و استدلال و استشہاد کرتے ہوئے عدل شیعی کے اصولوں کے مطابق افراط و تفریط سے مبرا و مبنی بر حقائق فکر شیعی کے حوالہ سے یزید کی منصفانہ تصویر کشی کی کوشش کی گئی ہے۔ نیز شیعی افکار و روایات کے مطابق امامت و خلافت ابوبکر و عمر و عثمان و معاویہ رضی اللہ عنہم سے متعلق اور قصہ حسینؓ و یزید سے مربوط بعض امور و مباحث بھی مختصراً زیر بحث لائے گئے ہیں۔ اور آخر میں فکر شیعی میں یزید کے خصوصی حوالہ سے مذکورہ مباحث کا خلاصہ و نتیجہ درج کر دیا گیا ہے۔ تاکہ اہل تشیع کے جملہ مکاتب فکر سے علمی و تحقیقی استفادہ پر مبنی وفات نبوی سے قصہ حسینؓ و یزید تک اور واقعہ کربلا سے عصر جدید تک شیعیت کی ایک ایسی جامع و مربوط و معتدل شکل و تصویر منظر عام پر آسکے جو اب تک بالعموم جذباتیت و سطحیت کے مذہبی و ثقافتی مظاہر میں مستور اور مسخ شدہ فکری و تاریخی حقائق کی ترویج کے مقابلے میں مقہور و مجبور رہی ہے۔

علمی و فکری و تاریخی و تنقیدی حوالوں سے یہ کوشش کس حد تک افادیت و انفرادیت کی حامل ہے، اس کا صحیح فیصلہ و ادراک، اعتدال و انصاف کی صفات سے

متصف علماء و محققین نیز دیگر قارئین محترمین مکمل مطالعہ و تجزیہ کتاب کے بعد بطریق احسن کر پائیں گے۔اور وہ ناقدین یقیناً قابل تعظیم و تحسین قرار پائیں گے جو تعصب و جانبداری سے ماوراء ہو کر مسلمہ اصول تحقیق و تنقید کی روشنی میں نقد و تبصرہ و تجزیہ مندرجات کی سعی وزحمت فرمائیں گے۔

ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذهديتنا وهب لنامن لدنك رحمة

إنك أنت الوهاب۔

ربنا اغفرلی ولوالدی وللمئومنين يوم يقومَ الحساب—

الفقير الى العفو:۔

سعيد الرحمن

بابِ اوّل

فکرِ شیعی میں یزید

علیؓ و حسنینؓ تا علی بن حسینؓ

(پہلی صدی ہجری)

۱- فکر شیعی میں یزید - علیؓ و حسنینؓ تا علی بن حسینؓ

شیعی عقیدہ امامت و خلافت کی رو سے وفات نبوی کے بعد منصب امامت کا فیصلہ شورائیت و اجماع امت کی بناء پر نہیں کیا جاسکتا تھا- بلکہ شرعی امامت و خلافت منصوصہ و معصومہ حکم الٰہی و نبوی کے مطابق سیدنا علیؓ 'ابوالحسنینؓ کے لئے طے شدہ وامر متعین ہے- اس لحاظ سے نہ تو سیدنا ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و معاویہ ؓ کی شورائی امامت و خلافت' سیدنا علیؓ و حسنؓ حسینؓ کی امامت و خلافت منصوصہ و معصومہ کے مقابلے میں کسی شرعی حیثیت و اہمیت کی حامل ہے اور نہ ہی یزید اس منصب کا اہل قرار پا سکتا تھا' خواہ وہ سیدنا ابوبکر و عمر و عثمان و معاویہ رضی اللہ عنہم کے مقام و عظمت و تقوی و سیرت کا (عمر بن عبدالعزیز کی طرح) مثالی و متفق علیہ وارث ہی کیوں نہ قرار پا جاتا- اس سلسلہ میں خلافت یزید پر باپ کے بعد بیٹے کی نسلی خلافت یا بالفاظ دیگر "ملوکیت" کے حوالہ سے اعتراض کم از کم شیعی نقطۂ نظر سے اس لئے قطعاً کسی اہمیت کا حامل نہیں کہ شیعی عقیدہ امامت و خلافت منصوصہ و معصومہ علیؓ و آل علیؓ کی رو سے تو لازماً باپ کے بعد بیٹا ہی منصب امامت و خلافت منصوصہ و معصومہ کا شرعی وارث و حقدار ہے- (بالترتیب علیؓ و حسنؓ و حسینؓ ثم دیگر ائمہ از اولاد علیؓ)-

اس شیعی عقیدہ امامت منصوصہ و معصومہ علیؓ و آل علیؓ کے پس منظر میں اقوال و افکار و روایات اکابر اہل تشیع بسلسلہ یزید کا مختصر مطالعہ سیدنا ابوبکر و عمر و عثمان و معاویہ رضی اللہ عنہم کی اجماع امت کی رو سے منعقد شدہ شرعی امامت و خلافت کے تناظر و تسلسل میں تاریخی و مذہبی اور تحقیقی و تنقیدی نقطہ نظر سے متعدد پوشیدہ حقائق کی نقاب کشائی کا باعث بن سکتا ہے- جن سے نہ صرف یزید بلکہ اس سے پہلے سیدنا ابوبکر و عمر و عثمان و علی و حسن و معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم جیسے ائمہ و خلفاء و صحابہ راشدینؓ کے بارے میں خود اقوال و افکار و روایات اہل تشیع کی رو سے بہت سی غلط فہمیوں اور منفی پروپیگنڈہ کا ازالہ ہو جاتا ہے- نیز قصہ حسینؓ و یزید' اور واقعہ

کربلا و حرہ و حصار کعبہ کی نوعیت و حقیقت بھی واضح تر ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اس باب میں انہی حوالوں سے سیدنا علیؓ و حسنؓ و حسینؓ نیز ما بعد ائمہ شیعہ و اکابر قریش و بنی ہاشم غرض متعدد اہم اکابر اہل تشیع کے اقوال و افکار و روایات شامل ہیں۔ ولعل الله يحدث بعد ذلك أمرا۔

تاہم ان اقوال و روایات اکابر سے پہلے اہل تشیع کے متفق علیہ عقیدہ امامت منصوصہ و معصومہ علیؓ و آل علیؓ کی تشریح و تاویل و تعیین کے حوالہ سے موضوع زیر بحث کی اعتقادی و تاریخی مناسبت سے بعض ضروری معلومات درج ذیل ہیں۔ جن سے اس شیعی عقیدہ کی حقیقت و نوعیت اور مناہج و پس منظر کا ادراک و انکشاف آسان تر ہو جاتا ہے۔

مولانا سید ابوالاعلی مودودی شیعی عقیدہ امامت منصوصہ و معصومہ کا تعارف کرواتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

"(۱)۔ امامت (جو خلافت کے بجائے ان کی مخصوص اصطلاح ہے) مصالح عامہ میں سے نہیں ہے کہ امت پر اس کا انتخاب چھوڑ دیا جائے اور امت کے بنانے سے کوئی شخص امام بن جائے، بلکہ وہ دین کا ایک رکن اور اسلام کا بنیادی پتھر ہے، اور نبی کے فرائض میں سے یہ ہے کہ امام کا انتخاب امت پر چھوڑنے کی بجائے خود بہ حکم صریح اس کو مقرر کرے"۔(۱)

(۲)۔ امام کو معصوم ہونا چاہئے۔ یعنی وہ تمام چھوٹے بڑے گناہوں سے پاک اور محفوظ ہو، اس سے غلطی کا صدور جائز نہ ہو، اور ہر قول و فعل جو اس سے صادر ہو، بر حق ہو۔(۲)

۔(۳)۔ حضرت علیؓ وہ شخص ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد امام نامزد کیا تھا اور وہ بربنائے نص امام تھے۔(۳)

(۴) ہر امام کے بعد نیا امام لازماً اپنے سے پہلے امام کی نص پر مقرر ہوگا۔
کیونکہ اس منصب کا تقرر امت کے سپرد ہی نہیں کیا گیا ہے کہ مسلمانوں کے منتخب کرنے
سے کوئی شخص امام ہو سکے۔(۴)

(۵) شیعوں کے تمام گروہوں کے درمیان اس بات پر بھی اتفاق تھا کہ
امامت صرف اولاد علیؓ کا حق ہے۔(۵)
اس متفق علیہ نظریہ کے بعد شیعوں کے مختلف گروہوں کی آراء مختلف
ہوگئیں"۔

(ابوالاعلی مودودی' خلافت و ملوکیت' ص ۲۱۱ - ۲۱۲' ادارہ ترجمان
القرآن لاہور' اپریل' ۱۹۸۰ء)۔
حاشیہ ۱' (ص ۲۱۱) بحوالہ مقدمہ ابن خلدون' ص ۱۹۶' مطبعہ
مصطفی محمد' مصر' و الشہرستانی' کتاب الملل و النحل' طبع لندن'
ج ۱' ص ۱۰۸ - ۱۰۹۔
حاشیہ ۲ (ص ۲۱۱) بحوالہ مقدمہ ابن خلدون' ص ۱۹۶ و
الشہرستانی' الملل و النحل' ج ۱' ص ۱۰۹۔
حاشیہ ۳ (ص ۲۱۲) بحوالہ الشہرستانی' الملل و النحل' ج ۱' ص
۱۰۸ و مقدمہ ابن خلدون' ص ۱۹۶ - ۱۹۷)۔
حاشیہ ۴ (ص ۲۱۲) بحوالہ مقدمہ ابن خلدون' ص ۱۹۷'
والاشعری' مقالات الاسلامیین' مکتبۃ النھضۃ المصریۃ' قاھرہ' طبع اول'
ج ۱' ص ۸۷' والشہرستانی ج ۱' ص ۱۰۹۔
حاشیہ ۵ (ص ۲۱۲) بحوالہ الشہرستانی' ج ۱' ص ۱۰۸)

اس متفق علیہ شیعی عقیدہ امامت وخلافت منصوصہ و معصومہ علیؓ و آل علیؓ کی
عملی تعبیر و تعیین کے حوالہ سے اختلافات و مواقف ائمہ شیعہ کا خلاصہ درج ذیل
ہے :-

سلاسل ائمہ اہل تشیع

۱- اہل تشیع کے اول امام منصوص و معصوم علیؓ بن ابی طالب نے امام دوئم و سوئم، حسنؓ و حسینؓ کے ہمراہ سیدنا ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ کی اجماعی و شورائی امامت و خلافت (۱۱-۳۵ھ) کی بیعت کی اور اس پر تادم آخر قائم رہے- جسے بعض شیعہ فرقے (زیدیہ، تفضیلیہ، کیسانیہ وغیرہ) غیر علوی و فاطمی، وغیر افضل امام کی بیعت شرعیہ صحیحہ اور بعض دیگر شیعہ فرقے (اثناعشریہ جعفریہ) "تقیہ" پر مبنی بیعت ظاہرہ بلااعتراف حیثیت شرعیہ قرار دیتے ہیں-

۲- اہل تشیع کے دوئم و سوئم امام منصوص و معصوم سیدنا حسنؓ (م ۵۰ھ) و حسینؓ (م ۶۱ھ) نے معاویہؓ بن ابی سفیانؓ کی اجماعی و شورائی امامت و خلافت (۴۱-۶۰ھ) کی بیعت کی اور اس پر تادم آخر قائم رہے- جسے بعض شیعہ فرقے (کیسانیہ، زیدیہ، تفضیلیہ وغیرہ) غیر علوی و فاطمی، وغیر افضل امام کی بلا تقیہ بیعت شرعیہ اور بعض (جعفریہ اثناعشریہ) حسب سابق تقیہ پر مبنی بیعت ظاہرہ بلااعتراف حیثیت شرعیہ قرار دیتے ہیں-

۳- اہل تشیع کے تیسرے امام منصوص و معصوم سیدنا حسینؓ نے شیعان کوفہ کی غداری و بیعت یزید و ابن زیاد کے بعد یزید سے مصالحت و مذاکرات (فاضع یدی فی ید یزید- دست در دست یزید) کی پیشکش فرمائی- جسے شمر بن ذی الجوشن کے مشورہ کے مطابق ابن زیاد نے پہلے اپنی بیعت (دست در دست ابن زیاد) سے مشروط کر کے صورتحال بگاڑ دی، اور سانحہ کربلا رونما ہوا-

۴- اہل تشیع کے چوتھے امام منصوص و معصوم علی زین العابدینؒ کے مقابلے میں

ان کے غیر فاطمی چچا و برادر حسنینؓ ' امام محمد بن علیؓ (ابن الحنفیہؒ) نے امامت کا دعوی کیا اور شیعہ فرقہ کیسانیہ وجود میں آیا- نیز امام ابن الحنفیہؒ نے سیدنا حسینؓ کو شیعان کوفہ کے بھروسے پر خروج سے روکتے ہوئے خود علی الاعلان بیعت خلافت یزید (۶۰-۶۴ھ) کی اور یزید پر فسق و فجور کے الزامات کی سختی سے تردید کرتے ہوئے وفات یزید (ربیع الاول ۶۴ھ ' بعد واقعہ کربلا وحرہ) تک اسے برقرار رکھا- جبکہ ان کے بھتیجے امام علی زین العابدینؒ نے بھی واقعہ کربلا (محرم ۶۱ھ) کے بعد واقعہ حرہ (اواخر ۶۳ھ) نیز وفات یزید (۶۴ھ) تک یزید کے خلاف کسی خروج (خروج ابن زبیرؓ وغیرہ) میں حصہ نہیں لیا- اور بظاہر بیعت یزید کو برقرار رکھا- جو بعض شیعہ فرقوں (اثناعشریہ) کے نزدیک "تقیہ" پر مبنی اور بعض دیگر شیعہ فرقوں (کیسانیہ) کے نزدیک بیعت بلا تقیہ ہے-

۵- اہل تشیع (اسماعیلیہ و اثناعشریہ) کے پانچویں امام منصوص و معصوم سیدنا محمد الباقر بن علی زین العابدینؒ کے مقابلے میں ان کے بھائی امام زید بن علی زین العابدینؒ نے امامت کا دعوی کیا اور شیعہ فرقہ زیدیہ وجود میں آیا-

۶- اہل تشیع (اثناعشریہ و اسماعیلیہ) کے چھٹے امام منصوص و معصوم سیدنا جعفر الصادقؒ بن محمد الباقرؒ کے بڑے بیٹے امام اسماعیل بن جعفرؒ اپنے والد کی زندگی میں ہی مدینہ منورہ میں وفات پا گئے- پس امام جعفر الصادق کی وفات (م ۱۴۸ھ 'مدینہ) کے بعد شیعہ اثناعشریہ کے ساتویں امام 'موسی الکاظم بن جعفر الصادقؒ کے مقابلے میں ان کے بھتیجے محمد بن اسماعیل بن جعفرؒ نے اپنے والد کی امامت کے تسلسل میں اپنی امامت کا دعوی کیا اور شیعہ فرقہ " اسماعیلیہ " وجود میں آیا-

۷- شیعہ اثناعشریہ کے ساتویں امام 'موسی الکاظم بن جعفر الصادقؒ کے مقابلے میں ان کے ایک اور بھائی امام عبداللہ بن جعفر الصادقؒ نے بھی امامت کا دعوی کیا اور

شیعہ فرقہ "افطحیہ" وجود میں آیا-

۸- ساتویں اثنا عشری امام موسیٰ الکاظمؒ کے مقابلے میں ان کے ایک اور بھائی امام محمد بن جعفر الصادقؒ اثنا عشریہ کے برعکس فاطمی مدعی امامت کے لئے جہاد بالسیف کو زیدیہ کی رائے کے مطابق لازم سمجھتے تھے- چنانچہ انہوں نے بحیثیت امام' شیعہ زیدیہ کے ہمراہ مکہ میں مامون الرشید کے خلاف سن ۱۹۹ھ میں خروج کیا- اور گرفتار ہو کر مامون کے پاس پہنچے- مامون نے ان سے انتہائی عزت و احترام کا سلوک کیا' انعام واکرام سے نوازا اور آپ مامون کے پاس ہی خراسان میں مقیم رہے-

۹- شیعہ اثنا عشریہ کے ساتویں امام موسیٰ الکاظمؒ کی اولاد میں سے امام سید محمد نور بخش (۷۹۵-۸۶۹ھ) نے اپنی امامت اور مہدی آخر الزمان ہونے کا دعویٰ کیا اور شیعہ فرقہ "نوربخشیہ" وجود میں آیا جس کے لاکھوں پیروکار گلگت و بلتستان و کشمیر و ایران وغیرہ میں موجود ہیں-

۱۰- شیعہ اثنا عشریہ کے متعدد دیگر ائمہ کے علاوہ بارھویں امام محمد المہدی کا بھی غیر اثنا عشری شیعہ فرقے (کیسانیہ' زیدیہ' اسماعیلیہ' نوربخشیہ' تفضیلیہ وغیرہ) انکار کرتے ہیں- جن کے بارے میں اثنا عشریہ کا عقیدہ ہے کہ وہ گیارھویں اثنا عشری امام حسن عسکریؒ (م ۲۶۰ھ) کے بیٹے تھے- اور ان کی وفات سے پانچ سال پہلے (پندرہ شعبان ۲۵۵ھ 'شب برأت) پیدا ہوئے- جب کہ بعض دوسری روایات کے مطابق مہدی اپنے والد امام حسن عسکری کی وفات کے بعد پیدا ہوئے - اور پینسٹھ برس کی عمر تک لوگوں سے پوشیدہ رہ کر (غیبت صغریٰ) اپنے نمائندوں عثمان بن سعید العمری، محمد بن عثمان، حسین بن روح اور آخر میں علی بن محمد السمری کے ذریعے اپنے شیعوں سے رابطہ رکھتے رہے- حتیٰ کہ ۳۲۹ھ میں ان کی "غیبت کبریٰ" واقع ہو گئی اور گزشتہ گیارہ سو سال سے وہ اثنا عشریہ کے بارھویں اور آخری امام غائب ہیں- جن سے شیعوں کا رابطہ ۳۲۹ھ سے منقطع ہو چکا ہے- اور وہ قیامت کے قریب ظاہر ہو کر اہل تشیع

(اثناعشریہ) کی قیادت کرتے ہوئے عالمی غلبہ اہل تشیع (اثناعشریہ) کا باعث بنیں گے۔ اور قدیم و جدید دشمنان ائمہ شیعہ کو سخت سزائیں دیں گے۔

۱۱- علاوہ ازیں بعض دیگر شیعہ فرقے بھی اسی اختلاف نوعیت امامت منصوصہ و معصومہ کی بناء پر وجود میں آئے۔ مثلاً شیعہ "تفضیلیہ" جو ابتدائے خلافت سے عصر جدید تک مختلف زمان و مکان میں علیؓ و اولاد علیؓ کی دیگر صحابہ کرامؓ بشمول ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم پر فضیلت کے قائل ہیں اور بقیہ عقائد و امور دین میں بالعموم اہل تشیع کے بجائے اہل سنت سے متفق ہیں۔ "شیعہ تفضیلیہ" کی جانب اشارہ کرتے ہوئے مولانا مودودی فرماتے ہیں:-

"حامیان علیؓ کا گروہ ابتداء میں شیعان علیؓ کہلاتا تھا۔بعد میں اصطلاحاً انہیں صرف "شیعہ" کہا جانے لگا۔

اگرچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بنی ہاشم کے کچھ لوگ اور دوسرے لوگوں میں سے بھی چند اصحاب ایسے تھے۔جو حضرت علیؓ کو خلافت کے لئے اہل تر سمجھتے تھے۔اور بعض کا خیال یہ بھی تھا کہ وہ دوسرے صحابہؓ اور خصوصاً عثمانؓ سے افضل ہیں۔اور بعض ایسے بھی تھے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کے رشتے کی بنا پر انہیں خلافت کا زیادہ حقدار خیال کرتے تھے۔لیکن حضرت عثمانؓ کے وقت تک ان خیالات نے ایک عقیدے اور مذہب کی سی شکل اختیار نہ کی تھی۔اس طرز خیال کے لوگ خلفائے وقت کے مخالف بھی نہ تھے بلکہ پہلے تینوں خلفاء کی خلافت تسلیم کرتے تھے"۔

(ابوالاعلی مودودی' خلافت و ملوکیت' ص ۲۱۱' ادارہ ترجمان القرآن' لاہور' اپریل ۱۹۸۰ء)۔

۱۲- ان شیعہ فرقوں (تفضیلیہ' کیسانیہ، زیدیہ، اسماعیلیہ، افطحیہ، اثناعشریہ، نوربخشیہ وغیرہ) کے علاوہ بھی کئی شیعہ فرقے اسی اختلاف نوعیت امامت منصوصہ و معصومہ کی بناء پر وجود میں آئے۔ مثلاً شیعہ نصیریہ جو عیسائیوں کے عقیدہ

الوہیت مسیح کی طرح حضرت علیؓ کو اللہ تعالیٰ کی الوہیت میں شریک (خدا) مانتے ہیں-اور آج بھی شام و لبنان وغیرہ میں موجود ہیں-(علویہ نصیریہ وغیرہ)

۱۳- علاوہ ازیں شیعہ فرقہ "دروزیہ" کے پیروکار بھی لبنان وغیرہ میں کثیر تعداد میں موجود ہیں-

۱۴- نیز شیعہ فرقہ "قرامطہ" جو امام عبداللہ بن قرمط سے منسوب ہے- اسماعیلی مؤلف ڈاکٹر زاہد علی ان کے بارے میں لکھتے ہیں-

" اب تک قرامطہ حاجیوں کے قافلے لوٹا کرتے-لیکن ۳۱۷ھ میں عراق سے بھاگ کر مکہ معظمہ پہنچے-اس سال منصور دیلمی حاجیوں کا سردار تھا- یہ ان لوگوں (حاجیوں) کو ساتھ لے کر بغداد سے مکہ روانہ ہوا-مکہ معظمہ میں عین "ترویہ" کے روز قرامطہ نے ان پر حملہ کر کے ان کا مال و اسباب لوٹ لیا-ان میں سے کئی آدمیوں کو خود بیت اللہ اور مسجد حرام میں قتل کیا- حجر اسود کو اس کی جگہ سے نکال کر اپنے مستقر " ہجر " لے گئے- تاکہ اپنے شہر میں حج مقرر کریں-ابن مہلب امیر مکہ نے کئی اشراف کو ساتھ لیکر یہ کوشش کی کہ قرامطہ اپنے کرتوت سے باز آئیں- مگر ان کی کوششیں ناکام ہوئیں- اس کے بعد بیت اللہ کا دروازہ اور محراب اکھاڑے گئے- مقتولوں کے چند لاشے زمزم کے کنویں میں پھینک دیئے گئے-اور چند بغیر غسل اور کفن کے مسجد حرام میں دفن کئے گئے-اہل مکہ پر بھی مصیبتیں ڈھائی گئیں...

ابو طاہر نے سن ۳۳۹ھ میں یہ کہہ کر حجر اسود واپس کیا کہ :- ہم حکم سے اسے لے گئے تھے اور حکم ہی سے واپس کرتے ہیں- تقریباً بائیس برس حجر اسود قرامطہ کے پاس رہا "-(ڈاکٹر زاھد علی' تاریخ فاطمین مصر' ص ٤٤٨)-

ان شیعہ فرقوں نے رفتہ رفتہ نہ صرف بالعموم ایک دوسرے سے علیحدہ ہو کر مستقل بالذات حیثیت اختیار کرلی اور بہت سے باہم ایک دوسرے کو غلط و باطل ٹھہرانے لگے بلکہ ان فرقوں نے اپنے اپنے سلسلہ امامت و سلسلہ روایات ائمہ میں

اختلاف کی بناء پر اپنا اپنا ذخیرہ حدیث و فقہ و تفسیر و دیگر علوم دین بھی ایک دوسرے سے علیحدہ کرلیا۔اور ہر شیعہ فرقہ دیگر شیعہ فرقوں کے سلسلہ امامت و ذخیرہ علوم دین کا جزوی یا مجموعی طور پر منکر اور اس سے مجتنب قرار پایا۔

اس عقیدہ امامت منصوصہ و معصومہ کے حوالہ سے شیعہ فرقوں کے ان باہم اختلافات اساسیہ کی بناء پر ناقدین تشیع کی جانب سے مختلف زمان و مکان میں یہ اعتراض بڑی شدومد سے وارد ہوتا رہا کہ اگر شیعی عقیدہ امامت و خلافت منصوصہ و معصومہ منجانب اللہ ثابت شدہ ہے تو خود اولاد علیؓ میں سے امامت کے مختلف دعویدار اپنے ہی بھائیوں بھتیجوں کے مقابلے میں مدعیان امامت کیونکر قرار پائے ؟اور ایسی امامت منصوصہ و معصومہ جس کی تعیین و تاویل پر خود ائمہ آل علیؓ متفق نہیں' امت مسلمہ کی غیر شیعہ اکثریت کے لئے کیونکر واجب و لازم قرار پا سکتی ہے ؟

جب کہ اس کے برعکس امت مسلمہ کی نوے فیصد سے زائد اکثریت پر مشتمل ''اہل السنّت والجماعت'' نہ صرف قرآن مجید' کتب حدیث و سنت رسولؐ (موطا امام مالک و مسند احمد و صحاح ستہ نیز دیگر کتب بہ روایات جملہ صحابہ کرامؓ) اور ایک لاکھ سے زائد اصحاب رسولؐ پر مشتمل پوری جماعت صحابہؓ پر متفق و متحد ہیں' بلکہ امامت و خلافت ابوبکر و عمر و عثمان و علی و حسن و معاویہ رضی اللہ عنہم نیز ائمہ اربعہؒ اور مشترکہ ذخیرہ فقہ و تفسیر و دیگر علوم دین پر بھی متحد و متفق ہیں۔ حتی کہ ''اھل سنت'' اپنے جملہ سلاسل روحانیت و تصوف (سہروردی' قادری' چشتی' نقشبندی' اویسی' سلسلہ ابن عربی وغیرہ) کی حقانیت پر بھی بطور مجموعی متفق و متحد ہیں۔اور ساتھ ہی اہل تشیع کے مذکورہ وغیر مذکور ائمہ کرام کو بھی غیر منصوص وغیر معصوم' صحیح العقیدہ اکابر امت تسلیم کرتے ہوئے ان سے منسوب منفی وغلط روایات و معتقدات کو باطل قرار دیتے ہیں۔

بہر حال اس اعتراض و سوال سے قطع نظر اب فکر شیعی میں یزید (علیؓ و حسنینؓ تا علی بن حسینؓ) کے حوالہ سے اقوال و روایات اہل تشیع ملاحظہ ہوں :-

---

۱- سیدنا علیؑ بن ابی طالب الھاشمی القرشی

(م ۴۰ ھ، کوفہ)

سیدنا علیؑ بن ابی طالب سیدنا ابوبکرؓ عمرؓ و عثمانؓ کے بعد امت کے چوتھے امام و خلیفہ اور اہل تشیع کے اول امام منصوص و معصوم ہیں۔ آپ کی ذات گرامی وہ مرکز و محور ہے جس کے ایک جانب ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ وابو العاصؓ اور دوسری جانب سیدہ عائشہؓ و طلحہؓ و زبیرؓ ہیں۔ تیسری جانب معاویہؓ و عقیلؓ وعمرو بن العاصؓ و یزید اور چوتھی جانب حسنؓ و حسینؓ و ابن الحنفیہؒ ومحمد بن ابی بکرؓ و مالک الاشتر ہیں۔ لہذا موضوع زیر بحث کی مناسبت سے اس پس منظر و پیش منظر کا مختصر جائزہ اور علیؑ و اولاد علیؑ کا اجمالی تذکرہ ضروری ہے:۔

"فأولاد أمير المؤمنين عليه السلام ستة و عشرون ولداً ذكراً و أنثى:۔

الحسن عليه السلام والحسين عليه السلام و زينب الكبرى و زينب الصغرى المكناة بأم كلثوم– أمهم فاطمة البتول سيدة نساء العالمين بنت سيدالمرسلين و خاتم النبين محمد النبي صلى الله عليه وآله وسلم–

ومحمد المكنى بأبى القاسم أمه خولة بنت جعفر بن قيس الحنفية.

و عمر و رقيته كانا توأمين' أمهما حبيبة بنت ربيعة.

والعباس و جعفر و عثمان و عبدالله' الشهداء مع أخيهم الحسين عليه السلام بطف كربلا –أمهم أم البنين بنت حزام بن خالد بن دارم.

ومحمد الأصغر المكنى بأبى بكر' وعبدالله الشهيدان مع أخيهما الحسين عليه' السلام بالطف–أمهما ليلى بنت مسعود الدارمية.

ويحيى – أمه أسماء بنت عميس الخثعمية رضى الله عنها.

وأم الحسن و رملة أمهما أم سعيد بنت عروة بن مسعود الثقفى.

ونفيسة و زينب الصغرى وأم هانى و أم الكرام وجمانة المكناة بأم جعفر وأمامة وأم سلمة و ميمونة وخديجه و فاطمة . رحمة الله عليهن لأمهات شتى.

وفى الشيعة من يذكر أن فاطمة عليها السلام أسقطت بعد النبى صلى الله عليه وآله وسلم ذكراً كان سماه رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم و هو حمل محسناً. فعلى قول هذه الطليفة أولاد أميرالمؤمين صلى الله عليه وآله وسلم ثمانية وعشرون ولدا. والله أعلم وأحكم–

الشيخ المفيد كتاب الارشاد ج ١ ص ٣٥٥–٣٥٦ ذكر أولاد أميرالمؤمنين وعدد أسماهم و مختصر من اخبارهم. إيران انتشارات علمية إسلامية ١٣٨٧ ه).

ترجمہ :– امیر المؤمنین علیہ السلام کی اولاد' لڑکے اور لڑکیاں 'کل چھبیس بچے تھے :–

حسن علیہ السلام و حسین علیہ السلام و زینب الکبری و زینب الصغری' جن کی کنیت "ام کلثوم" ہے–ان سب کی والدہ نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم 'سید المرسلین و خاتم النبیین کی بیٹی تمام جہانوں کی عورتوں کی سردار فاطمہ البتول ہیں–

اور محمد جن کی کنیت ابو القاسم ہے–ان کی والدہ خولہ بنت جعفر بن قیس حنفیہ ہیں–

اور عمرو رقیہ جو دونوں جڑواں ہیں–ان کی والدہ ام حبیب بنت ربیعہ ہیں–

اور عباس و جعفر و عثمان و عبداللہ جو اپنے بھائی حسین علیہ السلام کے ساتھ ارض کربلا میں شہید ہوئے–ان کی والدہ ام البنین بنت حزام بن خالد بن دارم ہیں–

اور محمد الاصغر جن کی کنیت ابو بکر ہے–نیز عبید اللہ' جو دونوں اپنے بھائی حسین علیہ السلام کے ساتھ کربلا میں شہید ہوئے–ان کی والدہ لیلی بنت مسعود الدارمیہ ہیں–

اور یحییٰ جن کی والدہ اسماء بنت عمیس خثعمیہ رضی اللہ عنہا ہیں۔

اورام الحسن و رملہ، جن کی والدہ ام سعید بنت عروہ بن مسعود الثقفی ہیں۔

نیز نفیسہ وزینب الصغریٰ وام ھانی وجمانہ (کنیت ام جعفر) و امامہ و ام سلمہ و میمونہ وخدیجہ وفاطمہ رحمۃ اللہ علیھن۔ جن کی مائیں مختلف خواتین ہیں۔

اور بعض شیعہ ذکر کرتے ہیں کہ فاطمہ علیھا السلام کے ایک بچہ کا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اسقاط ہو گیا تھا۔ جس کا نام رسول اللہ علیہ وسلم نے حمل کی حالت میں محسن رکھا تھا۔ پس اس گروہ کے قول کے مطابق امیر المؤمنین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بچے اٹھائیس قرار پاتے ہیں۔ پس اللہ ہی بہتر جانتا ہے اور وہی سب سے بڑھ کر فیصلہ کن ہے۔

شیعہ عالم ومؤرخ جمال الدین عنبہ نے سیدنا علیؓ کے چھتیس بچوں کاذکر کیا ہے۔ تاہم شیخ مفید جیسے اکابر شیعہ کے مطابق بھی کم از کم تعداد چھبیس قرار پاتی ہے :-

"لأمیرالمؤمنین فی اکثر الروایات ستة و ثلاثون ولداً— ثمانیة عشر ذکراً وثمانیة عشر أنثی" .

(جمال الدین عنبة' عمدة الطالب فی أنساب آل ابی طالب' طبع لکھنو' ص ٤٤).

ترجمہ :- اکثر روایات کے مطابق امیر المؤمنین (علیؓ) کے چھتیس بچے تھے۔ اٹھارہ لڑکے اور اٹھارہ لڑکیاں۔

ا۔ قرابت علیؓ ہاشمی وابوالعاصؓ اموی، قرشی

سیدنا ابوالعاصؓ بن ربیع الاموی القرشیؓ، سیدہ زینبؓ بنت رسولؐ کے شوہر اور اول داماد رسولؐ ہیں۔ آپ ام المؤمنین سیدہ خدیجہؓ کے بھانجے اور سیدہ زینبؓ و رقیہؓ وام کلثومؓ و فاطمہؓ دختران رسول کے خالہ زاد ہیں۔ سیدہ فاطمہؓ کی وفات کے بعد ان کی

وصیت کے مطابق سیدنا علیؓ نے اول نواسی رسولؐ سیدہ امامہ بنت ابی العاصؓ سے شادی کی اور داماد ابوالعاص بنے۔ جبکہ سیدہ امامہؓ کے بھائی علیؓ بن ابی العاصؓ اموی قرشی' سب سے بڑے نواسہ رسولؐ اور شہید جہاد یرموک (بروایت ابن عساکر) ہیں۔ نیز متعدد روایات کے مطابق حالت شباب فتح مکہ کے موقع پر ردیف رسولؐ (آپ کے پیچھے اونٹنی پر سوار) تھے۔

(ابن الاثیر' اسد الغابة فی معرفة الصحابة ' تحت علی بن ابی العاص. وراجع کتاب نسب قریش للزبیری' والإصابة لابن حجر والاستیعاب لابن عبدالبر تذکرة ابی العاص و علی بن ابی العاص).

شیعہ عالم ومؤلف عباس قمی' نواسی رسولؐ سیدہ امامہؓ کے بطن سے علیؓ بن ابی طالب کے محمد اوسط نامی فرزند کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :-

"ومحمد اوسط که مادر او امامه دختر زینب دختر رسول خدا صلی الله علیه وآله بوده".

(عباس قمی' منتهی الآمال' ج ۱' ص ۱۸۸' در ذکر اولاد و زوجات امیرالمؤمنین).

ترجمہ :- اور محمد اوسط (بن علیؓ) جن کی والدہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کی بیٹی زینب کی صاحبزادی امامہ تھیں۔

عباس قمی مزید رقمطراز ہیں :-

" و بعد از آنکه حضرت فاطمه علیہا السلام از دنیا رحلت فرمود بنابر وصیت' آنحضرت امامه دختر خواہر آں مخدره را تزویج کرد۔ وبروایتی تزویج امامه پس از سه شب گزشته از وفات حضرت فاطمه علیہا السلام واقعه شد۔ وچوں امیر المؤمنین شهید گشت' چہار زن وہجده تن ام ولد از آنجناب باقی مانده بود۔ واسامی ایں چہار زن چنیں بشمار رفته :-

امامه و اسماء بنت عمیس و لیلی التمیمیه و ام البنین"۔

(عباس قمی' منتهی الآمال' ج ۱' ص ۱۸۸۔ در ذکر اولاد وزوجات امیر المؤمنین).

ترجمہ :- حضرت فاطمہ علیہا السلام کے دنیا سے رحلت فرمانے کے بعد ان کی وصیت کے مطابق آنحضرت (علیؑ) نے ان پاکیزہ خاتون کی بہن کی بیٹی سے شادی کرلی۔ اور ایک روایت کے مطابق امامہ سے شادی حضرت فاطمہ علیہا السلام کی وفات کے بعد تین راتیں گزر جانے پر کی۔ جب امیر المؤمنین (علیؑ) شہید ہوئے تو آپ کی چار بیویاں اور اٹھارہ "ام ولد" (کنیزیں جو آپ کی اولاد کی مائیں ہیں) موجود تھیں۔ان چار بیویوں کے نام اس طرح شمار کئے گئے ہیں :-

امامہ واسماء بنت عمیس ولیلی التمیمیہ وام البنین۔

نواسی رسولؐ سیدہ امامہؓ زوجہ علیؓ کے نام پر سیدنا علیؓ کی ایک بیٹی کا نام امامہ تھا۔ (مفید' ارشاد ۲/۵۶۲)- علاوہ ازیں دیگر ائمہ شیعہ کی بیٹیوں کے نام بھی اسی مناسبت سے امامہ تھے :-مثلاً نویں اثنا عشری امام محمد التقی کی ایک بیٹی کا نام امامہ تھا :-

"وخلف بعده من الولد علياً إبنه والإمام من بعده' و موسى و فاطمة وأمامة' إبنتيه". (مفيد' ارشاد' ج ۲ 'ص ۲۸٤)-

ترجمہ :-اور آپ (محمد تقی) نے اپنے بعد جو اولاد چھوڑی اس میں آپ کے فرزند علی (نقی) ہیں جو آپ کے بعد امام بھی ہیں' نیز موسیٰ اور دو بیٹیاں فاطمہ و امامہ شامل ہیں۔

۲- قرابت علیؓ و ابوبکرؓ

ا- نبی صلی اللہ علیہ وسلم داماد ابوبکرؓ (والد سیدہ عائشہؓ ام المؤمنین) اور علیؓ چچازاد و داماد رسولؐ تھے-علاوہ ازیں سیدنا ابوبکرؓ نے سیدنا علیؓ کے بھائی جعفرؓ بن ابی طالب کی شہادت کے بعد ان کی بیوہ سیدہ اسماء بنت عمیسؓ سے نکاح کیا- جن سے محمد بن ابی بکرؓ پیدا ہوئے-سوفات ابوبکرؓ (۲۲ جمادی الثانیہ ۱۳ھ) کے بعد ان کی بیوہ اسماء بنت عمیسؓ سے سیدنا علیؓ نے شادی کی- اور محمد بن ابی بکرؓ نے اپنی والدہ کے ہمراہ خانہ علیؓ میں پرورش

پائی :-

"محمد بن ابی بکر ابن ابی قحافہ جلیل القدر عظیم المنزلہ از خواص امیر المؤمنین علیہ السلام و از حواریین آنحضرت بلکہ بمنزلہ فرزند آنحضرت است، چہ آنکہ مادرش اسماء بنت عمیس کہ اول زوجہ جعفر بن ابی طالب بود و بعد از جعفر زوجہ ابی بکر شد۔ و محمد را در سفر حجۃ الوداع متولد نمود- و بعد از ابی بکر زوجہ حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام شد- لاجرم محمد در حجر امیر المؤمنینؑ تربیت شد و پدری غیر آنحضرت نشناخت - حتی آنکہ امیر المؤمنین علیہ السلام فرمود :- محمد فرزند من است از صلب ابوبکر۔

و محمد در جمل و صفین حضور داشت - و بعد از صفین امیر المؤمنین علیہ السلام او را حکومت مصر عطا فرمود، در سن ۳۸، سی و ہشتم"-

(عباس قمی، منتہی الآمال، ج اول ص ۲۱۴، ذکر حال محمد بن ابی بکر بن ابی قحافہ، ایران، سازمان انتشارات جاوداں ۸۸-۱۳۸۹ھ)-

ترجمہ :- محمد بن ابی بکر بن ابی قحافہ امیر المؤمنین علیہ السلام کے خواص میں جلیل القدر و عظیم المرتبت ہیں- نیز آنحضرت (علیؑ) کے حواریوں میں شامل بلکہ ان کے فرزند کی حیثیت کے حامل ہیں- کیونکہ ان کی والدہ اسماء بنت عمیس جو پہلے جعفر بن ابی طالب کی بیوی تھیں، جعفر کے بعد زوجہ ابی بکر بنیں- اور حجۃ الوداع کے سفر میں محمد کو جنم دیا- ابی بکر کے بعد امیر المؤمنین علیہ السلام کی زوجہ بنیں- چنانچہ محمد نے امیر المؤمنینؑ کی گود میں پرورش پائی- اور آنجناب کے علاوہ کسی باپ سے متعارف نہ تھے- یہانتک کہ امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا کہ :- محمد میرا بیٹا ہے اور ابو بکر کی صلب سے ہے-

محمد جنگ جمل و صفین میں موجود تھے اور امیر المؤمنین علیہ السلام نے جنگ صفین کے بعد انہیں سن اڑتیس (۳۸) میں مصر کی حکومت (گورنری) عطا فرمائی-

شیعی روایت کے مطابق محمد بن ابی بکر جناب علی بن حسینؑ کے خالو بھی تھے :-

وأمه شاه زنان بنت يزد جرد بن شهريار بن كسرى. ويقال: إن

اسمها کان شهربانویه– و کان أمیرالمؤمنین علیه السلام ولی حریث بن جابر الحنفی جانبا من المشرق فبعث الیه إبنتی یزدجرد بن شهریار بن کسری. فنحل إبنه الحسین علیه السلام شاه زنان منهما ' فأولدها زین العابدین علیه السلام. ونحل الأخری محمد بن ابی بکر فولدت له القاسم بن محمد بن ابی بکر ' فهما ابنی خالة".

(الشیخ المفید 'الارشاد' ج ۲' ص ۱۳۸ 'ایران' ۱۳۸۷ھ)

ترجمہ :– ان (علی زین العابدین) کی والدہ شاہ زنان بنت یزدگرد بن شہریار بن کسریٰ ہیں– یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کا نام "شہربانو" تھا– امیرالمؤمنین علیہ السلام نے حریث بن جابر حنفی کو بلاد مشرق کے ایک حصہ کا والی مقرر کیا تھا– چنانچہ انہوں نے یزدگرد بن شہریار بن کسریٰ کی دو بیٹیاں آپ کی طرف بھجوائیں– پس آپ کے بیٹے حسین علیہ السلام نے ان دونوں میں سے شاہ زنان کا مہر ادا کیا اور ان سے زین العابدین علیہ السلام پیدا ہوئے– اور دوسری کا مہر محمد بن ابی بکر نے ادا کیا اور انہوں نے آپ کے بیٹے قاسم بن محمد بن ابی بکر کو جنم دیا– چنانچہ یہ دونوں خالہ زاد ہیں–

۳– قرابت علیؓ و عمرؓ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم داماد عمرؓ (والدہ سیدہ حفصہؓ ام المؤمنین) اور علیؓ چچازاد و داماد رسولؐ تھے– نیز بعد ازاں عمر فاروقؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں نواسی رسولؐ ام کلثومؓ بنت علیؓ سے شادی کی اور داماد علیؓ بنے :–

" واما ام کلثوم حکایت تزویج او باعمر درکتب مسطور است. و بعد ازاو ضجیع عون بن جعفر و از پس او زوجه محمد بن جعفر گشت".

(عباس قمی' منتهی الآمال' ج ا' ص ۱۸۶' ایران' ۱۳۸۷ھ).

ترجمہ :– ام کلثوم کی عمر سے شادی کا واقعہ کتابوں میں تحریر شدہ ہے– اور

ان کی وفات کے بعد وہ عون بن جعفر کی بیوی بنیں۔ نیز ان کے بعد محمد بن جعفر کی زوجہ بنیں۔

نواسی رسول سیدہ ام کلثوم ؓ کے بطن سے سیدنا عمر فاروق ؓ کے دو بچے زید اور رقیہ پیدا ہوئے۔ بعض شیعی روایات میں صرف بیٹے کا ذکر ہے :-

" زینب و ام کلثوم از فاطمه زهرا علیها السلام هستندکه زینب رابه عبدالله بن جعفر طیار' و ام کلثوم رابه عمر بن خطاب بزنی داد۔ و زید بن عمر از اوست "۔

(علی اکبر دهخدا' لغت نامه' ج ۱۹ ' ص ۸۰ ' تحت " علی " تهران' تیرماه ۱۳٤۲ هجری شمسی' زیر نظر دکتر محمد معین).

ترجمہ :- زینب اور ام کلثوم 'فاطمہ زہرا علیہا السلام کے بطن سے ہیں۔ (علی ؓ نے) زینب کی شادی عبداللہ بن جعفر طیار اور ام کلثوم کی عمر بن خطاب سے کی۔ زید بن عمر ان کے بطن سے ہیں۔

۴- قرابت علیؓ و عثمانؓ

سیدنا عثمانؓ بن عفان کی والدہ سیدنا علیؓ کی پھوپھی سیدہ ام حکیم البیضاء بنت عبدالمطلب (زوجہ کریز بن ربیعہ اموی قرشی) کی بیٹی تھیں۔ اس طرح عثمانؓ سیدنا علیؓ کی پھوپھی زاد بہن کے فرزند تھے۔ نیز عثمانؓ ذوالنورینؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دوہرے داماد اور یکے بعد دیگرے سیدہ فاطمہؓ (م ۱۱ھ) کی دو بڑی بہنوں سیدہ رقیہؓ (م ۲ھ) اور سیدہ ام کلثومؓ (م ۹ھ) کے شوہر تھے۔ اس طرح عثمانؓ و علیؓ باہم ہم زلف تھے :-

سیدنا علیؓ سیدنا عثمانؓ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن کا بیٹا اور دہرا داماد رسولؐ ہونا یاد دلاتے ہوئے فرماتے ہیں :-

" وأنت أقرب إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم و شيجة رحم

منهما وقد نلت من صهره مالم ينالا".

(نهج البلاغة' مصر' ج ۲' ص ۸۵).

ترجمہ :- اور آپ (عثمان) باہم رشتہ داری کے لحاظ سے ان دونوں (ابوبکرؓ و عمرؓ) کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب تر ہیں- نیز آپ کو ان کی دامادی کا شرف حاصل ہے جو ان دونوں کو حاصل نہیں-

مفکر ایران ڈاکٹر علی شریعتی سیدنا عثمانؓ کی سیدہ رقیہؓ بنت رسولؐ کے ہمراہ حبشہ ثم مدینہ کی جانب دوہری ہجرت اور آپ کا دہرا داماد رسولؐ ہونا بتلاتے ہوئے رقمطراز ہیں :-

"وعثمان مهاجر ذوهجرتین اسلام است وداماد ذوالنورین پیغمبر".

(علی شریعتی' فاطمہ' فاطمہ است' ص ۱۷۶' سازمان انتشارات حسینیہ ارشاد' تہران' طبع ثانی' تیر ماہ ۱۳۵۶).

ترجمہ :- اور عثمان جو اسلام میں دو ہجرتیں کرنے والے ہیں- نیز پیغمبر کے داماد ذوالنورین ہیں-

سیدنا عثمان کے "ذوالنورین" (دو نوروں والا) ہونے کی تشریح کرتے ہوئے ڈاکٹر علی شریعتی لکھتے ہیں :-

"شوهر رقیه و سپس شوهر ام کلثوم دختران پیغمبر".

(علی شریعتی' فاطمه فاطمه است' ص ۱۷۶' حاشیه ۱).

ترجمہ :- رقیہ کے شوہر' پھر ان کے بعد ام کلثوم کے شوہر' جو دونوں پیغمبر کی بیٹیاں ہیں-

معروف شیعہ عالم و مؤلف صاحب "مسالک الافہام" غیر ہاشمی مرد سے فاطمی و ہاشمی سید زادی کی شادی جائز ہونے کے دلائل دیتے ہوئے دختران رسولؐ سیدہ زینبؓ و رقیہؓ و ام کلثومؓ نیز دختر سیدہ فاطمہؓ و دختران حسینؓ کی شادیوں کا یوں تذکرہ فرماتے ہیں :-

وزوج النبی إبنته عثمان' وزوج إبنته زینب بأبی العاص

ولیسا من بنی هاشم=

وکذلك زوج علی إبنته أم کلثوم من عمر.

وتزوج عبدالله بن عثمان فاطمة بنت الحسین.

وتزوج مصعب بن الزبیر أختها سکینة.

وکلهم من غیر بنی هاشم.

(زین الدین' مسالك الأفهام شرح شرائع الإسلام للحلی' ج ١ ص ١٢٠ طبع طهران).

ترجمہ :- اور نبی نے اپنی بیٹی (رقیہ ثم ام کلثوم) کی عثمان سے شادی کی- نیز اپنی بیٹی زینب کی ابوالعاص سے شادی کی- اور یہ دونوں بنو ہاشم میں سے نہیں ہیں-

اسی طرح علی نے اپنی بیٹی ام کلثوم کی شادی عمر سے کی-

نیز عبداللہ بن عثمان نے فاطمہ بنت حسین سے اور مصعب بن زبیر نے ان کی ہمشیرہ سکینہ سے شادی کی-

جبکہ یہ سب غیر ہاشمی ہیں-

پس عثمانؓ بن عفان سیدنا علیؓ کے ہم زلف، اور اولاد سیدہ فاطمہؓ (حسنؓ و حسینؓ و زینبؓ و ام کلثومؓ) کے خالو تھے- نیز رشتہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا علیؓ کے بھانجے بھی تھے- وفات سیدہ رقیہؓ وام کلثومؓ کے بعد آپ کی ایک زوجہ سیدہ نائلہ فرافصہؓ تھیں- جن کی انگلیاں آپ کی شہادت (١٨ ذوالحجہ ٣٥ھ) کے موقع پر آپ کی جان بچاتے ہوئے قاتلین کے ہاتھوں شہید ہوئی تھیں- اور وہ طلب قصاص عثمانؓ میں سرفہرست تھیں :-

"حضرت عثمانؓ کی زوجہ محترمہ سیدہ نائلہ کے خط کے مضمون سے: جو انہوں نے اپنے عالی مقام شوہر کی مظلومانہ شہادت کے بعد ہی حضرت معاویہؓ کو قاصد کے ہاتھ بھیجا تھا اور اپنے چشم دید واقعات تحریر کئے تھے' ان حالات کا انکشاف ہوتا ہے جو اکثر تاریخ میں بیان نہیں ہوئے- یہ خط شعبی اور مسلمہ بن محارب' نیز حضرت معاویہؓ کے پروتے

حرب بن خالد بن یزید بن معاویہؓ کی اسناد سے ایک شیعہ مؤلف یعنی ابوالفرج الاصبھانی متوفی ۳۵۶ھ نے اپنی مشہور کتاب "اغانی" (ج۱۰ ص۶۸) میں درج کیا ہے- ابتدائی فقرات کے بعد خط کا مضمون یہ بتایا گیا ہے :-

----

مضمون خط سیدہ نائلہؓ بیوہ حضرت عثمانؓ

" وإنی قدأقص علیکم خبره لأنی کنت مشاهدة أمره کله حتی قضی الله علیه ".

إن أهل المدینة حصروه فی داره یحرسونه لیلهم و نهارهم' قیاماً علی أبوابه بسلاحهم' یمنعونه کل شیئی قدروا علیه' حتی منعوه الماء' یحضرونه الأذی ویقولون له الإفك—

وأهل مصرإمتدوا أمرهم إلی محمد بن أبی بکر و عمار بن یاسر— و کان علی مع المحضبین من أهل المدینة ولم یقاتل مع أمیرالمؤمنین' ولم ینصره ولم یأمر بالعدل الذی أمرالله تبارك و تعالی به—

فظلت تقاتل خزاعة و سعد بن بکر وهذیل و طوائف من مزینة و جهینة — ولاأری سائرهم ولکنی سمیت لکم الذین کانوا أشد الناس إلیه فی أول أمره و آخره=

ثم انه رمی بالنبل والحجارة' فقتل ممن کان فی داره ثلاثة نفر' فأتوه یصرخون إلیه لیأذن لهم فی القتال فنهاهم عنه' وأمرهم أن یردوا علیهم نبلهم' فردوها إلیهم' فلم یزدهم ذلك علی القتال إلاجراءة و فی الأمر إلا إغراءً—

ثم أحرقوا باب الدار' فجاء هم ثلاثة نفر من أصحابه فقالوا :-

إن فی المسجدناساً یریدون أن یاخذوا أمرالناس بالعدل' فاخرج إلی المسجد حتی یأتوك— فانطلق فجلس فیه ساعة' و أسلحة

القوم مظلة عليه من كل ناحية' ماأرى أحداً يعدل- فدخل الدار' وقد كان نفر من قريش على مامنهم السلاح' فلبس درعه وقال لأصحابه: لولا أنتم' مالبست درعاً= فوثب عليه القوم فكلمهم ابن الزبير' وأخذ عليهم ميثاقاً فى صحيفة وبعث بها إلى عثمان أن عليكم عهدالله وميثاقه ألا تغزوه بشئ فكلموه فخرجوا' فوضع السلاح-

فلم يكن إلا وضعه حتى دخل عليه القوم' يقدمهم إبن أبى بكر' حتى أخذوا بلحيته و دعوا باللقب- فقال : أنا عبدالله وخليفته- فضربوه على رأسه ثلاث ضربات' وطعنوه فى صدره ثلاث طعنات' و ضربوه على مقدم الجبين فوق الأنف ضربة أسرعت فى العظم- فسقت عليه وقد أثخنوه وبه حياة - وهم يريدون قطع رأسه ليذهبوا به = فأتتنى بنت شيبة بن ربيعة ' فألقت نفسها معى عليه' فتوطئونا وطأ شديداً وعرينا من ثيابنا' و حرمة أميرالمؤمنين أعظم' فقتلوه' رحمة الله عليه' فى بيته' وعلى فراشه' وقد أرسلت اليكم بثوبه' وعليه دمه-

وإنه لئن كان إثم من قتله' لما سلم من خذله- فانظروا أين أنتم من الله عزوجل؟ فإنا نشتكي مامنا إليه' ونستنصروليه وصالح عباده-

میں ان کا پورا واقعہ تم سے بیان کرتی ہوں' جو میرا اپنا چشم دید ہے-اہل مدینہ نے ان کے گھر کا چاروں طرف سے پورا سخت مسلح محاصرہ کر رکھا تھا- دن رات دروازوں پر پہرا تھا- ہرگز کوئی چیز یہانتک کہ پانی سے بھی منع کر دیا تھا-ان پر الزامات لگاتے' بہت گالیاں دیتے تھے-

مصری جماعت کے سرغنہ محمد بن ابی بکر اور عمار بن یاسر تھے-اور علی بھی مدینہ میں لوگوں کے ساتھ تھے-انہوں نے نہ امیرالمؤمنین کی کوئی مدد کی' نہ ان کی جانب سے لڑے' اور نہ انہوں نے اس عدل سے کام لیا'جس کا حکم اللہ تبارک و تعالی نے دیا ہے-

خزاعہ 'سعد بن بکر' ہذیل' مزینہ وجہینہ کے قبائل لڑائی کرتے رہے۔ سب نہ سہی اکثر ضرور تھے۔ میں نے ان میں سے جو شدید تھے' ان کے نام لکھ دیئے ہیں۔

ان لوگوں نے گھر میں تیر اور پتھروں کی بھرمار کر دی۔ تین آدمی گھر میں قتل ہو گئے۔ مجبور ہو کر گھر کے اور آدمیوں نے عثمانؓ سے لڑائی کی اجازت مانگی۔ انہوں نے اجازت نہیں دی' بلکہ حکم دیا کہ تیر دشمنوں کو واپس کر دو۔ مگر اس سے وہ کچھ نرم نہ پڑے' بلکہ اور دلیر ہو گئے۔

پھر انہوں نے دروازہ میں آگ لگا دی۔ آخر تین آدمیوں کی کوشش سے مسجد میں ان لوگوں کے سامنے مصالحت کے لئے رو در رو بات کرنے کے لئے بلوایا۔ وہ اسلحہ کے سایہ میں تھوڑی دیر بیٹھے رہے۔ نتیجہ کچھ نہ نکلا۔ اور پھر وہ گھر واپس آ گئے۔ اس وقت سب قریش مسلح تھے۔ عثمانؓ نے بھی زرہ پہن لی تھی' یہ کہہ کر کہ میں تمہاری وجہ سے پہنتا ہوں ورنہ مجھے اس کی ضرورت نہ تھی۔ اتنے میں ان پر حملہ کیا گیا۔ ابن زبیرؓ نے ان لوگوں کو سمجھایا اور ان سے تحریری معاہدہ کیا' جس میں پختہ عہد کیا گیا تھا کہ اب کوئی حملہ نہ ہو گا۔ وہ باز آ گئے۔ ابن زبیرؓ نے بھی ہتھیار اتار دیئے۔

مگر فوراً موقع پا کر ان لوگوں کی ایک جماعت نے جس کے آگے محمد بن ابو بکر تھے' اندر آ کر حملہ کر دیا۔ اور آتے ہی ڈاڑھی پکڑ لی اور گالی دی۔ (حضرت) عثمان نے کہا کہ میں تو اللہ کا بندہ اور اس کا خلیفہ ہوں۔ اسی اثناء میں ان لوگوں نے تین وار نیزے کے آپ کے سینے پر کئے اور تین وار سر پر کئے۔ اور ایک تلوار سر کے اگلے حصے پر ایسی ماری کہ ہڈی تک بیٹھ گئی۔ میں عثمان پر چھا گئی تاکہ ان کو بچا سکوں۔ کیونکہ انہوں نے آپ کو لہولہان کر دیا تھا اور ابھی آپ زندہ تھے۔ اور وہ سر کاٹ کر لے جانا چاہتے تھے۔ اتنے میں شیبہ بن ربیعہ کی بیٹی بھی عثمان پر چھا گئی۔ ان لوگوں نے ہم دونوں کو کھینچ کر زمین پر پٹخ دیا اور ہمارے کپڑے پھاڑ دیئے۔ مگر عثمانؓ کی حرمت کے آگے ہمیں اپنی عزت کی پرواہ نہ تھی۔ اس طرح ان کے بستر پر' ان کے گھر میں ان کو مار ڈالا۔ میں ان کا خون لگا کرتہ تم کو بھیجتی ہوں۔

اگر قاتل مجرم ہیں تو وہ بھی مجرم ہیں' جنہوں نے انہیں رسوا ہوتے دیکھا اور مدد

نہ کی۔اب سوچ لو' خدا کو منہ دکھانا ہے۔فریاد ہے۔مصیبت کا پہاڑ ہم پر ٹوٹ پڑا ہے۔
عثمانؓ کے ولی اور اللہ کے نیک بندوں سے مدد کے طالب ہیں۔
(نائلہ بیوہ عثمانؓ)

مضمون خط کے بیان کرنے میں راویوں سے سہوا یا عمدا کوئی غلطی بھی ہوئی ہو تو خلیفہ وقت کو اس سفاکانہ بے رحمی کے ساتھ ان کے گھر میں گھس کر قتل کرنا' اور اس وقت قتل کرنا جب کہ وہ تلاوت قرآن میں مصروف ہوں' ایسا حادثہ تھا کہ اگر بیوہ عثمان فریادی نہ بھی ہوتیں' قاتلین سے قصاص لینا' خصوصا مقتول کے رشتہ داروں کا نص قرآن کی رو سے فرض اولین تھا۔ حضرت علیؓ اور دوسرے اکابر صحابہؓ کو جو اس وقت مدینہ میں موجود تھے' شاید یہ گمان نہ تھا کہ بلوائی اس فعل شنیع کا ارتکاب کر سکیں گے۔سازش کا الزام تو کسی طرح ثابت نہیں۔بلاذری کی روایت ہے کہ جب حضرت علیؓ اپنے گھر گئے' ان کی بیٹیاں رو رہی تھیں' انہیں دیکھ کر آنسو پونچھنے لگیں۔پوچھا: کیوں رو رہی ہو؟

" قلن: نبکی علی عثمان. فبکی و قال : ابکین۔" (أنساب الأشراف)۔ انہوں نے کہا کہ (خالو) عثمان پر۔(یہ سن کر حضرت علیؓ خود) رونے لگے اور فرمایا:۔ ہاں روؤ۔

(محمود احمد عباسی' خلافت معاویہ ویزید' ص ۳۹۵-۳۹۹' کراچی' جون ۱۹۶۲ء)۔

روایت کے مطابق امیر شام معاویہ بن ابی سفیانؓ نے سیدہ نائلہ کے خط کے ہمراہ ارسال کردہ سیدنا عثمانؓ کا خون آلود کرتہ اور کٹی ہوئی انگلیاں جامع اموی دمشق میں رکھوا دیں۔اہل شام ہزاروں کی تعداد میں ان کی زیارت کرتے اور امام امت و خلیفہ ثالث عثمان ذوالنورینؓ کی مدینۃ الرسولؐ میں دردناک شہادت پر دھاڑیں مار مار کر روتے رہے۔اور انتقام (الثأر الثأر) کی صدائیں بلند کرتے رہے۔چنانچہ امیر شام نے بیعت خلافت علیؓ سے پہلے قصاص عثمانؓ یا قاتلین عثمانؓ (مالک اشتر وغیرہ) کو اہل شام کے حوالے کرنے کا مطالبہ کیا۔ اور یہ تمام صورت احوال نیز بعد ازاں جنگ جمل وصفین

حالت شباب' یزید کے بھی پیش نظر تھی۔

قاتلین عثمانؓ میں شامل محمد بن ابی بکر و مالک الاشتر کو خلافت علوی میں بعض مصالح کی بناء پر مصر وغیرہ کی گورنری کا منصب عطا کیا گیا۔ جبکہ یزید کو مسئول واقعہ کربلا ابن زیاد کو گورنری سے برطرف نہ کرنے کی بناء پر مورد الزام ٹھہرایا جاتا ہے۔اس سلسلہ میں مولانا مودودی سیدنا علیؓ کی بحیثیت خلیفہ راشد بھرپور وکالت کرنے کے باوجود فرماتے ہیں :-

"مالک الاشتر اور محمد بن ابی بکر کو گورنری کا عہدہ دینے کا فعل ایسا تھا جس کو کسی تاویل سے بھی حق بجانب قرار دینے کی گنجائش مجھے نہ مل سکی۔اسی بناء پر میں نے اس کی مدافعت سے معذوری ظاہر کر دی ہے"۔

(ابوالاعلی مودودی' خلافت و ملوکیت' ص ۳۴۸' ادارہ ترجمان القران لاہور' اپریل ۱۹۸۰ء'ضمیمہ سوالات و اعتراضات بسلسلہ بحث خلافت)۔

بہرحال ان قاتلین عثمانؓ کو بعض وجوہ و مصالح کی بناء پر گورنری کا منصب عطا کرنے سے سیدنا علیؓ کو قتل عثمانؓ کا ذمہ دار قرار دینا ہرگز ممکن نہیں۔اور اسی طرح یزید کی جانب سے واقعہ کربلا کے ذمہ دار شیعان کوفہ و ابن زیاد کو بعض وجوہ و مصالح کی بناء پر' علانیہ ملامت ومذمت کے باوجود' سزا نہ دے پانا یا گورنری سے برطرف نہ کرنا' یزید کو قتل حسینؓ کا ذمہ دار نہیں ٹھہراتا۔ جس کی ایک دلیل یہ بھی قابل توجہ ہے کہ ایسی صورت میں ابن زیاد و اہل کوفہ و عراق' سزا سے بچنے کیلئے خلافت یزید کے خلاف بغاوت کر سکتے تھے۔نیز انتقام حسینؓ کی آڑ میں شیعان کوفہ کے قتل عام کا الزام مزید بھی یزید پر عائد ہو سکتا تھا۔ چنانچہ امام و خلیفہ راشد سیدنا علیؓ کی حکمت و سیاست کے تناظر و تسلسل میں تعامل یزید کا تجزیہ و ادراک آسان تر ہو جاتا ہے۔اور اس سوال کا جواب بھی مل جاتا ہے جو ناقدین یزید کی ترجمانی کرتے ہوئے مولانا سید ابوالاعلی مودودی نے درج ذیل الفاظ میں پیش فرمایا ہے :-

"دمشق کے دربار میں جو کچھ ہوا' اس کے متعلق روایات مختلف ہیں۔لیکن اُن سب روایتوں کو چھوڑ کر ہم یہی روایت صحیح مان لیتے ہیں کہ وہ حضرت حسینؓ اور ان کے

ساتھیوں کے سر دیکھ کر آبدیدہ ہو گیا اور اس نے کہا کہ :-

میں حسینؓ کے قتل کے بغیر بھی تم لوگوں کی طاعت سے راضی تھا' اللہ کی لعنت ہو ابن زیاد پر' خدا کی قسم اگر میں وہاں ہوتا تو حسین کو معاف کر دیتا۔

اور یہ کہ :- خدا کی قسم اے حسین! میں تمہارے مقابلے میں ہوتا تو تمہیں قتل نہ کرتا۔

پھر بھی یہ سوال لازماً پیدا ہوتا ہے کہ اس ظلم عظیم پر اس نے اپنے سر پھرے گورنر کو کیا سزا دی؟ حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ اس نے ابن زیاد کو نہ کوئی سزا دی' نہ اسے معزول کیا' نہ اسے ملامت ہی کا کوئی خط لکھا"۔

(ابوالاعلی مودودی' خلافت و ملوکیت' ص ۱۸۱' ادارہ ترجمان القرآن لاہور' اپریل ۱۹۸۰ء۔ روایات مذکورہ بحوالہ "تاریخ الطبری" ۴/ ۳۵۲ و "الکامل" لابن الاثیر ۳ ۲۹۸- ۲۹۹ و" البدایہ والنھایہ" لابن کثیر ۸/ ۲۰۳)۔

بہر حال یزید کے انتہا پسند ناقدین کی طرح سیدنا علیؓ کے ایسے نادان دوستوں (شیعان علیؓ) کی بھی ماضی و حال میں کمی نہیں رہی جو سیدنا علیؓ کو قتل عثمانؓ کا ذمہ دار اور قتل عثمانؓ کو حق بجانب قرار دلوانے پر مصر ہیں۔ اور اس طرح خلافت موئی میں سیدہ عائشہ و طلحہ و زبیر و عقیل و معاویہ رضی اللہ عنہم نیز ان کے رفقاء و مؤیدین ہزاروں صحابہؓ و تابعینؒ کے اقدام طلب قصاص عثمانؓ (جمل و صفین) کو تقویت و سند شیعی فراہم کرنے کا باعث ہیں۔ اس سلسلہ میں "نہج البلاغہ" کے ایک خطبہ علیؓ کی تشریح و توضیح میں قائد "تحریک نفاذ فقہ جعفریہ" پاکستان' مفتی جعفر حسین (م ۲۹' اگست ۱۹۸۳ء) جیسے سنجیدہ شیعہ عالم و محقق کا درج ذیل بیان ملاحظہ ہو' جس کے مطابق صحابہ کرامؓ و امت اسلام قتل عثمان پر متفق تھے۔ (معاذ اللہ)۔

"حضرت عثمان اسلامی دور کے پہلے اموی خلیفہ ہیں جو یکم محرم ۲۴ھ میں ستر برس کی عمر میں مسند خلافت پر متمکن ہوئے اور بارہ برس تک مسلمانوں کے سیاہ و سفید کا مالک بنے رہنے کے بعد انہی کے ہاتھوں سے ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ میں قتل ہو کر حش کوکب میں دفن ہوئے۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ حضرت عثمان کا قتل ان کی کمزوریوں اوران کے عمال کے سیاہ کارناموں کا نتیجہ تھا- ورنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ مسلمان متفقہ طور پر ان کے قتل پر آمادہ اوران کی جان لینے کے درپے ہو جاتے- اور ان کے گھر کے چند آدمیوں کے علاوہ کوئی ان کی حمایت و مدافعت کیلئے کھڑا نہ ہوتا "-

(نہج البلاغہ 'اردو ترجمہ و حواشی از مفتی جعفر حسین' خطبہ ۳۰' حاشیہ ا' ص ۱۷۴' امامیہ پبلی کیشنز' لاہور ۱۹۸۸ء) -

شارح "نہج البلاغہ" مفتی جعفر حسین کے بقول سیدنا علیؓ سے قطع نظر خود سیدہ عائشہ ام المومنینؓ بھی پہلے قتل عثمانؓ کا فتوی دیکر بعد ازاں بغض علیؓ میں طالب قصاص عثمانؓ بن گئیں-(معاذاللہ ثم معاذاللہ)-

" دور ثالث کے بعد حالات نے س طرح کروٹ لی کہ لوگ آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لئے مجبور ہو گئے-حضرت عائشہ اس موقع پر مکہ میں تشریف فرما تھیں- انھیں جب حضرت کی بیعت کا علم ہوا تو ان کی آنکھوں سے شرارے برسنے لگے' غیظ و غضب نے مزاج میں برہمی پیدا کر دی اور نفرت نے ایسی شدت اختیار کر لی کہ جس خون کے بہانے کا فتوی دے چکی تھیں' اسی کے قصاص کا سہارا لے کر اٹھ کھڑی ہوئیں" -

(نہج البلاغہ 'ترجمہ و حواشی مفتی جعفر حسین' خطبہ ۱۵۴' حاشیہ ا' ص ۴۲۴' امامیہ پبلیکیشنز لاہور ۱۹۸۸ء)-

----

۵- قرابت علیؓ و عائشہؓ و طلحہؓ و زبیرؓ

سیدنا علیؓ اختلاف قصاص عثمانؓ کی بناء پر پیش آمدہ جنگ جمل میں ام المؤمنین سیدہ عائشہؓ و طلحہؓ و زبیرؓ کے مدمقابل تھے-سیدہ عائشہؓ زوجہ رسولؐ اور علیؓ داماد رسولؐ تھے-علاوہ ازیں سیدہ عائشہؓ سیدنا علیؓ کے سوتیلے بیٹے (فرزند اسماء بنت عمیسؓ) محمد بن ابی بکرؓ کی بڑی بہن تھیں-

جبکہ نائب امیر لشکر عائشہؓ و شہید جنگ جمل سیدنا زبیرؓ بن العوام یکے از اصحاب عشرہ مبشرہؓ، نبیؐ و علیؓ کی پھوپھی صفیہؓ کے بیٹے، سیدہ خدیجہؓ ام المؤمنین کے بھتیجے اور سیدہ فاطمہؓ کے ماموں زاد تھے۔ نیز آپ داماد ابوبکرؓ (شوہر سیدہ اسماء بنت ابوبکرؓ) ہونے کی بناء پر سیدنا علیؓ کے سوتیلے بیٹے محمد بن ابی بکرؓ اور سیدہ عائشہؓ کے بھوئی تھے۔ اور ان کے ہمراہ لشکر عائشہؓ میں شامل عبداللہ بن زبیرؓ جناب محمد بن ابی بکرؓ کے بھانجے اور نواسہ ابوبکرؓ تھے۔

۔ نائب سیدہ عائشہؓ و شہید جنگ جمل سیدنا طلحہؓ بن عبیداللہ التیمی القرشی یکے از اصحاب عشرہ مبشرہؓ کے داماد سیدنا حسن بن علیؓ ہے۔ اور ان کی وفات (۵۰ھ) کے بعد یہی دختر طلحہؓ (ام اسحاق بنت طلحہؓ) زوجہ حسینؓ بنیں۔ اس طرح سیدنا حسنؓ و حسینؓ دونوں داماد طلحہؓ بن عبیداللہ ہیں :-

"والحسين بن الحسن الملقب بالأثرم' وأخوه طلحة بن الحسن' وأختهما فاطمة بنت الحسن' أمهم أم اسحاق بنت طلحة بن عبيدالله التيمى"۔ (المفيد' الإرشاد' ج ٢' ص ١٦' ذكر ولد الحسن بن على)

ترجمہ :- حسین بن حسن جن کا لقب "اثرم" ہے نیز ان کے بھائی طلحہ بن حسین اور ان دونوں کی ہمشیرہ فاطمہ بنت حسن کی والدہ طلحہ بن عبیداللہ التیمی کی صاحبزادی ام اسحٰق ہیں۔

"وفاطمة بنت الحسين عليه السلام' وأمها أم اسحاق بنت طلحة بن عبيد الله، تيمية"۔

(المفيد' الإرشاد' ج ٢' ص ١٣٧' ذكر ولد الحسين بن على)

ترجمہ :- نیز فاطمہ بنت حسین علیہ السلام جن کی والدہ طلحہ بن عبیداللہ کی بیٹی ام اسحٰق تمیہ ہیں۔

شیعی روایت کے مطابق سیدنا علیؓ نے فرمایا :-

"ولايدعي طلحة الخلافة إلا أنه ابن عم عائشة ، ولا يدعيها الزبير إلا انه صهر أبيها"—

(المفيد' الارشاد' ج ا' ص ۲٤۰' ایران' انتشارات علمیه اسلامیه' ۱۳۸۷ ھ' مع ترجمه و شرح فارسی : ہاشم رسولی محلاتی ـ ترجمہ :— طلحہ اس لئے خلافت کا دعویدار ہے کہ وہ عائشہ کا چچا زاد ہے اور زبیر اس وجہ سے دعویدار ہے کہ وہ ان کے والد کا داماد ہے۔

جنگ جمل میں سیدنا طلحہؓ و زبیرؓ کو لشکر علیؓ میں شامل شیعان کوفہ (ابن جرموز وغیرہ) نے اچانک شہید کر دیا تو شیعی روایت ہی کے مطابق طلحہؓ و زبیرؓ کی لاشیں دیکھ کر روتے ہوئے سیدنا علیؓ نے فرمایا:-

"وددت أني مت قبل هذا اليوم بعشرين سنة"—

(علی شریعتی' قاسطین' مارقین' ناکثین، ص ۱۱۲)—

ترجمہ :۔ کاش میں آج کے دن سے بیس برس پہلے مر گیا ہوتا۔

جنگ جمل میں طلحہؓ و زبیرؓ کی شہادت اور لشکر علیؓ کے غلبہ کے بعد سیدنا علیؓ نے سیدہ عائشہؓ ام المؤمنین کو پورے اکرام و احترام کے ساتھ ان کے بھائی اور اپنے عزیز سوتیلے بیٹے محمد بن ابی بکرؓ کے ہمراہ واپس مدینہ روانہ کیا۔ اور ایک بار پھر قتل عثمانؓ سے اپنی برأت کا اعلان کرتے ہوئے مناسب وقت پر قاتلین عثمانؓ سے قصاص لینے کا عزم دہرایا۔ عصر جدید کے نامور شیعہ عالم و مصنف حامیان و مخالفین سیدہ عائشہؓ بحوالہ جنگ جمل کا ذکر کرتے ہوئے یہ بھی فرماتے ہیں :-

"میں تو خالص شیعی منطق کے ساتھ نظریاتی دنگل کا خاتمہ کرنا چاہتا ہوں۔ یعنی امام علیؓ نے اس جنگ کی ذمہ داری سیدہ عائشہ پر نہیں ڈالی بلکہ انہیں اس سے بری قرار دیا جس کی انہوں نے قیادت کی۔ امام ہی وہ خلیفہ تھے جو لوگوں کے درمیان حق کے مطابق فیصلے فرماتے اور اس سے سر مو انحراف نہ کرتے۔ جب حضرت امام نے یہ ذمہ

داری اس گروہ پر ڈالی جنہوں نے ام المؤمنینؓ کی سادگی سے فائدہ اٹھا کر ایک منتخب شرعی خلیفہ کے خلاف جنگ کی قیادت کے لئے انہیں ان کے گھر سے نکالا- تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ امام علیؓ کی نگاہ میں حضرت عائشہؓ جنگ جمل کے تمام متعلقات اور نتائج سے بری ہیں- یہی وجہ تھی کہ انہوں نے سیدہ عائشہؓ کے ساتھ عزت و احترام سے پیش آنے اور مدینہ واپس پہنچانے کا حکم دیا- جیسا کہ تمام کتب تاریخ متفق ہیں- تاکہ ثابت کر سکیں کہ حضرت امام جو عادل قاضی تھے' کی نگاہ میں سیدہ عائشہ بے گناہ تھیں-اب کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ حضرت امام کے عمل اور رائے کو چیلنج کرتے ہوئے حضرت عائشہؓ پر اعتراض کرے 'یا زبان طعن دراز کرے' کہ حضرت امام جنگ جمل اور ام المؤمنین کی ناکام قیادت پر گفتگو کرتے ہوئے پر زور انداز میں صراحت فرما چکے ہیں :-

ان کا احترام اب بھی پہلے کی طرح واجب ہے- حساب لینا اللہ کا کام ہے-

بہت سے مقامات پر حضرت علیؓ نے اس مسئلہ میں ان لوگوں کو ذمہ دار ٹھہرایا ہے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے ناجائز فائدہ اٹھایا اور آپ کے الفاظ میں' انہیں پیچھے لگا لیا"-

(ڈاکٹر موسی موسوی' الشیعہ والتصحیح اردو ترجمہ بعنوان "اصلاح شیعہ' از ابو مسعود آل امام' ص ۸۱-۸۲'فروری ۱۹۹۰ء)-

جنگ جمل و صفین کے حوالہ سے اہل تشیع سیدہ عائشہؓ و طلحہؓ و زبیرؓ نیز حضرت معاویہؓ کے اقدام طلب قصاص عثمانؓ کو نامناسب ثابت کرنے کے لئے کتب اہل سنت میں وارد بعض احادیث نبویہ سے بھی استدلال کرتے ہوئے اپنے موقف کو محکم و مضبوط بتلاتے ہیں- اور اگرچہ وہ روایات صحابہؓ پر مبنی ہزاروں احادیث پر مشتمل امت مسلمہ کی غالب اکثریت "اہل سنت والجماعت" کی کتب احادیث نبویہ کی شرعی حیثیت تسلیم نہیں کرتے مگر إفحام الخصم بما يفهمه الخصم- (مدمقابل کو اس کی فہم کے مطابق دلائل سے لاجواب کرنا) کے اصول کی بناء پر ان احادیث کتب اہل سنت سے جمل و صفین کے حوالہ سے سیدہ عائشہ و طلحہ و زبیر و معاویہ رضی اللہ عنہم کو مورد

الزام ٹھہرانے میں مدد لیتے ہیں۔لہذا اس سلسلہ میں مختصراً بعض غلط فہمیوں اور خلط مبحث کو دور کرنا ناگزیر ہے۔اس سلسلہ میں جنگ صفین میں لشکر معاویہؓ کو باغی و بر سر باطل ثابت کرنے کے لیئے روایات اہل سنت کے مطابق اس حدیث کو بڑی شدومد سے برہان قاطع کے طور پر بیان کیا جاتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عمار بن یاسرؓ سے فرمایا کہ :۔ تجھے باغیوں کا گروہ قتل کرے گا۔۔(تقتلك الفئة الباغية —الحديث) — اور چونکہ عمار بن یاسرؓ جنگ صفین میں(جس میں فریقین سے تعلق رکھنے والے تقریباً ستر ہزار صحابہؓ و تابعینؒ شہید و مقتول ہوئے) لشکر علیؓ میں تھے' اور بظاہر لشکر معاویہؓ کے کسی فرد کے ہاتھوں شہید ہوئے ' لہذا لشکر علیؓ کا بر حق اور لشکر معاویہؓ کا بر سر باطل ہونا خود روایت اہل سنت کی رو سے لازم قرار پاتا ہے۔

اگر اس طرز استدلال کو بالفرض تسلیم کرتے ہوئے لشکر معاویہؓ کو باغی و بر سر باطل قرار دینے کے شیعی موقف کی تائید پر غور کیا جائے تو اس کے متوازی بالکل اسی طرز استدلال کی بناء پر جنگ جمل میں لشکر سیدہ عائشہؓ وطلحہؓ و زبیرؓ بھی لشکر علیؓ کے مقابلہ میں زیادہ بر سر حق قرار پاتا ہے کیونکہ نبیؐ و علیؓ کی پھوپھی صفیہؓ کے فرزند' سیدہ فاطمہؓ کے ماموں زاد اور سیدہ عائشہؓ کے بہنوئی زبیرؓ بن العوام نیز زوجہ حسنؓ ثم زوجہ حسینؓ سیدہ ام اسحاق تمیہ قرشیہ کے والد طلحہؓ بن عبیداللہ التیمی القرشی دونوں ان دس صحابہ کرامؓ(عشرہ مبشرہ) میں شامل ہیں جنہیں بلسان نبوت جنتی ہونے کی بشارت دی گئی۔ نیز ہر دو حضرات کی شہادت اور قاتل زبیرؓ (لشکر علیؓ میں شامل عمرو ابن جرموز) کے جہنمی ہونے کی پیشن گوئی بھی نبی علیہ السلام نے فرمائی تھی) :۔

۱۔ طلحة فى الجنة و الزبير فى الجنة۔

(خطیب تبریزی' مشکاة المصابیح' باب مناقب العشرة' بروایت ابن ماجة و الترمذی)۔

ترجمہ :۔طلحہ جنتی ہیں۔ اور زبیر جنتی ہیں۔

۲۔ من سره أن ينظر إلى شهيد يمشى على وجه الأرض فلينظر إلى طلحة بن عبيدالله۔

(خطیب' مشکاۃ المصابیح 'باب مناقب العشرۃ بروایت الترمذی)۔

ترجمہ :- جو اس بات سے خوش ہونا چاہے کہ دھرتی کے سینہ پر کسی چلتے پھرتے شہید کی زیارت کرے تو وہ طلحہ بن عبیداللہ کو دیکھ لے۔

۳- قاتل الزبیر فی النار — الحدیث = ۔

ترجمہ :-(زبیر کا قاتل جہنمی ہے)۔

امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ (م ۱۰۳۴ھ - ۱۶۲۴ء سرہند) جنہوں نے برصغیر میں اکبر کے دین الٰہی کے ابطال' تجدید و احیائے دین اور رد روافض و دفاع صحابہؓ کا عظیم الشان فریضہ سرانجام دیا' اپنے مکتوب نمبر ۳۶' جلد دوم میں سیدنا طلحہؓ و زبیرؓ کے مناقب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

"حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنھما جلیل القدر صحابہؓ میں سے ہیں۔ وہ عشرہ مبشرہ میں داخل تھے۔ان پر طعن و تشنیع کسی طرح زیب نہیں دیتی۔اگر کوئی بد نصیب ان حضرات کو لعن طعن کرتا ہے تو وہ خود اسی قسم کے رویہ کا مستحق ہے"۔

یہ وہی طلحہ اور زبیر ہیں جنہیں فاروق اعظمؓ نے ان چھ حضرات میں شامل کیا تھا جو خلیفۃ المسلمین کے انتخاب کے لئے با اختیار صحابہؓ تھے۔پھر انہیں یہ بھی حکم تھا کہ ان چھ میں سے ایک کو خلیفہ منتخب کیا جائے۔ان دونوں حضرات نے اعزازی طور پر اپنے نام واپس لے لئے تھے۔اور ہر ایک نے کہہ دیا تھا :- ہم خلافت نہیں چاہتے۔

یہ وہی طلحہؓ ہیں جنہوں نے اپنی تلوار سے اپنے والد کا سر کاٹ کر حضورؐ کے قدموں میں لا رکھا تھا۔ کیونکہ وہ حضورؐ کی بے ادبی کا مرتکب تھا۔ یہ وہی طلحہ ہیں جن کے اس جذبہ کو خود قرآن نے سراہا ہے۔

یہ وہی زبیرؓ ہیں جن کے قاتل کے حضور علیہ السلام نے قطعی جہنمی ہونے کا اعلان فرمایا تھا۔ اور فرمایا :- قاتل الزبیر فی النار۔

ہمارے خیال میں حضرت زبیر پر لعن طعن کرنے والے آپ کے قاتل سے

کم نہیں ہیں"۔

(پیرزادہ اقبال احمد فاروقی، صحابہ کرامؓ مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی کے آئینے میں، مکتبہ نبویہ، لاہور، ۱۹۹۱ء ص ۳۲ - ۳۳)۔

چنانچہ ان احادیث کی رو سے زوجہ حسینؓ کے والد طلحہؓ شرعاً شہید اور قاتل زبیرؓ (لشکر علیؓ میں شامل عمرو بن جرموز کوفی) جہنمی نیز طلحہؓ و زبیرؓ بلسان نبوت جنتی ہیں۔اور یہ سب دلائل حدیث عمار بن یاسر سے ماخوذ مذکورہ شیعی و نیم شیعی استدلال بسلسلہ بطلان لشکر معاویہؓ (معاذ اللہ) یا أحقیت علیؓ در صفین کی طرح واضح و محکم تر انداز میں بطلان لشکر علیؓ (معاذ اللہ) یا أحقیت لشکر عائشہؓ و طلحہؓ و زبیرؓ در جنگ صفین کے سلسلہ میں متعدد غیر جانبدار محققین کے نزدیک برھان قاطع قرار پاتے ہیں۔ورنہ طلحہؓ و زبیرؓ کا شہید و جنتی ہونا اور قاتل زبیرؓ کا جہنمی ہونا، اور سیدنا حسنؓ ثم حسینؓ (بعد ۵۰ھ) کا داماد طلحہؓ بننا چہ معنی دارد؟

و نعوذ بالله من موقف أعداء الصحابة و أهل البيت أجمعين—

ہزاروں صحابہؓ و تابعین پر مشتمل لشکر سیدہ عائشہؓ و طلحہؓ و زبیرؓ در جنگ جمل کو باطل ٹھہرانے کے لئے اہل تشیع، کتب احادیث و تواریخ اہل سنت سے "حوأب کے کتے بھونکنے" والی روایت بھی پیش کرتے ہیں۔اس سلسلہ میں معروف عالم و صوفی شہید اہل سنت میاں عبد الرشیدؒ، سیدہ عائشہؓ کے اقدام طلب قصاص عثمانؓ و جنگ جمل کے تناظر میں فرماتے ہیں:۔

"تاریخ آیات الٰہی میں سے ایک آیت ہے۔اس کا تقدس محفوظ رکھنا چاہئے۔ ورنہ اس سے عبرت و نصیحت حاصل کرنے کا مقصد فوت ہو جاتا ہے۔

مسلمانوں نے تاریخ کا تقدس برقرار رکھنے کے لئے پوری کوشش کی۔اس کا اصل ماخذ قرآن پاک قرار دیا۔جس کا قابل اعتماد ہونا ہر قسم کے شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ پھر اسماء الرجال کا فن مرتب کیا۔روایت کرنے والے ہر شخص کی فہمیدگی، سچائی کو جانچا اور

پرکھا- یہ بھی دیکھا کہ اس کی پیدائش کس دور کی ہے- اور جو واقعہ وہ بیان کر رہا ہے' وہ کب پیش آیا- لیکن اس کے باوجود شیطان پارٹی نے بعض واقعات کو اس طرح مسخ کیا کہ عوام تو عوام' پڑھے لکھے لوگ بھی فریب میں آگئے- اور صحیح واقعات کی بجائے مسخ شدہ قصے کہانیوں کو واقعات بنا کر آگے بیان کرنے لگے- اس کی بیّن مثال" حوءب" کا ایک واقعہ ہے' جسے ہم ذیل میں بیان کرتے ہیں:-

جناب رسالت مآبؐ نے ۶ سن ہجری میں حضرت زیدؓ بن حارثہ کو ایک سریہ کا سالار مقرر فرما کر بنو فزارہ کی طرف بھیجا- اس سریہ کے دوران ام قرفہ نامی ایک عورت مع اپنی بیٹی ام زمل سلمیٰ گرفتار ہوئی اور مدینہ منورہ لائی گئی- ام قرفہ واجب القتل تھی- وہ اپنے انجام کو پہنچی- اس کی بیٹی ام زمل سلمیٰ بطور لونڈی سیدہ عائشہ صدیقہؓ کو ملی- آپ نے اسے آزاد کر کے اپنے پاس رکھ لیا- ایک روز یہ ام زمل سلمیٰ مدینہ منورہ کی چند اور خواتین کے ہمراہ سیدہ عائشہؓ کے پاس بیٹھی تھی- جناب رسالت مآب تشریف لائے- آنجناب نے ان خواتین کو دیکھ کر فرمایا:-

تم میں سے وہ کون ہوگی جس پر حوءب کے کتے بھونکیں گے؟

کچھ عرصہ بعد ام زمل سلمیٰ اپنے قبیلہ بنو فزارہ میں واپس چلی گئی اور مرتد ہو گئی- (معجم)-

سیدنا صدیق اکبرؓ نے عنان خلافت سنبھالا تو کئی جھوٹے مدعیان نبوت اٹھ کھڑے ہوئے- جن میں سے ایک طلیحہ بن خویلد اسدی تھا- حضرت خالد بن ولیدؓ اس کی سرکوبی پر مامور ہوئے- طلیحہ کے لشکر میں ام زمل سلمیٰ بھی تھی- اسے اپنی ماں کے قتل کا دکھ تھا- حضرت خالدؓ سے شکست کھانے کے بعد طلیحہ یمن کی طرف بھاگ گیا- مگر اس کے حلیف قبائل غطفان' ہوازن وغیرہ کے بچے کھچے لوگ "حوأب" کے مقام پر جمع ہو گئے- انہوں نے اسی ام زمل سلمیٰ کی قیادت میں دوبارہ مقابلہ کی ٹھانی- حضرت خالدؓ کو خبر ملی تو انہوں نے حملہ کر کے اس لشکر کو شکست فاش دی- لڑائی کے دوران ام زمل سلمیٰ کی اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں- سلمیٰ گری اور مقتول ہوئی- (تاریخ اسلام' اکبر نجیب آبادی)-

جناب رسالت مآبؐ "حوأب کے کتے بھونکنے" کی جو بات فرمائی تھی وہ اسی ام زملؓ سلمی کے بارے میں تھی-جو بعد میں مرتد ہو کر اسلامی لشکر کے مقابلہ میں لشکر لے کر آئی اور مقتول ہوئی-

اس بات کو سیدہ عائشہؓ پر منطبق کر کے ان کی شخصیت عظیمہ پر کیچڑ اچھالنے کی مذموم کوشش کی گئی اور اس چابک دستی سے اچھالا گیا کہ آج صحیح واقعہ تو کتب تاریخ سے محو ہے اور من گھڑت داستان زبان زد عوام (بلکہ خواص) ہے"-

(میاں عبدالرشید' نور بصیرت' مطبوعہ روزنامہ "نوائے وقت" لاہور' وراجع : حکیم نیاز احمد' تحقیق عمر عائشہ الصدیقہؓ' مشکور اکیڈمی کراچی' ص ۲۴)-

محمود عباسی "حوأب کے کتے" والی مذکورہ روایت کے متعدد راویان کے رفض وکذب کے بارے میں ائمہ حدیث کے اقوال پیش کرنے کے علاوہ یہ بھی فرماتے ہیں :-

"(۵) قبیلہ الفزارہ کی ایک عورت ام زمل سلمی کی ایک حکایت بیان کی جاتی ہے- جسے یاقوت حموی نے بھی کتاب "معجم البلدان" (ص ۳۵۲'ج ۲) میں "الحوءب" کے تحت لکھا ہے کہ یہ عورت ایام قرفہ میں گرفتار ہو کر آئی اور لونڈی کی حیثیت سے حضرت عائشہؓ کو دیدی گئی-انہوں نے اسے آزاد کر کے اپنے پاس رکھ لیا- پھر یہ اپنی قوم والوں کے پاس واپس چلی گئی اور مرتد ہو گئی-جب حضرت سیف اللہ خالد بن ولیدؓ نے مرتدین کے لیڈر طلیحہ کے خلاف معرکہ آرائی کی تھی' غطفان و ہوازن و اسد و طے قبیلوں کی کثیر جماعت اس عورت کے ساتھ ہو گئی تھی- یہ ایک اونٹ پر سوار تھی- مسلمانوں نے اس کو بھی گھیرے میں لیکر اس کے اونٹ کی کونچیں کاٹ دیں-یہ مع اپنے ساتھیوں کے ہلاک ہو گئی تھی-

اس حکایت میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ "الحوءب" کے کتے بھونکنے کے بارے میں آنحضرت صلعم کا اشارہ اسی عورت کی جانب تھا:-

فكانوا يرون أنها التى عناها النبى صلى الله عليه وسلم — (ص ۳۵۳' ايضاً)—

یہ ہے وہ مکذوبہ روایت جسے علامہ ابن جریر طبری نے اپنے دل کی بیماری " تقیہ " کے آلہ سے چھپا کر خاص عنوان کے تحت حضرت علیؓ کے مقابلہ میں ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کو خطا کار ثابت کرنے کے لئے درج کر دیا۔ پھر کیا تھا ' بعد کے ہر مؤرخ و مصنف نے روایت کی آنکھ پر پٹی باندھ کر نقل در نقل شروع کر دی۔ حالانکہ ان مجہول اور فاسق راویوں کی حالت و مجہولیت کتب اسماء الرجال سے باآسانی معلوم کی جاسکتی تھی۔ اور ہرزہ گویوں کی شرمناک بدگوئی سے حرم رسول اللہ ' آپ کی محبوب زوجہ مطہرہ اور اہل بیت حقیقی ' کو بچایا جا سکتا تھا جن کی طہارت طینت و پاکیزگی پر خود کلام اللہ گواہ ہے۔

(محمود احمد عباسی ' تحقیق مزید ' ص ۷۸ ' انجمن پریس کراچی ' جون ۱۹۶۱ء)۔

علامہ قمر الدین سیالویؒ بھی مؤرخ ابن جریر طبری کو شیعہ قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں :-

" وهذا ابن جرير الطبرى شيعى بلاريب- وأما ابن جرير الطبرى المفسر فهو من الثقات"-

(قاری غلام احمد ' انوار قمریہ ' لاہور ' اپریل ۱۹۹۱ء ' وصیت نامہ ' ص ۴۳۴-۴۳۵)۔

ترجمہ :- یہ ابن جریر (مؤرخ) طبری بلاشک و شبہ شیعہ ہے۔ البتہ (دوسرے) ابن جریر طبری جو صاحب تفسیر ہیں ' وہ معتبر حضرات میں سے ہیں۔

ام المؤمنین سیدہ عائشہؓ کے حوالہ سے یہ بھی واضح رہے کہ قرآن مجید نے ان سمیت تمام ازواج رسولؐ کو نہ صرف " امہات المؤمنین " قرار دیا ہے۔ (وأزواجه أمهاتهم = احزاب : ٦) بلکہ تمام خواتین کائنات میں "یکتا و بیمثال" (يانساء النبى لستن كأحد من النساء – احزاب : ٣٢)" اہل بیت رسولؐ " و"مطہرات" (ليذهب عنكم الرجس أهل البيت و يطهر كم تطهيراً– احزاب : ٣٣) بھی قرار دیا ہے۔ نیز سیدہ عائشہؓ کی عصمت و عفت اور تعظیم و برأت

کے سلسلہ میں واقعہ افک کے بعد آیات سورہ نور نازل ہوئیں۔

اور انہی سیدہ عائشہؓ کے حجرہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیگر ازواج مطہراتؓ کی اجازت سے آخری ایام گزارے اور یہیں وفات پائی۔ پھر یہی حجرہ عائشہؓ روضہ رسولؐ قرار پایا۔ جس میں بعد ازاں ثانی اثنین (توبہ: ۴۰) ابو بکرؓ ثم شہید محراب مسجد نبوی عمر فاروقؓ مدفون ہوئے۔

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ (م ۱۷ رمضان ۵۸ھ، و بروایت ۵۹ھ نے وفات نبوی کے بعد تقریباً نصف صدی تک (۱۱-۵۸ھ) ہزاروں صحابہؓ و تابعینؒ کو قرآن و حدیث، فقہ و تفسیر اور دیگر علوم شرعیہ و عربیہ کی تعلیم دی۔ نیز دو ہزار سے زائد احادیث نبویہ آپ سے مروی ہیں۔ اور جس نبیؐ نے سیدہ فاطمہؓ کو خاتون جنت قرار دیا، اسی نبی نے سیدہ عائشہؓ کے بارے میں فرمایا:-

۱- لاتؤذيني في عائشة —

(متفق عليه، مشكاة المصابيح، باب مناقب ازواج النبي)—

ترجمہ:- عائشہ کے بارے میں مجھے تکلیف نہ پہنچاؤ۔

۲- فضل عائشة على النساء كفضل الثريد على سائر الطعام—

(متفق عليه، مشكاة المصابيح، باب بدء الخلق و ذكر الأنبياء عليهم السلام).

ترجمہ:- عائشہ کو تمام عورتوں پر اسی طرح فضیلت حاصل ہے، جس طرح "ثرید" (عربوں کا نفیس ترین کھانا) کو تمام کھانوں پر فضیلت حاصل ہے۔

۳— يا بنية ! ألا تحبين ما أحب؟ قالت : بلى . قال : فأحبي هذه.

(متفق عليه، مشكاة المصابيح، باب مناقب أزواج النبي)

ترجمہ:- اے میری بیٹی! کیا جس سے مجھے محبت ہے، تو اس سے محبت نہیں رکھے گی؟ (سیدہ فاطمہؓ نے) فرمایا: ہاں کیوں نہیں۔ تو آپ نے فرمایا:- پس اس خاتون (عائشہ) سے محبت رکھو۔

۴-جبریل علیہ السلام نے سیدہ عائشہؓ کے بارے میں بطور خاص نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا:-

هذه زوجتك فی الدنیا والآخرة.

(مشكاة المصابیح' باب مناقب ازواج النبی)

ترجمہ :- یہ (عائشہؓ) دنیا و آخرت میں آپ کی زوجہ ہیں-

سیدہ عائشہؓ کے اقدام قصاص عثمانؓ کے حوالہ سے محمود عباسی لکھتے ہیں :-

"ام المؤمنین کے اس اقدام میں حضرت علیؓ کی مخالفت کا اگر کوئی جذبہ اگر کارفرما ہوتا تو آپ بجائے بصرہ جانے کے مدینہ جاتیں- معاویہؓ سے مدد طلب کرتیں- شامی فوجیں شمال سے چلتیں اور طالبین قصاص کا یہ تین ہزار سواروں کا لشکر جنوب سے- مالک اور اس کے ساتھی تاب مقاومت نہ لا سکتے-

حضرت علیؓ کی خلافت گو شرعاً قائم ہو چکی تھی مگر جس طرح اور جس نوعیت کی ہوئی تھی' اس کا ذکر گزر چکا- خود ایک شیعہ مؤرخ فرماتے ہیں :-

جن لوگوں نے علی مرتضٰی کا تعلق اور رسول خدا سے ان کی خصوصیت کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا-----انہوں نے علیؓ سے بیعت تک نہ کی تھی- درآنحالیکہ یزید اور عبدالملک جیسوں کی بیعت کو خوشی گوارا کر لیا- ان بزرگوں میں (۱) سعد بن ابی وقاص (۲) عبداللہ بن عمر (۳) عبداللہ بن سلام (۴) صہیب بن سنان (۵) اسامہ بن زید (۶) قدامہ بن مظعون (۷) مغیرہ بن شعبہ (مہاجرین)-

اور :-(۱) حسان بن ثابت (۲) کعب بن مالک (۳) مسلمہ بن مخلد (۴) محمد بن مسلمہ (۵) نعمان بن بشیر (۶) زید بن ثابت (۷) رافع بن خدیج (۸) فضالہ بن عبید (۹) کعب بن عجرہ (۱۰) مسلمہ بن سلامہ-(انصار) جیسے اکابر اور مشاہیر اسلام شامل ہیں- جنہوں نے جناب امیر سے بیعت تک نہ کی' امداد دینا تو درکنار- یہاں تک آپ نے دل برداشتہ ہو کر مدینہ سے ہجرت اختیار کی- کوفہ کو اپنا دارالسلطنت قرار دیا اور

پھر جیتے جی قدم نہ رکھا"۔(مجاہد اعظم ص ۱۴۹)۔
(محمود احمد عباسی، تحقیق مزید بسلسلہ خلافت معاویہ و یزید ، کراچی، جون ۱۹۶۱ء ، ص ۷۷-۷۸)۔

۶- قرابت علیؓ و عقیلؓ ومعاویہؓ

سیدنا علیؓ و معاویہؓ کے مابین اختلاف قصاص عثمانؓ کی بناء پر جو جنگ صفین ہوئی، اس میں سیدنا علیؓ کے برادر بزرگ عقیلؓ بن ابی طالب (والد مسلم بن عقیلؓ) شیعی روایات کے مطابق بھی لشکر معاویہ میں تھے :-

" وفارق (عقيل) أخاه علياً في أيام خلافته وهرب إلى معاوية وشهد الصفين معه"—

(عنبة ' عمدة الطالب في أنساب آل أبي طالب ' طبع لكهنو ' ص ١٥)—

ترجمہ :- اور ان (عقیل) نے اپنے بھائی علی کا ان کی خلافت کے زمانے میں ساتھ چھوڑ دیا اور بھاگ کر معاویہ کے پاس چلے گئے- جنگ صفین میں انہی (معاویہ) کے ہمراہ موجود تھے-

بقول ابن قتیبہ :-

"وأسلم عقيل و لحق بمعاوية و ترك أخاه علياً ومات بعدما عمي في خلافة معاوية"—

(ابن قتيبة ' المعارف ' ص ٢٠٤ ' تحقيق و تقديم ' دكتور ثروت عكاشة ' دارالمعارف بمصر ' ١٩٨١م)۔

ترجمہ :- عقیل نے اسلام قبول کیا اور اپنے بھائی علی کو چھوڑ کر معاویہ سے جا ملے- آپ نے خلافت معاویہ میں وفات پائی۔ اس وقت آپ کی بینائی ختم ہو چکی تھی-

سیدنا عقیلؓ بن ابی طالب کی کنیت "ابو یزید" تھی :-

"عقیل بن ابی طالب برادر حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام است۔ کنیت او ابو یزید است"- (عباس قمی' منتهی الآمال' ج ا' ص ۲۰۹)۔

ترجمہ :- عقیل بن ابی طالب حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کے بھائی ہیں جن کی کنیت " ابو یزید" ہے-

"جناب ابو طالب درمیان اولاد خود عقیل را افزون دوست میداشت - و لهذا حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ درحق عقیل فرمود :-

إني لأحبه حبين - حباً له و حباً لحب أبيطالب له-

(عباس قمي - منتهى الآمال' ج ا' ص - ۲۰۹)-

ترجمہ :-جناب ابو طالب اپنی اولاد میں سے عقیل کو بہت زیادہ عزیز رکھتے تھے-چنانچہ اسی لئے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ نے عقیلؓ کے حق میں فرمایا:-

میں ان سے دہری محبت رکھتا ہوں- ایک ان سے محبت کی وجہ سے اور دوسری ابو طالب کے ان سے محبت کرنے کی وجہ سے-

علم الانساب میں عقیل منفرد و یکتا تھے-آخر عمر میں مسجد نبوی میں نماز پڑھتے اور تکیہ کے سہارے بیٹھ جاتے :-

"پس مردم نزد او جمع می گشتند' و در علم نسب و ایام عرب از او استفادہ میکردند- و در آں وقت چشمان او نابینا شدہ"-(عباس قمی' منتهی الآمال' ج ا' ص ۲۰۹)-

ترجمہ :- پس لوگ ان (عقیل) کے گرد جمع ہو جاتے اور علم الانساب و ایام عرب میں ان سے استفادہ کرتے-جبکہ اس زمانہ میں آپ کی آنکھوں کی روشنی ختم ہو چکی تھی-

واضح رہے کہ سیدنا علیؓ کے تین بڑے بھائی طالب و عقیل و جعفر تھے- جن میں سے طالب کافر تھے اور انہی کے نام پر قبل از اسلام سے سیدنا علیؓ کے والد

جناب عبد مناف کی کنیت "ابو طالب" تھی- طالب بن ابی طالب جنگ بدر میں لشکر مشرکین مکہ میں شامل تھے اور لشکر نبوی کے ہاتھوں مقتول ہوئے- جبکہ عقیلؓ و جعفرؓ بن ابی طالب، صحابی رسولؐ اور سیدنا علیؓ کے مسلمان برادر بزرگ تھے-

سیدنا عقیلؓ بن ابی طالب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد، جناب ابو سفیانؓ کے ہم زلف اور سیدنا معاویہؓ کے خالو تھے :-

"حضرت معاویہؓ کی خالہ فاطمہ بنت عتبہ حضرت عقیلؓ بن ابی طالب کے عقد میں تھیں"- (طاہر ہاشمی، تذکرہ سیدنا معاویہ، ص ٢٦)—

شیعی روایت کے مطابق بیعت ابی بکر کے موقع پر ابو سفیان باب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر آئے جبکہ علی و عباسؓ موجود تھے اور چند شعر پڑھنے کے بعد کہنے لگے :-

"ثم نادى بأعلى صوته : يابني هاشم! يا بني عبدمناف! أرضيتم أن يلي عليكم أبوفصيل الرذل ابن الرذل؟ أما و الله لوشئتم لأملأنها عليهم خيلاً ورجلاً – فناداه أميرالمؤمنين عليه السلام: ارجع يا أبا سفيان ! فوالله ماتريد الله بما تقول= وما زلت تكيد الاسلام وأهله ونحن مشاغيل برسول الله صلى الله عليه وآله وسلم– وعلى كل امرئ ما اكتسب وهو ولى ما احتقب – فانصرف أبوسفيان إلى المسجد"—
(المفيد، الإرشاد، ج ١، ص ١٨١، الباب الثانى فى أخبار اميرالمؤمنين)—

ترجمہ :- پھر ابو سفیان نے با آواز بلند پکارا : اے بنی ہاشم! اے بنی عبد مناف! کیا تم اس بات پر رضامند ہو کہ تم پر ابو فصیل (اونٹنی کے بچہ والا) کمتر ابن کمتر حاکم بنے؟ بخدا اگر تم چاہو تو میں مدینہ کو ان کے مقابلے میں پیادوں اور سواروں سے بھر دوں- اس پر امیر المؤمنین (علی) علیہ السلام نے انہیں پکار کر کہا :- اے ابو سفیان! واپس چلے جاؤ- پس خدا کی قسم تمہارے اس قول کا مقصود رضائے الٰہی نہیں- اور تم اب بھی اسلام و اہل اسلام کے خلاف مکرو فریب کر رہے ہو- جبکہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم (کی تجہیز و تکفین) میں مصروف ہیں۔ ہر شخص اپنے کیے کا خود ذمہ دار ہے۔ اور اپنے ارتکاب کردہ گناہ کا بوجھ اٹھانے والا ہے۔ پس ابوسفیان مسجد کی طرف لوٹ گئے۔ اس شیعی روایت کے الفاظ و انداز پر نقد و تبصرہ کیے بغیر مقصود اس جانب اشارہ کرنا ہے کہ اس کے مطابق ابوسفیانؓ خلافت ابوبکرؓ کے مقابلے میں خلافت علیؓ و بنو ہاشم کو ترجیح دے رہے ہیں۔ اور ساتھ ہی یہ بھی واضح رہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم داماد ابوبکرؓ و عمرؓ کے ساتھ ساتھ داماد ابوسفیان (شوہر سیدہ ام حبیبہؓ بنت ابی سفیانؓ) بھی ہیں۔ اور عثمانؓ و علیؓ داماد رسولؐ ہیں۔

جنگ صفین میں داماد رسولؐ سیدنا علیؓ کے مدمقابل معاویہ بن ابی سفیانؓ کے بہنوئی خود جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جن کی زوجہ ام المؤمنین سیدہ ام حبیبہؓ (رملہ) بنت ابی سفیانؓ ہمشیرہ معاویہؓ ہیں۔

علاوہ ازیں ام المؤمنین سیدہ ام سلمہؓ کی بہن قریبۃ الصغری حضرت معاویہؓ کے نکاح میں تھیں۔ (طاہر ہاشمی، تذکرہ سیدنا معاویہ، ص ۳۸)۔

جنگ صفین (۳۷ھ) میں سیدنا عقیلؓ بن ابی طالب لشکر معاویہؓ میں شامل تھے۔ اس جنگ میں اختلاف قصاص عثمانؓ کی بناء پر ستر ہزار سے زائد صحابہؓ و تابعینؒ مقتول ہوئے۔ جمادی الاولی ۳۷ھ میں باقاعدہ جنگ چھڑ گئی۔ رجب میں ماہ حرام کی وجہ سے ملتوی ہو گئی:۔

"التوائے جنگ کے بعد خیر خواہان امت نے پھر صلح کی کوششیں شروع کر دیں کہ شاید اسی حد پر یہ خانہ جنگی رک جائے اور مسلمانوں کی قوت آپس میں ٹکرا کر برباد نہ ہو۔ چنانچہ حضرت ابودرداءؓ اور حضرت ابوامامہ باہلیؓ، امیر معاویہؓ کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ علیؓ تم سے زیادہ خلافت کے مستحق ہیں، پھر تم ان سے جنگ کیوں کرتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا: عثمان کے خون ناحق کیلئے۔ ابوامامہؓ نے کہا: کیا علی نے عثمان کو

قتل کیا ہے ؟ امیر معاویہ نے جواب دیا: اگر قتل نہیں کیا ہے تو قاتلوں کو پناہ دی ہے۔اگروہ انہیں ہمارے حوالے کردیں تو میں سب سے پہلے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لوں گا۔

ان دونوں بزرگوں نے واپس جا کر حضرت علیؓ کو معاویہؓ کا مطالبہ سنایا۔اسے سنکر حضرت علیؓ کی فوج سے بیس ہزار آدمی نکل پڑے اور نعرہ لگایا کہ: ہم سب عثمان کے قاتل ہیں۔یہ رنگ دیکھ کر دونوں بزرگ ساحلی علاقہ کی طرف نکل گئے اور اس جنگ میں کوئی حصہ نہ لیا"۔

(ابو حنیفہ الدینوری "الاخبار الطوال" حوالہ شاہ معین الدین ندوی' تاریخ اسلام' نصف اول'ص ۲۶۹' ناشران قرآن لمیٹڈ۔لاہور)۔

مولانا مودودی جنگ صفین کے حوالہ سے لکھتے ہیں :-

" اس جنگ کے دوران میں ایک واقعہ ایسا پیش آ گیا جس نے نص صریح سے یہ بات کھول دی کہ فریقین میں سے حق پر کون ہے اور باطل پر کون؟ وہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمارؓ بن یاسر جو حضرت علیؓ کی فوج میں شامل تھے' حضرت معاویہؓ کی فوج سے لڑتے ہوئے شہید ہوگئے۔حضرت عمارؓ کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد صحابہؓ میں مشہور ومعروف تھا اور بہت سے صحابیوں نے اس کو حضورؐ کی زبان مبارک سے سنا تھا کہ :- "تقتلك الفئة الباغية" -(تم کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا)۔ مسند احمد' بخاری' مسلم' ترمذی' نسائی' طبرانی' بیہقی' مسند ابو داؤد' طیالسی وغیرہ کتب حدیث میں حضرات ابو سعید خدری' ابو قتادہ انصاری' ام سلمہ' عبداللہ بن مسعود' عبداللہ بن عمرو بن العاص' ابو ہریرہ' عثمان بن عفان' حذیفہ' ابوایوب انصاری' ابورافع' خزیمہ بن ثابت' عمرو بن العاص' ابوالیسر' عمار بن یاسر رضی اللہ عنہم اور متعدد دوسرے صحابہ سے اس مضمون کی روایات منقول ہوئی ہیں۔ابن سعد نے " طبقات " میں بھی یہ حدیث کئی سندوں سے نقل کی ہے"۔(۵۰)

متعدد صحابہ وتابعین نے جو حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کی جنگ میں مذبذب تھے' حضرت عمارؓ کی شہادت کو یہ معلوم کرنے کے لئے ایک علامت قرار دے لیا تھا

کہ فریقین میں سے حق پر کون ہے اور باطل پر کون -(۵۱)

(ابوالاعلی مودودی' خلافت و ملوکیت' ص ۱۳٦ - ۱۳۷' ادارہ ترجمان القرآن' لاہور' اپریل ۱۹۸۰ء)—حاشیہ ۵۰' ص ۱۳۷ بحوالہ ابن سعد' ج ۲' ص ۲۵۱ تا ۲۵۳ — ۲۵۹' وحاشیہ ۵۱' ص ۱۳۷' بحوالہ ابن سعد' ج ۳' ص ۲۵۳ — ۲۵۹ — ۲٦۱ — الطبری' ج ٤' ص ۲۷ — ابن الاثیر' ج ۳' ص ۱۵۷ — ۱٦۵—

اس سلسلہ میں مولانا مودودی کا درج ذیل بیان بھی ملاحظہ ہو :-

"جب حضرت عمارؓ کے شہید ہونے کی خبر حضرت معاویہؓ کے لشکر میں پہنچی اور حضرت عبداللہ بن عمرؓو بن عاص نے اپنے والد اور حضرت معاویہؓ دونوں کو حضورؐ کا یہ ارشاد یاد دلایا تو حضرت معاویہؓ نے فوراً اس کی تاویل کی کہ :-کیا ہم نے عمار کو قتل کیا ہے ؟ان کو تو اس نے قتل کیا جو انہیں میدان جنگ میں لایا-(۵۸)-حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ حضرت عمارؓ کو باغی گروہ میدان جنگ میں لائے گا' بلکہ یہ فرمایا تھا کہ باغی گروہ ان کو قتل کرے گا-اور ظاہر ہے کہ ان کو قتل حضرت معاویہ کے گروہ نے کیا تھا نہ کہ حضرت علیؓ کے گروہ نے"-

(ابوالاعلی مودودی' خلافت و ملوکیت' ص ۱۳۸-۱۳۹' ادارہ ترجمان القرآن' لاہور' اپریل ۱۹۸۰ء-وحاشیہ ۵۸' ص ۱۳۹ بحوالہ الطبری' ج ۴' ص ۲۹-و"الکامل" لابن الاثیر' ج ۳' ص ۱۵۸-والبدایہ والنھایہ' ج ۷' ص ۲٦۸-۲٦۹)-

اب اس سلسلہ میں متعدد اکابر امت کا ترجمان یہ تیسرا بیان بھی ملاحظہ ہو :-

"سب سے پہلا سر جو زمانہ اسلام میں کاٹ کر لے جایا گیا' وہ حضرت عمارؓ بن یاسر کا تھا-امام احمدؒ بن حنبل نے اپنی مسند میں صحیح سند کے ساتھ یہ روایت نقل کی ہے' اور ابن سعد نے بھی "طبقات" میں اسے نقل کیا ہے کہ جنگ صفین میں حضرت عمارؓ کا سر کاٹ کر حضرت معاویہؓ کے پاس لایا گیا-اور دو آدمی اس پر جھگڑ رہے تھے-ہر ایک کہتا تھا کہ :- عمار کو میں نے قتل کیا ہے"- (۳۴)-

(ابوالاعلی مودودی' خلافت و ملوکیت' ص ۱۷۷ – وحاشیہ ۳٤' ص ۱۷۷ بحوالہ مسند احمد' احادیث نمبر ٦٥۳۸ – ٦۹۲۹ – دارالمعارف' مصر' ۱۹٥۲ء' طبقات ابن سعد' ج ۳' ص ۲٥۳)–

ان بیانات کے مطابق :-

(۱) قاتل عمارؓ کا تعلق باغی گروہ (فئہ باغیہ) سے ہے-

(۲) معاویہؓ نے "باغی گروہ" قرار پانے سے بچنے کیلئے تاویل فرمائی کہ عمارؓ کا اصل قاتل وہ ہے جو اسے میدان جنگ میں لایا-

(۳) قاتل عمارؓ کی تعیین میں اختلاف ہوا- ان کا سر کاٹ کر معاویہؓ کے پاس لانے والے آدمیوں میں سے ہر ایک قاتل عمارؓ ہونے کا دعویدار اور دوسرے کو جھوٹا بتلا رہا تھا-

اب نقد تاریخی کے حوالہ سے بعض محققین کا ناقدانہ تجزیہ و تبصرہ و استفسار ملاحظہ ہو- جس کو مختلف حاملین فکر شیعی و اسلامی خواہ کتنا ہی ناقابل التفات قرار دیں- مگر اس سے واقفیت لازم ہے- تاکہ تمام پہلو پیش نظر رہیں اور اس کی تردید دلائل سے کرنے کے خواہاں بطریق احسن ایسا کر سکیں-

۱- جس طرح عمار بن یاسرؓ کی لشکر علیؓ میں موجودگی اور بظاہر لشکریان معاویہؓ کے ہاتھوں شہادت کو پورے لشکر معاویہؓ کے "گروہ باغیان" (الفئة الباغية) قرار پانے کی دلیل بنایا گیا' اسی طرح کیا طلحہؓ و زبیرؓ کی جنگ جمل (جمادی الثانیہ ۳٦ھ) میں لشکر عائشہؓ میں شمولیت کے بعد شہادت کو لشکر عائشہؓ کے لشکر علیؓ کے مقابلے میں برسر حق یا زیادہ برحق ہونے کی دلیل قرار دیا گیا؟ کیونکہ احادیث نبویہ کے مطابق طلحہؓ وزبیرؓ جنتی' طلحہ شرعاً شہید اور قاتل زبیرؓ جہنمی ہے؟ اور کیا طلحہؓ وزبیرؓ کو لشکر عائشہؓ میں دیکھ کر لشکر علیؓ میں شامل کسی صحابیؓ یا تابعیؒ نے یہ اعلان فرمایا کہ چونکہ لشکر علیؓ کے طلحہؓ (شہید بلسان نبوت) کا قاتل اور قاتل زبیرؓ بننے کا امکان ہے- لہذا لشکر علیؓ سے علیحدگی احتیاط شرعی کا تقاضا ہے؟

۲- زبیرؓ کا قاتل لشکر علیؓ سے تعلق رکھنے والا عمرو بن جرموز کوئی قرار دیا جاتا

ہے۔اگر عسکری حوالہ ۔ دیکھا جائے تو لشکر علیؓ قاتل زبیرؓ ہے۔کیونکہ ابن جرموز کی زبیرؓ سے کوئی ذاتی دشمنی نہ تھی اور نہ قتل زبیرؓ اس کا انفرادی مسئلہ تھا۔ تاہم اگر اس استدلال کو تسلیم نہ کیا جائے کیونکہ اس سے لشکر علیؓ میں شامل صحابہؓ و اہل بیتؓ کا شرعی مقام متاثر ہوتا ہے اور یہ قرآن و حدیث کے بیان کردہ مقام صحابہؓ واہل بیت کے منافی قرار دیا جاسکتا ہے' تو اسی بناء پر عمار بن یاسرؓ کو قتل کرنے والے باغی گروہ کو دو یا دو سے زائد مذکورہ قاتلین نیز ان کے پس پردہ سبائی و خارجی سرپرستان (دشمنان عثمانؓ و علیؓ و معاویہؓ) تک محدود رکھنا کیوں ممکن نہیں؟ جبکہ صورتحال یہ ہو کہ فریقین کے ہزاروں لشکریوں کے مابین جنگ میں معاویہؓ کو بحیثیت امیر لشکر یہ بھی نہ معلوم ہو پایا کہ لاتعداد مقتولین میں سے اس خاص مقتول (عمارؓ) کا ایک سے زائد دعویداروں کی موجودگی میں اصلی قاتل کون ہے اور کس کا ایجنٹ ہے؟ کیا اس حوالے سے لشکر معاویہؓ و عقیلؓ میں شامل صحابہؓ و اہل بیتؓ کے قرآن و حدیث میں مذکور مقام صحابہؓ کا بہتر تحفظ و تاویل اور سیدنا معاویہؓ کو قتل عمار سے بے خبر قرار دینا ممکن و احسن نہیں؟

۳۔ بیوہ خلیفہ عثمانؓ سیدہ نائلہؓ نے اپنے خط بنام امیر شام میں عمار بن یاسرؓ کو کہے از حملہ کنندگان عثمانؓ اور محمد بن ابی بکر کے ہمراہ باغیان عثمانؓ کی مصری جماعت کے قائدین میں شمار کیا ہے:۔

" وأهل مصر إمتدوا أمرهم إلى عمار بن ياسر و محمد بن أبي بكر۔ (ابوالفرج الاصفهاني'كتاب الأغاني'ج ١٠'ص ٦٨)۔

ترجمہ :۔ اور مصری گروہ (باغیان عثمانؓ) نے اپنا معاملہ عمار بن یاسر اور محمد بن ابی بکر کے سپرد کردیا۔

چنانچہ عثمانؓ مخالف سازشی عناصر نے پہلے عمار بن یاسرؓ اور محمد بن ابی بکر کو آگے کیا۔پھر طلحہؓ وزبیرؓ کو قتل کردیا۔ پھر گروہ معاویہؓ کو " باغی گروہ " نص صریح سے ثابت کرنے کیلئے ہزاروں لشکریوں کے مابین عمار بن یاسرؓ کو خصوصی نشانہ بنا کر قتل کیا

الوہیت تک کے دعوی سے قتل عثمانؓ وطلحہؓ و زبیرؓ و عمارؓ تک جمل و صفین کے پس منظر میں سبائیت و خارجیت کے مختلف نام اور روپ اختیار کرتے ہوئے بالآخر علیؓ و معاویہؓ و عمرو بن عاصؓ کو بیک وقت کوفہ و دمشق و مصر میں شہید کرنے کا منصوبہ بنایا۔ اور سادہ لوح شیعان علیؓ و معاویہؓ اور ان کے مقتدین ایک دوسرے کو الزام دیتے ہوئے لشکر علیؓ بحیثیت قاتل طلحہؓ و زبیرؓ اور لشکر معاویہؓ "فئہ باغیہ" بحیثیت قاتل عمارؓ کی بحث میں الجھ کر بہت دور نکل گئے۔ کیا یہ نقطہ نظر قابل توجہ نہیں؟

۴۔ سیدنا معاویہؓ سے قول منسوب ہے کہ:- کیا ہم نے عمارؓ کو قتل کیا ہے؟ اس کو تو اس نے قتل کیا جو انہیں میدان جنگ میں لایا۔

(خلافت و ملوکیت، ص ۱۳۸ – ۱۳۹، بحوالہ طبری ۲۹/٤، والکامل لابن الاثیر ۱۵۸/۳، والبدایہ والنہایہ لابن کثیر ۲٦۸/۷ – ۲٦۹)

۵۔ اس قول صحابیؓ بسلسلہ تاویل حدیث قتل عمارؓ کے اہم ترین ماخذ، تواریخ طبری (م ۳۱۰ھ) ابن الاثیر (م ٦۳۰ھ) اور ابن کثیر (م ۷۷۴ھ) وغیرہ بتلائے گئے ہیں۔ درحقیقت ابن الاثیر و ابن کثیر کا بنیادی ماخذ بھی تاریخ طبری ہے۔ جو عصر بنی امیہ (۴۱-۱۳۲ھ) کے بعد بنی امیہ کا تختہ الٹنے والے بنو عباس (۱۳۲-٦۵٦ھ) کے دور میں لکھی گئی۔ اور جس کی روایات کی صحت و عدم صحت کی ذمہ داری علامہ طبری نے قبول نہ کرتے ہوئے واضح فرمایا کہ:- روينا كما روى إلينا۔ (جس طرح ہم تک روایت کیا گیا، ہم نے آگے روایت کر دیا)۔

کیا معاویہؓ جیسے فراست و سیاست میں ممتاز و معروف قائد نے واقعی مذکورہ تاویل فرمائی؟ کیا انہوں نے یہ نہ فرمایا ہو گا کہ طلحہؓ کے شہید اور قاتل زبیرؓ کے جہنمی قرار دیئے جانے کے باوجود اگر لشکر علیؓ نے لشکر عائشہؓ کی حقانیت تسلیم نہیں کی تو محض قتل عمارؓ کی بناء پر ہم مسئلہ قصاص عثمانؓ حل ہوئے بغیر بیعت علیؓ کس طرح کر لیں؟ نیز [illegible] کا کیا ثبوت ہے کہ قاتل عمارؓ کا تعلق ہمارے گروہ سے ہے؟ کیونکہ اگر ناقدین شامل عمار بن [illegible] اور قاتلین عثمانؓ میں شامل محمد بن ابی بکر و مالک بن حارث

الاشتر کے مقربان علیؓ ہونے کے باوجود علیؓ باغیان و قاتلان عثمانؓ سے اپنی برأت کا اعلان فرماتے ہیں۔ اور آپ کے اس قول کو تسلیم کیا جارہا ہے ' تو ان کو بھی ہمارا یہ اعلان تسلیم کرنا چاہئے کہ "قاتل عمارؓ گروہ معاویہؓ و عقیلؓ" سے نہیں بلکہ "گروہ باغیان عثمانؓ" سے تعلق رکھتا ہے۔ جن میں سے کچھ لوگ شیعان علیؓ اور کچھ شیعان معاویہؓ کا روپ دھار کر دونوں طرف اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کر رہے ہیں؟

بالفرض اس جواب کا بھی جائزہ لیا جائے کہ :۔(عمارؓ کو اس نے قتل کیا جو انہیں میدان میں لایا)۔ تو بظاہر معاویہؓ کا یہ الزامی جواب سیدنا علیؓ پر عائد نظر آتا ہے کہ عمارؓ انہی کے ہمراہ میدان جنگ میں آئے تھے۔ مگر بہ نظر غائر دیکھا جائے تو کیا عمارؓ و علیؓ و معاویہؓ کو میدان جنگ میں لانے والا باغیان عثمانؓ کا اقدام قتل عثمانؓ اور اختلاف قصاص عثمانؓ نہیں؟ کیا در حقیقت گروہ "باغیان عثمانؓ" ہی وہ اصل " الفئة الباغية ۔" نہیں جو اس تمام اختلاف واحوال کے پس پردہ ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح سیدنا حسینؓ کو میدان جنگ تک پہنچا کر غداری کرنے والا گروہ در حقیقت اہل شام کا نہیں بلکہ شیعان کوفہ واہل عراق کا ہے۔ وعلی هذا القياس۔

۵۔ ان تمام دلائل کے باوجود اگر لشکر معاویہؓ کو بطور مجموعی حدیث "قتل عمارؓ" کی رو سے "باغی گروہ" (الفئة الباغية) قرار دینے پر اصرار کیا جائے تو یہ "باغی گروہ" جب سیدنا علیؓ سے صلح پر آمادہ ہو کر ثالثی قبول کر بیٹھا اور علیؓ نے بھی اس بات کو تسلیم کر لیا تو پھر "باغی گروہ" کی باغیانہ حیثیت ختم ہو گئی۔ اور وہ " فئہ باغیہ " کے بجائے گروہ علیؓ و حسنؓ کے ہمراہ دوسرا گروہ عظیم (فئہ عظیمہ) قرار پایا جن دو گروہوں کے مابین صلح کروانے کی نبوی بشارت کی بناء پر نواسہ رسولؐ سیدنا حسنؓ سید و سردار بلسان نبوت قرار پائے' اس وقت جب انہوں نے خلافت سے دستبردار ہو کر سیدنا معاویہؓ سے صلح کر کے (۴۱ھ میں) ان کی خلافت تسلیم کر لی۔

"وعن أبي بكرة قال: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم على المنبر والحسن بن علي إلى جنبه و هويقبل على الناس مرة وعليه أخرى

و يقول:۔ إبنی هذا سيد و لعل الله أن يصلح به بين فئتين عظيمتين من المسلمين–(رواه البخاری).

(خطيب تبريزی' مشكاة المصابيح' باب مناقب أهل بيت النبی)–

ترجمہ :– ابوبکرہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر تشریف فرما دیکھا– جبکہ حسن بن علی آپ کے پہلو میں تھے– آپ کبھی لوگوں کی طرف اور کبھی ان کی طرف متوجہ ہوتے–اور فرما رہے تھے :–

میرا یہ بیٹا سردار (سید) ہے– امید ہے کہ اللہ اس کے ذریعے مسلمانوں کے دو عظیم گروہوں میں صلح کروا دے گا–

٦– اس تمام بحث " گروہ باغیان" میں یہ بھی پیش نظر رہے کہ فقہاء کے نزدیک اگر باغی کعبہ میں قلعہ بند ہو جائیں تو ان سے وہاں بھی جنگ و قتال جائز ہے– جبکہ سیدنا علیؓ نے اس " گروہ باغیان" سے صلح و ثالثی قبول فرمائی جسے حدیث قتل عمارؓ کی نص صریح سے باغی ثابت کیا جا رہا ہے–اور اس طرح امیر المومنین علیؓ نے ان کے واجب القتال نہ ہونے کو بذات خود یا بربنائے اصرار لشکریان تسلیم فرمالیا– مولانا شبلی نعمانی عبداللہ بن زبیرؓ کے خلاف حرم مکی میں حجاج بن یوسف کی کاروائی (٧٣ھ درخلافت عبدالملک) کا فقہی جواز بیان کرتے ہوئے عرب مسیحی مؤرخ جرجی زیدان کے ہوامیہ پر اعتراضات کے جواب میں دیگر دلائل کے ہمراہ یہ بھی تحریر فرماتے ہیں :–

" ثم ان من مسائل الفقه أن البغاة إذاتحصنوا بالكعبة لايمنع هذا عن قتالهم – ولذلك أمرالنبی فی وقعة الفتح بقتل أحدهم وهومتعلق بأستار الكعبة – وابن الزبير كان عندأهل الشام من البغاة"–

(شبلی النعمانی' رسالة الانتقاد).

ترجمہ :– پھر مسائل فقہ میں سے یہ بھی ہے کہ اگر باغی کعبہ میں قلعہ بند ہو جائیں تو یہ بات ان سے جنگ کرنے میں رکاوٹ نہیں بن سکتی–اور اسی لئے نبیؐ نے فتح مکہ

کے موقع پر ایک کافر کے قتل کا حکم دیدیا تھا جو کعبہ کے پردے پکڑے ہوئے تھا۔ اور ابن زبیر اھل شام کے نزدیک باغیوں میں سے تھے۔

ضمناً یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ وفات یزید و رضاکارانہ دستبرداری معاویہ ثانی (۶۴ھ) پر اختتام خلافت آل ابی سفیانؓ (۴۱-۶۴ھ) کے بعد صحابی رسولؐ عبداللہ بن زبیرؓ الاسدی القرشی نے حجاز و عراق پر خلافت آل زبیرؓ (۶۴-۷۳ھ) قائم فرمائی۔ اور ان کے متوازی صحابی رسولؐ مروانؓ بن حکم الاموی القرشی (۶۴-۶۵) نے شام وبقیہ عالم اسلام پر خلافت مروان و آل مروانؓ قائم فرمائی۔ اور وفات مروانؓ (رمضان ۶۵ھ) کے بعد عبدالملک بن مروانؓ کی خلافت کئی برس تک (۶۵-۷۳ھ) خلافت ابن زبیرؓ کے متوازی چلتی رہی۔ تاآنکہ ۷۳ھ میں لشکر حجاج بن یوسف نے لشکر ابن زبیرؓ کو مکہ میں مغلوب کر لیا اور شہادت ابن زبیرؓ سے پورے عالم اسلام پر خلافت آل مروانؓ مستحکم ہو گئی۔ جبکہ بسابقہ تقریباً دس سال تک اہل حجاز وغیرہ بالعموم باغیان خلافت آل مروانؓ تھے اور اہل شام وغیرہ باغیان خلافت آل زبیرؓ تھے۔ اور ہر دو کے ہمراہ صحابہؓ و تابعینؒ و اکابر قریش و بنی ہاشم موجود تھے۔ جبکہ شیعی نقطہ نظر سے امامت و خلافت منصوصہ و معصومہ کو سیدنا علی و حسن و حسین رضی اللہ عنہم کے بعد علی زین العابدین الہاشمی القرشی (م ۹۴/۹۵ھ) کیلئے طے شدہ (۶۱-۹۴ھ) قرار دینے والے بھی کثیر تعداد میں حجاز و عراق وغیرہ میں موجود اور بظاہر بیعت کنندگان ابن زبیر الاسدی القرشی یا عبدالملک الاموی القرشی تھے۔ نیز ۷۳ھ کے بعد تمام کے تمام خلیفہ عبدالملک کے بیعت کنندگان (باتقیہ یا بلاتقیہ) قرار پائے۔

اب اس سلسلہ کا اگلا بیان ملاحظہ ہو:۔

"حضرت عمارؓ کی شہادت کے دوسرے روز ۱۰ صفر کو سخت معرکہ برپا ہوا۔ جس میں حضرت معاویہؓ کی فوج شکست کے قریب پہنچ گئی۔ اس وقت حضرت عمرو بن العاصؓ نے حضرت معاویہؓ کو مشورہ دیا کہ اب ہماری فوج نیزوں پر قرآن اٹھالے اور کہے کہ:۔ هذا حكم بيننا وبينكم — (یہ ہمارے اور تمہارے درمیان حکم ہے)۔ اس کی مصلحت حضرت عمرو نے خود یہ بتائی کہ اس سے علیؓ کے لشکر میں پھوٹ پڑ جائے گی۔

کچھ کہیں گے کہ یہ بات مان لی جائے اور کچھ کہیں گے کہ نہ مانی جائے۔ ہم مجتمع رہیں گے اور ان کے ہاں تفرقہ برپا ہو جائیگا۔ اگر وہ مان گئے تو ہمیں مہلت مل جائے گی۔(۵۹)۔اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ یہ محض ایک جنگی چال تھی، قرآن کو حکم بنانا سرے سے مقصود ہی نہ تھا۔

اس مشورے کے مطابق لشکر معاویہؓ میں قرآن نیزوں پر اٹھایا گیا۔اور اس کا وہی نتیجہ ہوا جس کی حضرت عمرو بن العاصؓ کو امید تھی۔ حضرت علیؓ نے عراق کے لوگوں کو لاکھ سمجھایا کہ اس چال میں نہ آؤ اور جنگ کو آخری فیصلے تک پہنچ جانے دو۔ مگر ان میں پھوٹ پڑ کر رہی۔اور آخر کار حضرت علیؓ مجبور ہو گئے کہ جنگ بند کر کے حضرت معاویہؓ سے تحکیم کا معاہدہ کر لیں۔پھر یہی پھوٹ حکم مقرر کرنے کے موقع پر بھی رنگ لائی۔ حضرت معاویہؓ نے اپنی طرف سے حضرت عمرو بن العاصؓ کو حکم بنایا۔ حضرت علیؓ چاہتے تھے کہ اپنی طرف سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو مقرر کریں :۔

مگر عراق کے لوگوں نے کہا وہ تو آپ کے چچازاد بھائی ہیں۔ ہم غیر جانبدار آدمی چاہتے ہیں۔ آخر ان کے اصرار پر حضرت ابو موسیٰ اشعری کو حکم بنانا پڑا، حالانکہ حضرت علیؓ ان پر مطمئن نہ تھے۔(۶۰)"۔

(ابو الاعلیٰ مودودی، خلافت و ملوکیت، ص ۱۳۹-۱۴۰۔ وحاشیہ ۵۹، ص ۱۳۹ بحوالہ الطبری ج ۴ ص ۳۴۔ طبقات ابن سعد ج ۴، ص ۲۵۵۔ و "الکامل" لابن الاثیر" ج ۳، ص ۱۶۰۔و"البدایہ والنھایہ" لابن کثیر، ج ۷، ص ۲۷۳۔وابن خلدون، تکملہ، جلد دوم، ص ۱۷۴)۔

یہاں یہ بات انتہائی قابل توجہ ہے کہ ۹ صفر ۳۷ھ کو قتل عمار بن یاسرؓ سے خلافت علیؓ کی شرعی حیثیت اور لشکر معاویہؓ کی باغیانہ حیثیت کا ثبوت بلسان نبوت پیش کیا جا رہا ہے۔ مگر اس کے باوجود صحابہؓ و تابعینؒ کی کثیر تعداد بدستور لشکر معاویہؓ میں شامل (بشمول عقیلؓ بن ابی طالب) اور بیعت علیؓ کی شرط کے طور پر قصاص عثمانؓ پر مصر ہے نیز لشکر معاویہؓ حضرت معاویہؓ کی زیر قیادت متحد و متفق ہے۔ جبکہ اس ثابت شدہ باغی گروہ (الفئة الباغية) کے مقابلہ میں "ثابت شدہ گروہ برحق (الفئة المحقة) نہ

صرف "باغی گروہ" کے قلع قمع کا شرعی فریضہ انجام دینے میں حضرت علیؓ کی حکم عدولی کا مرتکب اور حضرت علیؓ کی رائے کے برخلاف قرآن کو حکم بنانے پر مصر بتلایا جا رہا ہے بلکہ بااختیار امام و خلیفہ امت کو حکم کے تعین میں بھی موزوں تر شخصیت (ابن عباسؓ) کی نامزدگی سے روک رہا ہے- اور لشکر معاویہؓ کے بجائے خود لشکر علیؓ کی جانب سے ہی یہ اعتراض کیا جا رہا ہے کہ وہ علیؓ کے چچازاد ہونے کی بناء پر غیر جانبدار نہیں (یعنی چہ ؟) - اور لشکر علیؓ (مشتمل بر حامیان علیؓ نیز باغیان عثمانؓ) امام علیؓ کو ابو موسیٰ اشعریؓ کو حکم بنانے پر مجبور کر رہا ہے- حالانکہ وہ اس پر راضی نہ تھے- اور بات صرف یہیں تک محدود نہیں بلکہ سیدنا علیؓ کے ثالث و حکم ابو موسیٰ اشعریؓ ' قتل عمارؓ سے مزید ثابت شدہ حق خلافت علیؓ کو ختم کرتے ہوئے انہیں ثابت شدہ امیر گروہ باغیان (معاویہؓ) کے متوازی مقام پر رکھ کر خلافت سے معزول کرنے پر متفق ہو گئے- اس سلسلہ میں مولانا مودودی کا درج ذیل بیان بحوالہ ابو موسیٰ اشعریؓ ملاحظہ ہو :-

"پھر وہ تقریر کے لئے اٹھے اور اس میں اعلان کیا کہ :-

میں اور میرے یہ دوست (یعنی عمرو بن العاصؓ) ایک بات پر متفق ہو گئے ہیں- اور وہ یہ ہے کہ ہم علیؓ اور معاویہؓ کو الگ کر دیں اور لوگ باہمی مشورہ سے جس کو پسند کریں' اپنا امیر بنا لیں- لہذا میں علیؓ اور معاویہؓ کو معزول کرتا ہوں- اب آپ لوگ اپنا معاملہ خود اپنے ہاتھ میں لیں اور جسے اہل سمجھیں اپنا امیر بنا لیں-

اس کے بعد حضرت عمرو بن العاصؓ کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا :- ان صاحب نے جو کچھ کہا' وہ آپ لوگوں نے سن لیا- انہوں نے اپنے آدمی (حضرت علیؓ) کو معزول کر دیا ہے- میں بھی ان کی طرح انہیں معزول کرتا ہوں اور اپنے آدمی (حضرت معاویہؓ) کو قائم رکھتا ہوں کیونکہ وہ عثمانؓ بن عفان کے ولی اور ان کے خون کے دعوے دار اور ان کی جانشینی کے سب سے زیادہ مستحق ہیں-

حضرت ابو موسیٰؓ نے یہ بات سنتے ہی کہا : مالك لا وفقك الله غدرت وفجرت - (یہ تم نے کیا کیا؟ خدا تمہیں توفیق نہ دے- تم نے دھوکا دیا اور عہد کی خلاف ورزی کی)"-

(ابوالاعلی مودودی' خلافت و ملوکیت' ص ۱۴۲' بحواله الطبری' ج ۴' ص ۵۱ — ابن سعد' ج ۴' ۲۵۶ — ۲۵۷ وغیرہ)۔

مگر اس صورتحال کے بعد علیؓ مزید ساڑھے تین برس سے زائد عرصہ تک (صفر ۳۷ھ-رمضان ۴۰ھ) منصب خلافت پر فائز رہے اور معاویہؓ بدستور بحیثیت امیر شام اپنے موقف پر قائم رہے- (پہلے قصاص عثمانؓ پھر مسئلہ بیعت علیؓ)- و نوبت بایں جا رسید کہ سیدنا علیؓ نے اپنے آخری زمانہ خلافت میں سیدنا معاویہؓ کی متوازی حکومت تسلیم کر لی۔

"امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک سردار کو تین ہزار کی جمعیت کے ساتھ حجاز روانہ کیا اور اس نے بغیر کسی مزاحمت کے مکہ اور مدینہ پر قبضہ کر کے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت لے لی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان واقعات کی خبر ہوئی تو انہوں نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو چار ہزار فوج کے ساتھ حجاز بھیجا۔ اس لشکر کی آمد کا حال سن کر شامی حجاز چھوڑ کے بھاگ گئے اور مکہ و مدینہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دوبارہ قبضہ ہو گیا۔ حجاز کے علاوہ باقی علاقوں میں بھی اس قسم کی افرا تفری بپا تھی۔ اس بدامنی سے فائدہ اٹھا کر کرمان اور فارس کے صوبے باغی ہو گئے۔ مگر جلد ہی اس شورش پر قابو پالیا گیا۔

اس مسلسل خانہ جنگی اور بدامنی سے گھبرا کے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے باہم صلح کر لی۔ جس کی رو سے حجاز' عراق اور مشرق کا پورا حصہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس رہا اور شام و مصر اور مغرب کا علاقہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آیا۔ اس طرح خلافت دو حصوں میں بٹ گئی"۔

(ڈاکٹر حمید الدین' تاریخ اسلام' ص ۱۵۹-۱۶۰' فیروز سنز لاہور' طبع ششم' ۱۹۸۷ء)۔

شہادت علیؓ کے بعد سیدنا حسنؓ نے اسی "امیر الفئة الباغية" (معاویہؓ) کے ساتھ صلح کر کے ان کو متفق علیہ خلیفۃ المسلمین بنا دیا:-

"حضرت معاویہ اور حضرت عمروؓ بن عاص کی تدبیروں سے مصر اور شمالی افریقہ کے علاقے بھی ان کے ہاتھ سے نکل گئے-اور دنیائے اسلام دو متحارب حکومتوں میں

ہٹ گئی- آخر کار حضرت علیؓ کی شہادت (رمضان سن ۴۰ھ) اور پھر حضرت حسنؓ کی مصالحت (سن ۴۱ھ) نے میدان حضرت معاویہؓ کیلئے پوری طرح خالی کر دیا"۔

(ابوالاعلیٰ مودودی 'خلافت وملوکیت' ص ۱۴۵)۔

اور اس طرح وہ نبوی پیش گوئی بھی پوری ہو گئی جس کے مطابق حدیث عمارؓ کی رو سے باغی قرار دیا جانے والا "گروہ معاویہؓ" بھی "عظیم مسلمان گروہ" قرار پایا:-

إبنی هذا سيد ولعل الله أن يصلح به بين فئتين عظيمتين من المسلمين۔

"میرا یہ بیٹا (حسن) سردار ہے۔ امید ہے کہ اس کے ذریعے اللہ مسلمانوں کے دو عظیم گروہوں کے مابین صلح کرائے گا۔"

(مشكلة المصابيح 'باب مناقب اہل بیت النبی بروایت بخاری)۔

" تقتلك الفئة الباغية " سمیت ذخیرہ حدیث وعلوم دین کا وسیع علم و معرفت رکھنے والے مجدد الف ثانی بحیثیت ترجمان اہل سنت' جنگ صفین وغیرہ کے حوالہ سے فرماتے ہیں:-

"حضرت امام مالکؒ تابعین میں ایک جلیل القدر امام ہیں- وہ مدینہ پاک کے ممتاز علمائے حدیث مانے جاتے ہیں- ان کے علم و تقوی پر کسی کو اختلاف نہیں- آپؒ کا یہ فتوی ہے کہ حضرت معاویہؓ اور ان کے رفیق کار حضرت عمرو بن العاصؓ کو گالی دینے والا واجب القتل ہے- امیر معاویہؓ کو گالی دینا حضرت ابوبکر صدیق' حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم کو گالی دینا ہے۔

یہ معاملہ (اختلافات محاربات) صرف حضرت معاویہؓ کا نہیں بلکہ ان کے ساتھ نصف سے زیادہ صحابہ رسولؐ بھی شامل ہیں- اس طرح اگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مخالفت یا اختلاف کرنے والے کو کافر یا فاسق کہا جائے تو امت مسلمہ کے نصف سے زیادہ جلیل القدر صحابہؓ دائرہ اسلام سے باہر نظر آئیں گے- اگر اس نظریہ کو نقل اور عقل کے خلاف ہوتے ہوئے بھی تسلیم کر لیا جائے تو دین کا انجام بجز بربادی کے کیا ہو سکتا

ہے؟

حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے وضاحت فرمائی ہے کہ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کی جنگ خلافت کا مسئلہ نہیں تھی۔ یہ تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کا اجتماعی مسئلہ تھا۔ شیخ ابن حجرؒ نے تو اسے اہل سنت کے عقائد کا ایک حصہ قرار دیا ہے"۔

(پیرزادہ اقبال احمد فاروقی صحابہ کرامؓ مکتوبات حضرت مجدد الف ثانیؒ کے آئینے میں' مکتبہ نبوی لاہور ۱۹۹۹ء' ص ۳۹)۔

حضرت معاویہؓ نے حضرت علیؓ کے نام ایک خط میں تحریر کیا تھا کہ یا تو خود قاتلین عثمانؓ سے قصاص لیں یا انہیں ہمارے حوالے کر دیں۔ ایسا ہوا تو ہم سے زیادہ کوئی آپ کی بیعت میں سبقت نہ کرے گا۔ یہ بھی لکھا تھا :۔

"فوالله الذی لا إله غیره لنطلبن قتلة عثمان فی البر والبحر حتی نقتلهم۔ پس قسم خدا! جس کے سوا کوئی الہ نہیں' ہم قاتلین عثمان کو خشکی وتری ہر جگہ تلاش کریں گے حتی کہ انہیں (قصاصاً) قتل کر دیں۔

• چنانچہ مصر میں مالک بن الاشتر اور محمد بن ابی بکر کو قصاص عثمانؓ میں خلافت علوی میں ہی قتل کروانے کے علاوہ امیر معاویہؓ نے حمص (شام) کے قریب الجلیل پہاڑ پر ایک قید خانہ بھی بنوالیا۔ اور قاتلین عثمانؓ کی تلاش کے بعد قتل عثمانؓ میں ان کے ملوث ہونے کی تحقیق وفیصلہ تک اسی قید خانہ میں رکھا جاتا۔ یاقوت حموی نے "معجم البلدان" میں "جبل الجلیل" کے تحت اس قید خانہ کا ذکر کیا ہے :۔

"کان معاویة یحبس فی موضع منه من یظفر به ممن ینبذ بقتل عثمان بن عفان"۔ (یاقوت الحموی' معجم البلدان' ج ۲' ص ۱۱۰)۔

ترجمہ :۔ معاویہ اس پہاڑ کے ایک مقام پر ان اشخاص کو قید رکھتے جن پر وہ قابو پا لیتے اور جن پر قتل عثمان میں ملوث ہونے کا الزام ہوتا۔

امیر معاویہؓ شیعان کوفہ و عراق کے مقابلے میں بحیثیت امام و خلیفہ راشد سیدنا علیؓ کو جس قدر مجبور و بے بس بتلایا جاتا ہے، اس کے حوالہ سے قائد انقلاب ایران امام خمینی (۱۹۰۲-۱۹۸۹ء) کا درج ذیل بیان بھی ملاحظہ ہو۔ جس کے مطابق خلافت علوی کا مرکزی قاضی القضاۃ شریح دارالخلافہ کوفہ میں رہتے ہوئے امیر معاویہؓ کا خوشامدی تھا، مگر علیؓ خلافت سنبھالتے ہی معاویہ سمیت مختلف گورنروں کو معزول کرنے کا حکم جاری کرنے کے باوجود اسے علیحدہ نہ کر سکے :-

"وكان شريح هذا قد شغل منصب القضاء قرابة خمسين عاماً و كان متملقاً لمعاوية يمدحه و يثنى عليه و يقول فيه ماليس له بأهل — وكان موقفه هدماً لما تبنيه حكومة أميرالمؤمنين (ع) إلا أن علياً لم يستطع عزله لأن من قبله قدنصبه ولم يكن عزله بسبب ذلك فى متناول أميرالمؤمنين إلا أنه اكتفى بمراقبته وردعه عن الوقوع فيما يخالف تعاليم الشرع"—(روح الله الخمينى، الحكومة الأسلامية، ص ٧٤، طبع الحركة الإسلامية فى ايران، بيروت)—

ترجمہ :- اور یہ (قاضی) شریح تقریباً پچاس سال تک منصب قضاء پر فائز رہے۔ اور وہ معاویہ کی خوشامد کرنے والے تھے۔ ان کی مدح و ثناء کرتے رہتے تھے۔ اور ان کی تعریف میں ایسی باتیں کہتے تھے جن کے وہ اہل نہ تھے۔ ان کا طرز عمل ان بنیادوں کو منہدم کرنے والا تھا جن پر امیر المؤمنین (ع) کی حکومت قائم تھی۔ مگر علی انہیں معزول نہ کر سکے۔ کیونکہ ان سے پہلے خلیفہ انہیں مقرر کر گئے تھے۔ اور اس وجہ سے انہیں معزول کرنا امیر المؤمنین کی طاقت سے باہر تھا۔ چنانچہ انہوں نے اسی بات پر اکتفاء کر لیا کہ ان پر نظر رکھیں اور انہیں شریعت کی تعلیمات کے خلاف جانے سے روکتے رہیں۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (م ۱۷۶۳ء، دہلی) شہادت عثمانؓ و بعد ازاں فتنہ

عظیمہ کی نبوی پیشین گوئیوں کا حوالہ دیتے ہوئے خلافت علیؓ کے بارے میں فرماتے ہیں :-

" جہاد در زمان وے رضی اللہ عنہ بالکلیہ منقطع شد و افتراق کلمہ مسلمین بظہور پیوست - وائتلاف ایشاں رخت بعدم کشید - و مردم بحروب عظیمہ باو پیش آمدند و دست اورا از تصرف ملک کوتاہ ساختند - و ہر روز دائرہ سلطنت لاسیما بعد تحکیم تنگ تر شدن گرفت - تا آنکہ در آخر بجز کوفہ و ماحول آں برائے ایشاں صافی نماند - و ہر چند ایں خلل ھا در صفات کاملہ نفسانیہ ایشاں خللے نینداخت لیکن مقاصد خلافت علی وجھہا متحقق نگشت - وبعد حضرت مرتضٰی چوں معاویہ بن ابی سفیان متمکن شد و اتفاق ناس بروے پیوست ' فرقت جماعہ مسلمین از میان برخاست ' وے سوابق اسلامیہ نداشت ولوازم خلافت خاصہ دروے متحقق نبود "-

(شاہ ولی اللہ' ازالۃ الخفاء' ج ۱' ص ۱۲۲ مطبع صدیقی بریلی)

ترجمہ :- آپ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جہاد بالکل منقطع ہو گیا- مسلمانوں میں افتراق رونما ہوا اور اتحاد راہی عدم- لوگوں نے بڑی بڑی جنگوں کی شکل میں آپ کا مقابلہ کیا- اور آپ کا دائرہ سلطنت ہر روز' خاص کر تحکیم (جنگ صفین میں ثالثی قبول کرنے) کے بعد تنگ سے تنگ تر ہوتا گیا- حتیٰ کہ سوائے کوفہ اور اس کے اردگرد کے کوئی حصہ سلطنت آپ کے لئے صافی نہ رہ گیا-

ہر چند کہ ان باتوں سے آپ کے ذاتی کمالات و کامل صفات پر کوئی حرف نہیں آتا مگر خلافت کے مقاصد بہر حال اچھی طرح پورے نہ ہو جائے- اور پھر حضرت مرتضٰی کے بعد جب معاویہ بن ابی سفیان خلافت پر متمکن ہوئے اور ان پر لوگوں کا اتفاق ہو گیا اور امت مسلمہ کا تفرقہ مٹ گیا' تو کمی یہ رہی کہ وہ سوابق اسلامیہ کے حامل نہ تھے اور خلافت خاصہ کے خصوصی شرائط ان میں پورے نہ ہوتے تھے-

حکومت معاویہ جس کی بیعت حسنؓ و حسینؓ نے بھی تادم آخر برقرار رکھی' اس

کے بارے میں امام خمینی کا یہ تبصرہ بھی قابل توجہ ہے :-

" ولم تکن حکومة معاویة تمثل الحکومة الإسلامیة أوتشبهها من قریب ولابعید"- (الخمینی' الحکومة الاسلامیة' ص ۷۱)-

ترجمہ :- معاویہ کی حکومت نہ تو اسلامی حکومت کا نمونہ تھی اور نہ ہی اس سے مشابہت رکھتی تھی- نہ دور کی نہ نزدیک کی-

اب اس کے ساتھ غوث اعظم سیدنا عبدالقادر جیلانی حسنیؒ حسینیؒ کا قول جامع ملاحظہ ہو جو سیدنا حسنؓ و حسینؓ کی جانب سے تائید خلافت معاویہؓ کے موقف کی شرعاً تائید کرتا ہے-

"وأما خلافة معاویة فثابتة صحیحة بعد موت علی وخلع الحسن بن علی رضی الله تعالی عنهما نفسه عن الخلافة و تسلیمها إلی معاویة" -(غنیة الطالبین' ص ۱۷۲)-

مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی (فرزند مولانا منظور نعمانی) غیر منصفانہ معاویہؓ مخالف پروپیگنڈہ کی مثال دیتے ہوئے رقمطراز ہیں-

" بے انصافی کی صرف ایک مثال لیجئے- اس لئے کہ یہاں اس سے زیادہ کی گنجائش نہیں نکل سکتی کہ جن تاریخی کتابوں سے ہم حضرت معاویہ کی طرف سے حضرت علیؓ پر "سب و شتم" کی روایتیں پاتے ہیں' انہیں کتابوں کی شہادت یہ ہے کہ :-

وکان علی إذاصلی الغداة یقنت فیقول:- اللهم العن معاویة و عمراً وأبا الأعور و حبیباً و عبدالرحمن بن خالد و الضحاك بن قیس والولید-

فبلغ ذلك معاویة فکان إذاقنت لعن علیاً وابن عباس و الحسن و الحسین والأشتر- (طبری' ج ٦' ص ٤٠)-

اور (واقعہ تحکیم کے بعد) علی جب فجر کی نماز پڑھتے تو قنوت پڑھتے اور کہتے کہ :- اے اللہ لعنت کر معاویہ پر' عمرو پر' ابوالاعور پر' حبیب پر' عبدالرحمٰن بن خالد (بن

ولید) پر ضحاک بن قیس پر اور ولید پر۔

پس یہ بات جب معاویہ کو معلوم ہوئی تو وہ بھی جب قنوت کرتے تو علی' ابن عباس' حسن' حسین اور اشتر پر لعنت کرتے۔

لیکن اس صاف اور صریح بیان کے باوجود ہمیں صرف اتنا یاد ہے کہ معاویہ اور ان کے ساتھی حضرت علیؓ پر سب و شتم کرتے تھے۔ یہ نتیجہ حضرت علیؓ کے اس احترام کا نہیں جو از روئے کتاب و سنت ہم پر واجب ہے۔ کیونکہ کتاب و سنت بے انصافی نہیں سکھاتی۔ بلکہ یہ اس احترام کا نتیجہ ہے جو شیعیت والے عقیدہ معصومیت سے لازم آتا ہے۔ اہل سنت کے اصل مذہب کا تقاضا تو یہ تھا کہ اگر یہ روایت حضرت علیؓ کے حق میں قابل یقین یا قابل بیان نہیں تھی تو ایسا ہی حضرت معاویہ کے حق میں بھی سمجھا جاتا"۔

(عتیق الرحمٰن سنبھلی' واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر' مقدمہ' ص ۲۵-۲۶' میسون پبلیکیشنز' ملتان)۔

وفات معاویہ (رجب ۶۰ھ' دمشق) کے بہتر سال بعد (۱۳۲ھ) شیعان عراق و بنو عباس کے ہاتھوں قبر و جسد معاویہؓ مع تبرکات نبویہ در کفن معاویہ کے ساتھ جو حسن سلوک روا رکھا گیا اس کے بارے میں درج ذیل بیان ملاحظہ ہو:۔

"بنی امیہ کے دار السلطنت دمشق کو فتح کر کے عباسی فوجوں نے وہاں قتل عام کیا۔ جس میں ۵۰ ہزار آدمی مارے گئے۔ ۷۰ دن تک جامع بنی امیہ گھوڑوں کا اصطبل بنی رہی۔ حضرت معاویہؓ سمیت تمام بنی امیہ کی قبریں کھود ڈالی گئیں۔ ہشام بن عبدالملک کی لاش قبر میں صحیح سلامت مل گئی تو اس کو کوڑوں سے پیٹا گیا۔ چند روز تک اسے منظر عام پر لٹکائے رکھا گیا۔ اور پھر جلا کر اس کی راکھ اڑا دی گئی۔ بنی امیہ کا بچہ بچہ قتل کیا گیا۔ اور ان کی تڑپتی ہوئی لاشوں پر فرش بچھا کر کھانا کھایا گیا۔ بصرے میں بنی امیہ کو قتل کر کے ان کی لاشیں ٹانگوں سے پکڑ کر کھینچی گئیں۔ اور انہیں سڑکوں پر ڈال دیا گیا۔ جہاں کتے انہیں بھنبوڑتے رہے۔ یہی کچھ مکے اور مدینہ میں بھی ان کے ساتھ کیا گیا"۔ (ابوالاعلیٰ مودودی' خلافت و ملوکیت' ص ۱۹۲-۱۹۳' ادارہ ترجمان القرآن لاہور' اپریل ۱۹۸۰ء)۔

ان مختلف و متنوع بیانات سے سیدنا علیؓ و معاویہؓ نیز ان کے تائید کنندہ صحابہؓ و اہل بیتؓ کی سیرت حسنہ وسیاست شرعیہ کے بارے میں افراط و تفریط و مبالغہ آرائی سے پاک حقیقت پسندانہ نیز قرآن و سنت واحترام اکابر امت پر مبنی نقطہ نظر کی دریافت میں بڑی مدد لی جاسکتی ہے۔ وباللہ التوفیق۔

۷۔ علیؓ و مالک الاشتر

"مالک بن الحارث بن الاشتر النخعی سیف اللہ المسلول علی اعدائه قدس اللہ روحہ جلیل القدر و عظیم المنزلہ است۔ واختصاص او بامیر المؤمنین علیہ السلام اظہر از آنست کہ ذکر شود۔ وکافی است در این مقام ہماں فرمایش امیر المؤمنین علیہ السلام کہ :۔ مالک از برای من چناں بود کہ من برای رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ بودم۔ در سال سی و ہشتم ہجری امیر المؤمنینؑ اور احکومت داد"۔ (عباس قمی، منتهى الآمال، ج ۱، ص ۲۱۲، ذکر حال مالك بن الحارث الاشتر رحمه الله)۔

ترجمہ :۔ دشمنان خدا کے مقابلے میں خدا کی شمشیر بے نیام مالک بن حارث بن اشتر۔ خدا اسکی روح کو تقدس بخشے۔ جلیل القدر و عظیم المنزلت ہے۔ اور اس کا امیر المؤمنین علیہ السلام سے خصوصی تعلق اتنا واضح و ظاہر ہے کہ محتاج بیان نہیں۔ اس موقع پر امیر المؤمنین علیہ السلام کا وہ ارشاد ہی کافی ہے کہ :۔ مالک میرے لئے ایسا ہے جیسا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کے لئے تھا۔ سن اڑتیس ہجری میں امیر المؤمنینؑ نے اسے حکومت (مصر) عطا فرمائی۔

عباس قمی رقمطراز ہیں :۔

"قاضی نور اللہ" در مجالس "گفتہ کہ صاحب" معجم البلدان " در ذیل احوال بعلبک آوردہ کہ معاویہ کسی را فرستاد تا در راہ مصر با اشتر ملاقات نمود عسل زہر آلود خورد او واو ۔ واو در حوالی قلزم بہماں مرد"۔

(عباس قمی، منتہی الآمال ج ا ص ۲۱۳ ذکر احوال مالک بن الحارث) -

ترجمہ :- قاضی نور اللہ (شوستری) نے مجالس المومنین میں بیان کیا ہے کہ صاحب "معجم البلدان" نے "احوال بعلبک" کے تحت درج کیا ہے کہ معاویہ نے کسی شخص کو بھیجا تاکہ مصر میں اشتر سے ملاقات کر کے اسکے کھانے میں زہر آلود شہد ملا دے- چنانچہ قلزم کے قریب اسی سے اس کی موت واقع ہو گئی-

عباس قمی مزید بیان فرماتے ہیں :-

"وچوں خبر شہادت اشتر بہ حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام رسید، بموت او بسی متأسف گشت و زیادہ اندوہناک و گرفتہ خاطر گردید و بر منبر رفت و فرمود :-

إنالله وإنا اليه راجعون - والحمد لله رب العالمين - أللهم إني أحتسبه عندك فإن موته من مصائب الدهر- رحم الله مالكاً فلقد أوفى بعهده و قضى نحبه ولقى ربه مع أنا قد وطنا أنفسنا على أن نصبر على كل مصيبة بعد مصابنا برسول الله صلى الله عليه وآله فانها من أعظم المصيبات-

پس از منبر بزیر آمد و بخانہ رفت"-

(عباس قمی، منتہی الامال ج ا ص ۲۱۲)-

ترجمہ :- جب اشتر کی شہادت کی خبر امیر المؤمنین علیہ السلام تک پہنچی تو آپ کو بہت افسوس ہوا اور انتہائی رنجیدہ و غمزدہ ہو گئے- چنانچہ آپ منبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا:-

انا للہ وانا الیہ راجعون - والحمد للہ رب العالمین - اے اللہ میں تیرے ہاں اس کے اجر و ثواب کا امیدوار ہوں - پس اس کی موت مصائب زمانہ میں سے ایک مصیبت ہے - اللہ مالک پر رحم فرمائے - اس نے اپنا عہد نبھایا، فرض ادا کیا اور اپنے رب سے جا ملا - اس کے ساتھ ساتھ ہم نے اپنے دلوں کو اس بات پر پختگی سے جما لیا ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کی وفات کی مصیبت کے بعد ہر مصیبت پر صبر کریں گے کہ بے شک وہ

عظیم ترین صدمہ و مصیبت ہے۔

اسکے بعد آپ منبر سے اترے اور گھر چلے گئے۔

" وباصحاب خود فرموده که کاش درمیان شما مثل او دونفر بلکه کاش یکنفر داشتم"۔

(عباس قمی' منتهی الامال' ج ۱' ص ۲۱۳' درذکر احوال مالك بن الحارث الاشتر)۔

ترجمہ :- اور آپ (علیؓ) اپنے ساتھیوں سے فرماتے تھے کہ :-کاش اس (مالک اشتر) جیسے دو شخص بلکہ کاش ایک ہی شخص میرے پاس ہوتا۔

باغیان و قاتلین عثمانؓ میں شامل مالک الاشتر و محمد بن ابی بکر کے بارے میں شیعی روایات کی صحت و عدم صحت سے قطع نظر سیدنا علیؓ کے بحیثیت چہارم خلیفہ راشد مدلل دفاع و بھرپور وکالت کے ساتھ ساتھ مولانا مودودی کا درج ذیل بیان بھی ملاحظہ ہو :-

خلافت علیؓ (ذوالحجہ ۳۰ رمضان ۴۰ھ) میں پیش آمدہ مسائل و اختلافات میں موقف علوی کے حوالہ سے مولانا مودودی رقمطراز ہیں :-

"حضرت علیؓ نے اس پورے فتنے کے زمانے میں جس طرح کام کیا' وہ ٹھیک ٹھیک ایک خلیفہ راشد کے شایان شان تھا۔ البتہ صرف ایک چیز ایسی ہے' جس کی مدافعت میں مشکل ہی سے کوئی بات کہی جا سکتی ہے۔ وہ یہ کہ جنگ جمل کے بعد انہوں نے قاتلین عثمانؓ کے بارے میں اپنا رویہ بدل دیا۔ جنگ جمل تک وہ ان لوگوں سے بیزار تھے' بادل ناخواستہ ان کو برداشت کر رہے تھے' اور ان پر گرفت کرنے کے لئے موقع کے منتظر تھے۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ سے گفتگو کرتے ہوئے حضرت قعقاع نے کہا تھا کہ :-"حضرت علیؓ نے قاتلین عثمانؓ پر ہاتھ ڈالنے کو اس وقت تک مؤخر کر رکھا ہے جب تک وہ انہیں پکڑنے پر قادر نہ ہو جائیں۔ آپ لوگ بیعت کر لیں تو پھر خون عثمانؓ کا بدلہ لینا آسان ہو جائیگا"۔(۷۲)

پھر جنگ سے عین پہلے جو گفتگو ان کے اور حضرت طلحہؓ وزبیرؓ کے درمیان ہوئی، اس میں حضرت طلحہؓ نے ان پر الزام لگایا کہ آپ خون عثمانؓ کے ذمہ دار ہیں۔ اور انہوں نے جواب میں فرمایا: لعن الله قتلة عثمان (عثمان کے قاتلوں پر خدا کی لعنت)۔ (۴۳)

لیکن اس کے بعد بتدریج وہ لوگ ان کے ہاں تقرب حاصل کرتے چلے گئے جو حضرت عثمانؓ کے خلاف شورش برپا کرنے اور بالآخر انہیں شہید کرنے کے ذمہ دار تھے۔ حتیٰ کہ انہوں نے مالک بن حارث الاشتر اور محمد بن ابی بکر کو گورنری کے عہدے تک دے دیئے درآں حالیکہ قتل عثمانؓ میں ان دونوں صاحبوں کا جو حصہ تھا، وہ سب کو معلوم ہے۔ حضرت علیؓ کے پورے زمانہ خلافت میں ہم کو صرف یہی ایک کام ایسا نظر آتا ہے، جس کو غلط کہنے کے سوا کوئی چارہ نہیں"۔

(ابوالاعلیٰ مودودی، خلافت و ملوکیت، ادارہ ترجمان القرآن لاہور، اپریل ۱۹۸۰ء، ص ۱۴۶۔ حاشیہ ۴۲۔ حوالہ ابن کثیر، البدایہ والنھایہ، ج ۷، ص ۲۳۷۔ وحاشیہ ۴۳۔ حوالہ البدایہ، ج ۷، ص ۲۴۰)۔

قاتلین عثمانؓ کے حوالہ سے مولانا مودودی مکرر ارشاد فرماتے ہیں:۔

"مالک الاشتر اور محمد بن ابی بکر کو گورنری کا عہدہ دینے کا فعل ایسا تھا جس کو کسی تاویل سے بھی حق بجانب قرار دینے کی گنجائش مجھے نہ مل سکی۔ اسی بناء پر میں نے اس کی مدافعت سے اپنی معذوری ظاہر کر دی ہے"۔

(ابوالاعلیٰ مودودی، خلافت و ملوکیت، ص ۳۴۸، ادارہ ترجمان القرآن لاہور، اپریل ۱۹۸۰ء ضمیمہ سوالات واعتراضات بسلسلہ بحث خلافت)۔

۸- سیدنا علیؓ و یزید

۱- سیدنا علیؓ (م ۴۰ھ) یزید (۲۲-۶۴ھ) کے پھوپھا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (شوہر سیدہ ام حبیبہ بنت ابی سفیانؓ ام المؤمنین) کے چچازاد بھائی تھے- نیز رشتے میں یزید کی پھوپھی زاد بہن سیدہ فاطمہ زہراؓ (ام المؤمنین سیدہ ام حبیبہ بنت ابی سفیانؓ کی سوتیلی بیٹی) کے شوہر تھے-

چنانچہ سیدنا علیؓ داماد رسولؐ اور یزید برادر زادہ زوجہ رسولؐ تھے- اگرچہ علیؓ امت کے چوتھے امام و خلیفہ راشد 'اہل تشیع کے امام اول اور سیدنا ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ کے ہمراہ صف اول کے صحابی و عزیز رسولؐ تھے- جبکہ یزید غیر صحابی (تابعی) اور ادنی سے ادنی صحابی رسولؐ کے مقابلہ میں بھی: چہ نسبت خاک را با عالم پاک ' کا مصداق تھا-

۲- علاوہ ازیں متعدد روایات کے مطابق فرزند علیؓ' سیدنا حسینؓ کی زوجہ و والدہ علی اکبرؒ (عمر بن الحسین) سیدہ آمنہ 'سیدہ میمونہ بنت ابی سفیانؓ کی بیٹی اور یزید کی پھوپھی زاد بہن تھیں- (ابن حزم 'جمہرۃ انساب العرب' ص ۲۵۵ 'و طبری 'ج ۱۳' ص ۱۹)-

۳- نیز بروایت دیگر سیدنا علیؓ کے بھتیجے اور داماد عبداللہ بن جعفر طیارؓ نے اپنی بیٹی (سیدہ زینبؓ بنت علیؓ کی سوتیلی بیٹی) سیدہ ام محمد کی شادی بعد وفات حسنؓ (۵۰ھ) یزید بن معاویہؓ سے کی:-

"وأم محمد بنت عبدالله بن جعفر تزوجها يزيد بن معاوية بن أبي سفيان"- (ابن حزم' جمهرة أنساب العرب' ص ٦٩)-

ترجمہ:- ام محمد بنت عبداللہ بن جعفر سے یزید بن معاویہ بن ابی سفیان نے شادی کی-

اور بروایت دیگر زید بن عمر فاروقؓ (از بطن ام کلثومؓ بنت علیؓ) کی بھتیجی اور

سیدہ ام کلثوم بنت علیؓ کے سوتیلے بیٹے عاصم بن عمر فاروقؓ کی بیٹی سیدہ ام مسکین بھی زوجہ یزید تھیں :۔

أم مسكين بنت عاصم بن عمر زوجة يزيد بن معاوية و خالة عمر بن عبدالعزيز—

(الذہبی 'میزان الاعتدال فی نقد الرجال 'ج ۳ 'ص ۴۰۰ بذیل الکنی للنسوۃ)۔

شیعی روایت کے مطابق بھی خواتین قافلہ حسینی جب دمشق میں خانہ یزید میں داخل ہوئیں تو یزید کی ہاشمی النسب بیوی نے شہادت حسین و شہدائے کربلا پر آہ و فغاں کی :۔

"پس صدائے زن ہاشمیہ کہ در خانہ یزید بود بوح و ندبہ بلند شد۔ ومیگفت :۔

يا حبيباه! يا سيد أهل بيتا ه! يا بن محمداه!"۔

(عباس قمی' منتهى الامال' ج ۱' ص ۴۳۰)

ترجمہ :۔ پس اس ہاشمی خاتون کی صدائے نوحہ و فریاد بلند ہوئی جو یزید کے گھر میں تھی۔ وہ پکارنے لگیں :۔

ہائے میرے پیارے! ہائے سردار اہل بیت! ہائے فرزند محمدؐ!

۴۔ سیدنا علیؓ کے بھتیجے اور داماد عبداللہ بن جعفر طیارؓ کے فرزند معاویہ بن عبداللہ بن جعفرؓ (سیدہ زینبؓ بنت علیؓ کے سوتیلے بیٹے) کی یزید بن معاویہؓ سے بچپن ہی سے گہری دوستی تھی :۔

"ونشأ معاوية الهاشمي صديقاً ليزيد بن معاوية الأموي".

(الزرکلی' الأعلام' ج ۷' ص ۱۷۳)

ترجمہ :۔ معاویہ ہاشمی نے اس حال میں پرورش پائی کہ وہ یزید بن معاویہ سے دوستی رکھتے تھے۔

۵- سیدنا علیؓ کے برادر بزرگ ابو یزید عقیلؓ بن ابی طالب، نیز ابو سفیانؓ (والد صحابی رسولؐ یزید بن ابی سفیانؓ یکے از فاتحین شام) اور معاویہ بن ابی سفیانؓ (والد یزید مذکور) کی طرح فرزند داماد علیؓ، معاویہ بن عبداللہ بن جعفر طیارؓ نے بھی اپنے ایک بیٹے کا نام یزید رکھا۔ جو سیدنا علیؓ کے پوتے حسن مثنیٰ بن حسنؓ کی بیٹی سیدہ فاطمہ بنت حسن مثنیٰؒ کے بطن سے پیدا ہوا۔ جبکہ سیدنا علیؓ کے پوتے حسن مثنیٰ بن حسنؓ کی دوسری بیٹی زینب بنت حسن مثنیٰ خلافت یزید (۶۰-۶۴ھ) اور واقعہ کربلا کے بعد خلافت سنبھالنے والے مروانؓ بن حکم (۶۴-۶۵ھ) کے فرزند اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان (۶۵-۷۶ھ) کی زوجہ تھیں:-

" زینب را عبدالملك بن مروان كابین بست – و فاطمه بحباله نكاح معاویه بن عبدالله بن جعفر طیار درآمد – وازوی چهار پسر و یك دختر آورد، بدینطریق نام ایشان ثبت شده:–

یزید، صالح، حماد، حسین، زینب ".

(عباس قمی، منتهی الامال، ج ۱، ص ۲۵۱، ذکر فرزندان حسن بن الحسن بن علی بن ابی طالب علیه السلام، ایران، سازمان انتشارات جاویدان، ۱۳۸۸ – ۱۳۸۹ھ).

ترجمہ:- زینب سے عبدالملک بن مروان نے شادی کی۔ اور فاطمہ، معاویہ بن عبداللہ بن جعفر کے حبالہ عقد میں آئیں۔ان سے چار بیٹے اور ایک بیٹی پیدا ہوئی۔ جن کے نام اس طرح درج شدہ ہیں:- یزید، صالح، حماد، حسین، زینب۔

۶- یزید (ولادت بروایت اصح ۲۲ھ) کے ابتدائے شباب کا پہلا اہم واقعہ شہادت امام و خلیفہ ثالث عثمانؓ بن عفان (۱۸ ذوالحجہ ۳۵ھ، مدینہ) تھا۔ جس کے بعد بیوہ عثمانؓ سیدہ نائلہؓ نے چشم دید تفصیل قتل عثمانؓ پر مبنی مکتوب و خون آلود قمیص عثمانؓ دمشق بھجوائی۔ جسے جامع اموی دمشق میں دیکھ دیکھ کر ہزاروں اہل شام کی دردناک آہ وزاری کا

منظر یزید کے پیش نظر تھا- چنانچہ قصاص عثمانؓ کے مسئلہ پر پیش آمدہ جنگ صفین مابین علیؓ و معاویہؓ (موقف علیؓ: پہلے بیعت خلافت علیؓ پھر طلب قصاص عثمانؓ- و موقف معاویہؓ: پہلے مسئلہ قصاص عثمانؓ پھر بیعت خلافت علیؓ) کے موقع پر (۳۷ھ) یزید بروایت بارہ برس سے زائد عمر میں (۲۲-۲۶ھ) ابو یزید عقیلؓ بن ابی طالب اور اپنے والد معاویہؓ بن ابی سفیانؓ کا مؤید و ہمنوا تھا- جبکہ لشکر علیؓ میں فرزندان علیؓ سیدنا حسنؓ و حسینؓ و ابن الحنفیہؒ سر فہرست تھے- اور جنگ صفین سے پہلے بسلسلہ قصاص عثمانؓ جنگ جمل (جمادی الثانی ۳۶ھ) مابین لشکر علیؓ و عائشہؓ نیز شہادت طلحہؓ و زبیرؓ (نائبین عائشہؓ) سمیت دس ہزار سے زائد مقتولین فریقین کا دردناک سانحہ بھی یزید کے ابتدائے شباب میں پیش آمدہ ایک اہم واقعہ تھا-

۷- شہادت عثمانؓ و جنگ جمل و صفین کے بعد دشمنان علیؓ و معاویہؓ و عمرو بن العاصؓ (خوارج) کی جانب سے بالترتیب کوفہ و دمشق و مصر میں تینوں کو بیک وقت قتل کرنے کا منصوبہ یزید کی جوانی کا چوتھا اہم ولدوز واقعہ تھا- جس کے نتیجے میں معاویہؓ وار اوچھا پڑنے سے بچ گئے- عمرو بن عاصؓ کسی وجہ سے امامت فجر نہ کرا سکے اور ان کا متبادل امام غلط فہمی میں مقتول ہوا- جبکہ سیدنا علیؓ مسجد کوفہ میں شدید مجروح بدست ابن ملجم ہو کر منصب شہادت پر فائز ہوئے-

چنانچہ شہادت علیؓ بدست عبدالرحمٰن ابن ملجم خارجی (رمضان ۴۰ھ کوفہ) کے بعد ابن ملجم کو قصاص علیؓ میں قتل کر دیا گیا- اور شیعی روایت کے مطابق اس کی لاش جلا دی گئی- پس سیدنا حسنؓ نے امت کے امام و خلیفہ پنجم اور اہل تشیع کے دوسرے امام منصوص و معصوم کی حیثیت سے منصب امامت و خلافت سنبھالا:-

"وجاء الناس إلى أمير المؤمنين عليه السلام فقالوا له:— يا أميرالمؤمنين مرنا بأمرك في عدوالله لقدأهلك الأمة وأفسدالملة؟ فقال لهم أميرالمؤمنين عليه السلام: إن عشت رأيت فيه رأيي— فان هلكت فاصنعوابه مايصنع بقاتل النبي. أقتلوه ثم حرقوه بعد ذلك بالنار —

قال:–لما قضی أميرالمؤمنين عليه السلام نحبه و فرغ أهله من دفنه جلس الحسن عليه السلام وأمرأن يؤتى بابن ملجم فجئی به. فلما وقف بين يديه قال له: عدوالله! قتلت أمير المؤمنين وأعظمت الفساد فی الدين؟ ثم أمربه فضربت عنقه فاستوهبت أم الهيثم بنت الأسود النخعية جثته منه لتتولی إحراقها فوهبها لها فأحرقتها بالنار"۔

(المفيد 'الإرشاد' ج ۱ ' ص ۲۰ ' الباب لأول ' فی أخبار أمير المؤمنين عليه السلام' ايران' انتشارات علمية اسلامية' ۱۳۸۷ ھ با ترجمه و شرح فارسی' سيد ہاشم رسولی محلاتی)–

ترجمہ :– لوگ امیر المؤمنین علیہ السلام کے پاس آئے اور ان سے کہنے لگے :–اے امیر المؤمنین ! دشمن خدا کے بارے میں ہمیں اپنا حکم سنایئے–یقیناً وہ ہلاکت امت و فساد ملت کا باعث بنا ہے– تو امیر المؤمنین علیہ السلام نے ان لوگوں سے فرمایا :–اگر میں زندہ بچ گیا تو اس کے بارے میں اپنی رائے کے مطابق فیصلہ کروں گا–اور اگر میں مر گیا تو اس کے ساتھ وہی سلوک کرنا جو کہ نبی کے قاتل کے ساتھ کیا جاتا ہے– اسے قتل کر دینا' پھر اسے آگ میں جلا ڈالنا–راوی کا بیان ہے کہ جب امیر المؤمنین شہادت پا گئے اور ان کے اہل بیت ان کی تدفین سے فارغ ہوئے–' تو حسن علیہ السلام تشریف فرما ہوئے اور حکم دیا کہ ابن ملجم کو پیش کیا جائے–پس اسے لایا گیا اور وہ آپ کے سامنے آن کھڑا ہوا' تو آپ نے فرمایا :– اے دشمن خدا! تو نے ہی امیر المؤمنین کو قتل کیا ہے اور دین میں فساد عظیم برپا کیا ہے ؟ پھر اس کے بارے میں حکم دیا تو اس کی گردن مار دی گئی–چنانچہ ام ہیثم بنت اسود نخعیہ نے درخواست کی کہ اس کی لاش ان کے حوالہ کر دی جائے تا کہ وہ اپنی نگرانی میں نذر آتش کریں–پس حسن نے لاش انہیں بخش دی– اور انہوں نے اسے آگ میں جلا ڈالا–

۸– شہادت علیؑ (۲۱ رمضان ۴۰ھ) کے چند ماہ بعد (۴۱ھ) فرزند علی سیدنا

حسنؓ نے منصب امامت و خلافت امت سے دستبردار ہو کر اپنے بھائی حسینؓ وابن الحنفیہؒ و دیگر اہل بیت علیؓ کے ہمراہ اپنی شرائط صلح کے مطابق امت کے امام و خلیفہ ششم کی حیثیت سے صحابی راشد سیدنا معاویہؓ کی بیعت کرلی۔ اور اس بیعت خلافت کو اپنی وفات (۵۰ھ) تک برقرار رکھا۔ نیز سیدنا حسینؓ وابن الحنفیہؒ و دیگر فرزندان و اہل بیت علیؓ و بنو ہاشمؓ نے بھی پوری امت مسلمہ کے ہمراہ بیعت خلافت معاویہؓ (۴۱-۶۰ھ) کو وفات معاویہؓ (۲۲ رجب ۶۰ھ) تک برقرار رکھا۔ اور یزید ان تمام حالات کا شاہد و مشاہد تھا۔

۹- وفات معاویہ (۲۲ رجب ۶۰ھ) کے بعد تین مدعیان خلافت، حسین بن علیؓ (کوفہ) عبداللہ زبیرؓ (مکہ) اور یزید بن معاویہؒ (دمشق) میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا حسینؓ (نواسہ سیدہ خدیجہؓ ام المؤمنین) کے نانا، سیدنا ابن زبیرؓ (خواہر زادہ سیدہ عائشہؓ ام المؤمنین) کے خالو، اور یزید (برادر زادہ سیدہ ام حبیبہؓ ام المؤمنین) کے پھوپھا تھے۔

(ا) چنانچہ جنگ جمل میں لشکر عائشہؓ و طلحہؓ و زبیرؓ میں شامل سیدنا علیؓ کے پھوپھی زاد اور سیدہ فاطمہؓ کے ماموں زاد بھائی کے بیٹے عبداللہ بن زبیرؓ نے جو نواسہ ابی بکرؓ اور سیدہ عائشہؓ و محمد بن ابی بکرؒ (علیؓ کے سوتیلے بیٹے) کے بھانجے بھی تھے، یزید کی بیعت سے انکار کرتے ہوئے مکہ میں مقیم ہو کر خلافت ابن زبیرؓ کے قیام کی سعی فرمائی۔ اور وفات یزید و رضا کارانہ دستبرداری معاویہ ثانی (۶۴ھ) کے بعد حجاز و عراق میں خلافت آل زبیرؓ (۶۴-۷۳ھ) قائم فرمانے میں کامیاب ہوئے۔

(ب) جنگ صفین میں لشکر معاویہؓ و عقیلؓ بن ابی طالب کے حامی و مؤید برادر زادہ ام حبیبہؓ ام المؤمنین، یزید بن معاویہؒ نے دمشق میں خلافت آل ابی سفیانؓ کو برقرار رکھا۔ اور حسینؓ بن علیؓ و عبداللہ بن زبیرؓ نیز ان کے اعوان و انصار کے علاوہ پورے عالم اسلام سے بیعت خلافت یزید حاصل کرنے اور واقعہ کربلا و حرہ کے بعد بھی اپنی وفات (ربیع الاول ۶۴ھ) تک اسے برقرار رکھوانے میں بطور مجموعی کامیاب رہا۔

(ج) جنگ جمل و صفین میں لشکر علیؓ میں شامل نواسہ رسولؐ و خدیجہ ام المؤمنینؓ' سیدنا حسینؓ بن علیؓ نے خلافت یزید کے خلاف مکہ میں مقیم ابن زبیرؓ کے ساتھ مل کر متحدہ خروج کے بجائے شیعان کوفہ و عراق کے بھروسے پر عراق میں خلافت حسینی کے قیام کی جدوجہد فرمائی- جبکہ جنگ صفین میں لشکر معاویہؓ میں شامل عقیلؓ بن ابی طالب کے فرزند مسلم بن عقیلؓ و دیگر فرزندان عقیلؓ نے اپنے چچازاد حسینؓ بن علیؓ کا بھرپور ساتھ دیا-

۱۰- شیعی روایت (شیخ مفید' الارشاد ۲/ ۳۵۵-۳۵۶) کے مطابق سیدنا علیؓ کے کم از کم گیارہ لڑکے اور پندرہ لڑکیاں' کل چھبیس بچے تھے جن کے نام درج ذیل ہیں :-

۱- حسن ۲- حسین ۳- محمد (ابن الحنفیہ)

۴- ابوبکر ۵- عمر ۶- عثمان

۷- عباس ۸- جعفر ۹- عبداللہ

۱۰ - عبیداللہ ۱۱- یحییٰ...رضی اللہ عنہم اجمعین-

۱- زینب ۲- ام کلثوم ۳- رقیہ ۴- ام الحسن

۵- رملہ ۶- نفیسہ ۷- زینب الصغریٰ ۸- ام ھانی

۹- ام الکرام ۱۰- جمانہ ام جعفر ۱۱- لامہ ۱۲- ام سلمہ

۱۳- میمونہ ۱۴- خدیجہ ۱۵- فاطمہ -رضی اللہ عنھن-

چنانچہ موضوع زیر بحث "فکر شیعی میں یزید" کے حوالہ سے واضح رہے کہ یزید زمانہ خلافت علوی (۳۵-۴۰ھ) میں جوان تھا- اور سیدہ عائشہ و طلحہ و زبیر و عقیل و معاویہ و عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم نیز ان کے اعوان و انصار کے موقف قصاص عثمانؓ کا حامی و مؤید تھا- جبکہ سیدنا علیؓ خلافت یزید (۶۰-۶۴ھ) سے تقریباً بیس برس پہلے (رمضان ۴۰ھ میں شہادت پا چکے تھے اور سیدنا حسنؓ بھی دس برس پہلے (۵۰ھ میں) وفات پا چکے تھے- بقیہ دس فرزندان علیؓ میں سے چھ اپنے بھائی حسینؓ کے ساتھ کربلا میں شہید ہوئے- (مفید' الارشاد ۱-۳۵۵ و ۲-۱۲۹)- جن کے نام درج ذیل ہیں !-

۱- ابوبکر ۲- عثمان ۳-عباس ۴- جعفر ۵- عبداللہ ۶- عبیداللہ-

جبکہ خاندان حسینؓ (بنوہاشم) کے کل سترہ ہاشمی جوان کربلا میں حسینؓ کے ہمراہ شہید ہوئے-(مفید'الارشاد'ج ۲' ص '۲-۱۲۹)-

جن میں سے بقیہ گیارہ یہ ہیں :-

۱- ابوبکر ۲- قاسم ۳-عبداللہ- (فرزندان حسنؓ)

۴-علی ۵- عبداللہ---(فرزندان حسینؓ)

۶-عون ۷-محمد---(فرزندان عبداللہ بن جعفرؓ)

۸-عبداللہ ۹- جعفر ۱۰-عبدالرحمٰن (برادران مسلم بن عقیل بن ابی طالب)

۱۱-محمد بن ابی سعید بن عقیل بن ابی طالب-

سیدنا حسینؓ سمیت کل اٹھارہ شہدائے اہل بیت ابی طالب و علی و حسنین رضی اللہ عنہم کے ہمراہ انیسویں جوان علی بن حسینؓ (زین العابدین) تھے-جو کہ کربلا میں موجود ہونے کے باوجود شدید علالت کی بناء پر جنگ میں شریک نہ ہو سکے اور زندہ بچ گئے-

جبکہ روایات کے مطابق کربلا میں موجود چند ہاشمی لڑکے نابالغ تھے اور اس بناء پر جنگ میں شریک نہ تھے-جن میں ممتاز و نمایاں تریسویں ہاشمی محمد الباقر بن علی زین العابدینؒ ہیں جو بعد ازاں روایات کربلا کے ایک اہم راوی قرار پائے-

اگر ان شیعی روایات کو پیش نظر رکھا جائے جن کے مطابق امیر المؤمنین علیؓ کے اٹھارہ بیٹے اور اٹھارہ بیٹیاں تھیں (عنبہ 'عمدۃ الطالب' ص ۴۴) تو پھر کربلا میں موجود سات فرزندان علیؓ بشمول حسینؓ کے علاوہ کم و بیش دس برادران حسینؓ موجود نہ تھے-کیونکہ سیدنا حسنؓ (م ۵۰ھ) تو دس برس پہلے وفات پا چکے تھے اور بقیہ دس میں سے بھی ایک آدھ کا واقعہ کربلا سے پہلے وفات پانا خارج از امکان نہیں-

اسی طرح سیدنا علیؓ کی پندرہ مذکورہ بیٹیوں (بروایت "عمدۃ الطالب" اٹھارہ) میں سے دختران فاطمہؓ سیدہ زینبؓ وام کلثومؓ تو بالاتفاق موجود تھیں-نیز بعض دیگر دختران علیؓ (سیدہ رقیہؓ وغیرہ) کی موجودگی بھی روایات میں مذکور ہے-مگر سیدنا علیؓ کے دامادوں'

بیٹیوں اور نواسوں نواسیوں کی کثیر تعداد کربلا میں موجود نہ تھی۔ علیؓ و حسنینؓ کے یہ اہل خاندان کن وجوہ کی بناء پر کربلا میں موجود نہ تھے۔ نیز ان سمیت دیگر سینکڑوں اہل بیت بنی ہاشم اس موقع پر کہاں کہاں موجود تھے اور انہوں نے خلافت یزید کے خلاف خروج حسینی میں کیوں حصہ نہ لیا اور ان کا موقف کیا تھا؟ یہ تفصیلات بالعموم منظر عام پر نہیں آپاتیں ۔ بہر حال شیعی روایت کے مطابق برادر حسنینؓ محمد ابن الحنفیہؒ و عمر بن علیؓ (عمر لأطرف) نیز داماد علیؓ (شوہر ہمشیرہ حسنینؓ سیدہ زینبؓ) عبداللہ بن جعفر طیارؓ کا کربلا میں موجود نہ ہونا متفق علیہ ہے۔ اس سلسلہ میں بطور اشارہ چند روایات درج ذیل ہیں:-

ا- برادر حسنینؓ عمر بن علیؓ نے ابتداء ہی میں بیعت خلافت یزید کر کے سیدنا حسینؓ کے ہمراہ کوفہ جانے سے انکار کر دیا۔

"وتخلف عمر عن أخيه الحسين ولم يسارمعه إلى الكوفة ' وكان قد دعاه إلى الخروج معه فلم يخرج – يقال: إنه لما بلغه قتل أخيه الحسين خرج فى معصفات له وجلس بفناء داره وقال:– أنا الغلام الحازم ولوأخرج معهم لذهبت فى المعركة وقتلت".

(عنبة ' عمدة الطالب فى أنساب آل أبى طالب ' طبع لكهنو ' ص ٣٥٧).

ترجمہ :- عمر اپنے بھائی حسین سے پیچھے رہ گئے اور ان کے ہمراہ کوفہ کا سفر اختیار نہ کیا حالانکہ انہوں نے آپ کو خروج کی دعوت دی تھی۔ مگر آپ ان (حسینؓ) کے ساتھ نہ گئے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جب آپ کو اپنے بھائی حسین کی شہادت کی خبر ملی تو زرد لباس پہن کر نکلے اور اپنے مکان کے صحن میں آ کر بیٹھ گئے اور کہنے لگے کہ :- میں عقلمند و محتاط جوان ہوں۔ اگر میں بھی ان کے ساتھ نکل پڑتا تو لڑائی میں شریک ہو کر مقتول ہو جاتا۔

ب- محمد بن حنفیہؒ سیدنا علیؓ کے عظیم المرتبت فرزند تھے۔

"كان محمد بن الحنفية أحد رجال الدهر فى العلم والزهد والعبادة والشجاعة ' وهو أفضل ولد على بن أبى طالب بعد الحسن و الحسين".

(عنبة' عمدة الطالب فى أنساب آل أبى طالب ' لكھنو' طبع اول' ص ٣٤٧).

ترجمہ :- محمد بن حنفیہ علم و شجاعت اور زہد و عبادت میں اپنے زمانے کے ممتاز لوگوں میں سے تھے- اور وہ حسن و حسین کے بعد اولاد ابی طالب میں سب سے افضل تھے-

ابن الحنفیہ نے ابتدا ہی میں بیعت خلافت یزید کرنے کے بعد مدینہ سے مکہ آکر سیدنا حسینؓ کو شیعان کوفہ کے بھروسہ پر خروج سے روکا :-

"فأدرك حسيناً بمكة ' فأعلمه أن الخروج ليس له برأى يومه هذا- فأبى الحسين أن يقبلا' فجس محمد بن الحنفية ولده فلم يبعث أحداً منهم". (ابن كثير' البداية والنهاية' ج ٨، ص ١٦٥).

ترجمہ :- پس ابن الحنفیہ مکہ میں حسین کے پاس پہنچ گئے اور انہیں بتلایا کہ ان کی رائے میں اس وقت خروج مناسب نہیں- مگر حسین نے یہ رائے قبول نہ فرمائی- پس محمد بن حنفیہ نے اپنی اولاد کو روک دیا اور ان میں سے کسی ایک کو بھی (حسینؓ کے ساتھ) نہ جانے دیا-

واقعہ حرہ (اواخر ٦٣ھ) کے موقع پر حامیان ابن زبیرؓ کے مدینہ پر غلبہ کے بعد بھی ابن الحنفیہؒ نے بیعت یزید توڑنے سے انکار کرتے ہوئے حامیان ابن زبیرؓ کے سامنے یزیدؒ پر فسق و فجور کے الزامات کی تردید میں فرمایا :-

"وقد حضرته وأقمت عنده فرأيته مواظباً على الصلاة متحرياً للخير يسئال عن الفقه' ملازماً للسنة".

(ابن كثير البداية والنهاية' ج ٨، ص ٢٤٣) .

ترجمہ :- میں اس (یزید) کے پاس گیا ہوں اور اس کے ہاں مقیم رہا ہوں- پس میں نے اسے نماز کا پابند کار خیر میں سرگرم، فقہ پر گفتگو کرنے والا اور پابند سنت پایا ہے-

ج-سیدنا علیؓ کے بھتیجے اور داماد عبداللہ بن جعفر طیارؓ (شوہر سیدہ زینبؓ) نے ابتداء ہی میں بیعت خلافت یزید فرمائی اور مدینہ سے مکہ آکر حسینؓ کو کوفہ جانے سے روکتے ہوئے والی حرمین عمرو بن سعید سے حاصل کردہ امان و وعدہ انعام برائے حسینؓ پر مشتمل خط بھی یحیی بن سعید کے ذریعے ان کو دیا- مگر حسینؓ نہ مانے :-

"فلما أيس منه عبدالله بن جعفر أمرإبنيه عوناً و محمداً بلزومه والمسيرمعه والجهاد دونه- ورجع مع يحيى بن سعيد إلى مكة" .
(الشيخ المفيد، الإرشاد ج ۲، ص ۷۱، ايران، انتشارات علميةاسلامية ۱۳۸۷ھ) -

ترجمہ :-پس جب عبداللہ بن جعفر ان (حسین کے باز نہ آنے) سے مایوس ہوگئے تو اپنے بیٹوں عون و محمد کو ان کے ساتھ رہنے اور سفر کرنے نیز ان کی خاطر جہاد کا حکم دیا-اور خود یحیی بن سعید (برادر والی مکہ عمرو بن سعید) کے ہمراہ مکہ لوٹ آئے-

د- یہ بھی واضح رہے کہ واقعہ کربلا (۶۱ھ) کے بعد واقعہ حرہ (۶۳ھ) کے موقع پر علی زین العابدینؒ نے یزید کے خلاف حامیان ابن زبیرؓ کی بغاوت کا ساتھ نہ دیتے ہوئے بیعت یزید کو (شیعان کوفہ کی غداری کے بعد یزید سے مذاکرات و مصالحت کی حسینی پیشکش کے تناظر میں) اپنے چچا ابن الحنفیہؒ، پھوپھا ابن جعفرؓ نیز دیگر اہل بیتؓ کے ہمراہ برقرار رکھا- جس پر امیر لشکر یزید مسلمؒ بن عقبہ نے خلیفہ یزید کی خصوصی ہدایت کے مطابق ان سے بطور خاص حسن سلوک و تعظیم واحترام کا اہتمام کیا- شیعہ عالم و مؤلف شیخ مفید (م ۴۱۳ھ) رقمطراز ہیں :-

"وجاء الحديث من غير وجه أن مسرف بن عقبة لما قدم المدينة

أرسل إلى علي بن الحسين عليهما السلام فأتاه– فلماصار إليه قربه وأكرمه وقال له:– وصاني أميرالمؤمنين ببرك وصلتك وتمييزك من غيرك".

(المفید' الارشاد' ج ۲' ص ۱۵۲' الباب السابع' ایران' انتشارات علیة اسلامیہ' ۱۳۸۷ھ)

ترجمہ :– اور ایک سے زیادہ طریق روایت سے یہ حدیث بیان ہوئی ہے کہ مسرف (مسلم) بن عقبہ جب مدینہ آئے تو علی بن حسین علیہما السلام کو بلا بھیجا۔ پس جب آپ تشریف لائے اور ان کے پاس پہنچے تو انہوں نے اپنے قریب بٹھایا اور ان کا اکرام کیا۔ اور کہنے لگے :– مجھے امیر المؤمنین (یزید) نے آپ سے حسن سلوک اور بھلائی نیز دوسروں کے مقابلے میں ممتاز رکھنے کی تلقین فرمائی ہے۔

ان چند ارشادات نیز سابقہ تفصیلات سے شہادت و قصاص عثمانؓ ' جمل و صفین نیز شہادت علیؓ و صلح حسنؓ و معاویہؓ کے پس منظر میں علیؓ و یزید اور اولاد علیؓ و خلافت یزید کے حوالہ سے افراط و تفریط و مبالغہ آرائی سے بچتے ہوئے حقائق کا خوبی ادراک کیا جا سکتا ہے۔

اور خلاصہ کلام یہ کہ فرزندان و دختران و دامادان علیؓ نیز ان کی اولاد کی کثیر تعداد کی واقعہ کربلا کے وقت عدم موجودگی و بیعت خلافت یزید نیز سیدنا حسینؓ کی ۔ شیعان کوفہ کی غداری اور خلافت حسینی کے قیام کا امکان معدوم ہو جانے کے بعد دست در دست یزید (یا بالفاظ دیگر کم از کم صلح و مذاکرات) کی حسینی پیشکش کے پیش نظر خوبی فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ مسئلہ بیعت و عدم بیعت خلافت یزید' اولاد و خاندان علیؓ کے نزدیک مسئلہ ترجیح و عدم ترجیح خلافت یزید نیز مسئلہ اعتبار و عدم اعتبار شیعان کوفہ و عراق تھا یا مسئلہ کفر و اسلام' و معرکہ حق و باطل۔

ان اختلافات مواقف اولاد علیؓ کی توجیہ و تاویل بربنائے تقیہ و عدم تقیہ اس لئے ممکن نہیں کہ اثنا عشری تصور تقیہ متعدد غیر اثنا عشری شیعہ فرقوں (پیروان ائمہ

الحنفیہ یعنی شیعہ کیسانیہ نیز زیدیہ وغیرہ) کے نزدیک قابل تسلیم نہیں۔

وإن فی ذلك لآیات لأولی الالباب—

۲- سیدنا حسنؓ بن علیؓ الھاشمی القرشی

(م ۵۰ھ ' مدینہ)

ابو محمد حسنؓ بن علیؓ ۱۵ رمضان ' سن ۳ھ کی شب مدینہ میں پیدا ہوئے- اور سیدنا علیؓ کی شہادت (۲۱ رمضان ۴۰ھ) کے بعد ۳۷ برس کی عمر میں اھل تشیع کے امام و خلیفہ ثانی اور امت مسلمہ کے امام و خلیفہ پنجم کی حیثیت سے کوفہ میں منصب امامت و خلافت پر فائز ہوئے- مگر چند ماہ بعد سیدنا معاویہؓ کے حق میں دستبردار ہو کر (۴۱ھ) اپنے بھائی حسینؓ و اہل بیت علیؓ و بنو ہاشم کے ہمراہ بیعت خلافت معاویہؓ کرلی- جو بعض شیعہ فرقوں (اثنا عشریہ) کے نزدیک تقیہ پر مبنی اور دیگر شیعہ فرقوں (کیسانیہ ' زیدیہ وغیرہ) کے نزدیک بلا تقیہ ہے- اور اس طویل عرصہ (۴۱-۵۰-۶۰ھ) میں یزید بھی بحالت شباب امور مصالحت و خلافت میں شریک و سہیم تھا-

سیدنا حسنؓ (نواسہ ام المؤمنین خدیجہؓ) اور سیدنا معاویہؓ (برادر ام المؤمنین ام حبیبہؓ) کے مابین صلح کا پس منظر و تفصیل بیان کرتے ہوئے شیعی مؤرخ ابو مخنف لوط بن یحیی ازدی (م ۱۵۷ھ) کی روایت کے مطابق شیعہ عالم و مؤلف شیخ مفید لکھتے ہیں کہ جب معاویہ عراق پر غلبہ پانے کے لئے روانہ ہوئے اور اور منبج شہر کے پل (شام کے شہر حلب سے دس فرسنگ) پر پہنچے- تو امام حسن اس جانب حرکت میں آئے- اور آخر کار دیر کعب کی جانب ساباط کے پل کے پاس پڑاؤ ڈالا- اور رات گزارنے کے بعد آگے بڑھنے سے پہلے اپنے ساتھیوں کی آزمائش کا فیصلہ کیا- تاکہ دوست اور دشمن کا پتہ چل سکے اور معاویہ و اہل شام سے مڈبھیڑ سے پہلے بصیرت کی بناء پر فیصلہ کیا جاسکے- چنانچہ آپ نے "الصلاۃ جامعہ" کی آواز بلند کرنے کا حکم دیا اور لوگ جمع ہو گئے :-

"فصعدالمنبر فخطبهم فقال :-

الحمدلله كلما حمده حامد، وأشهدأن لا إله إلا الله كلما شهد له شاهد، وأشهدأن محمداً عبده ورسوله أرسله بالحق وائتمنه على الوحي .

صلی اللہ علیہ وآلہ أمابعد:—

فواللہ إنی لأرجوأن أکون قدأصبحت بحمداللہ ومنہ وأنا أنصح خلق اللہ لخلقہ، وما أصبحت محتملاً علی مسلم ضغینۃ ولا مریداً لہ بسوء ولا غائلۃ. ألا وإن ما تکرھون فی الجماعۃ خیرلکم ماتحبون فی الفرقۃ— ألا وإنی ناظرلکم خیراً من نظرکم لأنفسکم فلاتخالفواأمری ولا تردوا علیّ رأیی غفراللہ لی ولکم وأرشدنی وإیا کم لمافیہ المحبۃ والرضا—

قال : فنظر الناس بعضھم إلی بعض وقالوا :— ماترونہ یرید بما قال؟ قالوا: نظنہ واللہ یرید أن یصالح معاویۃ و یسلم الأمر إلیہ فقالوا:— کفر واللہ الرجل — ثم شدوا علی فسطا طہ وانتھبوہ حتی أخذوا مصلاہ من تحتہ. ثم شد علیہ عبدالرحمن بن عبداللہ بن جعال الأزدی فنزع مطرفہ عن عاتقہ، فبقی جالساً متقلداً السیف بغیر رداء ثم دعی بفرسہ فرکبہ وأحدق بہ طوائف من خاصتہ وشیعتہ ومنعوا منہ من أرادہ فقا ل: أدعوا إلی ربیعۃ وھمدان— فدعوا فأطا فوا بہ و دفعوا الناس عنہ علیہ السلام، وسار ومعہ شوب من غیرھم— فلما مرفی مظلم ساباط بدرإلیہ رجل من بنی اسد یقال لہ الجراح بن سنان فأخذ بلجام بغلتہ وبیدہ مغول وقال:— اللہ اکبر أشرکت یا حسن! کما أشرک أبوک من قبل— ثم طعنہ فی فخذہ فشقہ حتی بلغ العظم= ثم اعتنقہ الحسن علیہ السلام و خرا جمیعاً إلی الأرض— فوثب إلیہ رجل من شیعۃ الحسن علیہ السلام یقال لہ عبداللہ بن خطل الطائی فانتزع المغول من یدہ وخضخض بہ جوفہ— فأکب علیہ آخریقال لہ ظبیان بن عمارۃ فقطع أنفہ فھلك من ذلك = وأخذآخرکان معہ فقتل—

وحمل الحسن علیہ السلام علی سریر إلی المدائن فأنزل بہ علی سعدبن مسعود الثقفی أمیر أامیرالمؤمنین علیہ السلام بھا فأقرہ الحسن

عليه السلام على ذلك . واشتغل الحسن عليه السلام بنفسه يعالج جرحه–

وكتب جماعة من رؤساء القبائل إلى معاوية بالسمع والطاعة فى السر واستحثوه على المسير نحوهم وضمنوا له تسليم الحسن عليه السلام إليه عند دنوهم من عسكره أو الفتك به. وبلغ الحسن عليه السلام ذلك"–

(الشيخ المفيد: الإرشاد، ج ۲، ص۷–۹: امامة الحسن بن علی: ایران انتشارات علمية اسلامية: ۱۳۸۷ھ).

ترجمہ :- پس آپ نے منبر پر چڑھ کر ان سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا :-

تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جب بھی کوئی تعریف کرنے والا اس کی تعریف کرے- اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، ہمہ وقت جب کوئی گواہی دینے والا اس کی گواہی دے- نیز میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اس کے بندے اور رسول ہیں، جنہیں اس نے حق کے ساتھ بھیجا اور وحی کا امین بنایا- صلی اللہ علیہ وآلہ، اما بعد :-

بخدا میں اس بات کی امید رکھتا ہوں کہ خدا کی حمد و احسان کے ساتھ صبح اس حال میں اٹھوں کہ میں خدا کی مخلوق میں سے اس کے بندوں کے لئے خیر خواہ ترین رہوں- اور کبھی اس حال میں صبح نہ کروں کہ میں کسی مسلمان کیلئے کینہ رکھنے والا یا اس کی برائی و ہلاکت چاہنے والا ہوں-

دیکھو! تم جس تفرقہ کو پسند کرتے ہو، اس سے وہ اجتماعیت بہتر ہے جسے تم ناپسند کر رہے ہو- دیکھو! تم اپنے نفسوں کے لئے جو سوچتے ہو، میں تمہارے لئے اس سے بہتر غور و فکر کا حامل ہوں- پس تم میرے حکم کی خلاف ورزی مت کرو اور میری رائے کو میری ہی طرف لوٹا کر ٹھکرا نہ دو- اللہ میری اور تمہاری مغفرت فرمائے اور میری اور تمہاری اس چیز کی طرف رہنمائی کرے جس میں محبت اور رضا ہے-

راوی نے بیان کیا کہ اس پر لوگ ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگے :- جو کچھ انہوں نے کہا ہے اس سے تمہارے رائے کے مطابق وہ کیا کرنا چاہتے ہیں ؟ پھر وہ بولے :- خدا ہمارا گمان ہے کہ وہ معاویہ سے صلح کر کے حکومت ان کے سپرد کرنا چاہتے ہیں- پس لوگ باتیں کرنے لگے کہ :- خدا اس شخص نے کفر کیا-

پھر انہوں نے آپ کے خیمہ پر حملہ کر کے اسے لوٹ لیا- یہانتک کہ آپ کے پیروں تلے سے آپ کی جائے نماز بھی نکال لی- پھر عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن جعال ازدی نے آپ کے ساتھ سخت رویہ اختیار کیا اور آپ کے کندھے سے آپ کی چادر بھی کھینچ لی- پس آپ چادر کے بغیر ہی تلوار لٹکائے تشریف فرما رہے- پھر آپ نے اپنا گھوڑا طلب کیا اور اس پر سوار ہوئے جبکہ آپ کے خاص لوگوں اور طرفداروں (شیعان) کے دستوں نے آپ کو گھیرے میں لے رکھا تھا اور ان لوگوں سے آپ کی حفاظت کر رہے تھے جو آپ کو نقصان پہنچانا چاہتے تھے- پس آپ نے فرمایا :- قبیلہ ربیعہ و ہمدان کے لوگوں کو میرے پاس بلاؤ- پس انہیں بلایا گیا تو انہوں نے آپ کے اردگرد گھیرا ڈال لیا اور لوگوں کو آپ علیہ السلام سے پرے دھکیل دیا- پھر آپ روانہ ہوئے جبکہ آپ کے ہمراہ (ان دو قبیلوں کے علاوہ ملے جلے) کچھ دیگر لوگ بھی تھے-

چنانچہ جب آپ رات کی تاریکی میں ساباط (مدائن) سے گزرے تو بنو اسد کا جراح بن سنان نامی ایک شخص آپ کے پاس آیا- اس نے آپ کے خچر کی لگام تھام لی جبکہ اس کے ہاتھ میں باریک تیز تلوار تھی- پھر وہ کہنے لگا :- اللہ اکبر! اے حسن تو نے بھی اسی طرح شرک کیا جس طرح اس سے پہلے تیرے والد نے شرک کیا تھا- پھر اس نے آپ کی ران پر اس طرح وار کیا کہ ران کا گوشت پھاڑ کر ہڈی تک جا گھسا- پھر حسن علیہ السلام نے اپنے بازو اس کی گردن میں ڈال دیئے اور دونوں گتھم گتھا زمین پر گر پڑے- پس حسن علیہ السلام کے شیعوں میں سے عبداللہ بن خطل الطائی نامی ایک شخص اس کی طرف کودا اور تلوار اس کے ہاتھ سے چھین کر اس کے پیٹ میں گھونپ کر اسے پھاڑ دیا- پھر ظبیان بن عمارہ نامی ایک دوسرا شخص اس کے اوپر اوندھا گرا اور اس کی ناک کاٹ ڈالی جس سے وہ مر گیا- اور

حسن علیہ السلام کو ایک چارپائی پر ڈال کر مدائن پہنچایا گیا۔ اور سعد بن مسعود ثقفی کے ہاں ٹھہرایا گیا جو کہ امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی جانب سے اس علاقے کے امیر تھے۔ اور حسن علیہ السلام نے بھی انہیں اس منصب پر برقرار رکھا تھا۔ پس حسن علیہ السلام اپنے زخم کا علاج کرنے میں مشغول ہو گئے۔ جبکہ سرداران قبائل کی ایک جماعت نے خفیہ طور پر معاویہ کو اطاعت کے خطوط بھیجے اور انہیں اپنی جانب پیش قدمی پر اکسایا۔ نیز اس بات کی ضمانت دی کہ معاویہ کے لشکر کے قریب پہنچنے پر وہ حسن علیہ السلام کو ان کے حوالے کر دیں گے یا انہیں قتل کر ڈالیں گے۔

اس کے بعد روایت میں یہ مذکور ہے کہ حسن علیہ السلام کو قیس بن سعد رضی عنہ کا خط ملا جنہیں آپ نے کوفہ سے روانہ ہوتے وقت معاویہ سے لڑنے بھیجا اور انہیں عراق سے واپس کر دینے کے لئے عبیداللہ بن عباسؓ کے ہمراہ بھیجا تھا۔ اور فرمایا تھا کہ اگر وہ (ابن عباسؓ) کام آجائیں تو امیر لشکر قیس بن سعد ہوں گے۔

پس قیس بن سعد کے خط سے انہیں یہ اطلاع ملی کہ وہ لوگ "مسکن" کے قریب "حبوبیہ" نامی بستی میں معاویہ کے مدمقابل قیام پذیر ہوئے۔ اور معاویہ نے عبیداللہ بن عباس کو اپنے ساتھ ملنے کی ترغیب دیتے ہوئے دس لاکھ درہم دینے کی پیشکش کی۔ جن میں سے نصف فوراً اور بقیہ نصف ان کے دخول کوفہ کے وقت عطا کئے جائیں گے۔ پس عبیداللہ رات کے وقت اپنے خاص لوگوں کے ہمراہ کھسک کر معاویہ کی لشکرگاہ میں پہنچ گئے۔ چنانچہ لوگ جب صبح بیدار ہوئے تو انہوں نے اپنے امیر کو غائب پایا۔ اور قیس بن سعد رضی اللہ عنہ نے انہیں نماز پڑھائی۔ اور ان کے معاملات پر نظر ڈالی۔ (مفید ارشاد ج ۲ ص ۹) فلزدادت بصيرة الحسن عليه السلام بخذلان القوم له، وفساد نيات المحكمة فيه، بما أظهروا له من السب والتكفير له، واستحلال دمه ونهب أمواله. ولم يبق معه من يأمن غوائله إلا خاصته من شيعة أبيه وشيعته، وهم جماعة لا يقوم لأجناد أهل الشام. فكتب إليه معوية في

الهدنة والصلح' وأنفذ إليه بكتب أصحابه الذى ضمنواله فيها الفتك به و تسليمه إليه' فاشترط له على نفسه فى إجابته إلى صلحه شروطاً كثيرة وعقدله عقوداً كان فى الوفاء بها مصالح شاملة. فلم يثق به الحسن عليه السلام' وعلم باحتياله بذلك واغتياله' غير أنه لم يجد بداً من إجابته إلى ماالتمس من ترك الحرب وإنفاذ الهدنة' لما كان عليه أصحابه مما وصفناه من ضعف البصائر فى حقه والفساد عليه والخلف منهم له' وما انطوى عليه كثير منهم فى استحلال دمه وتسليمه إلى خصمه' وما كان من خذلان ابن عمه له ومصيره إلى عدوه وميل الجمهور منهم إلى العاجلة وزهدهم فى الآجلة.

فتوثق عليه السلام لنفسه من معاوية بتوكيدالحجة عليه والاعذار فيما بينه و بينه عندالله تعالى و عندكافة المسلمين"-

(الشيخ المفيد' الارشاد' ج ۲' ص ۱۰' انتشارات علمية اسلامية' ايران' ۱۳۸۷ھ)-

ترجمہ :- پس (ان حالات سے) حسن علیہ السلام کی اس بصیرت میں اضافہ ہوا کہ یہ لوگ آپ کو بے یارومددگار چھوڑ دیں گے- نیز اہل تحکیم (خوارج) کی آپ کے معاملے میں بدنیتی واضح ہوگئی' جس کا مظاہرہ انہوں نے آپ کو برا بھلا اور کافر کہتے ہوئے نیز آپ کا خون مباح کر کے آپ کا مال لوٹتے ہوئے کر دیا تھا-

اور ان کے ہمراہ صرف ان کے اور ان کے والد کے شیعان پر مشتمل کچھ خاص لوگ ہی ایسے بچے جن کی طرف سے انہیں کسی فساد و سازش کا خطرہ نہ تھا- مگر وہ ایک ایسا مختصر گروہ تھے جو شامی لشکروں کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے- اسی دوران میں معاویہ نے آپ کو صلح و مصالحت کے سلسلہ میں خط لکھا- اور آپ کو آپ کے ساتھیوں کے وہ خطوط بھی بھجوا دیئے جن میں انہوں نے آپ (حسنؓ) کو غافل پا کر قتل کر دینے یا گرفتار کر کے ان (معاویہؓ) کے سپرد کر دینے کی ضمانت دی تھی- پس معاویہ نے صلح کر لینے کی صورت میں

خود پر کئی شرطیں عائد کیں اور ان کے سامنے ایسے عہدو پیمان باندھے جن کو وفا کرنے کی صورت میں مصالح عامہ کا حصول تھا- چنانچہ حسن علیہ السلام نے ان (معاویہ) کا اعتبار تو نہ کیا کیونکہ وہ اس سے وابستہ ان کے حیلے اور چالیں جانتے تھے' مگر مشکل یہ تھی کہ معاویہ نے ترک جنگ اور نفاذ صلح کی جو التماس کی تھی' اس کو قبول کرنے کے سوا آپ کے پاس کوئی چارہ بھی نہ تھا- کیونکہ آپ کے ساتھیوں کی جو صورتحال تھی' اسے ہم بیان کر چکے ہیں- مثلاً آپ (حسن) کے حق میں ان لوگوں کا ضعف بصیرت' آپ کی مخالفت اور آپ کے خلاف فساد انگیزی- نیز ان میں سے کثیر تعداد جس طرح آپ کے خون کو مباح ٹھہرانے اور آپ کو مدمقابل دشمن کے سپرد کر دینے پر متفق ہو گئی- پھر آپ کے چچازاد (عبیداللہ بن عباسؓ) کا آپ کو چھوڑ کر آپ کے دشمن سے جا ملنا- نیز ان لوگوں میں سے اکثریت کا جلد گزر جانے والی دنیا کی طرف میلان اور آخرت سے چشم پوشی-

پس آپ علیہ السلام نے معاویہ کے خلاف اتمام حجت اور اپنے اور معاویہ کے درمیان معاملہ میں اللہ کے ہاں نیز جملہ اہل اسلام کے سامنے عذر خواہی کی خاطر ان سے صلح کے لئے محکم پیماں حاصل کیا-----

عراقی شیعہ عالم ڈاکٹر موسیٰ موسوی (اثنا عشری مجتہد اعظم الامام اب ... ریہ ابوالحسن موسوی کے پوتے) اہل تشیع (کیسانیہ' زیدیہ' اسماعیلیہ' اثنا عشریہ وغیرہ) کے متفق علیہ امام ثانی حسنؓ بن علیؓ کی حضرت معاویہؓ سے صلح کے حوالہ سے "تقیہ" کی عمومی اثنا عشری تشریح و مفہوم کو نامناسب قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"جہاں تک امام حسنؓ کا تعلق ہے جو شیعہ کے دوسرے امام تھے تو وہ بھی تقیہ اور لوگوں کو فریب دینے سے سب سے زیادہ پرہیز کرنے والے تھے- معاویہؓ کے ساتھ ان کی صلح اس کی شہادت دے رہی ہے- امام حسن کا صلح کر لینا انقلابی اقدام تھا- اور اس زمانہ کی رائے عامہ جو امام کو گھیرے ہوئے تھی' کے خلاف تھا- چنانچہ امام کو اپنے بہت سے ساتھیوں کی جانب سے جو کہ صلح نہیں چاہتے تھے' کھلی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا تھا- یہاں تک کہ سلیمان بن صرد نے جو کہ امام علیؓ کے بڑے حامیوں میں سے تھے' امام حسنؓ کو یہ کہہ

کر مخاطب کیا :- السلام عليك يا مذل المؤمنين!

السلام علیک مومنوں کو ذلیل کرنے والے!

اس صلح کے مخالفین متشدد اور طاقتور تھے- امام کو ان کی جانب سے بہت کچھ برداشت کرنا پڑا- لیکن اس سب کچھ نے امام کو کمزوری دکھانے پر مائل نہیں کیا بلکہ سانہوں نے اس مخالفت کا بہادروں کی طرح مقابلہ کیا-اب تم خود سوچ لو کہ اگر امام حسنؑ کے دل میں تقیہ کا کوئی مقام ہوتا تو کیا وہ معاویہ سے صلح کرتے یا ان لوگوں کی آواز پر لبیک کہتے جو انہیں اس بات پر آمادہ کرنا چاہتے تھے کہ اس وقت تک جنگ کی جائے جب تک معاویہ مسلمانوں کے ایک منتخب شرعی خلیفہ مان کر امام حسن کی بیعت نہیں کر لیتے"؟

(ڈاکٹر موسی موسوی' الشیعہ والتصحیح' اردو ترجمہ بعنوان "اصلاح شیعہ" از ابو مسعود آل امام' فروری ۱۹۹۰ء' ص ۹۹)-

شیخ مفید بعض دیگر تفصیلات کے بعد آخر میں روایت فرماتے ہیں :-

" ولما استقر الصلح بين الحسن عليه السلام و بين معاوية على ماذ كرناه خرج الحسن عليه السلام إلى المدينة' فأقام بها كاظماً غيظه 'لازماً بيته' منتظراً لأمر ربه عزوجل إلى أن تم لمعاوية عشرسنين من إمارته وعزم على البيعة لابنه يزيد فدس إلى جعدة بنت الأشعث بن قيس 'وكانت زوجة الحسن عليه السلام' من حملها على سمه وضمن لها أن يزوجه بابنه يزيد' فأرسل إليها مائة الف درهم' فسقته 'جعدة السم. فبقى أربعين يوماً مريضاً ومضى لسبيله فى شهر صفر سنة خمسين من الهجرة' وله يومئذ ثمانية وأربعون سنة. وكانت خلافته عشرسنين. وتولى أخوه ووصيه الحسين عليه السلام غسله وتكفينه و دفنه عندجدته فاطمة بنت أسد بن هاشم بن عبدمناف' رضى الله عنها' بالبقيع ".

(الشيخ المفيد' إلارشاد' ج ٢، ص ١٢ ، انتشارات علمية اسلامية' اير ان' ١٣٨٧ هـ).

ترجمہ :- اور جب حسن علیہ السلام اور معاویہ کے درمیان اس طریقہ پر صلح قرار پا گئی جس کا ہم نے ذکر کیا ہے ' تو حسن علیہ السلام مدینہ جانے کے لئے نکل پڑے - پس آپ وہاں اپنا غم و غصہ پی کر خانہ نشینی کی حالت میں اپنے عزت و جلال والے رب کے حکم کا انتظار کرتے ہوئے مقیم رہے - یہانتک کہ معاویہ کی حکومت کے دس سال مکمل ہو گئے اور انہوں نے اپنے بیٹے یزید کیلئے بیعت لینے کا ارادہ کیا - پس انہوں نے سازش کر کے کسی کو جعدہ بنت اشعث کے پاس بھیجا ' جو حسن علیہ السلام کی زوجہ تھیں - اور انہیں اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ آپ (حسن) کو زہر دے دیں - اور اس بات کی ضمانت دی کہ وہ انکی شادی اپنے بیٹے یزید سے کر دیں گے - پس انہوں نے جعدہ کو ایک لاکھ درہم بھجوائے اور اس نے آپ کو زہر پلا دیا - جس سے آپ چالیس دن بیمار رہے اور پھر ماہ صفر سن پچاس (۵۰) ہجری میں اڑتالیس برس کی عمر میں انتقال کر گئے - آپ کی (شیعی امامت و) خلافت دس سال رہی - آپ کے بھائی اور وصی حسین علیہ السلام نے آپ کے غسل و تکفین کا کام سنبھالا اور آپ کو آپ کی دادی فاطمہ بنت اسد بن ہاشم بن عبد مناف رضی اللہ عنہا کے قریب (جنت البقیع) میں دفن کیا -

شیعی روایات کے مطابق وفات علیؓ کے بعد اہل تشیع کے دوسرے امام و خلیفہ منصوص و معصوم اور امت کے امام و خلیفہ پنجم سیدنا حسنؓ کی دس سالہ شیعی امامت و خلافت منصوصہ و معصومہ کی صورتحال یوں نظر آتی ہے :-

۱- امام حسنؓ کے شیعی منصب امامت و خلافت منصوصہ و معصومہ (۴۰-۵۰ھ) پر فائز ہونے ' نیز امت کے امام و خلیفہ پنجم (۴۰-۴۱ھ) کی حیثیت سے کوفہ میں انعقاد بیعت کے چند ماہ بعد لشکر معاویہؓ کی عراق کی جانب پیشقدمی کی اطلاع ملنے پر شیعان و بیعت کنندگان امام حسنؓ کی کثیر تعداد ' دنیاوی مفادات کی خاطر بیعت حسن توڑنے اور بیعت معاویہؓ کرنے پر آمادہ ہو گئی -

۲- سیدنا علیؓ کے چچازاد بھائی اور امیر لشکر حسنؓ برائے مقابلہ لشکر معاویہؓ عبیداللہ بن عباسؓ امیر معاویہؓ سے دس لاکھ درہم لیکر راتوں رات لشکر معاویہؓ سے جا ملے اور نائب امیر لشکر قیس بن سعد کو امارت لشکر سنبھالنا پڑی، جس کی اطلاع سیدنا حسنؓ کو دیدی گئی۔

۳- جب سیدنا حسنؓ نے لشکر معاویہؓ کے مقابلہ کے لئے "دیر کعب" کی جانب جاتے ہوئے "ساباط" نامی بستی میں پڑاؤ ڈالا اور اپنے لشکر میں موجود دوستوں اور دشمنوں کا جائزہ لینے کے لئے خطبہ دیا تو لوگوں نے سمجھا کہ آپ معاویہؓ سے صلح کرنے والے ہیں۔ چنانچہ بعض شیعان و لشکریان حسنؓ نے امام حسنؓ کے خیمہ پر حملہ کر کے اسے لوٹ لیا، آپ کی جائے نماز تک کھینچ لی اور بالآخر آپ کی ران میں نیزہ مار کر آپ کو شدید زخمی کر دیا۔

۴- امام حسنؓ کے کئی حامیان و لشکریان نے معاویہؓ کو خط لکھے کہ لشکر معاویہ پہنچنے پر حسنؓ کو یا تو معاویہ کے سپرد کر دیں گے یا غافل پا کر قتل کر دیں گے۔

۵- امام حسنؓ کو اپنے ساتھیوں کے ضعف بصیرت، فساد انگیزی، عہد شکنی، قتل حسن یا انہیں دشمنوں کے سپرد کر دینے کی سازش نیز اکثر لشکریوں کے آخرت کے بجائے دنیاوی مفاد کو ترجیح دینے کی بناء پر معاویہ سے صلح پر مجبور اور خلافت سے دستبردار ہونا پڑا۔ اور اس صلح کے مطابق سیدنا حسینؓ بھی وفات معاویہؓ (۶۰ھ) تک مزید دس سال بیعت معاویہؓ برقرار رکھنے کے پابند رہے۔

اس سلسلہ میں شیخ مفید، کلبی و مدائنی وغیرھما کی روایات کے مطابق لکھتے ہیں :-

"لمامات الحسن عليه السلام تحركت الشيعة بالعراق، و كتبوا إلى الحسين عليه السلام في خلع معاوية والبيعة له، فامتنع عليهم و ذكر أن بينه بين معاوية عهداً و عقداً لا يجوز له نقضه حتى تمضي المدة، فاذا

مات معاوية نظرفی ذلك" -(المفید' الارشاد' ج ۲' ص ۳۰)۔

ترجمہ :- جب حسن علیہ السلام فوت ہوئے تو شیعان عراق سر گرم ہو گئے اور انہوں نے حسین علیہ السلام کو بیعت معاویہ ختم کر دینے کے بارے میں لکھا۔ مگر وہ اس پر آمادہ نہ ہوئے اور ذکر فرمایا کہ ان کے اور معاویہ کے درمیان عہد و پیمان موجود ہے جس کو توڑنا جائز نہیں' یہاں تک کہ مدت پوری ہو جائے۔ پس وفات معاویہ کی صورت میں وہ اس پر غور کریں گے۔

۶- مدینہ میں زوجہ حسنؓ جعدہ بنت اشعث بھی ایک لاکھ درہم لیکر حسنؓ بن علیؓ جیسے عظیم شوہر کو زہر دینے اور یزید جیسے کمتر شخص سے شادی کے لالچ میں آگئیں۔ اور معاویہؓ نے ایسا یزید کی خلافت کی راہ ہموار کرنے کے لئے کیا۔ مگر حسنؓ سے زیادہ پر جوش و جواں ہمت' خطرناک تر حسینؓ بن علیؓ کو زندہ چھوڑ دیا؟

اور اس تمام تر صورتحال کے باوجود اولاد علیؓ و حسنؓ و حسینؓ' وفات حسنؓ و واقعہ کربلا کے بعد بھی اولاد طلحہؓ و زبیرؓ و بنو امیہ میں باہم شادی بیاہ کرتی رہی اور اپنے بچوں کے نام معاویہ و یزید کے نام پر رکھتی رہی؟ نیز سیدنا حسینؓ نے معاہدہ صلح کے منافی مبینہ سازش شہادت حسنؓ منجانب معاویہ کے باوجود مزید دس سال (۵۰-۶۰ھ) بیعت معاویہؓ کو بر قرار رکھا۔ اور ولیعہدی یزید کے خلاف جہاد کے لئے نہ نکلے :-

"ابو محمد حسن بن الحسن کہ اورا حسن مثنی گویند' دہ اولاد ذکور و اناث برای او بشمار رفتہ :-(۱) عبداللہ (۲) ابراہیم (۳) حسن مثلث (۴) زینب (۵) ام کلثوم۔ -

وایں پنج تن از فاطمہ دختر امام حسین علیہ السلام متولد شدند۔

(۶) داؤد (۷) جعفر۔ ومادر ایں دو پسر ام ولدی بود حبیبہ نام از اہل روم -

(۸) محمد-مادر او رملہ نام داشت-(۹) رقیہ (۱۰) فاطمہ-

وابو الحسن عمری گفتہ کہ حسن را دختری دیگر نیز بودہ کہ قسیمہ نام داشت۔

اما دختران' شرح حال ام کلثوم و رقیہ معلوم نیست۔ و زینب را عبدالملک بن

مروان کابین بست و فاطمہ بحبالہ نکاح معاویہ بن عبد اللہ بن جعفر طیار درآمد- وازوی چہار پسر ویکدختر آورد' بدیں طریق نام ایشاں ثبت شدہ :-

یزید- صالح- حماد- حسین- زینب-

واما پسران حسن مثنی' جز محمد تمامی اولاد آوردند"-

(عباس قمی' منتھی الامال' ج ا' ص ۲۵۱' ذکر فرزند حسن بن الحسن بن علی بن ابیطالب علیہ السلام)-

ترجمہ :- ابو محمد حسن بن حسن جنہیں حسن مثنی کہتے ہیں' ان کی اولاد' لڑکے اور لڑکیاں کل دس شمار کیے گئے ہیں :-

(۱) عبداللہ (۲) ابراہیم (۳) حسن مثلث (۴) زینب (۵) ام کلثوم- اور یہ پنج تن امام حسین علیہ السلام کی بیٹی فاطمہ کے بطن سے پیدا ہوئے-

(۶) داؤد (۷) جعفر- ان کی والدہ اہل روم میں سے حبیبہ نامی ایک ام ولد تھیں-

(۸) محمد- ان کی والدہ کا نام رملہ تھا- (۹) رقیہ (۱۰) فاطمہ-

اور ابوالحسن عمری کا کہنا ہے کہ حسن (مثنی) کی ایک اور بیٹی تھی جس کا نام قسیمہ تھا-

بیٹیوں میں سے ام کلثوم ورقیہ کے حالات کی تفصیل معلوم نہیں- جبکہ زینب سے عبدالملک بن مروان نے شادی کی- اور فاطمہ 'معاویہ بن عبداللہ بن جعفر طیار کے حبالہ عقد میں آئیں- ان سے چار بیٹے اور ایک بیٹی پیدا ہوئے- جن کے نام اس طرح درج شدہ ہیں :- یزید- صالح- حماد- حسین- زینب-

نیز محمد کے علاوہ حسن مثنی کے تمام بیٹے صاحب اولاد تھے-

اب شیعی روایات کے مطابق ازواج و اولاد حسن بن علیؓ کا تنوع نام و نسب ملاحظہ ہو :-

"اولاد الحسن بن علی علیه السلام خمسة عشر ولداً ذکراً وأنثی .زید بن الحسن، وأختاه: أم الحسن و أم الحسین — أمهم أم بشیر بنت أبی مسعود عقبة بن عمرو بن ثعلبة الخزرجیة،

والحسن بن الحسن، أمه خولة بنت منظور الفزاریة،

و عمرو بن الحسن، وأخواه: القاسم و عبدالله ابنا الحسن— أمهم أم ولد،

وعبدالرحمن بن الحسن، أمه أم ولد،

والحسین بن الحسن الملقب بالأثرم، وأخوه طلحة بن الحسن، وأختهما فاطمة بنت الحسن— أمهم أم اسحاق بنت طلحة بن عبیدالله التیمی،

وأم عبدالله و فاطمة وأم سلمة و رقیة بنات الحسن علیه السلام لأمهات شتی".

(المفید، الإرشاد، ج ۲، ص ۱٦، الباب الثانی، ذکر ولد الحسن بن علی علیهما السلام، انتشارات علمیة اسلامیة، ایران، ۱۳۸۷ ھ).

ترجمہ :- حسن بن علی علیہ السلام کے لڑکے اور لڑکیاں ملا کر پندرہ بچے تھے :-

زید بن حسن اور ان کی دو بہنیں ام الحسن وام الحسین-ان کی والدہ قبیلہ خزرج کی خاتون ام بشیر بنت ابی مسعود عقبہ بن عمرو بن ثعلبہ ہیں-

اور حسن بن حسن- جن کی والدہ بنو فزارہ کی خاتون خولہ بنت منظور ہیں-

نیز عمرو بن حسن اور ان کے دو بھائی قاسم و عبداللہ فرزندان حسن- جن کی والدہ ام ولد ہیں-

اور عمرو بن حسن-ان کی والدہ بھی ام ولد (کنیز) ہیں-

نیز حسین بن حسن جن کا لقب الاثرم ہے-اور ان کے بھائی طلحہ بن حسن نیز ہر دو کی ہمشیرہ فاطمہ بنت حسن-ان سب کی والدہ طلحہ بن عبیداللہ التیمی کی صاحبزادی ام اسحاق ہیں-

اور حسن علیہ السلام کی دیگر بیٹیاں ام عبداللہ و فاطمہ وام سلمہ ورقیہ ہیں 'جو مختلف ماؤں کے بطن سے ہیں۔

اب شیخ مفیہ کا درج ذیل بیان ملاحظہ ہو جس کے مطابق زید بن حسنؓ بنو امیہ سے تعاون کرتے ہوئے ان کے امور سلطنت میں معاون تھے۔(بقول اثناعشریہ : تقیہ کرتے ہوئے۔اور بقول دیگر شیعہ۔بلا تقیہ)۔

"وخرج زيد بن الحسن رحمة الله عليه من الدنيا ولم يدع الامامة ولاإدعاهاله مدع من الشيعة ولاغيرهم. وذلك أن الشيعة رجلان:— إمامى و زيدى —فالإمامى يعتمد فى الإمامة على النصوص وهى معدومة فى ولد الحسن عليه السلام باتفاق منهم، ولم يدع ذلك أحد منهم لنفسه فيقع فيه إرتياب.

والزيدى يراعى فى الإمامة بعد على والحسن و الحسين عليه السلام الدعوة والجهاد. وزيد بن الحسن رحمةالله عليه كان مسالماً لبنى أمية ومتقلداً من قبلهم الأعمال. وكان رأيه التقية لأعدائه و التألف لهم والمداراة. وهذايضاد عندالزيدية علامات الإمامة كما حكيناه".

(المفيد' الإرشاد' ج ۲' ص ۱۹' الباب الثانى' ذكر ولد الحسن — أولاده عليه السلام)—

ترجمہ :۔زید بن الحسن اس حال میں دنیا سے رخصت ہوئے کہ نہ تو خود انہوں نے امامت کا دعوی کیا اور نہ ہی کسی شیعہ یا غیر شیعہ نے ان کے امام ہونے کا دعوی کیا۔ اس لئے کہ شیعہ دو قسم کے ہوتے ہیں :۔ امامی (اثناعشری)۔اور زیدی۔

پس امامی (اثناعشری) کا امامت کے سلسلہ میں اعتماد نصوص (واضح احکام) پر ہے۔ اور امامیہ کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ نصوص اولاد حسن علیہ السلام کے بارے میں موجود نہیں۔اور نہ ہی ان میں سے کسی نے اپنے لئے وجود نص کا دعوی کیا ہے کہ اس کے بارے میں شک واقع ہو۔

جبکہ شیعہ زیدیہ' علی و حسن و حسینؑ علیہ السلام کے بعد (فاطمی) مدعی امامت کے لیئے اعلان و جہاد کو شرط لازم قرار دیتے ہیں- مگر زید بن حسن رحمتہ اللہ علیہ بنی امیہ کے ساتھ صلح صفائی اور ان کی جانب سے ذمہ داریوں کے حامل تھے- ان کا موقف دشمن کے ساتھ تقیہ و الفت و مدارات پر مبنی تھا- جو کہ شیعہ زیدیہ کے نزدیک علامات امامت کے منافی ہے- جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا-

اولاد علیؓ و حسنینؓ وغیرہ کے ان روابط و تعلقات کو اگر اثنا عشریہ تقیہ پر مبنی قرار دیتے ہیں' تو اول تو دیگر شیعہ فرقے (زیدیہ وغیرہ) ایسے تقیہ کے قائل نہیں- اور یہ اکابر شیعہ صرف اثنا عشریہ کے ہی نہیں بلکہ زیدیہ و دیگر شیعہ فرقوں کے بھی ائمہ و اکابر ہیں- ثانیاً:- ایسا اثنا عشری تقیہ جس میں بیعت ظاہرہ کے ساتھ معاویہ و یزید نام رکھنا بھی لازم قرار پائے کیا حیرت انگیز و باعث تعجب نہیں؟

اس قصہ زہر خورانی حسنؓ بذریعہ زوجہ حسنؓ کا ایک اہم و تعجب خیز پہلو یہ بھی ہے کہ سازش کا ملزم خلیفہ معاویہؓ کو ٹھہرایا گیا ہے' نہ کہ یزید بن معاویہ کو- اور اسی یزید بن معاویہؒ کی سربراہی میں اکابر صحابہ' میزبان رسولؐ ابو ایوب انصاری و عبداللہ بن عمرو عبداللہ بن عباس و حسین بن علی وغیرھم' رضی اللہ عنہم جہاد قسطنطنیہ (بروایت ابن سعد ۵۲ ھ) روانہ ہو رہے ہیں- اور یہ سب اس بات سے بظاہر بے خبر نظر آتے ہیں کہ خلافت یزید کی خاطر معاویہؓ نے قتل حسنؓ کی سازش کی ہے- لہذا وہ مستحق خلافت کے بجائے موردالزام ہیں-

اور اگر بعض روایات کے مطابق اول لشکر مجاہدین قسطنطنیہ کی روانگی وفات حسنؓ سے پہلے (بروایت ۴۹ ھ) کا واقعہ ہے تو پھر خلیفہ معاویہؓ نے "شہادت یزید" کا خطرہ کیونکر مول لیا؟ یعنی چہ؟

یزید نے وفات حسنؓ پر دمشق میں نبیؐ و علیؓ کے چچازاد بھائی و یکے از اکابر شیعہ سیدنا عبداللہ بن عباسؓ الھاشمی القرشی سے تعزیت کرتے ہوئے درج ذیل کلمات کہے:-

"رحم الله أبامحمد وأوسع له الرحمة وأفسحها وأعظم الله-

أجرك وأحسن عزاك وعوضك من مصابك ما هو خير لك ثواباً و خير عقبى"۔ (ابن کثیر' البداية والنهاية' ج ٨' ص ٢٢٩)۔

ترجمہ :- اللہ ابو محمد (حسن بن علیؓ) پر رحم فرمائے اور ان کے لئے رحمت کو وسیع وکشادہ فرمائے- نیز آپ کو اجر عظیم وصبر جمیل عطا فرمائے- اور اس رنج ومصیبت کے بدلے میں آپ کو وہ کچھ دے جو آپ کے لئے ثواب و عاقبت کے لحاظ سے بہترین ہو-

نیز تاریخی روایات کے مطابق وفات حسنؓ کے بعد بھی حسینؓ دمشق تشریف لاتے اور اموال وتحائف وصول فرماتے رہے- جو اثنا عشریہ کے نزدیک تقیہ پر مبنی اور غیر اثنا عشری شیعہ فرقوں (زیدیہ وغیرہ) کے نزدیک تقیہ پر مبنی عمل نہیں- کیونکہ وہ ایسے اثنا عشری تقیہ کے قائل ہی نہیں-

"ولما توفى الحسن كان الحسين يفد إلى معاوية فى كل عام فيعطيه ويكرمه"۔ (ابن کثیر' البداية و النهاية' ج ٨' ص ١٥١)—

ترجمہ :- جب حسن وفات پا گئے تو حسین ہر سال معاویہ کے پاس تشریف لاتے تھے- پس وہ آپ کا اکرام کرتے اور آپ کو عطا فرماتے-

شیعی روایات کے مطابق معاویہؓ ہر سال حسینؓ کو دس لاکھ دینار و تحائف بھجواتے :-

"وكان يبعث إليه فى كل سنة ألف ألف دينار سوى الهدا يا من كل صنف" ۔(مقتل أبى مخنف' ص٧)—

ترجمہ :- اور وہ (معاویہ) ہر سال آپ (حسینؓ) کو ہر قسم کے تحائف کے علاوہ دس لاکھ دینار بھی بھجواتے تھے-

کئی تاریخی روایات کے مطابق قیصر روم کے دار الحکومت قسطنطنیہ پر یزید کے زیر قیادت جہاد اول کرنے والے لشکر اسلام (بروایت اصح ۵۲ھ) میں سیدنا ابو ایوب انصاری وابن عباس وابن عمرو ابن زبیر رضی اللہ عنہم کی طرح حسینؓ بھی شامل تھے :-

"وكان الحسين يفد إلى معاوية فى كل عام فيعطيه ويكرمه وكان فى الجيش الذين غزوا القسطنطينية مع ابن معاوية يزيد".

(ابن كثير' البداية والنهاية' ج ٨' ص ٥١).

ترجمہ :- حسین ہر سال معاویہ کے پاس (دمشق) تشریف لاتے تھے- پس وہ آپ کا اکرام کرتے اور عطیات سے نوازتے- نیز حسین اس لشکر میں بھی شامل تھے جس نے یزید بن معاویہ کے ہمراہ قسطنطنیہ پر حملہ (جہاد) کیا-

شیعی روایت کے مطابق سیدنا حسنؓ کے ذریعہ زہر دلوانے کی سازش کے ملزم خلیفۃ المسلمین و برادرام المؤمنینؓ سیدنا معاویہؓ کی اپنی تجہیز و تکفین کے بارے میں وصیت ملاحظہ ہو :-

"أن يكفن فى ثوب رسول الله صلى الله عليه وسلم الذى كساه إياه وكان مدخراً عنده لهذا اليوم— وأن يجعل ماعنده من شعره وقلامة أظفاره فى فمه وأنفه وعينيه وأذنيه".

(ابن كثير' البداية والنهاية' ج ٨' ص ١٤٣).

ترجمہ :- (معاویہ نے وصیت فرمائی کہ) انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس چادر میں کفنایا جائے جو انہوں نے آپ کو پہنائی تھی- اور جو آپ کے پاس اسی دن کیلئے محفوظ تھی- اور یہ کہ آپ کے پاس ان کے جو بال اور تراشیدہ ناخن موجود ہیں' وہ آپ کے ناک' منہ' دونوں آنکھوں اور کانوں میں رکھ دیئے جائیں-

غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانیؒ (م-٥٦١ ھ بغداد) خلافت معاویہؓ کے بارے میں فرماتے ہیں :-

"وأما خلافة معاوية فثابتة صحيحة بعد موت على و بعد خلع الحسن بن على رضى الله تعالى عنهما نفسه عن الخلافة و تسليمها إلى معاوية" (عبدالقادر الجيلانى' غنية الطالبين' ص ١٧٢).

ترجمہ :- وفات علیؓ اور حسن بن علی رضی اللہ تعالی عنہما کے خلافت سے دستبردار ہو کر اسے معاویہ کے سپرد کر دینے کے بعد معاویہ کی خلافت شرعاً درست اور ثابت شدہ ہے-

امام ربانی مجدد الف ثانیؒ اپنے ایک مکتوب میں "شارح المواقف" کی اصلاح کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

"یہ بات صحت سے مانی ہوئی ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ حقوق اللہ اور حقوق عباد المسلمین دونوں کو پورا کرتے تھے۔ وہ خلیفہ عادل تھے- حضورؐ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں خصوصی دعا فرمائی :-

اے اللہ اسے کتاب اور حساب کا علم عطا فرما اور عذاب سے بچا-

خداوندا اس کو ھادی و مہدی بنا-

حضور کی یہ دعائیں یقیناً قبول ہوئیں"-

(پیرزادہ اقبال احمد فاروقی' صحابہ کرامؓ مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی کے آئینے میں' ص ۳۸' لاہور' مکتبہ نبویہ' ۱۹۹۱ء).

مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ فضائل و مناقب معاویہؓ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

"حضرت امام مالک تابعین میں ایک جلیل القدر امام ہیں-وہ مدینہ پاک کے ممتاز فضلائے حدیث میں مانے جاتے ہیں-ان کے علم' تقوی پر کسی کو اختلاف نہیں- آپ کا یہ فتوی ہے کہ حضرت معاویہؓ اور ان کے رفیق کار حضرت عمرو بن العاصؓ کو گالی دینے والا واجب القتل ہے- امیر معاویہؓ کو گالی دینا حضرت ابوبکر صدیق' حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کو گالی دینا ہے-

یہ معاملہ (اختلافات محاربات) صرف حضرت معاویہؓ کا نہیں-ان کے ساتھ نصف سے زیادہ صحابہ رسولؐ بھی شامل ہیں-اس طرح اگر علی کرم اللہ وجھہ سے مخالفت یا اختلاف کرنے والے کو کافر یا فاسق کہا جائے تو امت مسلمہ کے نصف سے زیادہ جلیل

القدر صحابہ دائرہ اسلام سے باہر نظر آئیں گے۔اگر اس نظریہ کو نقل اور عقل کے خلاف ہوتے ہوئے بھی تسلیم کر لیا جائے تو دین کا انجام کار بجز بربادی کے کیا ہو سکتا ہے ؟ حضرت غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ وضاحت فرمائی ہے کہ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کی جنگ خلافت کا مسئلہ نہیں تھا۔ یہ تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کا اجتماعی مسئلہ تھا۔ شیخ ابن حجر نے تو اسے اہل سنت کے عقائد کا ایک حصہ قرار دیا ہے"۔
(پیرزادہ اقبال احمد فاروقی'صحابہ کرامؓ مکتوبات حضرت مجدد الف ثانیؒ کے آئینے میں' ص ۳۹' مکتبہ نبویہ' لاہور' ۱۹۹۱ء)۔

ان چند اقتباسات وارشادات سے سیدنا معاویہؓ کی جانب سے خلافت یزید کی راہ ہموار کرنے کی خاطر زہر خورانی حسنؓ بذریعہ زوجہ حسنؓ کے الزام کی حقیقت کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ نیز خلافت معاویہؓ کے عشرہ اولی میں مثبت روابط حسنؓ و معاویہؓ و یزید' اور عشرہ ثانیہ میں روابط معاویہؓ و حسینؓ و یزید کا بھی حقیقی ادراک بخوبی کیا جا سکتا ہے۔
وباللہ التوفیق ۔

۳- سیدنا حسینؓ بن علیؓ الھاشمی القرشی
(م ۶۱ھ' کربلا)

سیدنا حسین بن علیؓ نواسہ رسولؐ سیدنا علی بن ابی العاص و زینب' سیدنا عبداللہ بن عثمان و رقیہ اور سیدنا حسن بن علی و فاطمہ' رضی اللہ عنہم کے بعد چوتھے نواسہ رسولؐ نیز اہل تشیع کے علیؓ و حسنؓ کے بعد تیسرے امام و خلیفہ منصوص و معصوم ہیں :-

"والإ مام بعد الحسن بن علی علیه السلام أخوه الحسین بن علی علیه السلام ابن فاطمة بنت رسول صلی الله علیه وآله وسلم بنص أبیه وجده علیهما السلام علیه' ووصیة أخیه الحسن علیه السلام إلیه.

کنیته أبوعبدالله. ولد بالمدینة لخمس لیال خلون من شعبان سنة أربع من الهجره. وجاء ت به أمه فاطمة علیهما السلام إلی جده رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم. فاستبشربه وسماه حسیناً وعق عنه کبشاً. وهو وأخوه بشهادة الرسول صلی الله علیه وآله وسلم سید ا شباب أهل الجنة' وبالإتفاق الذی لا مریة فیه سبطا نبی الرحمة – وکان الحسن بن علی علیهما السلام یشبه بالنبی علیه السلام من رأسه إلی صدره .والحسین یشبه به من صدره إلی رجلیه. وکانا علیهما السلام حبیبی رسول الله من بین جمیع أهله وولد ه".

(الشیخ المفید' الإ رشاد، ج ۲، ص ۲٤، الباب الثالث' ایران' ۱۳۸۷ھ).

ترجمہ :- حسن بن علی علیہ السلام کے بعد انکے بھائی حسین بن علی علیہ السلام' فرزند فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم' اپنے والد اور جد امجد کی اپنے بارے میں نص نیز اپنے بھائی حسن علیہ السلام کی وصیت کے مطابق امام ہیں۔

آپ کی کنیت ابو عبداللہ ہے۔ شعبان سن ۴ھ کی پانچویں شب مدینہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کی والدہ فاطمہ علیہما السلام آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

پاس لائیں- پس آپ ان کو دیکھ کر خوش ہوئے اور حسین نام رکھا- نیز ایک مینڈھے کی قربانی سے آپ کا عقیقہ کیا- آپ اور آپ کے بھائی دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گواہی کے مطابق دونوں جوانان جنت کے سردار ہیں- اور دونوں بلاشک و بالاتفاق نبی رحمت کے نواسے ہیں- حسن بن علی علیہما السلام نبی علیہ السلام سے سر سے سینہ تک مشابہت رکھتے تھے، جبکہ حسین سینہ سے دونوں پیروں تک ان سے مشابہ تھے- نیز یہ دونوں، علیہما السلام ، رسول اللہ کی تمام اولاد و اہل بیت میں سے انہیں بہت زیادہ محبوب تھے-

شیعی امامت حسینؓ تو وفات حسنؓ (۵۰ھ) کے بعد ثابت شدہ ہے مگر انہوں نے بقول شیعہ اثناعشریہ خلافت معاویہؓ میں تقیہ و معاہدہ صلح حسن و معاویہ کی بناء پر اپنی امامت کو چھپائے رکھا:-

"وكانت إمامة الحسين عليه السلام بعد وفاة أخيه الحسن عليه السلام بما قدمناه ثابتة' وطاعته لجميع الخلق لازمة. وإن لم يدع إلى نفسه للتقية التي كان عليها، والهدنة الحاصلة بينه و بين معاوية بن أبي سفيا ن. والتزم الوفاء بها' و جرى في ذلك مجرى أبيه أميرالمؤمنين عليه السلام في ثبوت إمامته بعد النبي صلى الله عليه وآله وسلم مع الصموت، وإمامة أخيه الحسن عليه السلام بعد الهدنة مع الكف والسكوت. فكانوا في ذلك على سنن نبي الله صلى الله عليه وآله وهو في الشعب محصور، وعندخروجه من مكة مهاجراً مستخفياً في الغار وهو من أعدأئه مستور".
(الشيخ المفيد' الإرشاد' ج ٢' ص ٢٧ – ٢٨' الباب الثالث).

ترجمہ :- اپنے بھائی حسن علیہ السلام کی وفات کے بعد حسین علیہ السلام کی امامت ان شواہد کی بناء پر جو ہم پہلے پیش کر چکے ہیں' ثابت شدہ تھی- اور ان کی اطاعت تمام مخلوق کے لئے لازم تھی- اگرچہ انہوں نے اس "تقیہ" کی بناء پر جو ان پر لازم تھا اور اس صلح کی بناء پر جو ان کے اور معاویہ بن ابی سفیان کے مابین برقرار تھی' اپنی ذات کی طرف دعوت (امامت) نہیں دی- اور اس (صلح و تقیہ) پر قائم رہے- اس سلسلہ میں ان کا

طرز عمل اپنے والد امیر المؤمنینؑ جیسا تھا جن کی امامت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ثابت شدہ تھی- مگر انہوں نے خاموشی اختیار کی- ان کا طرز عمل اپنے بھائی حسن علیہ السلام کے صلح کر لینے کے بعد ان کی امامت کی صورتحال کے مطابق تھا' جنہوں نے خود کو روکے رکھا اور سکوت اختیار کیا- پس اس معاملے میں وہ سب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ کے اس طرز عمل پر قائم تھے- جو انہوں نے شعب (ابی طالب) میں محصور رہتے ہوئے نیز مکہ سے ہجرت کرتے ہوئے اپنے دشمنوں سے پوشیدہ رہنے کیلئے غار (ثور) میں چھپ کر اختیار کیا-

اس شیعی اثنا عشری "تقیہ" پر تبصرہ کرتے ہوئے جسے غیر اثنا عشری شیعہ فرقے (تفضیلیہ' زیدیہ وغیرہ) بھی تسلیم نہیں کرتے' جلیل القدر عالم وصوفی پیر سید مہر علی شاہ حسنی چشتی گیلانیؒ (م ۱۳۵٦ھ-۱۹۳۷ء) ایک استفتاء کے جواب میں فرماتے ہیں :-

"تقیہ عند اہل سنت غیر مسلم ودر غار تقیہ نبود- چہ تقیہ عبارت است از اخفائے چیزے کہ امر کردہ شدہ است بہ تبلیغ آں را- نہ از مختفی وپوشیدہ شدن شخص- بلکہ ایں اختفاء وپوشیدگی در غار برائے ہجرت واظہار ما امر بتبلیغہ بود- فی الجملہ تقیہ شیعہ بداں ماند کہ شخصی را قاضی وفیصلہ کنندہ گرداندہ' ومعہذا مامور باشد بہ خاموشی وعدم تکلم- وفساد ایں معنی بر ہر ذی بصیرت پیدا وہویدا است- والسلام :-

الراقم : داعی- مہر علی شاہ -
از گولڑہ بقلم خود"-

(فیض احمد' ملفوظات مہریہ' پاکستان انٹر نیشنل پرنٹرز لاہور' جولائی ۱۹۷۴ء' ص ۱۱۴)-

ترجمہ :- اہل سنت کے نزدیک "تقیہ" قابل تسلیم نہیں- غار (ثور) میں تقیہ نہیں کیا گیا تھا' کیونکہ تقیہ کا مطلب ہے ایسی چیز کا چھپانا جس کی تبلیغ کا حکم دیا گیا ہو- کسی انسان کے خود پوشیدہ ہو جانے کو تقیہ نہیں کہا جاتا- بلکہ غار میں آپ کا مخفی و پوشیدہ رہنا ہجرت کی خاطر اور اس امر کے اظہار کے پیش نظر تھا جس کی تبلیغ کا آپ کو حکم دیا گیا-

المختصر شیعوں کے تقیہ کی مثال یوں ہے جیسے کسی شخص کو قاضی اور فیصلہ کنندہ مقرر کیا جائے اور ساتھ ہی اسے خاموش رہنے اور زبان نہ کھولنے کا حکم بھی دیدیا جائے۔ پس اس مفہوم تقیہ کا فساد ہر صاحب بصیرت پر ظاہر اور واضح ہے۔

والسلام :۔الراقم :داعی مہر علی شاہ۔از گولڑہ بقلم خود۔

شیعان کوفہ کی غداری کی تفصیل بیان کرتے ہوئے شیخ مفید لکھتے ہیں :۔

"فلمامات معاوية وانقضت مدة الهدنة التى كانت تمنع الحسين عليه السلام من الدعوة إلى نفسه' أظهر أمره بحسب الإمكان، وأبان عن حقه للجاهلين به حالاً بعد حال، إلى أن إجتمع له فى الظاهر الأنصار. فدعى عليه السلام إلى الجهاد و شمر للقتال وتوجه بولده وأهل بيته من حرم الله و حرم رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم نحو العراق، للاستنصار بمن دعاه من شيعته على الأعداء . وقدم أمامه ابن عمه مسلم بن عقيل رضى الله عنه وأرضاه للدعوة إلى الله والبيعة على الجهاد. فبايعه أهل الكوفة على ذلك وعاهدوه و ضمنوا له النصرة والنصيحة . ووثقواله فى ذلك وعاقدوه . ثم لم تطل المدة حتى نكثوا بيعته، وخذلوه وأسلموه، فقتل بينهم ولم يمنعوه. وخرجوا إلى حرب الحسين عليه السلام فحاصروه ومنعوه المسير إلى بلاد الله واضطروه إلى حيث لايجد ناصراً ولا مهرباً منهم . وحالوا بينه و بين ماء الفرات، حتى تمكنوامنه فقتلوه فمضى عليه السلام ظمآن مجاهداً صابراً محتسباً مظلوماً ' قد نكثت بيعته ' واستحلت حرمته ' ولم يوف له بعهد، ولا رعيت فيه ذمة عقد، شهيداً على مامضى عليه أبوه وأخوه عليه السلام"۔

(المفيد' الإرشاد' ج ٢ ' ص ٢٨ — ٢٩ ' الباب الثالث' فى ذكر الامام بعد الحسن)—

ترجمہ :۔ جب معاویہ کا انتقال ہو گیا اور صلح کی وہ مدت پوری ہو گئی جو حسین

علیہ السلام کو اپنی ذات کی طرف دعوت (امامت) دینے سے روکے ہوئے تھے تو انہوں نے ممکنہ حد تک اپنا معاملہ ظاہر کر دیا۔ اور یکے بعد دیگرے ہر موقع پر حق ناشناسوں کے سامنے اپنا حق جتلایا۔ یہاں تک کہ ظاہری طور پر ان کے انصار و مددگار اکٹھے ہو گئے۔ پس آپ علیہ السلام نے جہاد کی دعوت دی اور قتال کے لئے کمربستہ ہو گئے۔ چنانچہ اپنی اولاد و اہل بیت کے ہمراہ حرم خدا و حرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عراق کی جانب رخ کیا۔ تاکہ دشمنوں کے مقابلے میں اپنے ان شیعوں سے مدد طلب کریں جنہوں نے انہیں دعوت دی تھی۔ اور آپ نے خود پہلے اپنے چچازاد مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ وارضاہ کو دعوت الی اللہ و بیعت جہاد کے لئے روانہ کیا۔ پس اہل کوفہ نے اس بات پر ان کی بیعت کر لی' ان سے عہد و پیمان کئے' انہیں مدد و خیر خواہی کی ضمانت دی اور ان سے عہد و پیمان کو پختہ و مضبوط کرتے رہے۔ پھر زیادہ مدت نہ گزری تھی کہ انہوں نے بیعت توڑ دی اور انہیں بے یار و مددگار چھوڑ کر دشمن کے سپرد کر دیا۔ پس وہ (مسلم) ان کے درمیان قتل کر دیئے گئے۔ مگر ان لوگوں نے ان کا دفاع نہ کیا۔ نیز حسین علیہ السلام کے خلاف جنگ کیلئے نکل کھڑے ہوئے۔ پس ان کا محاصرہ کر لیا اور انہیں شہرہای خدا کی طرف جانے سے روک دیا۔ نیز انہیں ایسی جگہ قیام پر مجبور کر دیا جہاں نہ کوئی مددگار تھا اور نہ ان لوگوں سے بچنے کیلئے کوئی راہ فرار۔ پھر ان کے اور آب فرات کے درمیان حائل ہو گئے۔ یہاں تک کہ ان پر قدرت پا کر انہیں قتل کر دیا۔ پس آپ علیہ السلام صبر و احتساب و مظلومیت کی حالت میں جہاد کرتے ہوئے پیاسے اس حال میں شہید ہوئے کہ آپ کی بیعت توڑی جا چکی تھی' آپ کی حرمت کو حلال ٹھہرا دیا گیا تھا' آپ سے عہد کو وفا نہ کیا گیا تھا اور نہ ہی آپ کے بارے میں عہد و پیمان کو ملحوظ رکھا گیا تھا۔ پس آپ اپنے والد اور بھائی علیہ السلام کے راستے پر چلتے ہوئے شہید ہو گئے۔

چنانچہ شیعی بیانات کے مطابق بھی محققین کا یہ نقطہ نظر ہے کہ اگر شیعان کوفہ سیدنا حسینؓ کو دعوت کوفہ نہ دیتے اور بیعت حسینؓ کے سلسلہ میں مبالغہ آمیز دعوے اور بعد ازاں بیعت شکنی نہ کرتے تو سانحہ کربلا پیش نہ آتا۔ کیونکہ مکہ میں چار ماہ بلا بیعت

گزارنے کے باوجود سفر کوفہ سے پہلے حکومت یزید کی جانب سے کوئی کاروائی نہ کی گئی :-

"جملہ مؤرخین متفق البیان ہیں کہ حضرت حسینؓ پورے چار مہینے اور چند دن مکہ معظمہ میں قیام پذیر رہے- یعنی ماہ شعبان ور مضان و شوال و ذیعقدہ نیز ماہ ذی الحجہ کے ابتدائی ایام- اور اس تمام عرصے میں کوفیوں کے صدہا خطوط' بیسیوں وفود اور سینکڑوں اشخاص عراق سے ان کے پاس آتے جاتے اور بیعت اطاعت کا حلف اٹھاتے رہے- ساٹھ کوفی معیت میں چلنے کے انتظار میں ٹھہرے رہے- جو بعد میں ان کے قافلے کے ساتھ روانہ ہوئے- ان تمام حالات سے حکومت باخبر تھی- بایں ہمہ ان کے خلاف کوئی کاروائی نہیں کی گئی- نہ عراقیوں کو ان کے پاس آنے جانے سے روکا گیا - نہ خط و کتابت پر کوئی سنسر بٹھایا گیا اور نہ کوئی اور پابندی عائد کی گئی-

ثالثاً :- حکومت چاہتی تو ان چار ماہ کے دوران جب مکہ معظمہ میں کسی مذہبی تقریب کا کوئی خاص اژدھام نہ ہوا تھا' شہر کی محدود آبادی اپنے معمول پر تھی' عامل مکہ کو حکم بھیج کر باآسانی ان کے خلاف کاروائی کی جا سکتی تھی- مگر حکومت کے کسی تشدد کا کوئی ثبوت اوراق تاریخ میں نہیں پایا جاتا"-

(محمود عباسی' خلافت معاویہ و یزید' ص ۱۵۴-۱۵۵' کراچی' جون ۱۹۶۲ء)-

شہادت مسلم و شیعان کوفہ کی غداری و بیعت یزید کی اطلاع ملنے پر جب یزید کے مقابلے میں خلافت حسینی کے قیام کا امکان معدوم ہو گیا تو تمام راہیں مسدود پا کر سیدنا حسینؓ نے امیر لشکر عمر بن سعد بن ابی وقاصؓ کے سامنے یزید کے ہاتھ میں ہاتھ دینے (دست در دست یزید) کی پیشکش فرمائی تھی- مگر ابن سعد کے مشورہ کے برعکس اور یزید کو مطلع کئے بغیر ابن زیاد نے پہلے اپنی بیعت کی شرط رکھ دی جس سے صورتحال بگڑ گئی-

"روی أنه علیه السلام قال لعمر بن سعد:-

اختاروا منی:- إما الرجوع الی المکان الذی أتیت منه،

أو أضع یدی فی ید یزید بن معاویة فهو إبن عمی فیری فی رأیه'

وإما أن تسیرونی إلی ثغر من ثغور المسلمین فأکون رجلاً منهم'

لی ما لهم و علی ما علیهم-

وأن عمر كتب إلى عبيدالله بن زياد بما سأل فأبى عليه".

(سید علی نقی النقوی' السبطان فی موقفیھما' مطبوعه اظہار سنز' لاہور' ص ۱۰٤' بحوالہ" تنزیہ الانبیاء" للسید شریف مرتضی علم الھدی' م ٤٣٦ ھ' ص ۱۷۹ – ۱۸۲' و "تلخیص الشافی" لأبی جعفر الطوسی' م ٤٦٠ ھ' جلد' ٤' ص ۱۸۲ – ۱۸۸).

ترجمہ :-روایت کیا گیا ہے کہ آپ (حسین) علیہ السلام نے عمر بن سعد سے فرمایا :- میری کوئی ایک بات مان لو :-

یا تو جس مقام سے میں آیا ہوں وہاں واپس جانے دو،

یا میں یزید بن معاویہ کے ہاتھ میں اپنا رکھ دوں (دست در دست یزید)'

وہ میرا چچازاد ہے میرے بارے میں جو رائے مناسب سمجھے گا اختیار کرلے گا-

یا مجھے مسلمانوں کے سرحدی علاقوں میں سے کسی سرحد کی طرف نکل جانے دو'

تاکہ میں ان میں سے ایک فرد بن کر رہوں، جو حق ان کا ہے میرا بھی ہو اور جو ذمہ داری ان کی ہے میں بھی ادا کروں-

روایت کیا گیا ہے کہ عمر نے آپ کا مطالبہ ابن زیاد کو لکھ بھیجا مگر اس نے انکار کردیا-

طبری کی مذکورہ روایت کے علاوہ امام باقر کی روایت یوں ہے :-

فلما أتاه قال له الحسين : إختر واحدة: —

إما أن تدعوني فأصرف من حيث جئت،

إما أن تدعوني فأذهب إلى يزيد ،

وإما أن تدعوني فألحق بالثغور—

(طبری، ج ٦، ص . ۲۲۰)—

ترجمہ :- پس جب وہ (ابن سعد) حسین کے پاس آئے تو حسین نے ان سے فرمایا کہ تین باتوں میں سے کوئی ایک قبول کرلو :-

یا تو جس مقام سے میں آیا ہوں وہاں واپس جانے دو-

یا مجھے یزید کے پاس چلا جانے دو۔
یا سرحدوں کی طرف (جہاں جہاد جاری ہے) نکل جانے دو۔
عمر نے آپ کی اس پیش کش کو قبول کر کے ابن زیاد کو اطلاع بھیجی تو اس نے پہلے "دست در دست ابن زیاد" کی شرط رکھدی:-

"لا ولا کرامة حتی یضع یده فی یدی".
ہرگز نہیں عزت و اکرام تب ہوگا جب پہلے وہ میرے ہاتھ میں ہاتھ رکھیں۔
اس پر حسینؓ نے ابن سعد سے فرمایا:-
فقال له الحسین : لا والله لایکون هذا أبداً – (طبری ۶/۲۲۰)۔
پس حسین نے ان (ابن سعد) سے فرمایا:- خدا یہ تو کبھی نہ ہو پائے گا۔

"دست در دست یزید" کی یہ مشہور و معروف پیشکش جسے ابن زیاد نے اپنی بیعت و اطاعت سے مشروط کر کے صورتحال بگاڑ دی' تاریخ الطبری (ج ۴، ص ۳۱۳، مطبوعہ ۱۳۵۸ھ)" الکامل "لابن الاثیر (ج ۴، ص ۲۴، مطبوعہ ۱۳۴۸ھ) اور ابن کثیر کی "البدایہ والنھایہ (ج ۸، ص ۱۷۰' مطبوعہ ۱۳۹۸ھ) جیسے قدیم و بنیادی مصادر تاریخ میں بھی موجود ہے۔

علاوہ ازیں درج ذیل کتب اہل تشیع نیز دیگر کتب شیعہ میں مذکور ہے:-

۱- کتاب الارشاد للشیخ مفید (م ۴۱۳ھ) ص ۲۱۰ - مطبوعہ ۱۳۶۴ھ۔
۲- تنزیہ الانبیاء للسید مرتضٰی (م ۴۳۶ھ) ص ۱۷۷، مطبوعہ ۱۳۵۰ھ۔
۳- تلخیص الشافی لابی جعفر الطوسی (م ۴۶۰ھ) ص ۱۷۴، مطبوعہ ۱۳۰۱ھ۔
۴- روضۃ الواعظین للشیخ محمد فتال (م ۵۰۸ھ) ج ۱، ص ۸۲'
مطبوعہ ۱۳۸۵ھ۔
۵- إعلام الوری بأعلام الھدی للفضل بن حسن الطبرسی (م ۵۴۸ھ)
ص ۲۳۳، مطبوعہ ۱۳۳۸ھ۔

۶- بحار الانوار للعلامہ باقر مجلسی (م ۱۱۱۱ھ) ج ۱۰، ص ۳۴۶،
مطبوعہ ۱۳۵۵ھ-

سانحہ کربلا و قتل حسینؓ کے اصل مجرمین (شیعان کوفہ) کی نشاندہی کے لئے سفر کوفہ کے دوران سیدنا حسینؓ کا درج ذیل خطبہ بھی قابل توجہ ہے :-

" أيها الناس ! إ نما جمعتكم على أن العراق في قبضتي، وقد جاء ني خبر صحيح أن مسلم بن عقيل و هاني بن عروة قتلا ' وقد خذلتنا شيعتنا. فمن كان منكم يصبر على ضرب السيوف وطعن الرماح ، وإلا فلينصرف من موضعه هذا فليس عليه من زمامي شئي ".

(مقتل أبي مخنف ، ص ٤٣ ، مسير الحسين الى العراق، المطبعة الحيدرية بالنجف الأشرف، ١٣٧٥هـ).

ترجمہ :- لوگو! میں نے تمہیں اس بنیاد پر جمع کیا تھا کہ عراق میری مٹھی میں ہے- مگر ابھی ابھی صحیح خبر آئی ہے کہ مسلم بن عقیل وھانی بن عروہ قتل کر دیئے گئے ہیں-اور ہمارے شیعوں نے ہمیں بے یار و مددگار چھوڑ کر رسوا کر دیا ہے-پس تم میں سے جو کوئی تلواروں کی ضرب اور نیزوں کے زخم برداشت کر سکتا ہو تو بہتر، ورنہ اسی مقام سے واپس چلا جائے-میری طرف سے اس پر کوئی ذمہ داری عائد نہ ہوگی-

سانحہ کربلا کے حوالہ سے سیدنا حسینؓ کا درج ذیل روایت میں منقول فرمان بھی بہت اہم ہے :-

"فقتل أصحاب الحسين كلهم – وفيهم بضعة عشر شاباً من أهل بيته – وجاء سهم فأصاب إبناً له معه في حجره – فجعل يمسح الدم عنه و يقول :- اللهم احكم بيننا و بين قوم دعونا لينصرونا فقتلونا".

(تاريخ الطبري، ج ٦، ص ٢٢٠ بروايت محمد الباقر).

ترجمہ :-پس تمام رفقائے حسینؓ شہید ہوگئے- جن میں آپ کے اہل خانہ میں سے بھی پندرہ بیس جوان تھے-ایک تیر آپ کے اس بیٹے کو لگا جو آپ کے ہمراہ گود میں

تھا۔ پس آپ اس کا خون پونچھتے ہوئے فرما رہے تھے :۔

یا اللہ! ہمارے اور ان لوگوں (شیعان کوفہ) کے درمیان تو ہی انصاف فرما جنہوں نے اپنی تائید و نصرت سے ہمارا ساتھ دینے کے لئے ہمیں بلایا اور پھر ہمارے قاتل بن گئے۔

شیعی روایت کے مطابق ازواج و اولاد حسینؓ کی تفصیل درج ذیل ہے :۔

"وكان للحسين عليه السلام ستة أولاد :-

على بن الحسين الأكبر- كنيته أبو محمد و أمه شاه زنان بنت كسرى يزد جرد-

وعلي بن الحسين الأصغر- قتل مع أبيه بالطف و قد تقدم ذكره فيما سلف، وأمه ليلى بنت أبى مرة بن عروة بن مسعود الثقفية.

وجعفر بن الحسين عليه السلام -لا بقية له، وأمه قضاعية، وكانت وفاته فى حياة الحسين عليه السلام.

وعبدالله بن الحسين- قتل مع أبيه صغيراً جاء سهم وهو فى حجر أبيه فذبحه، وقد تقدم ذكره فيما مضى أيضاً.

وسكينة بنت الحسين عليه السلام - و أمها الرباب بنت امرىء القيس بن عدى كلبية معدية، وهى أم عبدالله بن الحسين عليه السلام.

وفاطمة بنت الحسين عليه السلام- وأمها أم اسحق بنت طلحة بن عبيدالله تيمية".

(المفيد الارشاد، ج ٢، ص ١٣٧، الباب الرابع ذكر ولد الحسين بن على عليهما السلام).

ترجمہ :۔ حسین علیہ السلام کے چھ بچے تھے :۔

علی اکبر بن حسین جن کی کنیت ابو محمد ہے۔ ان کی والدہ شاہ زنان بنت کسریٰ یزد گرد ہیں۔

اور علی اصغر بن حسین۔جو اپنے والد کے ساتھ کربلا میں مقتول ہوئے اور جن کا

تذکرہ پہلے ہو چکا ہے۔ان کی والدہ لیلیٰ بنت ابی مرہ بن عروہ بن مسعود ثقفیہ ہیں۔

اور جعفر بن حسین۔ جن کی کوئی اولاد نہیں۔ان کی والدہ بنو قضاعہ سے ہیں۔
ان کی وفات حسین علیہ السلام کی زندگی ہی میں ہو گئی تھی۔

اور عبداللہ بن حسین جو بچپن ہی میں اپنے والد کے ہمراہ مقتول ہوئے۔آپ جب اپنے والد کی گود میں تھے،ایک تیر آیا اور آپ کو ذبح کر گیا۔آپ کا ذکر بھی پہلے گزر چکا ہے۔

نیز سکینہ بنت حسین علیہ السلام۔ان کی والدہ رباب بنت امرؤالقیس بن عدی،بنو کلب بنو معد میں سے ہیں۔اور یہی عبداللہ بن حسین علیہ السلام کی بھی والدہ ہیں۔

اور فاطمہ بنت حسین علیہ السلام جن کی والدہ ام اسحاق بنت طلحہ بن عبیداللہ،بنو تیم میں سے ہیں۔

شہدائے کربلا میں سیدنا حسینؓ کے علاوہ ابو بکر و عثمان بن علیؓ اور ابو بکر بن حسنؓ سمیت کل سترہ ہاشمی جوان شامل ہیں:-

"أسماء من قتل مع الحسين عليه السلام
من أهل بيته بطف كربلا وهم سبعة عشر نفساً،
والحسين بن على عليهما السلام ثامن عشر منهم:

العباس و عبدالله و جعفر و عثمان، بنو أميرالمؤمنين عليه وعليهم السلام، أمهم أم البنين،

وعبدالله وأبوبكر إبنا أميرالمؤمنين عليه السلام، أمهما ليلى بنت مسعود الثقفيه،

وعلى و عبدالله إبنا الحسين بن على عليهما السلام،

والقاسم وأبوبكر و عبدالله، بنو الحسن بن على عليهما السلام،
و محمد و عون ابنا عبدالله بن جعفر بن أبيطالب رضى الله
عنهم. أجمعين،

وعبدالله و جعفر و عبدالرحمن بنو عقيل بن أبيطالب رحمة
الله عليهم أجمعين.

فهئولاء سبعة عشرنفساً من بنى هاشم رضوان الله عليهم
أجمعين، إخوة الحسين عليه و عليهم السلام، و بنوأخيه و بنو عميه
جعفر و عقيل. وهم كلهم مدفونون مما يلى رجلى الحسين عليه السلام فى
مشهده. حفرلهم حفيرة وألقوا فيهاجميعاً وسوى عليهم التراب إلاالعباس
بن على عليهما السلام فانه دفن فى موضع مقتله على المسناة بطريق
الغاضرية وقبره ظاهر"۔

(المفيد الإرشاد ج۲ ص۱۲۹-۱۳۰ الباب الثالث أسماء من قتل مع
الحسين من أهل بيته إيران انتشارات علمية إسلامية ۱۳۸۷ه).

ترجمہ :- اہل بیت حسین علیہ السلام میں سے آپ کے ہمراہ
ارض کربلا میں شہید ہونے والوں کے نام

جو کل سترہ افراد ہیں اور جن کے ساتھ اٹھارویں حسین بن علی علیہما السلام ہیں۔

عباس و عبداللہ و جعفر و عثمان۔ فرزندان امیر المؤمنین (علیؑ) علیہ و علیہم السلام۔
ان کی والدہ ام البنین ہیں۔

اور عبداللہ و ابوبکر فرزندان امیر المؤمنین (علی) علیہ السلام۔ ان دونوں کی
والدہ لیلیٰ بنت مسعود الثقفیہ ہیں۔

علی و عبداللہ فرزندان حسین بن علی علیہما السلام۔

اور قاسم وابو بکر و عبداللہ۔ فرزندان حسن بن علی علیہما السلام۔
نیز عون و محمد۔ فرزندان عبداللہ بن جعفر بن ابیطالب رضی اللہ عنہم اجمعین۔
اور عبداللہ و جعفر و عبدالرحمن۔ فرزندان عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہم۔
نیز محمد بن ابی سعید بن عقیل بن ابی طالب۔ رحمتہ اللہ علیہم اجمعین۔
پس یہ سترہ افراد بنی ہاشم میں سے ہیں۔ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

یہ سب برادران حسین علیہ وعلیہم السلام نیز آپ کے بھائی اور دونوں چچاؤں جعفر و عقیل کی اولاد ہیں۔ اور یہ سب کے سب حسین علیہ السلام کے مشہد (مزار) میں ان کے قدموں کے قریب دفن شدہ ہیں۔ ان کے لئے ایک ہی گڑھا کھودا گیا تھا اور اسی میں سب کو پھینک کر ان پر مٹی ڈال دی گئی تھی۔

البتہ عباس بن علی علیہما السلام کو ان کے مقام شہادت پر کہ وہ شتر مسناۃ پر درراہ غاضریہ مقتول ہوئے تھے، دفن کیا گیا۔ اور ان کی قبر نمایاں ہے۔

ان سترہ نوجوانان بنی ہاشم واولاد ابو طالب و علی و حسنین رضی اللہ عنہم کے علاوہ دیگر فرزندان علیؓ واقارب حسینؓ واہل بیت بنو ہاشم کربلا میں موجود نہ تھے۔ چنانچہ ان سینکڑوں غیر موجود اہل بیت علیؓ و بنو ہاشم نے خلافت یزید کی ابتداء ہی میں بیعت کرتے ہوئے سیدنا حسینؓ کو شیعان کوفہ کے بھروسہ پر خروج سے منع فرمایا تھا۔ اور خود حسینؓ بھی شیعان کوفہ کی سیدنا علیؓ و حسنؓ سے مختلف اوقات میں غداری و بیوفائی کے پیش نظر ان پر اعتماد کرنے میں متذبذب تھے۔ چنانچہ مسلم بن عقیلؒ کو تصدیق احوال کوفیان کیلئے روانہ فرمایا۔ ابن عقیل کی جانب سے ان کے ہاتھ پر ہزاروں کوفیوں کے بیعت خلافت حسینؓ کر لینے کی اطلاع ملنے پر سیدنا حسینؓ کوفہ روانہ ہوئے۔ جبکہ فرزندان علیؓ (محمد بن حنفیہؒ و عمر الاطرفؒ) نیز داماد و برادر زادہ علیؓ، عبداللہ بن جعفر طیارؓ، اور سفر کوفہ سے پہلے مکہ میں میزبان حسینؓ و عم زاد نبیؐ و علیؓ سیدنا عبداللہ بن عباسؓ سمیت اکابر بنی ہاشم و قریش و اقارب حسینؓ کی کثیر تعداد نے اس تصدیق کے باوجود کوفیوں کو قابل اعتبار نہ جانا اور ابن جعفرؓ و ابن عباسؓ و ابن الحنفیہؒ سمیت متعدد اکابر اہل بیت نیز اکابر قریش و بنو ہاشم سیدنا

حسینؓ کو آخر وقت تک خروج وسفر کوفہ سے منع فرماتے رہے۔

برصغیر کے معروف عالم و مؤلف مولانا عامر عثمانی مدیر ماہنامہ "تجلی" دیوبند اس صورتحال پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

"مبارک ہو شیعوں کو کہ انہوں نے خود تو حضرت حسینؓ کو کوفے بلایا اور بدترین بزدلی اور عہد شکنی کے مرتکب ہو کر ان کی مظلومانہ موت کو دعوت دی، لیکن الزام سارا ڈال دیا یزید کے سر۔ اور حب حسینؓ کا ڈھونگ رچا کر بغض یزید کی وہ ڈفلی بجائی کہ اہل سنت بھی رقص کر گئے۔ کتنا کامیاب فریب ہے کہ اصلی قاتل تو سرخرو ہوئے اور سیاہی ملی گئی اس یزید کے منہ پر جو اپنی حکومت کی حفاظت کرنے میں اسی طرح حق بجانب تھا جس طرح دنیا کا کوئی بھی حکمران ہوتا ہے۔

ہم انسانی تاریخ میں کسی ایسے حکمران کو نہیں جانتے جس نے بوقت ضرورت اپنے تحفظ کیلئے ممکنہ تدابیر سے کام نہ لیا ہو۔ یزید ہی نے حضرت حسینؓ کو باز رکھنے کیلئے افسروں کو اقدام وانصرام کا حکم دیا تو یہ کوئی انوکھا فعل نہ تھا۔ ہاں اس نے یہ ہرگز نہیں کہا تھا کہ انہیں مار ڈالنا۔ جو کچھ پیش آیا، بہت برا سہی مگر یزید قاتل نہ تھا، نہ قتل کا آرڈر دینے والا۔ پھر بھی قتل کی ذمہ داری اس پر ڈالتے ہو تو اس میں سے کچھ حصہ، بہت بڑا حصہ ان بد نہاد کوفیوں کو بھی تو دو جنہوں نے خطوں کے پلندے بھیج بھیج کر حضرت حسینؓ کو بلایا اور وقت آیا تو رسول اللہ کے نواسے کو ہجوم آفات میں چھوڑ کر نو دو گیارہ ہو گئے۔

یہ سب شیعہ تھے پرلے سرے کے بوالفضول اور عہد شکن۔ انہوں نے حضرت علیؓ کو بھی ناکوں چنے چبوائے۔ میدان وفا میں ہیچ بن گئے۔ اسد اللہ کی خیبر شکن تلوار کو کند کر کے رکھ دیا۔ اور پھر انہی کے عالی مقام بیٹے حسینؓ کو سبز باغ دکھا کر مروا دیا۔ آج یہ ناٹک کھیلتے ہیں کہ ہم حسینؓ کے فدائی ہیں۔ اور اس ناٹک میں کتنے ہی سنی حضرات بطور آرکسٹرا شامل ہو گئے ہیں۔ واہ رے کمال فن! ہو سکے تو یزید دشمنی میں حد سے آگے جانے والے اہل سنت غور کریں کہ وہ کس معصومیت سے دھوکا کھا گئے ہیں۔ کیسا جادو کا ڈنڈا ان کے سر پر پھیر آگیا ہے۔ اور صحابہؓ کے دشمنوں نے کس طرح یزید کی آڑ میں نہ صرف حضرت معاویہؓ بلکہ یزید کی بیعت کرنے والے متعدد جلیل القدر صحابہ کرامؓ کو سبب

وشتم کرنے کا راستہ نکالا ہے"۔

(مولانا عامر عثمانی 'اقتباس از مضمون بعنوان : یزید جسے خدا نے حشا گر بندوں نے نہیں بخشا، مطبوعہ ماہنامہ "تجلی" دیوبند، جولائی ۱۹۶۰ء)۔

معروف شیعہ عالم و محدث شیخ مفید (م ۴۱۳ھ) واقعہ کربلا کے بعد پس ماندگان قافلہ حسینی کے دربار یزید میں پہنچنے کے بعد کی بعض روایات و تفصیلات نقل کرتے کے بعد آخر میں بیان فرماتے ہیں :-

ثم أمر بالنسوة أن ينزلن فی دارعليحدة، معهن أخوهن على بن الحسين عليهما السلام – فأفرد لهم دار تتصل بدار يزيد– فأقاموا أ ياماً ثم ندب النعمان بن بشير وقال له:– تجهز لتخرج بهئولاء النسوة إلى المدينة – ولما أراد أن يجهزهم دعا على بن الحسين عليهما السلام فاستخلى به، ثم قال:–

لعن الله ابن مرجانة! أم والله لو أنی صاحب أبيك ماسئلنی خصلة أبداً إلا أعطيته إياها – ولدفعت الحتف عنه بكل ما استطعت – ولكن الله قضى مارأيت – كاتبنی من المدينة وإنه إلى كل حاجة تكون لك–

و تقدم بكسوته و كسوة أهله و أنفذ معهم فی جملة النعمان بن بشير رسولاً تقدم إليه أن يسيربهم فی الليل، ويكونوا أمامه حيث لايفوتون طرفه– فاذا نزلوا إنتحى عنهم وتفرق هووأصحابه حولهم كهيئة الحراس لهم، وينزل منهم بحيث ان أراد إنسان من جماعتهم وضوء وقضاء حاجة لم يحتشم– فسار معهم فی جملة النعمان و لم يزل ينازلهم فی الطريق ويرفق بهم كماوصاه يزيد و يرعاهم حتى دخلوا المدينة"–

(الشيخ المفيد الإرشاد، ج ۲، ص ۱۲٦ – ۱۲۷)–

ترجمہ :- پس اس (یزید) نے خواتین کو ایک علیحدہ گھر میں ان کے بھائی علی

بن حسین علیہما السلام کے ہمراہ ٹھہرانے کا حکم دیا۔ تو ان کے لئے یزید کے گھر سے متصل ایک گھر خالی کیا گیا۔ چنانچہ وہ لوگ وہاں کچھ روز مقیم رہے۔ پھر اس نے نعمان بن بشیر کو بلایا اور ان سے کہنے لگا :- ان خواتین کے ہمراہ مدینہ جانے کی تیاری کر لیجئے۔

اور جب یزید نے ان لوگوں کو (مدینہ کے لئے) تیار کرنے کا ارادہ کیا تو علی بن حسین علیہما السلام کو بلا کر علیحدگی میں کہنے لگا :-

ابن مرجانہ (ابن زیاد) پر خدا کی لعنت ہو۔ خدا کی قسم اگر میں آپ کے والد کے پاس ہوتا تو وہ مجھ سے جس چیز کا سوال کرتے میں انہیں دے دیتا۔ اور اپنی پوری طاقت صرف کر کے ان کا دفاع کرتے ہوئے موت کو ان سے پرے دھکیلتا۔ مگر خدا نے یہی مقدر کر رکھا تھا، جو آپ دیکھ آئے ہیں۔ آپ مدینہ سے میرے ساتھ خط و کتابت کریں اور جس چیز کی ضرورت ہو لکھیں، میں فراہم کروں گا۔

پھر اس نے ان کے اور ان کے اہل خانہ کے لئے (کربلا میں لوٹے گئے سامان کے بدلے میں) لباس وسامان پیش کئے۔

نیز اس نے نعمان بن بشیر کے ہمراہ افراد بھیجے اور حکم دیا کہ :- ان لوگوں کے ہمراہ رات کے وقت سفر کریں۔ اور وہ لوگ آپ کے سامنے اس طرح رہیں کہ آپ ان کی نظروں سے اوجھل نہ ہو پائیں۔ پس وہ پڑاؤ ڈالا کریں تو آپ ایک طرف علیحدہ ہو جایا کریں اور اپنے ساتھیوں کے ہمراہ پہریداروں کی شکل میں بکھر جایا کریں۔ اور ان لوگوں سے دور ہٹ کر اس طرح پڑاؤ ڈالا کریں کہ ان (اہل بیتؑ) میں سے کوئی وضو یا قضاء حاجت کا خواہاں ہو تو شرم و بے پردگی محسوس نہ کرے۔ پس یہ فرستادگان نعمان کی معیت میں ان لوگوں کے ساتھ سفر کرتے رہے۔ اور راستے میں وہ مختلف مقامات پر ان کے ہمراہ پڑاؤ ڈالتے رہے۔ اور ان کے ساتھ نرمی سے پیش آتے اور دیکھ بھال کرتے رہے۔ جیسا کہ یزید نے انہیں تلقین کی تھی۔ یہاں تک وہ مدینہ میں داخل ہو گئے۔

۴۔ رفیق حسینؓ زہیر بن قین

(م ۶۱ھ ، کربلا)

ابن جریر طبری و ابو مخنف وغیرہ نے میدان کربلا میں سیدنا حسینؓ کے ساتھی زہیر بن قین کی گفتگو کے وہ الفاظ نقل کئے ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ :-

"اے اللہ کے بندو! فاطمہ رضوان اللہ علیھا کی اولاد بہ نسبت ابن سمیہ (ابن زیاد) کے، تمہاری محبت و نصرت کی زیادہ مستحق ہے۔لیکن اگر تم ان کی مدد نہیں کرتے تو ان کے قتل کے در پے ہونے سے باز آجاؤ :-

"فخلوا بين هذا الرجل و بين ابن عمه يزيد بن معاوية

فلعمری أن يزيد يرضى من طاعتكم بدون قتل الحسين"۔

(تاريخ الطبری : جلد ٦، ص ٢٤٣)۔

ترجمہ :- پس اس شخص (حسینؓ) اور اس کے چچازاد یزید بن معاویہ کے درمیان سے ہٹ جاؤ اور انہیں وہاں (یزید کے پاس) جانے دو۔ مجھے اپنے زندگی کی قسم! یزید قتل حسین کے بغیر ہی تمہاری اطاعت سے راضی رہے گا۔

طبری کی مذکورہ روایت کا حوالہ دیتے ہوئے اثناعشری عالم و مئولف عباس قمی رقمطراز ہیں :-

"جناب زہیر بنای نصیحت را گزاشت و فرمود :-

اے بندگان خدا! اولاد فاطمہ علیھا السلام احق و اولی ہستند بمودت و نصرت از فرزند سمیہ۔ ہرگاہ یاری نمی کنید ایشا نرا ، پس شمار ا در پناہ خدا ور می آورم آز آنکہ ایشانرا بکشید۔ بگذارید حسین را باپسر عمش یزید بن معاویہ۔ ہر آئینہ بجان خودم سوگند کہ یزید راضی خواہد شد از طاعت شما بدون کشتن حسین علیہ السلام"۔

(عباس قمی، منتھی الآمال، ج ۱، ص ۳۴۵، نصیحت و موعظہ زہیر بن قین لشکر کوفہ، سازمان

انتشارات جاویدان، ایران ۱۳۸۸ھ)۔

ترجمہ:۔جناب زہیر نے پر بنائے نصیحت فرمایا:۔

اے بندگان خدا! اولاد فاطمہ علیہا السلام مودت و نصرت کی ابن سمیہ (ابن زیاد) سے زیادہ حقدار و مستحق ہے۔ لیکن اگر تم ان کی مدد نہیں کرتے تو میں تمہیں خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ ان کو قتل نہ کرو۔ حسین کو ان کے چچا کے بیٹے یزید بن معاویہ کے پاس جانے دو۔ مجھے اپنی جان کی قسم یزید تم لوگوں کی طاعت سے قتل حسین علیہ السلام کے بغیر ہی راضی رہے گا۔

۵-یزید بن معاویہؓ الاموی القرشی
(م ۶۴ھ، دمشق)

فکر شیعی میں حسینؓ و یزید کافی حد تک لازم و ملزوم اور باہم مدمقابل قرار دیئے جاتے ہیں- مگر اس کے باوجود یزید بن معاویہؓ کے حامیان و مخالفین بالعموم اس کے احوال و آثار سے بے خبر ہیں-لہذا حتی الامکان مستند مصادر سے یزید کے بارے میں بعض ضروری معلومات درج کی جا رہی ہیں- تاکہ سیدنا حسینؓ (۴-۶۱ھ) اور یزید (۲۲-۶۴ھ) کے باہم معاملات و اختلافات میں علمی و تحقیقی نقطۂ نظر سے متوازن رائے قائم کی جا سکے اور تنقید و اختلاف کو بھی تعصب و جہالت کے بجائے علم و معرفت کی بنیادوں پر استوار کرنے کی راہ ہموار تر ہو سکے-

یزید کا نام ونسب اور ذاتی حالات

یزید کے دادا ابوسفیانؓ اموی قریشی، دادی سیدہ ھندہؓ، تایا یزیدؓ، والد معاویہؓ اور پھوپھی ام المؤمنین سیدہ ام حبیبہؓ تمام کے تمام صحابہ کرامؓ میں سے ہیں- جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابوسفیانؓ وہندؓ کے داماد، یزیدؓ و معاویہؓ بن ابی سفیانؓ کے بہنوئی اور یزید بن معاویہؓ کے پھوپھا ہیں-

ابوسفیانؓ فتح مکہ (۱۰ رمضان ۸ھ) سے چند روز پہلے مسلمان ہوئے- اور ان کے گھر کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دارالامان قرار دیا-

من دخل دار أبي سفيان أمن- الحديث-

جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو گیا اس کے لئے امان ہے-

سیدہ ھندہ (ھند) زوجہ ابوسفیان بھی اسی دوران میں مسلمان ہوئیں اور سید الشھداء حمزہؓ بن عبدالمطلب کا بعد از شہادت کلیجہ چبانے پر ان کی توبہ و ندامت نبی علیہ السلام نے قبول فرمائی- اور بیعت نبوی سے سرفراز ہوئیں- جبکہ وحشی (قاتل حمزہؓ) بھی مسلمان ہوئے- اور خلافت ابوبکرؓ میں نبوت کے جھوٹے دعویدار مسیلمہ کذاب کو قتل کرنے کی

سعادت حاصل کی۔ اور وحشیؓ کا یہ قول مشہور ہے کہ :-

"قتلت خير الناس بعد رسول الله و قتلت شر الناس".

(ڈکتور حسن ابراھیم، تاریخ الاسلام، ج ۱ ص ، طبع مصر)۔

ترجمہ :- میں نے رسول اللہ کے بعد بہترین انسان (حمزہؓ) کو شہید کیا تھا اور میں نے ہی بعد ازاں بدترین انسان (مسیلمہ کذاب) کو قتل کیا ہے (تاکہ تلافی مافات ہو سکے)۔

سیدنا ابو سفیانؓ کی ایک آنکھ غزوہ طائف میں اور دوسری جنگ یرموک میں جہاد کرتے ہوئے شہید ہوئی۔ آپ کی زوجہ ھندؓ اور بیٹے یزیدؓ و معاویہؓ رومی عیسائیوں کے خلاف جنگ میں موجود تھے۔ جبکہ غزوہ حنین میں بھی ابو سفیانؓ اور ان کا خاندان شریک تھے۔ غزوہ یرموک میں اپنی پرجوش تقریروں سے ابو سفیانؓ مجاہدین کی ہمت افزائی کرتے ہوئے فرماتے جاتے تھے :-

هذا يوم من أيام الله' فانصروا دين الله ينصركم الله۔

(یہ اللہ کے ایام جہاد میں سے ایک ہے۔ پس اللہ کے دین کی مدد کرو، اللہ تمہاری مدد فرمائے گا)۔

ابن عساکر کی روایت کے مطابق اسی معرکہ یرموک میں اول نواسہ رسولؐ و ردیف رسولؐ در فتح مکہ' سیدنا علیؓ بن ابی العاصؓ الاموی القرشی (از بطن سیدہ زینبؓ بنت رسولؐ) نے بھی شہادت پائی۔

یزید کے تایا یزید بن ابو سفیانؓ شام پر حملہ کرنے والے صحابی فاتحین اور سپہ سالاروں (ابو عبیدہ ابن الجراحؓ ' خالد بن ولیدؓ ' عمرو بن العاصؓ شرحبیل بن حسنہؓ وغیرھم) میں سے ایک تھے۔ اور انہیں امام امت و خلیفہ دوم سیدنا عمر فاروقؓ نے امیر دمشق مقرر کیا تھا۔

یزید کے والد معاویہ بن ابی سفیانؓ بعض روایات کے مطابق فتح مکہ کے موقع پر نہیں بلکہ صلح حدیبیہ کے بعد (۶ یا ۷ ھ میں) مسلمان ہوئے مگر اعلان و اظہار اسلام فتح مکہ کے سال کیا۔ (الاصابہ لابن حجر بروایت واقدی) ۔ آپ کاتب وحی اور غزوہ طائف و حنین

وتبوک میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ شریک جہاد تھے-کتب حدیث (بروایات صحابہؓ)
میں مزوی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے بارے میں دعا فرمائی :-

۱- اللهم اجعله هادياً و مهدياً و اهدبه-
(خطیب تبریزی' مشکاة المصابیح' باب جامع المناقب)
ترجمہ :- اے اللہ انہیں ہادی ومہدی بنا اور ان کے ذریعے لوگوں کو هدایت
دے-
۲- أللهم علمه الحساب و الكتاب وقه العذاب -
(علی متقی ، كنزالعمال ، ج ۷ ، ص ۸۷).
ترجمہ :- یااللہ ! انہیں حساب وکتاب کا علم عطاء فرما اور عذاب سے محفوظ
رکھ-
۳- سیدنا معاویہ ہی نے خلافت عثمانؓ میں تاریخ اسلام میں پہلا بحری بیڑا تیار
کرا کے قبرص پر پہلا بحری جہاد کیا- اور بالآخر دوسری مرتبہ جہاد میں اسے فتح کرلیا-اس
سلسلہ میں حدیث نبوی میں سیدہ ام حرام بنت ملحان زوجہ عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے
کہ آپ نے فرمایا :-

أول جبيش من أمتى يغزون البحر قدأوجبوا.
(صحيح البخارى ، كتاب الجهاد ، باب ماقيل فى قتال الروم)
ترجمہ :- میری امت کا پہلا لشکر جو بحری جہاد کرے گا اس کے لئے مغفرت
واجب ہے-

امیر معاویہ کو امام وخلیفہ دوم عمر فاروقؓ نے ان کے بھائی امیر دمشق' یزیدؓ بن
ابی سفیانؓ کی وفات کے بعد امیر دمشق مقرر فرمایا- جبکہ امام و خلیفہ ثالث سیدنا عثمانؓ نے
انہیں اس منصب پر بر قرار رکھا اور بعد ازاں پورے بلاد الشام کا امیر مقرر فرما دیا- آپ کی
بیس سالہ (۴۱-۶۰ھ) عظیم الشان خلافت کے بارے میں غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی
حسنی حسینیؒ فرماتے ہیں :-

وأما خلافة معاوية فثابتة صحيحة بعد موت علي وخلع الحسن بن علي رضي الله تعالى عنهما نفسه عن الخلافة وتسليمها إلى معاوية"۔ (غنية الطالبين' ص۱۷۲)۔

ترجمہ :- وفات علی اور حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے خلافت سے دستبردار ہو کر اسے معاویہ کے سپرد کر دینے کے بعد حضرت معاویہ کی خلافت شرعاً درست وثابت شدہ ہے۔

امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ اپنے ایک مکتوب میں "شارح مواقف" کی اصلاح کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

"یہ بات صحت سے مانی ہوئی ہے کہ حضرت امیر معاویہ، حقوق اللہ اور حقوق عباد المسلمین دونوں کو پورا کرتے تھے۔وہ خلیفہ عادل تھے"۔

(پیرزادہ اقبال احمد فاروقی، صحابہ کرام مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی کے آئینے میں، ص ۳۹، مکتبہ نبویہ لاہور، ۱۹۹۱ء)۔

یزید کی والدہ سیدہ میسون یمنی عربوں کی مشہور شاخ بنو کلب کے سردار بحدل بن انیف کلبی کی صاحبزادی تھیں جو عقل ودین وجمال میں ممتاز تھیں :-

وكانت(ميسون) جازمة عظيمة الشان جمالاً ورياسة وعقلاً وديناً"۔(إبن كثير' البداية والنهاية' ج۸'ص ۱٤٥)۔

ترجمہ :- وہ (میسون) عقل و دانش، حسن وجمال اور سرداری ودینداری کے لحاظ سے عظیم المرتبت تھیں۔

یزید کی ولادت ایک روایت کے مطابق ۲۲ھ میں اور دوسری کے مطابق ۲۵ھ میں ہوئی۔ پہلی روایت صحیح تر قرار دی جاتی ہے۔ابن کثیر سن ۲۲ھ کے حالات میں لکھتے ہیں :-

"وفيها ولد يزيد بن معاوية و عبدالملك بن مروان

(ابن كثير، البداية و النهاية، ج ۷، ص ۱۲۵)۔

ترجمہ :- اور اسی سال (۲۲ھ) میں یزید بن معاویہ و عبدالملک بن مروان کی

ولادت ہوئی۔

یزید کا نام اپنے تایا اور جلیل القدر صحابی رسولؐ کے از فاتحین شام و امیر دمشق سیدنا یزیدؓ بن ابی سفیانؓ کے نام پر رکھا گیا۔ (جبکہ اس سے پہلے عقیلؓ بن ابی طالب کی کنیت بھی ابو یزید اور ان کے ایک بیٹے کا نام یزید تھا۔ (عباس قمی، منتھی الآمال، ج ۱، ص ۲۰۹)۔

سیدہ میسون کے بطن سے یزید کی دو بہنیں اور دختران معاویہؓ سیدہ امتہ المشارق اور رملہ بھی پیدا ہوئیں۔ جن میں سے پہلی تو بچپن میں ہی انتقال کر گئیں اور دوسری سیدہ رملہ کی شادی عمرو بن عثمان غنیؓ سے ہوئی۔ اور ان رملہ کی بہو سکینہ بنت حسینؓ تھیں۔ جو زید بن عمرو بن عثمانؓ کی زوجیت میں آئیں۔ (ابن قتیبه ، المعارف ، مصر ۱۳۰۳ ھ ، ص ۹٤)۔

تعلیم و تربیت

یزید کا زمانہ رضاعت اپنے ننھیالی قبیلہ کی دایہ کے خیمہ میں اموی و ہاشمی گھرانوں کے دستور کے مطابق بسر ہوا۔ بعد ازاں دستور زمانہ کے مطابق قرآن وحدیث، عربی زبان و ادب، علم الانساب، شعر و خطابت، شہ سواری، فنون حرب وغیرہ ضروری و مروجہ علوم و فنون سے کماحقہ واقفیت حاصل کی۔ اساتذہ میں حجر بن حنظلہ الشیبانی الھذلی نمایاں تھے جو علم الانساب سے خصوصی دلچسپی کی بنا پر دغفل النسابہ کے نام سے معروف تھے۔ بصرہ سے دمشق آکر مقیم ہو گئے تھے اور ابن حجر کی روایت کے مطابق صحابی رسولؐ تھے :-

"یقال له صحبة — و قال نوح بن حبیب الفرمسی: فیمن نزل البصرة من الصحابة دغفل النسابة "۔

(بیان کیا جاتا ہے کہ وہ صحابی تھے۔ نوح بن حبیب فرمسی کا قول ہے کہ جو صحابہ بصرہ میں مقیم ہوئے، ان میں دغفل النسابہ بھی تھے)۔

علاوہ ازیں یزید کو دار الخلافہ دمشق میں موجود اور وہاں حرمین و دیگر مقامات عالم اسلام سے تشریف لانے والے مختلف صحابہ کرامؓ و اکابر قریش و بنی ہاشم و امیہ سے

ملاقات واستفادہ کے مواقع میسر تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی ربیعہؓ بن حارث کے بیٹے عبدالمطلبؓ جو صحابی بن صحابی تھے اور خلافت فاروقی میں مدینہ سے دمشق آکر مقیم ہو گئے تھے، یزید سے شفقت و محبت کا خصوصی تعلق رکھتے تھے۔اور آپ نے اسی کے حق میں وصیت فرمائی :-

"عبدالمطلب بن ربيعة بن الحارث بن عبدالمطلب بن هاشم صحابى – إنتقل إلى دمشق وله بها دار – فلمامات أوصى إلى يزيد بن معاوية وهوأميرالمؤمنين و قبل وصيته".

(ابن حزم، جمهرة أنساب العرب، ص ٦٤).

ترجمہ :- عبدالمطلب بن ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب بن ھاشم، صحابی ہیں۔وہ دمشق منتقل ہو گئے تھے 'وہاں ان کا مکان بھی تھا۔وفات کے وقت یزید بن معاویہ کو جو اس وقت امیر المؤمنین تھے 'اپنا وصی و وارث بنا گئے اور اس نے انکی وصیت کو تسلیم کیا۔

حلیہ و صفات یزید

۱- "وكان ابيض حسن اللحية خفيفها".

(البلا ذرى، انساب الأشراف، ج ٤، ص ٣).

ترجمہ :- یزید گورا چٹا اور ہلکی خوبصورت ڈاڑھی والا تھا۔

۲- "وكان كثير اللحم عظيم الجسم كثير ا لشعر جميلاً طويلاً".

(ابن كثير البداية و النهاية، ج ٨، ص ٢٢٧).

ترجمہ :- وہ (یزید) پر گوشت، عظیم الجثہ، گھنے بالوں والا، خوبصورت اور طویل القامت تھا۔

۳- "كان يزيد بن معاوية خطيباً شاعراً وكان أعرابى اللسان بدوى اللهجة".

(ابن أبى الحديد، شرح نهج البلاغة، ج ٢، ص ٨٢٤ – ٨٢٥)

ترجمہ :- یزید بن معاویہ خطیب و شاعر تیز بدووں جیسی فصیح زبان اور لب

• ولیجہ کاحامل تھا۔

٤– " وقد كان يزيد فيه خصال محمودة من الكرم و الحلم والفصاحة والشعر والشجاعة وحسن الرأى فى الملك ، وكان ذاجمال حسن المعاشره". (ابن كثير ، البداية و النهاية ، ج ٨ ، ص ٢٢٠ ، و تاريخ الإسلام للذهبى ، ج ٣ ، ص ٩٣).

ترجمہ :- یزید میں علم وکرم، فصاحت وشعر گوئی، شجاعت اورامور مملکت میں اصابت رائے جیسی قابل تعریف صفات پائی جاتی تھیں- نیز وہ خوبصورت تھا اور عمدہ آداب معاشرت کاحامل تھا-

۵- سیدنا علیؓ کے چچازاد عبداللہ بن عباسؓ جن کے گھر مکہ میں حسینؓ سفر کوفہ سے پہلے قیام پذیر رہے' وفات معاویہؓ پر فرماتے ہیں :-

"وإن ابنه يزيد لمن صالحى أهله فالزموا مجالسكم واعطوابيعتكم".

(البلاذرى ، أنساب الأشراف ، طبع يروشلم ، الجزء الرابع والقسم الثانى، ص ٤ ، برواية عامر بن مسعود الجمحى والا مامة والسياسة ، طبع ١٩٣٧ م' ص ٢١٣ ، برواية عتبة بن مسعود).

ترجمہ :- ان کا بیٹا یزیدان کے خاندان کے صالح افراد میں سے ہے، پس اپنی اپنی جگہ ٹکے رہواور بیعت کرلو-

۶- برادر حسینؓ وامام شیعہ کیسانیہ محمد بن حنفیہؒ یزید پر فسق وفجور کے الزامات کی تردید کرتے ہوئے واقعہ حرہ (اواخر ۶۳ ھ) کے موقع پر حامیان ابن زبیرؓ کے سامنے فرماتے ہیں :-

وقد حضرته وأقمت عنده ' فر أيته مواظباً على الصلا ة' متحر ياً للخير' يسأل عن الفقه' ملا زماً للسنة"– (ابن كثير' البداية وا لنها ية' ج٨' ص٢٤٣)–

ترجمہ :-میں اس (یزید) کے پاس گیا ہوں اور اس کے ہاں مقیم رہا ہوں-پس میں نے اسے نماز کا پابند کار خیر میں سرگرم، فقہ پر گفتگو کرنے والا اور پابند سنت پایا ہے-

روایت حدیث

محدث ابوزرعہ دمشقی نے یزید کو ممتاز تابعی راویان حدیث میں شمار کیا ہے :-

"وقد ذكره أبوزرعة الدمشقي في الطبقة التي تلي الصحابة وهي العلياء وقال : له احاديث". (ابن كثير ، البداية والنهاية ، ج ٨ ، ص ٢٢٧)

ترجمہ :-ابوزرعہ دمشقی نے یزید کا ذکر صحابہ سے متصل بلند مرتبہ طبقہ تابعین میں کیا ہے اور بیان کیا ہے کہ اس سے احادیث مروی ہیں-

۱-یزید نے اپنے والد معاویہؓ کی سند سے روایت کیا ہے کہ :-

"إن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال :- من يردالله به خيراً يفقهه في الدين". (ابن كثير البداية والنهاية ، ج ٨ م ص ٢٢٦).

ترجمہ :- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :- جس شخص کے ساتھ اللہ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے، اسے دین کی سمجھ بوجھ عطا کر دیتا ہے-

۲- یزید نے ابوایوب انصاریؓ کی سند سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا :-

"من مات ولم يشرك بالله شيئاً جعله الله في الجنة".

(ابن كثير والنهاية البداية ج ٨ ، ص٥٩).

ترجمہ :- جو شخص اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک ٹھہرائے بغیر وفات پائے تو اللہ اسے جنت میں داخل فرمائے گا-

حج و زیارت حرمین شریفین

یزید نے تین سال (۵۱، ۵۲ اور ۵۳ھ) امیر الحج کی حیثیت سے حج کیا :-

"حج بالناس يزيد من معاوية فی سنة إحدى وخمسين وثنيتن وخمسين وثلاث وخمسين"۔(ابن کثیر' البداية والنهاية،ج، ۸،ص۲۲۹)

ترجمہ :- یزید بن معاویہ نے سن اکیاون، باون اور ترپن (ہجری) میں لوگوں کو (بحیثیت امیر) حج کرایا۔

ازواج و اولاد

یزید کی پہلی بیوی، والدہ معاویہ ثانی' بنو کلب میں سے تھیں۔ان کے انتقال کے بعد دیگر چار خواتین سے مختلف اوقات میں شادیاں کیں۔ جن میں ۵۳ھ میں سیدنا حسین کے بہنوئی و چچازاد عبداللہ بن جعفر طیارؓ کی بیٹی (سیدہ زینبؓ کی سوتیلی بیٹی) سیدہ ام محمد سے شادی بھی شامل ہے :-

"و أم محمد بنت عبدالله بن جعفر' تزوجها يزيد بن معاوية بن أبي سفيان"۔(ابن حزم' جمهرة أنساب العرب، ص ٦٩).

ترجمہ :- ام محمد بنت عبداللہ بن جعفر سے یزید بن معاویہ بن ابی سفیان نے شادی کی۔

شیعی روایات میں بھی ایک ہاشمی زوجہ یزید کا تذکرہ موجود ہے جو پس ماندگان کربلا کے دمشق پہنچنے پر آہ و بکا کرنے لگیں :-

"پس صدای زن هاشميه كه درخانه يزيد بود' بنو حه وندبه بلند شد"–(عباس قمی' منتهی الامال، ج ۱، ص ٤٣٠).

ترجمہ :- پس وہ ہاشمی خاتون جو یزید کے گھر میں تھیں بلند آواز میں نوحہ و بین کرنے لگیں۔

نیز ازواج یزید میں امیر المؤمنین عمر فاروقؓ کی پوتی اور ام المؤمنین سیدہ حفصہؓ بنت عمرؓ کی بھتیجی سیدہ ام مسکین بھی شامل ہیں۔چنانچہ نبی علیہ السلام یزید کی طرح' ان زوجہ یزید کے بھی پھوپھا تھے :-

ام مسكين بنت عاصم بن عمر الفاروق' زوجة يزيد بن معاوية وخالة عمر بن عبدالعزيز.(ذهبی، ميزان الاعتدال فی نقد الرجال، ج ۳،

ص ٤٠٠ بذیل الکنی للنسوة).

ترجمہ :- ام مسکین بنت عاصم بن عمر فاروق جو کہ یزید بن معاویہ کی بیوی اور عمر بن عبدالعزیز کی خالہ ہیں۔

اس طرح یزید نے کل پانچ شادیاں درج ذیل خواتین سے کیں :-

۱- والدہ معاویہ ثانی الکلبیہ (باقی شادیاں ان کی وفات کے بعد کیں)۔

۲- سیدہ فاختہ (حبہ) بنت ابی ھاشم بن عتبہ بن ربیعہ۔

۳- سیدہ ام کلثوم بنت عبداللہ بن عامر امویہ قرشیہ۔

۴- سیدہ ام محمد بنت عبداللہ بن جعفر طیار، ہاشمیہ قرشیہ۔

۵- سیدہ ام مسکین بنت عاصم بن عمر فاروق عدویہ قرشیہ۔

علاوہ ازیں سیدہ آمنہ زوجہ حسینؓ و والدہ علی اکبر (عمر بن حسینؓ) سیدہ میمونہ بنت ابی سفیان کی بیٹی اور یزید کی پھوپی زاد بہن روایت کی جاتی ہیں۔(طبری، ج ۱۳، ص ۱۹ – و ابن حزم، جمهرة أنساب العرب، ص ۲۵۵)۔

اولاد یزید

یزید کے کم از کم تیرہ بیٹوں اور چھ بیٹیوں کے نام کتب تاریخ میں مذکور ہیں :-

فرزندان یزید

۱- معاویہ ثانی (سب سے بڑے اور انتہائی متقی فرزند یزید جو خلافت سے رضاکارانہ طور پر دستبردار ہوئے) - ۲- خالد ۳- عبداللہ الاکبر

۴- ابوسفیان ۵- عبداللہ الاصغر (لقب الاسوار)

۶- محمد ۷- ابوبکر ۸- عمر ۹- عثمان ۱۰- عبدالرحمٰن

۱۱- عتبہ ۱۲- یزید ۱۳- عبداللہ (اصغر الاصاغر یعنی سب سے چھوٹے مشہور

تھے)۔

دختران یزید

۱۔ عاتکہ۔زوجہ خلیفہ عبدالملک بن مروانؒ۔

۲۔ ام یزید۔زوجہ الاصبغ بن عبدالعزیز بن مروانؒ۔

۳۔ رملہ۔زوجہ عباد بن زیاد۔

۴۔ ام عبدالرحمٰن۔زوجہ عباد بن زیاد(بعد وفات رملہ)۔

۵۔ ام محمد۔زوجہ عمرو بن عتبہ بن ابی سفیانؒ۔

۶۔ ام عثمان۔زوجہ عثمان بن محمد بن ابی سفیانؒ۔

نمونہ کلام یزید

۱۔ سیدنا حسنؓ کی وفات (۵۰ھ) پر نبیؐ و علیؓ کے چچازاد عبداللہ بن عباسؓ سے دمشق میں تعزیت کرتے ہوئے یزید یوں ہمکلام ہوا:۔

"رحم الله أبا محمد و أوسع له الرحمة وأفسحها وأعظم الله أجرك وأحسن عزاك وعوضك من مصابك ما هو خيرلك ثواباً وخير عقبى" .(ابن كثير البداية والنهاية، ج ٨، ص ٢٢٩).

ترجمہ:۔اللہ ابو محمد (حسن بن علیؓ) پر رحم فرمائے۔اور ان کے لئے اپنی رحمت کو وسیع و عریض فرمائے۔آپ کو صبر جمیل سے نوازے اور اس مصیبت پر ایسا اجر دے جو آپ کے لئے ثواب و عاقبت کے لحاظ سے بہتر ہو۔

۲۔ محاصرہ قسطنطنیہ (بروایت ۵۲ھ) کے دوران میں میزبان رسولؐ ابو ایوب انصاریؓ کا انتقال ہوا اور یزید نے بحیثیت امیر لشکر ان کی وصیت کے مطابق نماز جنازہ کے بعد قسطنطنیہ کی فصیل کے قریب تدفین شروع کی تو قیصر روم نے قلعہ کے اندر سے سوال کیا کہ یہ کیا کر رہے ہو؟ یزید نے جواب دیا:۔

"صاحب نبينا وقد سألنا أن نقدمه في بلادك ونحن منفذون وصيته

أوتلحق أرواحنا بالله".(ابن عبدربه' العقد الفريد، ج ۳، ص ۱۳۳).

ترجمہ:- یہ ہمارے نبی کے صحابی ہیں-اور انہوں نے ہمیں وصیت فرمائی ہے کہ ہم انہیں تمہارے ملک میں آگے تک لیجا کر دفن کریں-ہم ان کی وصیت نافذ کر کے رہیں گے-خواہ اس کام میں ہماری ارواح پرواز کر کے خدا سے جا ملیں-

۳- قیصر روم نے مسلمانوں کی جانب سے محاصرہ ختم ہونے کی صورت میں ابوایوب انصاریؓ کا جسد مبارک قبر سے باہر نکال پھینکنے کی دھمکی دی-جس کے جواب میں امیر لشکر، یزید نے شیعی روایت کے مطابق قیصر کو مخاطب کر کے فرمایا:-

"یا أهل قسطنطينية ! هذا رَجل من أكابر أصحاب محمد نبينا، وقددفناه حيث تَرون، والله لئن تعرضتم له لأهدمن كل كنيسة في أرض الإسلام ولا يضرب ناقوس بأرض العرب أبداً".

(سپهر كاشانى، ناسخ التواريخ، جلد دوم، كتاب دوم، ص ٦٦).

ترجمہ:- اے اہل قسطنطنیہ! یہ ہمارے نبی محمدؐ کے اکابر صحابہ میں سے ایک ہستی ہیں-ہم نے انہیں اس جگہ دفن کیا ہے جو تمہیں نظر آرہی ہے-بخدا اگر تم نے ان کی قبر کی بے حرمتی کی تو میں عالم اسلام کے تمام گرجے منہدم کروادوں گا اور سرزمین عرب میں تا قیامت گرجوں کی گھنٹیاں نہ بج پائیں گی-

اس پر قیصر نے معذرت کی اور قبر کی حفاظت کا وعدہ کیا-

اس سلسلہ میں ابن سعد کا بیان ہے:-

" توفی أبوايوب عام غزا يزيد بن معاوية القسطنطينية في خلافة أبيه سنة ٥٢ هـ . وصلى عليه يزيد بن معاوية . وقبره بأصل حصن القسطنطينية بأرض الروم . إن الروم يتعاهدون قبره و يزورونه ويستسقون به إذا قحطوا".

(ابن سعد' الطبقات الكبرى، ابوايوب الأنصارى، ص ٢١٥).

ترجمہ:- ابوایوب کا انتقال اس سال ہوا جب یزید بن معاویہ نے اپنے والد کی

خلافت کے زمانہ میں قسطنطنیہ پر حملہ کیا-ان کی نماز جنازہ یزید بن معاویہ نے پڑھائی اور ان کا مزار ارض روم میں قسطنطنیہ کی فصیل تلے ہے-رومی (عیسائی) آپ کے مزار پر باہم معاہدے کرنے آتے ہیں' قبر کی زیارت کرتے ہیں اور جب قحط پڑ جائے تو آپ کے وسیلے سے بارش کی دعا مانگتے ہیں-

۵-ایک روایت کے مطابق وفات معاویہؓ (بروایت اصح ۲۲ رجب ۶۰ھ) پر ان کی نماز جنازہ یزید نے پڑھائی-چنانچہ محمد بن اسحاق وامام شافعی کی روایت کے مطابق ایسا ہی ہوا- "فصلى عليه ابنه يزيد".

(ابن كثير ، البداية والنهاية ، ج ٨ ، ص ١٤٣).

ترجمہ :- پس آپ کی نماز جنازہ آپ کے بیٹے یزید نے پڑھائی-

دوسری روایت کے مطابق یزید وفات کی خبر سنکر حوارین سے دمشق پہنچا، قبر پر نماز جنازہ ادا کی شہر آکر "الصلاة جامعه" کا اعلان کرایا-اپنی اقامت گاہ خضراء میں غسل کیا، لباس سفر بدلا اور پھر باہر آکر بحیثیت خلیفہ پہلا خطبہ دیتے ہوئے حمد و ثناء کے بعد فرمایا :-

"أيها الناس! إن معاوية كان عبداً من عبيدالله ، أنعم الله عليه ثم قبضه إليه . وهو خيرممن دونه و دون من قبله . ولا أزكيه على الله عزوجل فإنه أعلم به . إن عفاعنه فبرحمته وإن عاقبه فبذنبه . وقد وليت الأمر من بعده"- (ابن كثير البداية و النهاية ، ج ٨ ، ص ١٤٣).

ترجمہ :- لوگو! معاویہ بندگان خدا میں سے ایک تھے-اللہ نے ان پر انعام فرمایا' پھر انہیں اپنے پاس بلا لیا-وہ اپنے سے بعد والوں سے بہتر اور اپنے سابقین سے کمتر مقام کے حامل تھے-لیکن میں یہ بات اللہ عزوجل کے سامنے ان کی صفائی پیش کرنے کے لئے نہیں کہ رہا-یقیناً اللہ ان کے بارے میں بہتر جانتا ہے-اگر وہ ان سے درگزر فرمائے تو یہ اس کی رحمت ہے-اگر وہ گرفت فرمائے تو یہ ان کی خطاؤں کی وجہ سے ہوگا-اور اب ان کے بعد خلافت کی ذمہ داری مجھ پر ڈالی گئی ہے-

۲- ان مختصر خطبات کے علاوہ کتب تاریخ و ادب میں یزید کے طویل فصیح و بلیغ خطبات بھی موجود ہیں- جن سے یزید کے علم و خطابت اور اسلوب بیان کی مزید نشاندہی ہوتی ہے-

خطبات یزید بحیثیت امام و خلیفہ
بمناسبت جمعہ و عیدین وغیرہ

امام شہاب الدین المعروف بہ ابن عبد ربہ الاندلسی (م ۳۲۸ھ) نے اپنی مشہور کتاب "العقد الفرید" میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ حجۃ الوداع کے بعد سیدنا ابو بکر و عمر و علی و معاویہ رضی اللہ عنہم کے خطبات درج کئے ہیں۔ ان کے ساتھ یزید کے حیثیت خلیفہ چند خطبات بھی درج ہیں، جن میں سے یزید کے علم و خطابت اور اسلوب بیان کی نشان دہی کے لئے ایک خطبہ درج ذیل ہے :-

" ألحمد لله أحمده وأستعينه و أؤمن به وأتوكل عليه. ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا ' من يهده الله فلا مضل له و من يضلله فلا هادى له. إصطفاه لوحيه و اختاره لرسالته وكتابه وفضله. وأعزه وأكرمه ونصره و حفظه ' ضرب فيه الأمثال وحلل فيه الحلال' وحرم فيه الحرام. وشرع فيه الدين إعذاراً وإنذاراً. لئلا يكون للناس حجة بعد الرسل ويكون بلاغاً لقوم عابدين.

أو صيكم عباد الله بتقوى الله العظيم الذى إبتدأ الأمور بعلمه ' وإليه يصير معارها ' و انقطاع مدتها ' وتصرم دارها.

ثم انى أحذركم الدنيا فإنها حلوة خضرة ' حفت بالشهوات وراقت بالقليل ' وأينعت بالفانى ' وتحببت بالعاجل ' لا يدوم نعيمها ' ولا يؤمن فجيعها ' أكالة غوالة غرارة لاتبقى على حال ' ولا يبقى لها حال . لن تعدوا الدنيا ' إذا تناهت إلى أمنية أهل الرغبة فيها ' والرضا بها أن تكون كما قال الله عز و جل:-

اضرب لهم مثل الحيوة الدنيا كماء أنزلناه من السماء فاختلط به نبات الأرض فأصبح هشيماً تذروه الرياح وكان الله على كل شئى مقتدراً.

ونسأل ربنا وإلهنا وخالقنا ومولانا أن يجعلنا وإياكم من فزع يومئذ آمنين.

إن أحسن الحديث و أبلغ الموعظة كتاب الله يقول الله به:.

وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا لعلكم ترحمون.

أعوذ بالله من الشيطن الرجيم. بسم الله الرحمن الرحيم.

لقد جاء كم رسول من أنفسكم عزيز عليه ما عنتم حريص عليكم بالمؤمنين رؤف رحيم. فإن تولوا فقل حسبى الله لا اله الا هو عليه توكلت وهو رب العرش العظيم".

(إبن عبد ربه' العقد الفريد' ج۲' ص ۳۷۸' مطبوعه مصر ۱۳۵۳ھ).

ترجمہ: سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں' میں اسی کی حمد کرتا ہوں اور اسی سے مدد مانگتا ہوں' اس پر ایمان رکھتا ہوں اور اسی پر بھروسہ کرتا ہوں۔ اور ہم اپنے نفسوں کی شرارت اور برے اعمال سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں' جس کو اللہ ہدایت دے' اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جسے اللہ گمراہ کردے' اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ وحدہ لا شریک ہے۔ اور اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے بندے اور رسول ہیں جنہیں اس نے اپنی وحی کے لئے منتخب فرمایا اور اپنی رسالت' اپنی کتاب اور اپنے فضل کے لئے انہیں اختیار کیا۔ انہیں عزت وکرامت بخشی' ان کی مدد و حفاظت فرمائی اور قرآن میں مثالیں بیان کیں۔ اس میں حلال کو حلال اور حرام کو حرام ٹھرایا' شرائع دین بیان کئے' اعذار و انداز کئے تاکہ پیغمبروں کے آ جانے کے بعد لوگوں کے لئے اللہ کے خلاف حجت قائم کرنے کا موقع نہ رہے۔ اور اہل عبادت تک یہ پیغام پہنچ جائے۔

میں تمہیں خدائے بزرگ و برتر کا تقویٰ اختیار کرنے کی تلقین کرتا ہوں جس

نے اپنے علم سے امور کی ابتداء فرمائی اور عاقبت امور اسی کی طرف لوٹتی ہے اور انقطاع مدت وتصرم دار اسی کی جانب ہے۔

اس کے بعد میں تمہیں دنیا سے ڈراتا ہوں جو سرسبز و شیریں ہے۔ جسے خواہشات نفسانی سے گھیر دیا گیا ہے۔ تھوڑے پر قناعت نہیں کرتی' فانی چیزوں سے انس رکھتی ہے' اور جلدبازی سے محبت کرتی ہے' جس کی نعمتیں ہمیشہ نہیں رہتیں اور جس کے حوادث سے امان نہیں۔ دنیا موذی' ڈائن' دھوکاباز ہے' نہ تو کسی ایک حالت پر اسے قرار ہے اور نہ اس کے لئے کوئی حالت ہمیشہ برقرار رہتی ہے۔ دنیا سے رغبت رکھنے والوں کے ساتھ دنیا باقی نہیں رہتی اور نہ خود سے راضی رہنے والوں کا ساتھ دیتی ہے۔ اس کی صورت حال وہی ہے جیسا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا:۔

(اے پیغمبر) ان کے لئے دنیاوی زندگی کی مثال بیان کر دیجئے کہ وہ ایسی ہے جیسے آسمان سے ہم نے پانی برسایا ہو پھر اس کے ذریعہ سے زمین کی نباتات خوب گنجان ہو گئی' پھر وہ ریزہ ریزہ ہو جائے کہ اسے ہوا اڑائے لئے پھرتی ہو اور اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ (الکھف: ۴۵)۔

ہم اپنے رب و مولیٰ اور الہ و خالق سے التجا کرتے ہیں کہ وہ روز قیامت کی پریشانی سے محفوظ رکھے۔

یقیناً بہترین کلام اور بلیغ ترین وعظ و نصیحت اللہ کی کتاب ہے' جس کے بارے میں اللہ فرماتا ہے کہ :- جب قرآن پڑھا جائے تو اسے توجہ اور خاموشی سے سنو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ (الاعراف: ۲۰۴)۔

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

بے شک تمہارے پاس تم میں سے پیغمبر آگیا ہے۔ جن کو تمہاری مضرت کی بات نہایت گراں گزرتی ہے' جو تمہاری بھلائی کی حرص رکھتے ہیں' پس اگر وہ لوگ پلٹ جائیں تو کہہ دیجئے کہ میرے لئے اللہ کافی ہے' اس کے سوا کوئی معبود نہیں' میں نے اسی پر توکل کیا اور وہی عرش عظیم کا رب ہے (التوبہ: ۱۲۸-۱۲۹)۔

اشعار یزید

عالمی شہرت یافتہ ترک عالم و مؤرخ حاجی خلیفہ "دیوان یزید بن معاویہ" کے حوالے سے لکھتے ہیں :-

"اول من جمعه أبوعبدالله محمد بن عمران المرزباني البغدادي. وهو صغير الحجم في ثلاث كراريس. وقد جمعه من بعده جماعة وزادوافيه أشياء ليست له.

وشعر يزيد مع قلته في نهاية الحسن — وميزت الأبيات التي له من الأبيات التي ليست له وظفرت بكل صاحب البيت"-

(حاجي خليفة ، كشف الظنون ، طبع القسطنطينية ، ١٣٦٠ ھ، ج ١ ، ص ٨٢٠).

ترجمہ :- سب سے پہلے اس (دیوان یزید) کو عبداللہ بن محمد بن عمران المرزبانی البغدادی نے جمع کیا' جو کہ چھوٹے حجم کا اور صرف تین اوراق پر مشتمل تھا- ان کے بعد بھی ایک جماعت نے اسے جمع کیا- اور اس میں ایسے اشعار کا اضافہ کر دیا جو یزید کے نہیں ہیں-

اور یزید کی شاعری قلیل ہونے کے باوجود انتہائی عمدہ ہے- میں یزید کے اشعار نیز ان اشعار کو جو اس کے نہیں (مگر اس سے منسوب ہیں) علیحدہ علیحدہ کر چکا ہوں اور ہر شعر کے اصل مالک کا نام تلاش کرنے میں بھی کامیاب ہو چکا ہوں-

احادیث تابعیت و مغفرت و خلافت یزید

امت مسلمہ کی کم و بیش نوے فیصد اکثریت پر مشتمل " اہل سنت والجماعت " کی متفق علیہ کتب احادیث میں وارد درج ذیل اُحادیث تابعیت و مغفرت و خلافت یزید بھی محققین و قارئین کے لئے قابل توجہ ہیں :-

ا- عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :- خيرالناس قرني ثم الذين يلو نهم ثم الذين يلونهم—(صحيح

البخاری ، کتاب الشهادة و صحیح مسلم ، کتاب فضائل الصحابة)۔

ترجمہ :- سب سے بہتر میرے زمانے کے لوگ (صحابہ) ہیں۔ پھر وہ جو ان سے متصل ہیں (تابعین)۔ پھر وہ جو ان کے متصلاً بعد ہیں (تبع التابعین)۔

محدث زرارہ بن اوفیؒ اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں :-

"القرن مائة وعشرون سنة فبعث رسول الله فی قرن ، وکان آخره موت یزید بن معاویة". (طبقات ابن سعد ، ج ۱ ، ص ۲۹۰ ، و ابن کثیر ، البدایة والنهایة ، ج ۸ ، ص ۲۲۹).

ترجمہ :- قرن ایک سو بیس برس تک شمار ہوتا ہے۔ پس رسول اللہ جس قرن میں مبعوث فرمائے گئے ، اس کا آخری زمانہ یزید بن معاویہ کی وفات تک ہے۔

۲- سیدہ ام حرام بنت ملحان زوجہ عبادہ بن صامتؓ ایک طویل حدیث روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ہاں قیلولہ فرمایا اور دو مرتبہ آنکھ کھلنے پر یکے بعد دیگرے فرمایا :-

"أول جیش من أمتی یغزون البحر قدأوجبوا...

أول جیش من أمتی یغزون مدینة قیصر مغفورلهم".

(صحیح البخاری ، کتاب الجهاد ، باب ما قیل فی قتال الروم).

ترجمہ :- میری امت کا پہلا لشکر جو بحری جہاد کرے گا ، اس کے لئے مغفرت واجب ہے۔

میری امت کا پہلا لشکر جو قیصر کے شہر پر حملہ کرے گا ، وہ سب لوگ مغفرت یافتہ ہیں۔

ابن حجر عسقلانی اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں :-

قال المهلب : فی هذا الحدیث منقبة لمعاویة لأنه أول من غزا البحر — ومنقبة لولده لأنه أول من غزا مدینة قیصر۔

(ابن حجر ' فتح الباری ' شرح البخاری ' کتاب الجهاد).

ترجمہ :- مہلب کا قول ہے کہ :-اس حدیث میں معاویہ کی تعریف ہے کیونکہ انہوں نے ہی سب سے پہلے بحری جہاد کیا-

اور اس میں ان کے بیٹے (یزید) کی بھی تعریف ہے کیونکہ سب سے پہلے اسی نے شہر قیصر پر حملہ کیا-

شارح بخاری علامہ قسطلانی قسطنطنیہ کو "مدینہ قیصر" (شہر قیصر) قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں :-

"كان أول من غزا مدينة قيصر يزيد بن معاوية ومعه جماعة من سادات الصحابة كا بن عمر و ابن عباس و ابن الزبير وأبى أيوب الأنصارى (رضى الله عنهم).(صحيح البخارى مع شرح القسطلانى ، ج ١، ص ٤١٠ ، أصح المطابع دهلى ، ١٣٥٧ هـ).

ترجمہ :- جس شخص نے سب سے پہلے شہر قیصر پر حملہ کیا، وہ یزید بن معاویہ تھا- جبکہ اس کے ہمراہ سادات صحابہ کی ایک جماعت تھی- مثلاً ابن عمر وابن عباس وابن زبیر وابوایوب انصاری (رضی اللہ عنہم)-

دیگر روایات کے مطابق حسینؓ بن علیؓ بھی اس لشکر قسطنطنیہ میں شامل تھے :-

"وكان الحسين يفد إلى معاوية فى كل عام فيعطيه ويكرمه وكان فى الجيش الذين غزوا القسطيطينية مع ابن معاوية يزيد".

(ابن كثير البداية والنهاية ، ج ٨ ، ص ٥١).

ترجمہ :- حسین ہر سال معاویہ کے پاس (دمشق) آتے تھے- پس وہ آپ کا اکرام کرتے اور عطیات سے نوازتے- نیز آپ اس لشکر میں بھی شامل تھے جس نے یزید بن معاویہ کے ہمراہ قسطنطنیہ پر حملہ کیا تھا-

شیخ الاسلام ابن تیمیہ (م ۷۲۸ھ) مذکورہ حدیث مغفرت مجاہدین لشکر اول قسطنطنیہ کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

"وأول جيش غزاها (أى قسطنطينية) كان أميرهم يزيد — والجيش عدد معين لا مطلق ، وشمول المغفرة لأحاد هذا الجيش أقوى

ویقال: إن یزید إنما غزاالقسطنطینة لأجل هذا الحدیث"۔
(ابن تیمیة ٗ منهاج السنة ، ج ۲ ، ص ۲۵۲)۔

ترجمہ :- پہلا لشکر جس نے اس شہر (قسطنطنیہ) پر حملہ کیا' اس کا امیر یزید تھا- اور "جیش" ایک مقررہ تعداد کا نام ہے 'لا تعداد کا نہیں-اور مغفرت میں اس لشکر کے ہر ہر فرد کا شامل ہونا قوی تر ہے-یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یزید نے محض اس حدیث کی بناء پر قسطنطنیہ پر حملہ کیا-

۳- وعن جابر بن سمرة قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول :- لايزال ا لإسلام عزيزاً إلى إثني عشر خليفة ' كلهم من قريش -

وفی روایة :- لایزال أمرالناس ماضیاً ماولیهم إثنا عشر رجلاً کلهم من قریش-

وفی روایة:۔ لا یزال الدین قائماً حتی تقوم الساعة ' أو یکون علیهم إثنیٰ عشر خلیفة 'کلهم من قریش۔

(متفق علیه، مشکاۃ المصابیح ، باب مناقب قریش ج۳ ص۲۰۹ — ۲۱۰' مکتبة رحما نیة لا هور)—

ترجمہ :- جابر بن سمرہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ :-

اسلام بارہ خلفاء تک غالب و باعزت رہے گا جو سب کے سب قریش میں سے ہوں گے-

ایک اور روایت کے مطابق :-لوگوں کا معاملہ چلتا رہے گا جب تک ان پر بارہ شخص والی و حاکم رہیں گے-جو سب کے سب قریش میں سے ہوں گے-

ایک اور روایت کے مطابق :-

دین قائم ودائم رہے گا، یہاں تک کہ قیامت برپا ہو جائے-یا جب تک ان پر بارہ خلفاء رہیں گے جو سب کے سب قریش میں سے ہوں گے-

صحیح بخاری و مسلم، مستدرک حاکم وطبرانی ودیگر کتب حدیث میں مختلف طرق سے مروی اس حدیث کی تشریح میں علامہ علی بن سلطان حنفی المعروف بہ ملا علی قاریؒ(م ۱۰۱۴ھ) فرماتے ہیں :-

" فالإثنی عشرهم الخلفاء الراشدون و معاوية وإبنه يزيد، وعبدالملك بن مروان ، وأولاده الأربعة وبينهم عمر بن عبدالعزيز".
(علی القاری ، شرح الفقه الأكبر ، طبع مجتبائی ، دهلی ، ص ٨٤).

ترجمہ :- پس بارہ خلفاء یہ ہیں :-(چار) خلفاء راشدین، معاویہ، ان کا بیٹا یزید، عبدالملک بن مروان اور اس کے چار بیٹے، جن کے درمیان میں عمر بن عبدالعزیز بھی ہیں۔

اس حدیث کی تشریح میں سید سلیمان ندوی' قاضی عیاض مالکی وابن حجر کے حوالہ سے فرماتے ہیں :-

"علمائے اہل سنت میں سے قاضی عیاض اس حدیث کا یہ مطلب بتاتے ہیں کہ تمام خلفاء میں سے بارہ وہ شخص مراد ہیں جن سے اسلام کی خدمت بن آئی اور وہ متقی تھے۔

حافظ ابن حجر، ابوداؤد کے الفاظ کی بناء پر خلفائے راشدین اور بنو امیہ میں سے ان بارہ خلفاء کو گناتے ہیں جن پر امت کا اجماع رہا۔یعنی :-حضرت ابوبکرؓ' حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ' حضرت علیؓ' امیر معاویہؓ' یزید، عبدالملک، ولید، سلیمان، عمر بن عبدالعزیز، یزید ثانی' ہشام۔ "(سید سلیمان ندوی، سیرۃ النبی، جلد سوئم، ص ۲۰۴)۔

یزید کی تابعیت و مغفرت وخلافت کے حوالہ سے ماضی وحال ومستقبل کا علم رکھنے والے عالم الغیب ورب کائنات کے آخری پیغمبرؐ کی یہ تینوں احادیث اکابر اہل سنت کی کثیر تعداد کے نزدیک بڑی قوی ومستند ہیں۔ اور امام غزالی (مؤلف "احیاء علوم الدین" وغیرہ۔م ۵۰۵ھ) قاضی ابوبکر ابن العربی (مؤلف "العواصم من القواصم"۔ م ۵۴۶ھ شیخ عبدالمغیث حربی حنبلی (مؤلف کتاب "فضل یزید"۔م ۵۳۸ھ) امام ابن

تیمیہ (مؤلف "منہاج السنہ" وغیرہ-م ۷۲۸ھ) جیسے اکابر اہل سنت یزید کے بارے میں مثبت آراء وافکار کے حامل ہیں-

مگر ان تمام دلائل و شواہد کے باوجود علمائے اہل سنت کا ایک اہم طبقہ ان احادیث کی تشریح کرتے ہوئے یزید کو واقعہ کربلا کے حوالے سے قسطنطنیہ والی حدیث مغفرت سے بالا ستثناء خارج کرنے کی کوشش کرتے ہوئے بعض دلائل دیتا ہے-(مثلاً اگر بشارت مغفرت کا حامل کوئی مجاہد قسطنطنیہ بعد ازاں مرتد ہو جاتا تو مغفرت یافتہ نہ رہتا-وعلی ھذا القیاس دیگر امکانات)-

نیز بارہ قریشی خلفاء کو بھی بشمول یزید بالترتیب مراد لینے کے بجائے یزید کو خارج کرنے کے لئے بلا ترتیب (بحوالہ شان و شوکت اسلام) مراد لیتا ہے-یا یزید سمیت بارہ خلفاء کے دور میں غلبہ و شوکت اسلام کے اعتراف کے باوجود سیدنا ابوبکر و عمر و عثمان و علی و حسن رضی اللہ عنہم پر خلافت راشدہ (تیس سالہ) کو ختم قرار دیتا ہے-

جبکہ حدیث :- الخلافة من بعدی ثلاثون سنة- (خلافت میرے بعد تیس سال ہوگی) سے متعدد اہم اکابر امت کے نزدیک اختتام خلافت خاصہ مراد ہے، مطلقاً اختتام خلافت شرعیہ مراد نہیں-(فیض احمد، ملفوظات مہریہ، ص ۱۱۳)-اور خلافت خاصہ کے بعد بھی آیت :- أولئك هم الراشدون (صحابہ سب کے سب راشد' ہدایت یافتہ ہیں) کی رو سے سیدنا معاویہؓ (م ۶۰ھ) نیز مروانؓ بن حکم (۶۴-۶۵ھ خلافت مصر و شام) اور عبداللہ بن زبیرؓ (۶۴-۷۳ھ-خلافت عراق و حجاز) بھی خلیفہ راشد قرار پاتے ہیں-

مگر ان کو شرعاً راشد تسلیم کرنے کے بجائے تیس سال پر خلافت راشدہ کو ختم قرار دینے والے معاویہؓ (م ۶۰ھ) کے قریباً چالیس سال بعد خلیفہ بننے والے غیر صحابی خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ (۹۹-۱۰۱ھ) کو چھٹا خلیفہ راشد قرار دیتے ہیں-نیز یزید کے تابعی و صحابی زادہ ہونے کے باوجود واقعہ کربلا وغیرہ کے حوالہ سے اسے مورد الزام اور قابل لعنت قرار دیتے ہیں-جواز لعن یزید کے قائل ان اکابر اہل سنت میں قاضی ابو یعلی حنبلی (م ۴۵۸ھ) ابن الجوزی حنبلی (م ۵۹۶ھ) سعد الدین تفتازانی (م تقریباً ۷۹۱ھ) اور جلال الدین سیوطی شافعی (م ۹۱۱ھ) نمایاں ترین ہے-جبکہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ (م ۷۲۸ھ) اس

سلسلے میں اپنے جدامجد ، مشہور محدث وعالم ابو عبداللہ ابن تیمیہ (م ۶۳۰ھ) کا یہ قول نقل فرماتے ہیں :-

وبلغنی أیضاً أن جدنا أبا عبدالله ابن تیمیة سئل عن یزید فقال:. لاتنقص ولاتزید – وهذا أعدل الأقوال فیه وفی امثاله وأحسنها.

(فتاوی ابن تیمیة، ج ٤، ص ٤٨٣)-

ترجمہ :-اور مجھ تک یہ بات پہنچی ہے کہ ہمارے جدامجد ابو عبداللہ ابن تیمیہ سے یزید کے بارے میں سوال کیا گیا توانہوں نے فرمایا : (اس کا مقام) نہ توکم کرواور نہ ہی بڑھاؤ- اور یہ (میرے نزدیک) یزید نیز اس جیسے دیگر حضرات کے بارے میں سب سے بہتر اور معتدل ومتوازن قول ہے-

حجت الاسلام امام ابو حامد غزالیؒ (م ۵۰۵ھ، طوس، ایران) جو ائمہ اربعہؒ کے بعد عظیم و معروف ترین امام اہل سنت وتصوف ہیں-اور جن کی دیگر معرکتہ الآراء عربی و فارسی تصانیف کے علاوہ کئی جلدوں پر مشتمل عربی تصنیف "احیاء علوم الدین" علوم قرآن وسنت و معرفت کا خزینہ و نادر المثال قرار دی جاتی ہے، آج سے نو سو سال پہلے شافعی فقیہ عماد الدین الکیاہر اسی کے استفتاء کے جواب میں یزید کے بارے میں تفصیلی و جامع فتوی دیتے ہوئے فرماتے ہیں :-

"ویزید صح إسلامه وماصح قتله الحسین ولاأمره به ولارضی به– ومهما لایصح ذلك منه لایجوز أن یظن به ذلك فإن إساءة الظن بالمسلم أیضاً حرام–وقد قال الله تعالی:–

اجتنبوا کثیراً من الظن فإن بعض الظن إثم–

وقال النبی صلی الله علیه وسلم :– إن الله حرم من المسلم دمه وماله وعرضه وأن یظن به ظن السوء–

ومن زعم أن یزید أمر بقتل الحسین أو رضی به فینبغی أن یعلم به غایة الحماقة – فإن من قتل من الأکابر والوزراء والسلاطین فی عصره لو أراد أن یعلم حقیقته، من الذی أمر بقتله ومن الذی رضی به ومن الذی

كرهه لم يقدر على ذلك — وإن كان الذى قد قتل فى جواره وزمانه وهويشاهده — فكيف لوكان فى بلد بعيد و زمن قديم قد انقضى عليه قريب من أربعمائة سنة فى مكان بعيد وقد تطرق التعصب فى الواقعة فكثرت فيها الأحاديث من الجوانب — فهذا الأمر لايعلم حقيقته أصلاً — وإذا لم يعرف ، وجب إحسان الظن بكل مسلم يمكن الظن به—

وأماالترحم عليه فجائز بل مستجب بل هود اخل فى قولنا فى كل صلاة :— اللهم اغفرللمئومنين والمئومنات — فإنه كان مؤمناً.

والله أعلم :— كتبه الغزالى—

(ابن خلكان ، وفيات الأعيان ، طبع مصر ، المجلد الأول ، ص ٤٦٥)

ترجمہ :- یزید صحیح الاسلام ہے-اور یہ صحیح نہیں کہ اس نے حسین کو قتل کرایا، یااس کا حکم دیا یا اس پر رضامندی ظاہر کی-پس جب یہ قتل اس تک پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتا تو پھر یہ جائز نہیں کہ اس کے بارے میں ایسا گمان رکھا جائے کیونکہ کسی مسلمان کے بارے میں بدگمانی رکھنا بھی حرام ہے-اور اللہ تعالی نے فرمایاہے کہ :-

بہت زیادہ گمان کرنے سے بچو کیونکہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں-

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-مسلمان کا خون، اس کا مال، اس کی عزت وآبرو اور اس کے بارے میں بدگمانی رکھنے کو اللہ نے حرام قرار دیاہے-

اور جو شخص یہ خیال کرتا ہے کہ یزید نے قتل حسین کا حکم دیا یا اس پر راضی ہوا، تو جان لینا چاہئے کہ وہ پرلے درجے کا احمق ہے-کیونکہ اکابر و وزراء و سلاطین میں سے جو لوگ بھی اپنے اپنے زمانے میں قتل ہوئے، اگر ان کے بارے میں وہ یہ حقیقت جاننا چاہے کہ کس نے ان کے قتل کا حکم دیا، کون اس پر راضی ہوا اور کس نے اسے ناپسند کیا؟ تو وہ شخص اس پر ہرگز قادر نہ ہوگا-اگرچہ وہ قتل اس کے زمانے، اس کے پڑوس اور اس کی موجودگی میں ہوا ہو-

تو پھر اس واقعہ کی حقیقت تک کیونکر رسائی ہوسکتی ہے جو ایک دور کے شہر اور

قدیم زمانہ میں گزرا ہے؟ پس اس واقعہ کی حقیقت کا کیونکر پتہ چل سکتا ہے جس پر چار سو برس کی طویل مدت دور دراز کے مقام پر گزر چکی ہو؟ اور صورتحال یہ ہو کہ اس واقعہ کے بارے میں تعصب کی راہ اختیار کی گئی ہو۔ جس کی بناء پر اس کے بارے میں (مختلف فرقوں کی جانب سے) کثرت سے (متضاد) روایات مروی ہوں۔ پس یہ ایک ایسا واقعہ ہے جس کی صحیح حقیقت کا ہرگز پتہ نہیں چل سکتا۔ اور جب حقیقت کا پتہ نہیں چلایا جا سکتا تو پھر ہر مسلمان کے ساتھ جہاں تک ممکن ہو، حسن ظن رکھنا واجب ہے۔

اور جہاں تک اس (یزید) کو "رحمتہ اللہ علیہ" کہنے کا تعلق ہے تو یہ جائز بلکہ مستحب (پسندیدہ) ہے۔ بلکہ وہ تو ہماری ہر نماز کے قول :۔اے اللہ مؤمنین و مومنات کی مغفرت فرما!' میں شامل و داخل ہے کیونکہ وہ مومن تھا۔

واللہ اعلم :۔ اس فتوی کو غزالی نے تحریر کیا۔

عالم اسلام کے جلیل القدر مفسر و محدث و مؤرخ اہل سنت امام ابن کثیر دمشقیؒ (م ۷۷۴ھ) نے بھی فقیہ عماد الدین الکیاہراسی کے استفتاء کے حوالہ سے امام غزالیؒ کے فتوے کا تذکرہ فرمایا ہے :۔

"ومنع من شتمه ولعنه لأنه مسلم ولم يثبت بأنه رضى بقتل الحسين– وأما الترحم عليه فجائزبل مستحب بل نحن نترحم عليه فى جملة المسلمين والمؤمنين عموماً فى الصلاة".

(ابن كثير، البداية والنهاية، ج ١٢، ص ١٧٣).

ترجمہ :۔ امام غزالی نے یزید کو برا کہنے اور لعن طعن کرنے سے منع فرمایا ہے کیونکہ وہ مسلمان ہے اور یہ بات ثابت نہیں ہو پائی کہ وہ قتل حسین پر راضی تھا۔

اور جہاں تک اس (یزید) کو "رحمتہ اللہ علیہ" کہنے (اس کے لئے دعائے رحمت کرنے) کا تعلق ہے تو یہ جائز بلکہ مستحب (پسندیدہ و بہتر) ہے۔ بلکہ ہم تمام مومنین و مسلمین کے لئے نماز میں عمومی دعائے رحمت میں اس کے لئے بھی (بحیثیت مسلمان) دعائے رحمت کرتے ہی ہیں۔

امام غزالی کے اس فتوی نیز دیگر محتاط اقوال و آراء کی روشنی میں اب اس نقطۂ نظر کو امت مسلمہ کی غالب اکثریت میں وسیع تر فروغ و قبول عام حاصل ہو چکا ہے کہ اگر بالفرض کوئی شخص جواز لعن یزید کا قائل ہو، تب بھی لعن سے اجتناب ہی محفوظ تر ہے۔ تاہم اگر کوئی لعن کرنا ہی چاہے تو بعض احادیث و مثبت و محتاط تر اقوال اکابر امت بسلسلہ یزید کے پیش نظر زیادہ سے زیادہ بغیر نام لئے بغیر درج ذیل طریق پر لعنت بھیجنے پر اکتفاء کرنا چاہئے :۔

لعنة الله على قاتل عمر و عثمان وطلحة والزبير وعلي والحسين
لعنة الله على الظالمين ، أعداء الصحابة وأهل البيت أجمعين.
قاتلین عمرؓ و عثمانؓ و طلحہؓ و زبیرؓ و علیؓ و حسینؓ پر خدا کی لعنت ہو،
تمام دشمنان صحابہؓ و اہل بیتؓ پر خدا کی لعنت ہو۔

قصہ بیعت یزید

امامت و خلافت یزید (رجب ۶۰ھ ۔ ربیع الاول ۶۴ھ) کے زمانہ میں مکہ و مدینہ، کوفہ و بصرہ اور مصر و شام سمیت پورے عالم اسلامی میں صحابہ کرامؓ کی کثیر تعداد موجود تھی۔ جن میں سے ڈیڑھ سو سے زائد اصحاب رسولؐ کے اسماء گرامی کتب تاریخ و سیرت میں موجود ہیں۔ اور اس سے پہلے یزید کی بحیثیت جانشین نامزدگی (بروایت ۵۶ھ، یا ما قبل) کے وقت ڈھائی سو سے زائد صحابہؓ و اہل بیتؓ موجود تھے۔ (مذکورہ اسماء صحابہ و مزید تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو طبقات ابن سعد، والإصابہ فی تمییز الصحابہ لابن حجر العسقلانی، نیز تحقیق مزید بسلسلہ خلافت معاویہ و یزید، کراچی، جون ۱۹۶۱ء ص ۱۔ ۶۳ بعد، نیز "واقعہ کربلا اور مراسم عزا" (ص ۹۳۔ ۱۰۰)۔

ان تمام صحابہ کرامؓ نے یزید کی امامت و خلافت کی بیعت کی اور واقعہ کربلا و حرہ کے بعد بقید حیات اصحاب رسولؐ نے اسے وفات یزید تک برقرار رکھا۔ جن میں عبداللہ بن عباسؓ ہاشمی قرشی، عبداللہ بن جعفر طیارؓ ہاشمی قرشی، برادر ام المؤمنین حفصہؓ عبداللہ بن عمرؓ

عدوی قرشی، داماد سید الشہداء حمزہؓ و فرزند ام سلمہؓ، سلمہ بن ابی سلمہؓ مخزومی قرشی، اور ان کے بھائی ربیب رسولؐ عمر بن ابی سلمہؓ مخزومی قرشی، عبداللہ بن حارث بن نوفل بن حارث، بن عبدالمطلبؓ ھاشمی قرشی، عبیداللہ بن عباسؓ ہاشمی قرشی، خواہر زادہ سیدہ میمونہؓ ام المؤمنین عبداللہ بن شداد بن الھاد اللیثی اور عبداللہ بن نوفل بن حارث بن عبدالمطلب الھاشمی القرشی، رضی اللہ عنہم اجمعین سر فہرست ہیں۔ نیز غیر صحابی تابعین اہل بیت و بنی ہاشم میں سے فرزندان علیؓ محمد بن علیؓ (ابن الحنفیہؒ) و عمر بن علیؓ، اور واقعہ کربلا کے بعد علی بن حسینؓ (زین العابدینؒ) بھی شامل ہیں۔

ابن کثیر ۵۶ھ کے واقعات میں خلیفہ معاویہؓ کی جانب سے بیعت جانشینی یزید کے حوالہ سے لکھتے ہیں:۔

"وفيها دعا معاوية الناس إلى البيعة ليزيد ولده أن يكون ولى عهده من بعده۔ فبايع له الناس فى سائر الأقاليم إلا عبدالرحمن بن أبى بكر وعبدالله بن عمر والحسين بن على وعبدالله بن الزبير وابن عباس". (ابن كثير، البداية والنهاية، ج ۸، ص ۸٦)۔

ترجمہ:۔ اور اسی سال (۵۶ھ) میں حضرت معاویہ نے لوگوں کو اپنے بعد (خلافت) کے لئے اپنے بیٹے یزید کی ولی عہدی کی بیعت کی دعوت دی۔

پس تمام اقالیم سلطنت میں لوگوں نے اس کی بیعت کر لی۔ ماسوائے عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ، عبداللہ بن عمر، حسین بن علی، عبداللہ بن زبیر اور عبداللہ بن عباس کے۔

صحابہؓ و اہل بیتؓ کی غالب اکثریت کے برعکس ولایت و خلافت یزید سے اختلاف کرنے والے مذکورہ پانچ حضرات میں سے عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کا سن وفات ایک روایت کے مطابق ۵۳ھ (ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، ج ۳، ص ۲۵۲ھ) اور دوسری کے مطابق بعد ازاں ہے۔ اور بہر حال یہ بات متفق علیہ ہے کہ وہ خلافت یزید (۶۰-۶۴ھ) سے کئی سال پہلے وفات پا چکے تھے۔ عبداللہ بن عباسؓ و عبداللہ بن عمرؓ کے اختلاف یا عدم اختلاف جانشینی یزید (۵۶ھ) سے قطع نظر ہر دو حضرات نے خلافت یزید (رجب ۶۰۔

ربیع الاول ۶۴ھ) کی نہ صرف بیعت کی بلکہ سیدنا حسینؓ کو بھی شیعان کوفہ کے بھروسہ پر خروج سے منع کیا۔ جبکہ سیدنا حسین نے شیعان کوفہ کی غداری وشہادت مسلم بن عقیلؓ کے بعد یزید سے مصالحت و مذاکرات سمیت سہ نقاطی پیشکش عمر ابن سعد کو کی جسے ابن زیاد نے شمر بن ذی الجوشن کے مشورہ کے مطابق یزید کو اطلاع کئے بغیر "پہلے دست در دست ابن زیاد" کی شرط سے مشروط کر کے حسینؓ و ابن سعد کی مصالحانہ کوششوں کو خاک میں ملا دیا۔اور سانحہ کربلا کا باعث بنا۔

البتہ نواسہ ابوبکرؓ و خواہر زادہ سیدہ عائشہ ام المؤمنینؓ عبداللہ بن زبیرؓ نے چار سالہ خلافت یزید میں بیعت یزید نہیں کی۔ بلکہ مکہ کو مرکز بنا کر وفات یزید تک خروج و مقاومت کا سلسلہ جاری رکھا۔ اور وفات یزید کے بعد حجاز و عراق میں اپنی خلافت (۶۴-۷۳ھ) قائم کرنے میں کامیاب ہوگئے۔

وفات معاویہؓ (رجب ۶۰ھ) کے بعد بیعت خلافت یزید کے حوالہ سے ابن کثیر لکھتے ہیں :-

"فاتسقت البيعة ليزيد في سائر البلاد و وفدت الوفود من سائر الأقاليم إلى يزيد"- (ابن كثير، البداية والنهاية، ج ۸، ص ۲۲۰)-

ترجمہ :- پس یزید کی بیعت تمام علاقوں میں کرلی گئی اور تمام اقالیم سلطنت سے وفود یزید کے پاس حاضر ہوئے۔

حتیٰ کہ واقعہ کربلا (۶۱ھ) کے بعد واقعہ حرہ (اواخر ۶۳ھ) کے موقع پر جب حامیان ابن زبیرؓ (بقیادت عبداللہ بن مطیع) کا مدینہ پر غلبہ ہوگیا تو عبداللہ بن جعفر طیارؓ و علی زین العابدین و عبداللہ بن عمرؓ و محمد بن حنفیہؒ سمیت اکثر اکابر صحابہؓ و اہل بیتؓ قریش و بنی ہاشم نے بیعت یزید کو تاوفات یزید برقرار رکھا :-

"وكان عبدالله بن عمر بن الخطاب وجماعات أهل بيت النبوة ممن لم ينقض العهد ولا بايع أحداً بعد بيعته ليزيد"-
(ابن كثير البداية والنهاية، ج ۸، ص ۲۱۸)-

ترجمہ :- عبداللہ بن عمر بن خطاب اور جماعات اہل بیت نبوت ان لوگوں میں شامل تھے جنہوں نے (واقعہ حرہ میں بھی) بیعت نہیں توڑی اور یزید کی بیعت کر لینے کے بعد کسی دوسرے کی بیعت نہیں کی۔

”وکذلك لم يخلع يزيد أحد من بني عبدالمطلب – وسئل محمد بن الحنفية فی ذلك فامتنع من ذلك أشد الأمتناع وناظرلهم وجادلهم فی يزيد وردعليهم مااتهموه من شرب الخمر وتركه بعض الصلاة“-

(ابن كثير، البداية والنهاية، ج ٨، ص ٢١٨)-

ترجمہ :- اور اسی طرح بنو عبدالمطلب میں سے بھی کسی نے یزید کی بیعت نہ توڑی-اور محمد بن حنفیہ سے اس (بیعت یزید توڑنے کے) معاملے میں درخواست کی گئی تو انہوں نے سختی سے انکار کر دیا اور ان (حامیان ابن زبیرؓ) سے یزید کے بارے میں بحث و مجادلہ کیا- اور انہوں نے یزید پر شراب نوشی اور بعض نمازوں کے قضا کر دینے کے جو الزامات لگائے تھے، ان کو مسترد کرتے ہوئے یزید کی صفائی میں دلائل دیئے-

واقعہ حرہ (اواخر ۶۳ھ) میں برادر سیدہ حفصہ ام المومنینؓ عبداللہ بن عمرؓ کے بیعت یزید بر قرار رکھنے اور حامیان ابن زبیرؓ کی حمایت نہ کرنے کے سلسلہ میں صحیح بخاری کی درج ذیل روایت بطور خاص قابل توجہ ہے :-

”عن نافع لما خلع أهل المدينة يزيد بن معاوية ، جمع ابن عمر حشمه و ولده ، فقال إنی سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول:-

ينصب لكل غادر لواء يوم القيامة-

وإنا قد بايعنا هذا الرجل على بيع الله ورسوله – وإنی لا أعلم غدداً أعظم من أن يبايع رجل على بيع الله ورسوله ثم ينصب له القتال. وإنی لا أعلم أحداً منكم خلعه ولابايع فی هذا الأمر إلا كانت الفيصل بينی وبينه“- (صحيح البخاری ، كتاب الفتن طبع الهند ، ج ٢ ، ص ١٠٥٢).

ترجمہ :- نافع سے روایت ہے کہ جب اہل مدینہ نے یزید کی بیعت توڑ دی تو ابن عمر نے اپنی اولاد و متعلقین کو جمع کیا اور فرمایا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے

سنا ہے کہ :- قیامت کے روز ہر عہد شکن کے لئے ایک جھنڈا نصب کیا جائے گا۔

اور ہم نے اس شخص (یزید) کی بیعت اللہ اور اس کے رسول کے نام پر کی ہے۔
اور میں اس سے بڑی غداری کوئی نہیں جانتا کہ کسی شخص سے اللہ اور اس کے رسول کے نام پر بیعت کی جائے پھر اسی کے مقابلے میں قتال کیلئے اٹھ کھڑا ہوا جائے۔ پس میرے علم میں یہ بات نہ آنے پائے کہ تم میں سے کسی نے یزید کی بیعت توڑی اور اس معاملہ (بغاوت) میں کوئی حصہ لیا ہے۔ ورنہ میرے اور ایسا کرنے والے کے درمیان کوئی تعلق باقی نہ رہے گا۔

اس طرح وفات معاویہؓ (رجب ۶۰ھ) کے بعد بیعت یزید کی توثیق نئے سرے سے ہوئی اور سیدنا حسینؓ و ابن زبیرؓ نیز ان کے رفقاء کے علاوہ پورے عالم اسلام نے بشمول جملہ صحابہؓ و اکابر تابعینؒ بیعت خلافت یزید کرلی۔ تاہم اس سے پہلے سیدنا معاویہؓ کی جانب سے یزید کی جانشینی برائے خلافت (۵۶ھ / ما قبل) پر شیعی نقطہ نظر سے اعتراض محققین کے نزدیک اس لحاظ سے ناقابل التفات قرار پاتا ہے کہ شیعی عقیدہ امامت کی رو سے تو لازماً باپ کے بعد بیٹا ہی منصب امامت و خلافت منصوصہ و معصومہ پر فائز ہوتا ہے۔ اور اثنا عشریہ کے عقیدہ امامت کی رو سے بالخصوص' شیعہ امام و خلیفہ کا فرض شرعی ہے کہ وہ وفات سے پہلے بیٹے کا بطور امام تعین و اعلان کردے۔ جبکہ دیگر شیعہ فرقوں کا بھی اس پر اتفاق ہے کہ امامت و خلافت لازماً اولاد علیؓ ہی کا حق ہے۔ اور سیدنا علیؓ کے بعد امام حسنؓ کی امامت و خلافت ہی درست و ثابت شدہ ہے۔ نیز وفات حسنؓ (۵۰ھ) کے امامت حسینؓ بن علیؓ (۵۰-۶۱ھ) ثابت شدہ ہے۔ لہذا اگر سیدنا معاویہؓ نے بعض مصالح شرعیہ وغیرہ کے پیش نظر بیٹے کو نامزد کر کے بیعت لی جو عملاً وفات معاویہؓ کے بعد بیعت خلافت کی صورت میں دوبارہ منعقد ہوئی تو ان کا یہ اقدام شیعی نظریہ جانشینی سے ماخوذ یا اس کے مطابق ہے۔ کیونکہ اہل تشیع نے ائمہ اولاد علیؓ کے باہم اختلافات اور ایک دوسرے کے متوازی دعوی ہائے امامت (کیسانیہ، زیدیہ، اسماعیلیہ، جعفریہ، اثنا عشریہ' افطحیہ' نور بخشیہ' وغیرہ) کے باوجود نسلی امامت و خلافت آل علیؓ کو باطل قرار نہیں دیا۔ بلکہ عملی مشکلات اور

بنیادی اختلافات فرقہ ہائے شیعہ کے باوجود اسے درست قرار دیا جاتا ہے۔اس سلسلہ میں ابن خلدون کا کہنا ہے کہ قریش کا طاقتور گروہ بنوامیہ تھے۔اور وہ بنوامیہ سے باہر کسی کی خلافت پر راضی نہ ہو سکتے تھے۔نیز نہ تو معاویہؓ کی حیثیت صحابی نیت پر شک کی گنجائش ہے اور نہ سینکڑوں صحابہ کرامؓ حق کے معاملے میں چشم پوشی کے مرتکب ہو سکتے تھے۔ لہذا نامزدگی یزید قابل اعتراض نہیں۔مزید براں :۔

"پس اگر معاویہ کسی ایسے شخص کو اپنا جانشین بنا جاتے جس کو (بنوامیہ کی) عصبیت نہ چاہتی ہوتی تو ان کی یہ کاروائی یقیناً الٹ دی جاتی۔ نظم خلافت درہم برہم ہو جاتا اور امت کا شیرازہ بکھر جاتا۔ تم نہیں دیکھتے کہ مامون الرشید نے زمانے کی تبدیلی کا یہ حکم نظر انداز کر کے علی بن موسیٰ بن جعفر الصادق کو اپنا ولی عہد نامزد کر دیا تھا، تو کیا نتیجہ ہوا؟ عباسی خاندان نے پورے ملک میں بغاوت کر دی۔ نظام خلافت درہم برہم ہونے لگا اور مامون کو خراسان سے بغداد پہنچ کر معاملات کو قابو میں کرنا پڑا"۔

(مقدمہ ابن خلدون، طبع مصر، ص ۷۶ا ترجمہ عربی متن)۔

یزید کے آخری حالات اور وفات

یزید (۲۲-۶۴ھ) نے تقریباً انیس برس کی عمر سے انتالیس برس کی عمر تک بیس سال اپنے والد معاویہؓ کی امامت و خلافت امت (۴۱-۶۰ھ) میں بحیثیت خلیفہ زادہ و ولی عہد، امور سلطنت سرانجام دیئے۔ پھر تقریباً پونے چار سال تک پچاس لاکھ مربع میل سے زائد رقبہ پر محیط اور تین براعظموں تک وسیع اسلامی سلطنت کے امور خلافت سرانجام دیئے۔(۲۲رجب ۶۰ھ تا ۱۴ ربیع الاول ۶۴ھ)۔

یزید کا انتقال صحیح تر روایت کے مطابق ۱۴ ربیع الاول ۶۴ھ میں عارضہ نقرس کی وجہ سے حوارین میں ہوا۔ جو تدمر اور دمشق کے درمیان ایک پر فضا مقام ہے۔بڑے بیٹے معاویہ ثانی نے نماز جنازہ پڑھائی اور واقدی کی روایت کے مطابق دمشق لا کر والد کے پہلو میں دفن کیا گیا :۔

"وقال الواقدی : -دفن یزید بدمشق فی مقبرة باب الصغیر ، ومات بحوارین ، فحمل علی أیدی الرجال الیها ، وفیها دفن أبوه معاویة".

(البلاذری ، أنساب الأشراف ، ج ٤ ، ص ٦٠).

ترجمہ :- واقدی کا بیان ہے کہ یزید کو دمشق کے قبرستان "باب الصغیر" میں دفن کیا گیا- جہاں اس کے والد معاویہ کو بھی دفن کیا گیا تھا- جبکہ اس کی وفات حوارین میں ہوئی تھی- چنانچہ لوگوں نے کندھوں پر اٹھا کر جنازہ قبرستان تک پہنچایا-

تاہم ابوبکر بن حنظلہ کے مرثیہ یزید سے یہ تاثر ملتا ہے کہ مدفن دمشق کے بجائے حوارین ہے- مگر پہلی روایت صحیح تر قرار دی جاتی ہے- کیونکہ اس مرثیہ کے اشعار میں حوارین میں صرف وفات پانے کا ذکر ہے-.

یأیها المیت بالحوارین – أصبحت خیر الناس أجمعینا–

اے حوارین میں وفات پانے والے- تو تمام لوگوں سے بہتر قرار پایا ہے-

فتوحات خلافت یزید

"یزید نے عقبہ بن نافع کو افریقہ کی فتوحات پر مامور کیا- جس نے رومیوں کو پے در پے شکستیں دیکر ان کے کئی مقبوضات چھین لئے- بربریوں نے بھی رومیوں کا ساتھ دیا- مگر اسلامی لشکر فتح حاصل کرتا ہوا آگے بڑھتا گیا- یہاں تک بحر ظلمات کے کنارے پہنچ گیا- عقبہ نے اپنا گھوڑا سمندر میں ڈال دیا اور پانی سر تک آپہنچا تو لوٹ آیا- کہا :- یااللہ! اگر سمندر راہ میں حائل نہ ہوتا تو جہاں تک زمین ملتی، تیری راہ میں جہاد کرتا چلا جاتا"-

(ڈاکٹر حمید الدین، تاریخ اسلام، ص ۱۹۴، فیروز سنز لمیٹڈ لاہور چھٹا ایڈیشن ۱۹۸۷ء)-

----

معاویہ ثانیؒ

"یزید کی وفات پر شامیوں نے اس کے نوجوان بیٹے معاویہ کو تخت نشین کیا-

لیکن وہ بڑا نیک فطرت اور دیندار انسان تھا- دنیاوی جاہ و جلال کی اسے خواہش نہیں تھی- چنانچہ اس نے خلافت سے دستبرداری کا فیصلہ کر لیا اور مسلمانوں کو مخاطب کر کے کہا :-

تم لوگوں نے مجھے اپنا خلیفہ منتخب کیا ہے- مگر مجھ میں اس بوجھ کو اٹھانے کی طاقت نہیں ہے- میں نے چاہا تھا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرح اپنا جانشین نامزد کردوں- یا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی طرح چھ آدمیوں کی کمیٹی بنادوں جو باہمی مشورہ سے کسی ایک کو خلیفہ منتخب کرے- لیکن نہ تو عمر رضی اللہ عنہ جیسا کوئی نظر آیا ' اور نہ ویسے چھ آدمی ملے- لہذا تم لوگ جسے چاہو خلیفہ انتخاب کر لو- میں اس منصب سے دستبردار ہوتا ہوں"-

(ڈاکٹر حمید الدین، تاریخ اسلام، فیروز سنز لاہور ' ۱۹۸۷ء، ص ۱۹۴-۱۹۵)

معاویہ ثانی کے اس اقدام سے خلفاء ثلاثہ (ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ) و آل ابی طالب (علیؓ و حسنؓ) کے بعد آل ابی سفیانؓ (معاویہؓ و یزید) کی امامت و خلافت امت کا بھی دو نسلوں کے بعد ہی خاتمہ ہو گیا- اور عراق و حجاز میں خلافت آل زبیرؓ (۶۴ - ۷۳ ھ) اور بلاد مصر و شام میں خلافت مروانؓ و آل مروانؓ (۶۴ - ۱۳۲ ھ) قائم ہو گئی- حتی کہ خلیفہ مروانؓ بن حکم (۶۴-۶۵ ھ) کے بعد خلیفہ عبدالملک بن مروان (۶۵-۸۶ ھ) کے نمائندہ حجاج بن یوسف نے ۷۳ ھ میں لشکر ابن زبیرؓ کو مکہ میں مغلوب کر کے ابن زبیرؓ کو شہید کر دیا- اور پورے عالم اسلام پر خلافت عبدالملک بن مروانؓ واحد خلافت کے طور پر مستحکم ہو گئی- اور ۱۳۲ ہجری میں خلافت عباسیہ کے قیام تک خلافت آل مروان قائم رہی-

عراق کے اموی گورنر حجاج بن یوسف ثقفی کے سخت گیر طرز عمل کے بارے میں مولانا ابوالکلام آزاد کا درج ذیل اقتباس بھی احوال کوفہ و کربلا کے پس منظر میں قابل توجہ ہے :-

"عراق شروع ہی سے شورش پسند قبائل کا مرکز تھا- یہاں کی بے چینی کسی طرح ختم نہ ہوتی تھی- والیوں پر والی آتے اور بے بس ہو کر لوٹ جاتے تھے- لیکن حجاج بن

یوسف کی تلوار نے اپنی ایک ہی ضرب سے عراق کی ساری شورہ پشتی ختم کر ڈالی۔ خود اس عہد کے بڑے بڑے لوگوں کو اس پر تعجب تھا۔ قاسم بن سلام کہا کرتے تھے :-

کوفہ کی خودداری و نخوت اب کیا ہو گئی ہے ؟ انہوں نے امیر المؤمنین علیؓ کو قتل کیا، حسینؓ ابن رسولؐ کا سر کاٹا، مختار جیسا صاحب جبروت ہلاک کر دیا مگر حجاج کے سامنے بالکل ذلیل ہو کر رہ گئے"۔

(تحریر مولانا ابوالکلام آزاد، مطبوعہ، "الہلال" کلکتہ، ۱۲ اگست ۱۹۲۷ء)۔

یہ بات قابل توجہ ہے کہ جن عظیم مسلم جرنیلوں نے افریقہ، یورپ و ایشیا میں عظیم الشان فتوحات حاصل کیں، ان کا تعلق خلافت بنوامیہ سے تھا۔ مثلاً محمد بن قاسم (فاتح سندھ ۹۳ھ) عقبہ بن نافع (فاتح افریقہ) طارق بن زیاد (فاتح اندلس) قتیبہ بن مسلم (فاتح ترکستان) وغیرہ۔

یزید بن معاویہؓ کے زیر عنوان ان تفصیلات و معلومات سے شخصیت و خلافت یزید، نیز کوفہ و کربلا و حرہ کے حقائق سمجھنے میں بڑی مدد لی جا سکتی ہے۔ واللہ الموفق۔

٦-سیدنا عبداللہ بن عباسؓ الھاشمی القرشی

(م ٦٨ھ، طائف)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا علیؓ کے چچازاد بھائی صحابی رسولؐ و میزبان حسینؓ درمکہ سیدنا عبداللہ بن عباسؓ الھاشمی القرشی مکہ میں رہائش پذیر تھے-چنانچہ عامر بن مسعود جمحی کی روایت کے مطابق جب رجب ٦٠ھ میں سیدنا معاویہؓ کی وفات کی اطلاع مکہ پہنچی تو ہم لوگ ابن عباسؓ کے پاس گئے :-

"فقلنا: یا ابن العباس! جاء البرید بموت معاویة . فوجم طویلاً ثم قال : أللهم أوسع لمعاویة ! أماوالله ما کان مثل من قبله ولایأتی بعده مثله. وإن ابنه یزید لمن صالحی أهله فالزموا مجالسکم واعطوا بیعتکم.
قال: بین نحن کذلك إذ جاء رسول خالد بن العاص وهو علی مکة یدعوه للبیعة فمضی وبایع"-

(البلاذری ،أنساب الأشراف ، طبع یروشلم ، الجزء الرابع و القسم الثانی ، ص ٤ — والإمامة والسیاسة ، مطبوعه ١٩٣٧م ص ٢١٣ بروایت عتبة بن مسعود)-

ترجمہ :- پس ہم نے بتایا کہ اے ابن عباس! حضرت معاویہ کی وفات کی اطلاع آئی ہے-اس پر وہ کافی دیر گم سم بیٹھے رہے- پھر دعا فرمائی کہ :-

اے اللہ معاویہ کے لئے اپنی رحمت وسیع فرما-خدا وہ اپنے سابقین (ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ) جیسے تو نہ تھے مگر ان کے بعد ان جیسا بھی نہ آئے گا-

اور ان کا فرزند یزید ان کے خاندان کے صالح افراد میں سے ہے- پس تم لوگ اپنی اپنی جگہ ٹکے رہو اور اس کی بیعت کرلو-

ابن مسعود کا کہنا ہے کہ ابھی ہم اسی حالت میں بیٹھے تھے کہ مکہ کے گورنر خالد بن العاص کا ایلچی ابن عباس کو بیعت (یزید) کے لئے بلانے آیا- پس آپ تشریف لے گئے

اور بیعت کرلی۔

کوفہ جانے سے پہلے سیدنا حسینؓ اپنے انہی چچا اور بزرگ بنی ہاشم کے گھر مکہ میں مقیم رہے تھے۔ اور انہوں نے آپ کو شیعان کوفہ کے بھروسے پر کوفہ جانے سے منع کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا تھا:-

"واللہ إنی لأظنك ستقتل غداً بين نسائك و بناتك كماقتل عثمان بين نسائه و بناته-"

(ابن كثير، البداية و النهاية، جلد ٨ م ص ١٦٤)—

ترجمہ:- خدا میرا گمان ہے کہ کل کو تم بھی اپنی عورتوں اور بیٹیوں کے درمیان اسی طرح قتل کر دیئے جاؤ گے جس طرح عثمان کو ان کی عورتوں اور بیٹیوں کی موجودگی میں قتل کر دیا گیا تھا۔

۷-امام محمد ابن الحنفیہؒ الهاشمی القرشی

(م ۸۱ھ، مدینہ)

جلیل القدر تابعی، پیکر علم و شجاعت، برادر حسنینؓ سیدنا محمد بن علی الهاشمی القرشی جو اپنی والدہ حنفیہؒ (خولہ بنت جعفر) کی نسبت سے ابن الحنفیہ مشہور ہیں، شیعہ فرقہ کیسانیہ کے سیدنا علیؓ و حسنؓ و حسینؓ کے بعد چوتھے امام ہیں- انہوں نے نہ صرف سیدنا ابن عباسؓ و ابن جعفرؓ و ابن عمرؓ وغیرہ اکابر قریش و بنی ہاشمؒ کی طرح ابتداء ہی میں یزید کی بیعت کر لی بلکہ واقعہ کربلا (۶۱ھ) کے بعد اواخر ۶۳ھ میں مدینہ میں واقعہ حرہ کے موقع پر بھی سیدنا علی زین العابدینؒ و دیگر اکابر قریش و بنی ہاشم کی طرح بیعت یزید کو برقرار رکھا- اور جب عبداللہ بن مطیع کی قیادت میں حامیان سیدنا عبداللہ بن زبیرؓ نے مدینہ پر غلبہ پا لیا اور اھل مدینہ کی کثیر تعداد نے بیعت یزید توڑ دی تو ابن المطیع نے یزید کے مبینہ فسق و فجور کے حوالہ سے ابن الحنفیہ کو بیعت یزید توڑ کر باغیوں کا ساتھ دینے کا مشورہ دیا- مگر ابن الحنفیہ نے بیعت توڑنے سے انکار کرتے ہوئے یزید پر فسق و فجور کے الزامات کی سختی سے تردید کرتے ہوئے فرمایا:-

"وقد حضرته وأقمت عنده فرأيته مواظباً على الصلاة ، متحرياً للخير يسئال عن الفقه ملازماً للسنة"-

(ابن كثير ، البداية و النهاية ، ج ۸ ، ص ۲۴۳)-

ترجمہ:- میں اس (یزید) کے پاس گیا ہوں اور اس کے ہاں مقیم رہا ہوں- پس میں نے اسے نماز کا پابند، کار خیر میں سرگرم، فقہ پر گفتگو کرنے والا اور پابند سنت پایا-

ابن کثیر سیدنا ابن الحنفیہؒ کے بارے میں واقعہ حرہ کے حوالہ سے یہ بھی لکھتے ہیں:

"وكذلك لم يخلع يزيد أحد من بني عبدالمطلب- وسئل محمد

بن الحنفية فی ذلك فامتنع من ذلك أشد الإمتناع و ناظرهم و جادلهم فی يزيد ورد عليهم مااتهموه من شرب الخمر و تركه بعض الصلاة"۔

(ابن کثیر،البداية و النهاية ، ج ۸ ، ص ۲۱۸)۔

ترجمہ : اور اسی طرح بنو عبدالمطلب میں سے کسی ایک نے بھی یزید کی بیعت نہ توڑی۔اور محمد بن حنفیہ سے اس (بیعت یزید توڑنے کے) کے معاملے میں درخواست کی گئی تو انہوں سختی سے انکار کر دیا۔نیز ان (باغیوں) سے یزید کے بارے میں بحث و مجادلہ کیا۔اور انہوں نے یزید پر شراب نوشی اور بعض نمازوں کے قضا کر دینے کے جو الزامات لگائے تھے، ان کو مسترد کرتے ہوئے یزید کی صفائی میں دلائل دیئے۔

انہی سیدنا ابن الحنفیہؒ نے واقعہ کربلا سے پہلے مدینہ سے مکہ آکر اپنے محترم بھائی سیدنا حسینؓ کو کوفیوں کے بھروسے پر خروج سے منع فرمایا تھا:۔

"فأدرك حسيناً بمكة فأعلمه أن الخروج ليس له برأى يومه هذا ، فأبى الحسين أن يقبل، فحبس محمد بن الحنفية ولده فلم يبعث أحداً منهم، حتى وجد الحسين فی نفسه على محمد وقال: ترغب بولدك عن موضع أصاب فيه؟ فقال وما حاجتى الى أن تصاب و يصابون معك ؟ وان كانت مصيبتك أعظم عندنا منهم۔"

(ابن کثیر ، البداية و النهاية ، ج ۸ ، ص ۱٦۵)

ترجمہ :۔ پس ابن الحنفیہ مکہ میں حسینؓ کے پاس پہنچ گئے اور کہنے لگے کہ ان کی رائے میں اس وقت (اہل کوفہ کے بھروسے پر) خروج کا ارادہ مناسب نہیں ہے۔مگر حسین نے یہ رائے قبول نہ فرمائی۔پس محمد بن حنفیہ نے اپنی اولاد کو روک دیا اور ان میں سے کسی ایک کو بھی ان کے ساتھ نہ بھیجا۔جس پر حسین کو دل میں محمد (ابن الحنفیہ) پر رنج ہوا اور فرمانے لگے : تم اپنی اولاد کو میری جان سے زیادہ عزیز رکھ رہے ہو؟ آپ نے جواب دیا کہ : میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ اور آپ کے ساتھ وہ بھی مصیبت میں کیوں پڑیں؟ اگرچہ یہ بھی حقیقت ہے کہ آپ کی مصیبت ہمارے لئے ان کی مصیبت سے زیادہ باعث رنج

ہے۔

"شیعہ کیسانیہ" امام علیؓ بن ابی طالب کے غیر فاطمی فرزند محمد بن علیؓ (ابن الحنفیہ' خولہ بنت جعفر) کی امامت پر اعتقاد رکھتے ہیں۔ جو بعض کے بقول امام علیؓ و حسنؓ و حسینؓ کے بعد چوتھے امام تھے۔اور بعض کیسانیہ کے بقول امام علیؓ کے فوراً بعد امام ثانی ہیں :۔

"کہا جاتا ہے کہ پہلا شخص جو امام محمد بن حنفیہ کی امامت پر ایمان لایا، وہ امام علی بن ابی طالب کے موالی میں سے کیسان نامی ایک شخص تھا۔ چنانچہ یہ فرقہ اس کی طرف منسوب ہو گیا۔

جبکہ بعض دیگر حضرات کا کہنا ہے کہ یہ فرقہ اس شخص کے نام کی طرف منسوب ہے جس نے امام حسین کی شہادت کے بعد ان کے دشمنوں سے انتقام لیا۔اور یہ دعوی کیا کہ اس نے امام محمد بن حنفیہ کی نمائندگی کرتے ہوئے انتقام لیا ہے۔

(محمود شہابی "شیعہ" بزبان انگریزی'ص ۲۴ 'قم' انصاریان پبلی کیشنز)۔

شیعہ کیسانیہ کا وجود اس لحاظ سے انتہائی اہمیت کا حامل ہے کہ وہ امام علیؓ و حسنؓ و حسینؓ کے بعد غیر فاطمی (ہاشمی قرشی) اولاد علیؓ کے حق امامت منصوصہ و معصومہ کا اثبات کرتے ہیں۔اور امامت شیعہ کے صرف امام علی کی فاطمی اولاد میں منحصر ہونے کے نظریہ کو تسلیم نہیں کرتے۔اس طرح شیعہ امامت کا دائرہ آل علیؓ میں رہتے ہوئے بھی وسیع تر ہو جاتا ہے۔اور اس سے غیر شیعہ مسلم اکثریت کے اس اجتماعی موقف کو تقویت و تائید ملتی ہے جو امامت و خلافت کو وفات نبوی کے بعد محض آل فاطمہؓ تک محدود رکھنے کے بجائے بنو ہاشم و امیہ سمیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پورے قریشی خاندان کو امامت و خلافت کی بنیاد قرار دیتا ہے۔(الائمة من قریش — الحدیث)۔

پس شیعہ کیسانیہ بطور مجموعی امام محمد بن علی (ابن الحنفیہ) کو ان کے بھتیجے علی بن حسینؓ (زین العابدین) کے بجائے چوتھا امام شیعہ قرار دیتے ہیں۔جبکہ شیعہ زیدیہ و جعفریہ و اسماعیلیہ امام علی زین العابدینؒ کو چوتھا امام تسلیم کرتے ہیں۔اثنا عشری شیعہ مؤلف عباس قمی لکھتے ہیں :۔

" محمد مکنی بابی القاسم و مادر او خولہ حنفیہ دختر جعفر

بن قیس است– ودربعضی روایات است که رسول خدا صلی الله علیه وآله امیرالمؤمنین علیه السلام رابمیلاد محمد بشارت داد و نام و کنیت خود را عطائی اوگزاشت – و محمد درزمان عمر بن الخطاب متولد شد و در ایام عبدالملك بن مروان وفات کرد– وسن او راشصت و پنج گفته اند–"

(عباس قمی' منتهی الامال ، ج ۱ ، ص ۱۸۷ ، در ذکر اولاد و زوجات حضرت امیرالمؤمنین)–

ترجمہ :- محمدؒ جن کی کنیت ابوالقاسم ہے، انکی والدہ جعفربن قیس کی بیٹی خولہ حنفیہ ہیں-اور بعض روایات میں آیا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ نے امیر المؤمنین (علی) علیہ السلام کو محمد کے پیدا ہونے کی بشارت دی اور اپنانام وکنیت ان کو عطا فرمائی تھی- محمدؒ عمر بن خطاب کے زمانہ (خلافت) میں پیدا ہوئے اور عبدالملک بن مروان کے زمانہ خلافت میں وفات پائی-آپ کی عمر پینسٹھ برس بیان کی گئی ہے-

" جماعت کیسانیه اورا امام می دانستند' واو را مهدی آخر الزمان میخواندند– و باعتقاد ایشان آنکه محمد درجبال رضوی که کوہستان یمن است ' جای فرموده است و زنده است تاگاہی که خروج کند "– (عباس قمی' منتهی الآمال' ج ۱ ، ص ۱۸۷)–

ترجمہ :- (شیعہ) فرقہ کیسانیہ کے لوگ ان (ابن الحنفیہؒ) کو امام قرار دیتے ہیں- نیز انہیں مہدی آخر الزمان بتلاتے ہیں- ان کے عقیدہ کے مطابق محمد (ابن الحنفیہ) زندہ ہیں اور کوہستان یمن میں' جبال رضوی میں اس وقت تک کیلئے قیام فرما ہیں جب وہ ظہور فرمائیں گے-

" وکثرت شجاعت و دلیری او از ملاحظه جنگ جمل و صفین معلوم شود "–(عباس قمی ، منتهی الامال ، ج ۱ ، ص ۱۸۷)

ترجمہ :- ان (ابن الحنفیہ) کی شجاعت وبہادری کی کثرت جنگ جمل وصفین کے

ملاحظہ سے معلوم ہو جاتی ہے۔

شیعہ مؤلف "عمدۃ الطالب" ابن الحنفیہ کے بارے میں لکھتے ہیں :۔

كان محمد بن الحنفية أحد رجال الدهر فی العلم و الزهد والعبادة والشجاعة — وهوأفضل ولد علی بن أبی طالب بعد الحسن و الحسين=(عنبۃ ، عمدة الطالب فی أنساب آل أبی طالب ، لكهنو، طبع اول ، ص ٣٤٧)—

ترجمہ :- محمد بن حنفیہ علم وشجاعت اور زہد وعبادت میں مشہور زمانہ شخصیت تھے -نیز وہ حسن و حسین کے بعد علی بن ابی طالب کی اولاد میں سب سے افضل تھے۔

معروف محقق خیر الدین زرکلی نے ابن الحنفیہ کا خود اپنے بارے میں یہ قول نقل کیا ہے :-

"الحسن و الحسين أفضل منی و أنا أعلم منهما"-

(الزركلی ، الأعلام ، ج ٧ ، ص ١٨٢)—

ترجمہ :- حسن و حسین مجھ سے (مادری نسبت فاطمہؓ کی بناء پر) افضل ہیں جبکہ میں ان دونوں سے زیادہ علم والا ہوں-

ابن الحنفیہؒ کے بعد شیعہ کیسانیہ ان کے بیٹے ابوہاشم عبداللہ کی امامت کے معتقد ہیں :-

" وأما ابوهاشم عبدالله بن محمد بن الحنفيه ، پس او امام كيسانيه است"-(عباس قمی ، منتهی الامال ، ج ١ ، ص١٨٩ ، سا زمان انتشارات جاويدان ، ايران ١٣٨٨ھ)—

ترجمہ :- محمد بن حنفیہ کے بیٹے ابوہاشم عبداللہ ان کے بعد (شیعہ) کیسانیہ کے امام ہیں—

"واما علی بن محمد بن الحنفيه پس از أولاد اوست ابومحمد حسن بن علی مذكور —و او مرد بود عالم فاضل — كيسانيه در حق او

ادعا کردند امامت را —و وصیت کردبپسرش علی– کیسانیه او را امام گرفتند بعد از پدرش "—

(عباس قمی ، منتهی الامال ، ج ۲، ص ۱۸۹ ، ایران ، ۱۳۸۸ھ)—

ترجمہ :- علی بن محمد بن حنفیہ کی اولاد میں سے مذکورہ ابو محمد حسن بن علی ہیں- جو کہ عالم فاضل شخص تھے- کیسانیہ نے ان کے امام ہونے کا دعوی کیا- اور انھوں نے اپنے- بیٹے علی کے حق میں وصیت (امامت) فرمائی- پس کیسانیہ نے انھیں ان کے والد کے بعد امام بنایا-

ان مختصر اقتباسات سے برادر حسنینؓ وامام شیعہ کیسانیہ بعد از علیؓ و حسنؓ حسینؓ جناب محمد بن حنفیہؒ کے عظیم الشان علمی ودینی مقام ومرتبہ اور قوت وشجاعت کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے- نیز اس علو مرتبت اور علوی ہاشمی نام ونسب کے حامل ہوتے ہوئے خلافت یزید کی ابتدا ہی میں بیعت، سیدنا حسینؓ کو خروج سے روکنے کی بھرپور کوشش اور یزید کے فسق وفجور کی تردید کرتے ہوئے یزید کی پابندی نماز وسنت، فقہ پر گفتگو اور کار خیر میں سرگرمی کی دشمنان یزید کے سامنے علانیہ شہادت دینا آپ کی حق گوئی وبیباکی کے نادر المثال مظاہر ہیں-

---

۸- برادر حسنینؓ امام عمر بن علیؓ

برادر حسنینؓ امام عمر بن علیؓ نے جو "عمر الاطرف" کے نام سے بھی معروف ہیں، سیدنا حسینؓ کے ساتھ سفر کوفہ و کربلا سے انکار کرتے ہوئے اپنے بھائی ابن الحنفیہؒ وغیرہ کے ہمراہ ابتداء ہی میں بیعت یزید کر لی تھی اور سیدنا حسینؓ کو شیعان کوفہ کے بھروسہ پر خروج سے منع فرمایا تھا:-

" و تخلف عمر عن أخيه الحسين ولم يسارمعه إلى الكوفة وكان قد دعاه إلى الخروج معه فلم يخرج–يقال: إنه لما بلغه قتل أخيه الحسين خرج فى معصفات له وجلس بفناء داره وقال :–

أنا الغلام الحازم– ولوأخرج معهم لذهبت فى المعركة وقتلت ".

(عنبة ، عمدة الطالب فى أنساب آل أبى طالب ، لكهنو، الطبع الأول ، ص ۳۵۷)–

ترجمہ :- عمر اپنے بھائی حسین سے پیچھے رہ گئے اور ان کے ہمراہ سفر کوفہ اختیار نہ فرمایا–حالانکہ آپ (حسینؓ) نے ان کو اپنے ہمراہ خروج کی دعوت دی تھی مگر انہوں نے خروج نہیں کیا– بیان کیا جاتا ہے کہ جب انہیں اپنے بھائی حسین کے مقتول ہونے کی اطلاع ملی تو وہ زرد لباس پہن کر نکلے اور اپنے مکان کے صحن میں آکر بیٹھ گئے– پھر کہنے لگے :- میں عقلمند و محتاط جوان ہوں– اور اگر میں ان لوگوں کے ساتھ نکل پڑتا تو میں بھی معرکہ میں شریک ہو کر مقتول ہو گیا ہوتا–

عمر بن علی اور ان کی بہن رقیہ کی والدہ ام حبیب بنت ربیعہ ہیں :-

"وعمر و رقية كانا تؤامين ، أمهما أم حبيب بنت ربيعة".

(المفيد ' الإرشاد ، ج ۱ ، ص ۳۵۵ ، ذكر أولاد أميرالمؤمنين عليه السلام ' انتشارات علمية اسلامية ايران ' ۱۳۸۷ ھ)–

ترجمہ :- عمر اور رقیہ جڑواں تھے–ان دونوں کی والدہ (زوجہ علیؓ) ام حبیب

بنت ربیعہ ہیں۔

شیعی روایات کے مطابق جناب عمر بن علیؓ کو "عمرالاطرف" (یک طرفہ شرف والا) اس لئے کہتے تھے کہ وہ صرف باپ (علیؓ) کی طرف سے عالی النسب تھے۔ جبکہ عمر بن علی زین العابدینؒ کو اولاد علیؓ و فاطمہؓ ہونے کی بناء پر عمرالاشرف (دوطرفہ شرف والا) کہتے تھے۔ عباس قمی، عمر بن علی زین العابدینؒ کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں :۔

"مؤلف گوید کہ عمر بن علی مذکور ملقب باشرف است۔ واو را عمر اشرف گفتند بالنسبہ بعمر اطرف پسر حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام چہ آنکہ این عمر از آں جہت کہ فرزند حضرت زہرا صلوات اللہ علیہا است و دارای آں شرف و شرافت است، اشرف از آں یک باشد۔

وآں یک را "عمر اطرف" گفتند از آنکہ فضیلت و جلالت او از یکسوی بتنہائی است کہ از طرف پدری نسبت حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام باشد و از طرف مادری دارای شرافت نیست"۔

(عباس قمی، منتہی الامال، ج ۲، ص ۴۷، ذکر اولاد حضرت امام سجاد علیہ السلام، سازمان انتشارات جاویدان، ایران، ۱۳۸۹ھ)۔

ترجمہ :۔ مؤلف عرض کرتا ہے کہ :۔ عمر بن علی (زین العابدین) مذکور کو حضرت امیر المؤمنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کے فرزند "عمرالاطرف" کے مقابلے میں "عمرالاشرف" اس لئے کہتے ہیں کہ وہ حضرت زہرا صلوات اللہ علیہا کی اولاد میں سے ہیں۔ اور ان کے خاندانی شرف و ہمہ گیری کے حامل ہونے کی وجہ سے ان دوسرے عمر سے زیادہ شرف والے ہیں۔

اور ان دوسرے عمر کو "عمر اطرف" (یک طرفہ عالی نسب) کہتے ہیں، اس لئے کہ ان کی فضیلت وبزرگی اس لحاظ سے یک طرفہ ہے کہ ان کی پدری نسبت حضرت امیر المومنین (علی بن ابی طالب) علیہ السلام کی طرف ہے، مگر ماں کی طرف سے وہ اس شرافت نسبی کے حامل (فاطمی النسب) نہیں۔

۹-سیدنا عبداللہ بن جعفر طیارؓ الھاشمی القرشی

(م ۸۵ھ ،مدینہ)

سیدنا حسنؓ و حسینؓ کے چچازاد بھائی اور بہنوئی (شوہر سیدہ زینبؓ) صحابی رسولؐ سیدنا عبداللہ بن جعفر طیارؓ کی صاحبزادی اور سیدہ زینبؓ کی سوتیلی بیٹی سیدہ ام محمدؒ ، زوجہ یزید تھیں۔ (جمھرۃ الانساب لابن حزم ، ص ۶۹)۔ سیدنا عبداللہ بن جعفرؓ نے بھی سیدنا عبداللہ بن عباسؓ وابن الحنفیہ وغیرہ اکابر قریش و بنی ھاشم کی طرح ابتداء ہی میں یزید کی بیعت کرلی تھی۔ ان کے بارے میں روایت ہے کہ :-

"دخل عبدالله بن جعفر علی یزید فقال: کم کان أبی یعطیك فی کل سنة؟ قال: ألف ألف . قال : فإنی أضعفتها لك.

فقال ابن جعفر : فداك أبی و أمی ! و والله ما قلتها لأحد قبلك.

فقال : قد أضعفتها لك — فقیل :۔ أتعطیه أربعة آلاف ألف؟

فقال: نعم انه یفرق ماله فإعطائی إیاه إعطائی لأهل المدینة—"

(البلاذری ، أنساب الأشراف الجزء الرابع و القسم الثانی ، طبع یروشلم ، ص ۳ ، بروایت المدائنی)—

ترجمہ :- عبداللہ بن جعفر یزید کے پاس آئے تو اس نے پوچھا :- میرے والد آپ کو سالانہ کیا دیا کرتے تھے؟ انھوں نے فرمایا: دس لاکھ۔

یزید کہنے لگا :- میں نے آپ کے لئے اسے دگنا کیا۔

تو ابن جعفر نے فرمایا: میرے ماں باپ تجھ پر قربان ہوں ، اور خدا میں نے یہ جملہ تجھ سے پہلے کسی کیلئے نہیں کہا۔

پس یزید کہنے لگا : میں نے آپ کی خاطر اس کو اور بھی دوگنا کردیا۔

(خازن کی طرف سے) عرض کیا گیا : کیا آپ ان کو چالیس لاکھ سالانہ دیا کریں گے؟ تو یزید نے کہا :- ہاں کیونکہ یہ اپنا مال تقسیم کردیتے ہیں، میرے ان کو عطا کرنے کا

مطلب تمام اھل مدینہ کو عطا کرتا ہے۔

اسی موقع پر خراسان سے مال واسباب سے لدے ہوئے بہت سے دو کوہانی اونٹ یزید کے پاس دمشق آئے تو روایت کے مطابق سیدنا ابن جعفرؓ نے حج وعمرہ وسفر شام کی خاطر ان میں سے دو اونٹ حاصل کرنے کی خواہش ظاہر کی، یزید نے اونٹوں کے بارے میں متعلقہ افسر سے استفسار کیا تو اس نے عرض کیا:۔

"فقال : یا أمیر المؤمنین! ھذہ أربعمائة نجتیة جاء تنا من خراسان تحمل أنواع الألطاف ، وکان علیھا أنواع من الأموال کلھا.

فقال : اصرفھا الی ابن جعفر بما علیھا.

فقال ابن جعفر : تلوموننی علی حسن الرأی فی ھذا یعنی یزید"

(ابن کثیر ، البدایة و النھایة ، ج ٨ ، ص ٢٢).

ترجمہ :۔ پس اس نے عرض کیا اے امیر المؤمنین! یہ چار سو، دو کوہانی اونٹ ہیں جو ہمارے پاس خراسان سے مختلف عمدہ اشیاء لے کر آئے ہیں۔ اور ان اونٹوں پر طرح طرح کے اموال واسباب لدے ہوئے تھے۔ تو یزید کہنے لگا :۔

یہ سب اور ان پر جو کچھ لدا ہے' ابن جعفر کو دیدو۔

پس عبداللہ بن جعفر فرمانے لگے : کیا تم اس شخص (یعنی یزید) کے بارے میں میرے حسن رائے پر مجھے ملامت کرسکتے ہو؟

سیدنا حسینؓ کے مکہ سے نکل کر سفر کوفہ اختیار کرنے کی اطلاع ملنے پر سیدنا عبداللہ بن جعفرؓ نے اپنے دو فرزندوں کو سیدنا حسینؓ کو واپس لانے کے لئے بھیجا :۔

"فأرسل عبدالله بن جعفر إبنیه عوناً و محمداً لیردا الحسین فأبی أن یرجع. و خرج الحسین بإبنی عبدالله بن جعفر معه".

(الإمامة والسیاسة ، ج ٢ ص ٢).

ترجمہ :۔ پس عبداللہ بن جعفر نے اپنے دو بیٹوں عون و محمد کو بھیجا تاکہ حسین کو واپس (مدینہ) لے آئیں۔ مگر انہوں نے واپس آنے سے انکار کردیا۔ پس حسین نے

عبداللہ بن جعفر کے ان دونوں بیٹوں کو بھی خروج میں ساتھ لے لیا۔

اثنا عشری شیعہ عالم و مؤلف شیخ الامہ محمد بن محمد بن نعمان المفید (م ۴۱۳ھ، بغداد) شوہر زینبؓ ابن جعفرؓ کے حسینؓ کو خروج سے روکنے کی کوششوں کا ذکر کرتے ہوئے بیان فرماتے ہیں :-

" وألحقه عبدالله بن جعفر بابنيه عون و محمد وكتب على أيديهما إليه كتاباً يقول فيه:-

أمابعد : فانى أسألك بالله لما انصرفت حين تنظر فى كتابى فإنى مشفق عليك من الوجه الذى توجهت له أن يكون فيه هلاكك و استيصال أهل بيتك - وإن هلكت اليوم طفئى نورالأرض فإنك علم المهتدين ورجاء المؤمنين- ولاتعجل بالمسير فإنى فى أثر كتابى ، والسلام-

وصارعبدالله إلى عمرو بن سعيد فسأله أن يكتب للحسين أماناً ويمنيه ليرجع عن وجهه - فكتب إليه عمرو بن سعيد كتاباً يمنيه فيه الصلة ، ويؤمنه على نفسه ، وأنفذه مع أخيه يحيى بن سعيد- فلحقه يحيى وعبدالله بن جعفر بعد نفوذ إبنيه ودفعاإليه الكتاب وجهدابه فى الرجوع-

فقال : إنى رأيت رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم فى المنام وأمرنى بماأنا ماض له - فقال له: فما تلك الرؤيا؟

قال : ماحدثت أحداً بها ، ولا أنا محدث حتى ألقى ربى عزوجل-

فلما أيس منه عبدالله بن جعفر أمر إبينه عوناً ومحمداً بلزومه والمسيرمعه والجهاد دونه ، ورجع مع يحيى بن سعيد إلى مكة - وتوجه الحسين عليه السلام نحو العراق مغذاً لايلوى عن شئى حتى نزل ذات

عرق–(الشيخ ألمفيدؒ الإرشاد ، ج ۲ ، ص ۷۰ – ۷۱ ، انتشارات علمیةاسلامیة ، إیران ، ۱۳۸۷ھ)–

ترجمہ :– عبداللہ بن جعفر نے اپنے دو بیٹوں عون و محمد کو ان (حسینؑ) کے پیچھے روانہ کیا–اور ان کے ہاتھوں آپ کی طرف خط لکھ کر بھیجا' جس میں فرماتے ہیں :–

اما بعد :– میں آپ کو اللہ کی قسم دیکر کہتا ہوں کہ آپ میرا خط پڑھنے کے بعد واپس چلے آئیں– کیونکہ جس راستہ پر آپ چل نکلے ہیں' اس کے بارے میں مجھے خدشہ ہے کہ اس میں آپ کی ہلاکت اور آپ کے اہلِ بیت کی بربادی ہے–اور آج اگر آپ ہلاک ہو گئے تو زمین کا نور بجھ جائیگا– کیونکہ آپ علَمِ ہدایت یافتگان اور امید مؤمنان ہیں– پس سفر میں عجلت سے کام نہ لیجئے کیونکہ میں بھی اپنے خط کے بعد پہنچا ہی چاہتا ہوں–

چنانچہ عبداللہ' عمرو بن سعید (امیر مکہ) کے پاس گئے اور ان سے کہنے لگے کہ حسین کے لئے امان لکھ دیں اور انہیں اچھی امید دلائیں' تاکہ وہ اس راہ سے لوٹ آئیں– پس عمرو بن سعید نے آپ کے نام ایک خط لکھا جس میں آپ کو انعام واکرام کی امید دلائی اور جان کی امان دی–اور اس خط کو اپنے بھائی یحییٰ بن سعید کے ہاتھ روانہ کیا– پس یحییٰ نیز عبداللہ بن جعفر اپنے دونوں بیٹوں کے پہنچنے کے بعد ان سے جا ملے– دونوں نے خط آپ کو دیدیا اور آپ کو واپس لیجانے کی بہت کوشش کی– مگر آپ نے فرمایا :–

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا ہے–انہوں نے مجھے جو کچھ کرنے کا حکم دیا ہے' میں وہی کرنے جارہا ہوں–

تو ابن جعفر نے پوچھا : وہ خواب کیا ہے ؟

آپ نے فرمایا : نہ تو میں نے یہ خواب کسی کو سنایا ہے اور نہ ہی سناؤں گا' یہانتک کہ اپنے رب عز و جل سے جاملوں–

پس جب عبداللہ بن جعفر ان (کے لوٹنے) سے مایوس ہو گئے تو اپنے دونوں بیٹوں عون و محمد کو ان سے وابستہ رہنے' ان کے ساتھ سفر کرنے، اور انکی خاطر جہاد کرنے کا حکم دیا–اور خود یحییٰ بن سعید کے ہمراہ مکہ لوٹ آئے– جبکہ حسین علیہ السلام نے عراق کا رخ کیا–اور ادھر ادھر توجہ دیئے بغیر پے در پے سفر کرتے ہوئے ذات العرق کے مقام پر جا ٹھہرے–

۱۰- معاویہ بن عبداللہ بن جعفرؓ الھاشمی القرشی

سیدنا معاویہ الھاشمی القرشیؓ سیدنا علیؓ کے بھتیجے اور داماد جناب عبداللہ بن جعفر طیارؓ کے بیٹے تھے- سیدہ زینب بنت علیؓ آپ کی سوتیلی والدہ تھیں- اور آپ کی زوجہ سیدہ فاطمہ بنت حسن مثنی سیدنا حسن بن علیؓ کی پوتی تھیں- جن کی بہن زینب بنت حسن مثنی خلیفہ عبدالملک بن مروان الاموی القرشی کی بیوی تھیں- سیدہ فاطمہ بنت حسن مثنیؒ کے بطن سے آپ کے چار بیٹوں میں سے ایک کا نام یزید تھا- اثنا عشری شیعہ عالم و مؤلف 'عباس قمی " ذکر فرزندان حسن بن الحسن بن علی بن ابی طالب " کے زیر عنوان لکھتے ہیں :-

"وزینب را عبدالملک بن مروان کابین بست و فاطمہ بحبالہ نکاح معاویہ بن عبداللہ بن جعفر طیار در آمد- واز وی چہار پسر و یک دختر آورد' بدیطریق نام ایشاں ثبت شدہ :-

یزید، صالح، حماد' حسین، زینب-

اما پسران حسن مثنی 'جز محمد تمامی اولاد آوردند".

(عباس قمی، منتھی الامال، ج ۱، ص ۲۵۱، ذکر فرزندان حسن بن الحسن بن علی بن ابطالب علیہ السلام، سازمان انتشارات جاویدان، ایران ۱۳۸۸-۱۳۸۹ھ)-

ترجمہ :- زینب کا مہر عبدالملک بن مروان نے ادا کر کے شادی کی- جبکہ فاطمہ، معاویہ بن عبداللہ بن جعفر طیار کے حبالہ عقد میں آئیں- اور ان کے بطن سے ان کے چار بیٹے اور ایک بیٹی پیدا ہوئے- جن کے نام اس طرح درج شدہ ہیں :-

یزید- صالح- حماد- حسین- زینب-

پس جہاں تک حسن مثنی کے بیٹوں کا تعلق ہے تو محمد کے علاوہ سب صاحب اولاد ہوئے-

یہ معاویہ بن عبداللہ بن جعفر طیارؓ' یزید بن معاویہ بن ابی سفیانؓ کے گہرے دوست تھے :-

"ونشأ معاوية الهاشمي صديقاً ليزيد بن معاوية الأموي".

(خير الدين الزركلي ، الأعلام ، ج ۷ ، ص ۱۷۳).

ترجمہ :- معاویہ ہاشمی نے اس حال میں پرورش پائی کہ وہ یزید بن معاویہ اموی سے دوستی رکھتے تھے۔

انہی معاویہ بن عبداللہ بن جعفر طیارؓ کی ایک ہمشیرہ سیدہ ام محمد (سیدہ زینب بنت علیؓ کی سوتیلی بیٹی) زوجہ یزید تھیں :۔

"وأم محمد بنت عبدالله بن جعفر ، تزوجها يزيد بن معاوية بن أبي سفيان".(ابن حزم ، جمهرة أنساب العرب ، ص ٦٩ ، دارالمعارف بمصر ، ١٣٨٢ هـ ، ١٩٦٢ م).

ترجمہ :- اور ام محمد بنت عبداللہ بن جعفر سے یزید بن معاویہ بن ابی سفیان نے شادی کی۔

انہی معاویہ بن عبداللہ بن جعفر طیارؓ کی دوسری بہن سیدہ ام کلثوم سے حجاج بن یوسف ثقفی (غیر ہاشمی، غیر قریشی) نے شادی کی۔ مگر خلیفہ عبدالملک بن مروان الاموی القرشی نے حجاج بن یوسف ثقفی (غیر قریشی) کا داماد قریش و بنو ہاشم بننا گوارا نہ کیا اور حجاج سے طلاق دینے کو کہا۔ ابن حزم کی روایت کے مطابق یہ سیدہ ام کلثوم بنت عبداللہ بن جعفر طیارؓ سیدہ زینبؓ کے بطن سے تھیں۔ (واللہ اعلم)

"وأم كلثوم : أمها زينب بنت علي بن أبي طالب رضي الله عنه ، من فاطمة بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم ، تزوجها الحجاج بن يوسف فأمره عبدالملك بطلاقها – وكانت قبله عند ابن عمها القاسم بن محمد بن جعفر بن أبي طالب ، ولا عقب للقاسم".

(ابن حزم ، جمهرة أنساب العرب ، ص ٦٨ ، دارالمعارف بمصر ، ١٣٨٢هـ / ١٩٦٢م).

ترجمہ :- اور ام کلثوم بنت عبداللہ بن جعفر جن کی والدہ زینب بنت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بطن سے ہیں، ان سے حجاج بن یوسف نے شادی کی۔ پس (خلیفہ) عبدالملک نے اسے حکم دیا کہ انہیں طلاق

دیدے۔ جبکہ اس سے پہلے وہ اپنے چچازاد قاسم بن محمد بن جعفر بن ابی طالب کی بیوی تھیں۔اور قاسم کی کوئی اولاد نہیں۔

علامہ ابن حزم ظاہری اندلسی (م۴۵۶ھ) سے پہلے ابن قتیبہ (م۲۷۶ھ) جیسے متقدم مؤرخین نے بھی یہی روایت کیا ہے :۔

"فولد عبدالله بن جعفر' جعفراً الأكبر' وعلياً ' وعو نأالأكبر ' وعباساً وأم كلثوم= وأمهم: زينب بنت علي– وأمها فاطمة بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم=—–

فأما أم كلثوم ' فكانت عندالقا سم بن محمد بن جعفر بن أبي طالب . ثم تزوجها الحجاج بن يوسف .ثم تزو جها أبان بن عثمان بن عفان رضى الله عنه"—

(ابن قتيبتة ' المعارف ' ص۲۰۷' تحقيق وتقديم ' دكتور ثروت عكاشة ' دارالمعارف' مصر ' الطبعة الرابعة' ۱۹۸۱م)۔

ترجمہ :۔ عبداللہ بن جعفر کی اولاد میں ہیں :۔ جعفر الاکبر 'علی' عون الاکبر 'عباس اور ام کلثوم۔ جن کی والدہ زینب بنت علی ہیں۔اور ان کی والدہ فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ....

پس ام کلثوم قاسم بن محمد بن جعفر بن ابی طالب کی زوجہ تھیں۔ پھر ان سے حجاج بن یوسف نے شادی کرلی۔ جس کے بعد ابان بن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے ان سے شادی کرلی۔

بعض شیعی روایات میں سیدہ ام محمد بنت عبداللہ بن جعفر طیار کے زوجہ یزید ہونے کی صراحت کے بجائے مجملاً اتنا ضرور مذکور ہے کہ ازواج یزید میں سے ایک ہاشمی خاتون بھی تھیں جنہوں نے خواتین قافلہ حسینی کے دربار یزید میں پہنچنے پر علی الاعلان شہادت حسینؓ وبنی ہاشم پر نوحہ خوانی و بین کیے :۔

"پس صدای زن ہاشمیه که درخانه یزید بود' بنوحه و ندبه بلند شد و میگفت :یا حبیباه! یا سیدا اہل بیتاه ! یا بن محمداه" .

(عباس قمی ، منتهی الامال ، ج ۱ ، ص ۴۳۰ ، سازمان انتشارات جاویدان ، ایران ، ۱۳۸۸ – ۱۳۸۹ ھ ، ورود اہلبیت اطہار علیہم السلام به مجلس یزید بن معاویه)۔

ترجمہ :- پس اس ہاشمی خاتون کی صدائے نوحہ وبین بلند ہوئی جو یزید کی گھر والی تھیں-اور وہ پکارنے لگیں :-

ہائے میرے عزیز! ہائے سردار اہل بیت! ہائے فرزند محمد!-

شیخ عباس قمی نے یہ بھی روایت کیا ہے کہ ہند نامی ایک زوجہ یزید پہلے زوجہ حسینؑ تھیں :-

"وجمعی نقل کرده اند که یزید امرکرد بسر مطہر امام حسین علیه السلام را بر درقصر شوم اونصب کردند – و اہلبیت را امر کرد که داخل خانه اوشوند–

چوں مخدرات اہلیبت عصمت و جلالت علیہم السلام داخل خانۂ آں لعین شدند زنان آل ابوسفیان زیورہای خودرا کندند و لباس ماتم پوشیدند و صدا به گریه و نوحه بلند کردند و سه روز ماتم داشتند – و ہند دختر عبدالله بن عامر که درآں وقت زن یزید بود و پیشتر درحباله حضرت امام حسین علیه السلام بود پرده درید وازخانه برون دوید وبمجلس آں لعین آمد در وقتی که مجمع عام بود – گفت :- ای یزید! سرمبارك فرزند فاطمه دختر رسول خدا صلی الله علیه وآله بر درخانه من نصب کرده ای– یزید برجست و جامه برسراو افگند ، او را برگردایند و گفت :ای ہند! نوح وزاری کفن بر فرزند رسول خدا و بزرگ قریش که پسر زیاد لعین درامر اوتعجیل کرد– ومن بکشتن او راضی نبودم"–

(عباس قمی ، منتهی الامال ، ج ۱ ، ص ۴۳۴ ، سازمان انتشارات

جاویدان، ایران، ۱۳۸۸ – ۱۳۸۹ ھ)۔

ترجمہ :- اور ایک جماعت نے نقل کیا ہے کہ یزید نے امام حسین علیہ السلام کے سر مطہر کو اپنے منحوس محل کے دروازے پر نصب کرنے کا حکم دیا۔ اور اہلبیت کو حکم دیا کہ اس کے گھر میں داخل ہو جائیں۔پس جب مخدرات اہل بیت عصمت و جلالت علیہم السلام اس لعین کے گھر میں داخل ہوئیں تو آل ابو سفیان کی عورتوں نے اپنے زیور اتار پھینکے 'لباس ماتم پہن لئے اور باآواز بلند رونے پیٹنے اور بین کرنے لگیں۔اور تین دن تک سوگ منایا۔نیز عبداللہ بن عامر کی بیٹی ہند نے جو کہ اس وقت زوجہ یزید تھیں، اور اس سے پہلے حضرت امام حسین علیہ السلام کی بیوی تھیں 'پردہ پھاڑ دیا' اور گھر سے باہر بھاگ کر اس لعین کی مجلس میں آن پہنچیں جبکہ اس وقت وہاں مجمع عام تھا۔اور کہنے لگیں :-

اے یزید! تو نے فرزند فاطمہ بنت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کا سر مبارک میرے گھر پر نصب کر دیا ہے ؟

یزید نے چھلانگ لگا کر ان کے سر پر کپڑا ڈالا اور انہیں واپس لیجا کر کہنے لگا :-

فرزند رسول خدا و بزرگ قریش پر نوحہ وزاری کرو کہ جن کے معاملے میں ابن زیاد لعین نے عجلت دکھائی ہے' حالانکہ میں ان کے قتل کرنے پر راضی نہ تھا۔

۱۱-نواسی رسول سیدہ زینبؓ بنت علیؓ
(م ۶۲ھ دمشق)

ہزاروں شیعان کوفہ سیدنا حسینؓ کو دعوت و پیمان بیعت دینے کے بعد انہیں بے یارو مددگار چھوڑ کر امامت و خلافت یزید کے علاوہ امیر کوفہ ابن زیاد کی بھی بیعت کر گئے۔ چنانچہ شہادت حسینؓ ورفقائے حسینؓ کے بعد شیعان کوفہ کو اس تمام تر صورتحال کا ذمہ دار قرار دیتے ہوئے اپنے خطاب میں سیدہ زینب بنت علیؓ فرماتی ہیں :-

"بشیر بن حریم اسدی گفت: دریں وقت زینب خاتون دختر امیر المؤمنین اشاره کرد بسوئے مردم که خاموش شوید. به آں شدت و اضطراب چناں سخن میگفت که گویا از زبان امیر المؤمنین سخن میگوید – پس بعد از محامد الهی و درود حضرت رسالت پناهی وصلوات براهل بیت اخیار و عترت اطهار گفت:-

اما بعد : اے اہل کوفه! اہل غدرو مکر و حیله ! آیا شما برما میگریید؟ و هنوز آب دیده ما از جور شما نه ایستاده و ناله ما از ستم شما ساکن نگردیده– مثل شما مثل آں زن است که رشته خود را محکم می تابید و باز می کشود– و شما نیز رشته ایمان خود را شکستید و کفر خود برگشتید – و نیست درمیان شما مگر دعوی بے اصل و سخن باطل و تملق فرزند کنیزاں و عیب جوئی دشمان – و زیستید-مگر مانند گیاهی که در فرنبه روید بانقره که آرائش قبر کرده باشد – بد توشه خود باآخرت فرستادید، و خود را مخلد درجهنم گردانیدید – اما شما برما گریه و ناله بکنید ؟ خود ما را کشته اید و برما میگریید ؟ بلی ! والله باید که بسیار بگریید و کم خنده بکنید–"

(باقر مجلسی ، جلاء العیون ، جلد دوم ، ص ۵۹۳ ، مطبوعه تهران جدید، خطبه حضرت زینب خاتون)–

ترجمہ :- بشیر بن حریم اسدی کہتا ہے کہ اس وقت حضرت زینب دختر امیر المؤمنین نے لوگوں کو اشارہ کیا کہ خاموش رہو- اس حالت اضطراب و شدت میں اس طرح کلام کرتی تھیں گویا امیر المومنین کلام فرماتے ہیں- پس بعد ادائے حمد الٰہی و درود حضرت رسالت پناہ ' وصلوات بر اہل بیت اخیار و عترت اظہار فرمایا :-

اما بعد ! اے اہل کوفہ !اے اہل مکر و غدر و حیلہ ! تم ہم پر گریہ کرتے ہو ؟ جبکہ تم نے ہی ہمیں قتل کیا ہے- ابھی تمہارے ظلم سے ہمارا رونا موقوف نہیں ہوا- اور تمہارے ستم سے ہمارا نالہ و فریاد ساکن نہیں ہوا- اور تمہاری مثال اس عورت کی سی ہے جو اپنی رسی کو مضبوط بٹتی اور پھر کھول ڈالتی تھی- تم نے بھی اپنے ایمان کی رسی کو توڑا اور اپنے کفر کی طرف پھر گئے- تمہارا دعوی مگر سراسر بے اصل اور ایک فن باطل ہے- اور خوشامد فرزند کنیزاں و عیب جوئی دشمنان- اور تمہاری مثال ایسی ہے جیسے گھاس گھورے پر اگی ہو- قبر سیاہ و تیرہ و تار پر آرائش نقرہ کار کی گئی ہو- تم نے اپنے لئے آخرت میں ذخیرہ بہت خراب بھیجا اور اپنے کو لبد الاباد تک سزاوار جہنم کیا ہے- تم ہم پر گریہ و نالہ کرتے ہو ؟ خود تم نے ہی ہمیں قتل کیا ہے اور خود ہی روتے ہو ؟ ہاں ! خدا کی قسم تمہیں خوب رونا چاہیے- اور تم کم ہی ہنس پاؤ گے-

چنانچہ سیدہ زینبؓ شہادت حسینؓ و سانحہ کربلا کی بنیادی ذمہ داری غدار شیعان کوفہ پر عائد فرما رہی ہیں- آپ کی تاریخ وفات میں اختلاف ہے- ایک قول کی رو سے ۱۵ رجب ۶۲ ھ کو وفات پائی- (شیخ جعفر نقدی، زینب الکبری، ص ۱۲۲، بحوالہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ 'جامعہ پنجاب لاہور، ج ۱۰، ص ۹۷۵، ۱۹۷۳ء مقالہ بعنوان : زینب)-

واقعہ کربلا کے بعد سیدہ زینبؓ کا پس ماندگان قافلہ حسینی کے ہمراہ دمشق سے واپس مدینہ پہنچ جانا بھی متفق علیہ ہے- پھر آپ یزید و بنو امیہ کے گھر دمشق واپس آکر کیونکر مقیم و مدفون ہوئیں ؟ اس کا جواب یزید کو بزبان آل علیؓ شہادت حسینؓ سے بری الذمہ قرار دینے والے اہل علم و تحقیق یہ دیتے ہیں کہ سیدہ زینبؓ مدینہ سے دمشق آکر اپنی سوتیلی بیٹی سیدہ ام محمد، زوجہ یزید کے پاس مقیم رہیں- اور دمشق ہی میں وفات و تدفین ہوئی- جہاں آپ کا مزار مبارک آج بھی مرجع خلائق ہے-

۱۲-نواسی رسولؐ سیدہ ام کلثومؓ بنت علیؓ

سیدنا حسینؓ کو دعوت بیعت دے کر غداری کرتے ہوئے بیعت ابن زیاد کر جانے والے شیعان کوفہ کی مذمت میں واقعہ کربلا کے بعد کوفہ میں نواسی رسول سیدہ ام کلثومؓ بنت علیؓ کا خطاب شیعہ مجتہد اعظم علامہ باقر مجلسی (م ۱۱۱۱ھ ایران) نے یوں نقل فرمایا ہے :-

" پس ام کلثوم دختر دیگر حضرت سیدة النساء صدا بگریه بلند کرد- و ازهودج محترم ندا کرد حاضر افراد که:-

اے اہل کوفه! بدحال شما و ناخوش باد اولیائی شما - بچه سبب برادرم حسین راخواندید و یاری اونکردید و اورا بقتل آوردید واموال او را غارت کردید و پردگیان حرم سرائے اورا اسیر کردید ؟ وائے برشما و لعنت براولیائے شما! مگرنمید انید که چه کار کردید- فرچه گناہان اوزار برپشت خود بار کردید - وچه خونہائے محترم ریختید- وچه دختران محترم مکرم را نالاں کردید- "

(باقر مجلسی، جلاء العیون، جلد دوم، ص ۵۹۵ تا ۵۹۶، خطبہ حضرت ام کلثوم در کوفہ)-

ترجمہ :- اس کے بعد حضرت سیدۃ النساء کی دوسری بیٹی ام کلثوم نے صدائے گریہ وزاری بلند کی اور اپنے (اونٹ کے) ہودج محترم سے حاضرین کو رورو کر آواز دی کہ :

اے کوفہ والو! تمہارا ستیاناس ہو اور تمہارے اولیاء ناخوش رہیں- تم نے کس سبب سے میرے بھائی حسین کو بلایا اور پھر ان کی مدد نہ کی؟ اور انہیں قتل کر کے مال و اسباب ان کا لوٹ لیا- اور ان کے پردگیان عصمت و طہارت کو اسیر کیا- وائے ہو تم پر اور لعنت پڑے تمہارے اولیاء پر- کیا تم نہیں جانتے کہ تم نے کیا ظلم ڈھایا ہے؟ اور کن گناہوں کا اپنی پشت پر انبار کیا ہے؟ اور کیسے خونہائے محترم کو بہایا ہے؟ اور کن دختران محترم و مکرم کو نالاں کیا ہے؟

سیدہ ام کلثوم بنت علیؓ نے ایک روایت کے مطابق ۴۹ھ میں وفات پائی۔ نیز خلافت فاروقی میں سیدنا عمر فاروقؓ سے آپ کی شادی کے نتیجے میں دو بچے زید اور رقیہ پیدا ہوئے۔(اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جامعہ پنجاب، لاہور، مقالہ "ام کلثوم")۔

مگر شیعہ اثنا عشریہ کی کتب حدیث میں مروی اس نکاح عمرؓ و ام کلثومؓ کی اہل تشیع مختلف تاویلات فرماتے ہیں۔

نکاح و اولاد ام کلثومؓ کے سلسلہ میں بعض حوالے ملاحظہ ہوں:۔

۱۔ وكذلك زوج علي ابنته أم كلثوم من عمر .

(مسالك الأفهام ج ١ ص ١٢٠ طبع تهران)

اور اسی طرح علی نے اپنی بیٹی ام کلثوم کی شادی عمر سے کی۔

۲۔ "اما از جملہ دختران آنحضرت زینب وام کلثوم از فاطمہ زہرا علیہا السلام ہستند کہ زینب بہ عبداللہ بن جعفر طیار، وام کلثوم را بہ عمر بن خطاب بزنی داد، و زید بن عمر از اوست"۔

(علی اکبر دہخدا "لغت نامہ" ج ۱۹ ص ۸۰ تحت "علی بن ابی طالب"۔ زیر نظر دکتر محمد معین، تہران، تیر ۱۳۴۲ھ .ش، شمارہ مسلسل ۸۵، شمارہ حرف "ع" بخش دوم: ۱)۔

ترجمہ:۔ آنحضرت (علی) کی بیٹیوں میں سے زینب وام کلثوم، فاطمہ زہرا علیہا السلام (کے بطن) سے تھیں۔ آپ نے زینب کو عبداللہ بن جعفر طیار، اور ام کلثوم کو عمر بن خطاب کی زوجیت میں دیا۔ زید بن عمر ان کے بطن سے ہیں۔

۳۔ " و ام كلثوم الكبرى ولدت لعمر بن الخطاب " .

(مصعب الزبيري "كتاب نسب قريش" ص ٤١)۔

ترجمہ:۔ ام کلثوم الکبریٰ کے بطن سے عمر بن خطاب کے ہاں اولاد ہوئی۔

۴۔ " و أما أم كلثوم الكبرى، وهي بنت فاطمة، فكانت عند عمر بن الخطاب، ولدت له أولاداً قد ذكرناهم "۔

(ابن قتيبة "المعارف" ص ٢١١)۔

ترجمہ :- ام کلثوم الکبری بنت فاطمہ' عمر بن خطاب کی زوجہ تھیں- جن سے اولاد بھی ہوئی - جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

۵- " و تزوج أم کلثوم بنت علی بن أبی طالب' بنت بنت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم' عمر بن الخطاب۔ فولدت له زیداً لم یعقب' و رقیة – ثم خلف علیها بعده محمد بن جعفر بن أبی طالب "–

(ابن حزم جمهرة أنساب العرب' ص ۳۷–۳۸)–

ترجمہ :- ام کلثوم بنت علی بن ابی طالب سے جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی (فاطمہ) کی بیٹی ہیں' عمر بن خطاب نے شادی کی-پس ان کے ہاں زید پیدا ہوئے جن کی نسل نہیں چلی۔ نیز رقیہ کو جنم دیا- پھر ان (عمر) کے بعد محمد بن جعفر بن ابی طالب نے ان سے نکاح کیا-

بہر حال اگر واقعہ کربلا کے بعد آپ کی وفات کی روایات کو تسلیم کر لیا جائے تو آپ کے مذکورہ خطبہ میں سانحہ کربلا کی بنیادی ذمہ داری یزید کے بجائے غدار شیعان کوفہ پر عائد کی گئی ہے-

---

۱۳- امام حسن مثنیٰ بن حسنؓ

(م --- مدینہ)

سیدنا حسن بن حسنؓ جو حسن مثنیٰ (دہرے حسن) کہلاتے ہیں' بعض شیعی روایات کے مطابق کربلا میں موجود تھے اور مجروح ہوئے- نیز سیدہ فاطمہ بنت حسینؓ آپ کی زوجہ تھیں :-

"وکان الحسن بن الحسن حضر مع عمه الحسین علیه السلام یوم الطف – فلما قتل الحسین علیه السلام وأسر الباقون من أهله ، جاء ه أسماء بن خارجة فانتزعه من بین الأساری وقال: والله! لا یوصل إلی إبن خولة أبداً – فقال عمر بن سعد: دعوا لأبی حسان ابن أخته–

ویقال : إنه أسر وکان به جراح قدأشفی منه "-

(الشیخ المفید ، الإرشاد ، ج ۲ ، ص ۲۲ ، ایران ، انتشارات علمیة اسلامیة، ۱۳۸۷ ھ)

ترجمہ :- حسن اپنے چچا حسین علیہ السلام کے ساتھ کربلا میں موجود تھے- پس جب حسین علیہ السلام مقتول ہو گئے اور ان کے باقیماندہ اہل خانہ کو قیدی بنا لیا گیا' تو اسماء بن خارجہ آیا اور اس نے قیدیوں میں سے انہیں کھینچ کر علیحدہ کر دیا- پھر وہ کہنے لگا : خدا! ابن خولہ تک کوئی نہ پہنچ پائے گا- اس پر عمر بن سعد نے کہا : ابو حسان کے لئے ان کے بھانجے کو چھوڑ دو-

اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ قیدی بنائے گئے- اور انہیں زخم بھی آئے تھے جن سے شفایاب ہو گئے-

ان حسن مثنیٰ کے بھائی عمرو قاسم و عبداللہ کربلا میں شہید ہو گئے تھے :-

"وأما عمر والقاسم وعبدالله بن الحسن بن علی علیهما السلام فانهم أستشهدوا بین یدی عمهم الحسین بن علی علیهما السلام بالطف

رضی الله عنهم وأرضا هم".(المفيد ، الإرشاد ، ج ۲، ص ۲۳ ، انتشارات علميه اسلاميه ، ايران ، ۱۳۸۷ ھ)۔

ترجمہ:- حسن بن علی علیہما السلام کے فرزند عمرؑ قاسم اور عبداللہ کربلا میں اپنے چچا حسین بن علی علیہما السلام کے سامنے شہید ہوئے۔رضی اللہ عنہم وارضاھم۔

ان حسن مثنی کی زوجہ فاطمہ بنت حسینؑ تھیں جنہوں نے شیعی روایات کے مطابق ان کی قبر پر ایک سال تک سوگ منایا:-

"وقبض الحسن بن الحسن وله خمس وثلاثون سنة، رحمه الله ، وأخوه زيد بن الحسن حی – ووصى إلى أخيه من أمه ابراهيم بن محمد بن طلحة –

ولمامات الحسن بن الحسن رضی الله عنه ضربت زوجته فاطمة بنت الحسين بن علی عليه السلام على قبره فسطاطاً– وكانت تقوم الليل و تصوم النهار – وكانت تشبه بالحورالعين لجمالها – فلما كانت رأس السنة قالت لمواليها :– إذا أظلم الليل فقوضوا هذا الفسطاط– فلما أ ظلم الليل سمعت قائلاً يقول :–هل وجدوا ما فقدوا؟ فأجابه آخر:– بل يئسوا فانقلبوا"–

(المفيد ، الإرشاد ، ج ۲ ، ص ۲۲ – ۲۳ ، ایران ، ۱۳۸۷ ھ)

ترجمہ:- حسن بن حسن نے وفات پائی تو ان کی عمر پینتیس (۳۵) برس تھی۔اللہ ان پر رحمت فرمائے۔اس وقت ان کے (بڑے) بھائی زید بن حسن زندہ تھے۔مگر انہوں نے ماں کی جانب سے اپنے بھائی ابراہیم بن محمد بن طلحہ کو اپنا وصی بنایا۔

اور جب حسن بن حسن رضی اللہ عنہ وفات پا گئے تو ان کی زوجہ فاطمہ بنت حسین بن علی علیہ السلام نے ان کی قبر پر خیمہ لگالیا۔وہ قائم باللیل اور دن کو روزہ رکھنے والی خاتون تھیں۔نیز اپنے حسن وجمال میں بڑی بڑی آنکھوں والی حوروں سے مشابہت رکھتی تھیں۔ پس جب ایک سال گزر گیا تو انہوں نے اپنے موالی سے فرمایا کہ :-جب رات کی تاریکی

چھا جائے تو اس خیمہ کو اکھاڑ دو- چنانچہ جب ظلمت شب چھا گئی تو انہوں نے ایک صاحب کلام کو کہتے سنا:۔ کیا انہوں نے اپنے گمشدہ کو پا لیا ہے؟ تو دوسرے شخص نے اسے جواب دیا: نہیں بلکہ یہ تو مایوس ہو کر پلٹ گئے ہیں-

انہی داماد حسینؓ و فرزند حسنؓ جناب حسن مثنیؓ نے خلافت یزید و واقعہ کربلا کا براہ راست مشاہدہ کرنے کے باوجود اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان (۶۵-۸۶ھ) سے اپنی بیٹی اور نواسی حسینؓ سیدہ زینب کی شادی کی- جبکہ دوسری بیٹی سیدہ فاطمہ کے شوہر سیدہ زینب بنت علیؓ کے سوتیلے بیٹے معاویہ بن عبداللہ بن جعفر طیارؓ تھے- جنہوں نے اپنے ایک بیٹے کا نام یزید رکھا- جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حسن مثنی بھی دیگر اکابر قریش و بنی ہاشم کی طرح یزید و بنوامیہ کے بجائے واقعہ کربلا کا اصل ذمہ دار شیعان کوفہ و ابن زیاد و شمر بن ذی الجوشن کو قرار دیتے تھے- وگرنہ مینہ قاتلین اہل بیت علیؓ سے شادی بیاہ اور معاویہ و یزید نام رکھنا چہ معنی دارد؟

"ابو محمد حسن بن الحسن کہ او را حسن مثنی گویند، دہ اولاد ذکور و اناث برای او بشمار رفتہ:- ۱- عبداللہ ۲- ابراہیم ۳- حسن مثلث ۴- زینب ۵- ام کلثوم-

وایں پنج تن از فاطمہ دختر امام حسین علیہ السلام متولد شدند-

۶- داؤد ۷- جعفر- و مادر ایں دو پسر ام ولدی بود حبیبہ نام از اہل روم-

۸- محمد- مادر او رملہ نام داشت ۹- رقیہ ۱۰- فاطمہ-

وابو الحسن عمری گفتہ کہ حسن را دختری دیگر نیز بودہ- قسیمہ نام داشت-

اما دختران شرح حال ام کلثوم و رقیہ معلوم نیست-

و زینب را عبدالملک بن مروان کابین بست- و فاطمہ حبالہ نکاح معاویہ بن عبداللہ بن جعفر طیار در آمد- واز وی چہار پسر و یکدختر آورد و بدین طریق نام ایشاں ثبت شدہ:- یزید، صالح، حماد، حسین، زینب"-

(عباس قمی، منتہی الآمال، ج ۱، ص ۵۱، سازمان انتشارات جاویدان، ایران، ۱۳۸۸ھ)-

ترجمہ:- ابو محمد حسن بن حسن جن کو حسن مثنی کہتے ہیں کے لڑکے اور لڑکیاں

کل دس بچے شمار کئے گئے ہیں :-

۱- عبداللہ ۲- ابراہیم ۳- حسن مثلث ۴- زینب ۵- ام کلثوم-

اور یہ پنج تن فاطمہ بنت امام حسین علیہ السلام سے پیدا ہوئے-

۶- داؤد ۷- جعفر- ان دو بیٹوں کی والدہ اہل روم میں سے حبیبہ نامی ام ولد (کنیز) تھیں-

۸- محمد- ان کی والدہ کا نام رملہ تھا- ۹- رقیہ ۱۰- فاطمہ-

اور ابوالحسن عمری کا کہنا ہے کہ حسن (مثنی) کی ایک اور بیٹی تھی جس کا نام قسیمہ تھا-

بیٹوں میں سے ام کلثوم و رقیہ کے حالات کی تفصیل معلوم نہیں-

جبکہ زینب کا مہر عبدالملک بن مروان نے ادا کر کے ان سے شادی کی اور فاطمہ، معاویہ بن عبداللہ بن جعفر طیار کے حبالہ عقد میں آئیں- جن سے آپ کے چار بیٹے اور ایک بیٹی پیدا ہوئے- ان کے نام اس طریق پر درج شدہ ہیں :-

یزید- صالح- حماد- حسین- زینب-

انہی حسن مثنی کے بارے میں اثناعشری شیعہ اکابر بھی یوں رطب اللسان ہیں :-

"وأما الحسن بن الحسن عليه السلام فكان جليلاً رئيساً فاضلاً ورعاً- وكان يلى صدقات أميرالمؤمنين على بن أبيطالب عليه السلام فى وقته- وله مع الحجاج بن يوسف خبر رواه الزبير بن بكار قال:-

كان الحسن والياً صدقات أميرالمؤمنين عليه السلام فى عصره. فسار يوماً الحجاج بن يوسف فى موكبه وهو إذ ذاك أميرالمدينة . فقال له الحجاج : أدخل عمر بن على معك فى صدقة أبيك فانه عمك وبقية أهلك. فقال له الحسن : لاأغير شرط على ولاأدخل فيها من لم يدخل - فقال له الحجاج : إذا أدخله أنا معك ؟ فنكص الحسن بن الحسن عنه حين غفل

الحجاج ثم توجه إلى عبدالملك حتى قدم إليه و وقف ببابه يطلب الإذن"-(المفيد ، الإرشاد، ج ۲ ، ص ۲۰ - ۲۱ ، انتشارات علميه اسلاميه ایران، ۱۳۸۷ ھ)-

ترجمہ :- حسن بن حسن علیہ السلام فاضل و متقی اور جلیل القدر سردار تھے- وہ امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کے زمانہ (خلافت) میں ان کے صدقات کے والی تھے-اور حجاج بن یوسف کے ساتھ ان کا ایک واقعہ ہے جسے زبیر بن بکار نے روایت کیا ہے-اس نے بیان کیا کہ :-

حسن امیر المومنین (علیؑ) علیہ السلام کے زمانے میں ان کے صدقات کے والی تھے-ایک روز وہ حجاج بن یوسف اور اس کے ساتھیوں کی جماعت کے ہمراہ چل رہے تھے جو کہ اس زمانہ میں امیر مدینہ تھا، تو حجاج ان سے کہنے لگا :- عمر بن علی کو اپنے والد کے (انتظام) صدقات میں شامل کرلیں کیونکہ وہ آپ کے چچا اور آپ کے خاندان کے باقیماندہ افراد میں سے ہیں-تو حسن ان سے کہنے لگے کہ میں علی کی شرائط میں تبدیلی نہیں کروں گا-اور نہ ہی اس کام میں کسی ایسے کو شریک کروں گا جسے انہوں نے شامل نہیں کیا تھا-اس پر حجاج کہنے لگا :-اگر میں ان کو آپ کے ساتھ شامل کردوں تو پھر؟ چنانچہ جونہی حجاج ان کی طرف سے غافل ہوا، وہ اس کے پاس سے ہٹ گئے اور پھر (خلیفہ) عبدالملک کا رخ کیا-یہانتک کہ اس کے پاس (دمشق) پہنچ گئے- اور اس کے دروازے پر کھڑے ہو کر ملاقات کی اجازت طلب فرمائی-

اس کے بعد آگے بقیہ مذکورہ روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ (داماد حسن مثنی) خلیفہ عبدالملک نے ان کی مرضی کے مطابق امیر مدینہ حجاج بن یوسف کو خط لکھ کر حکم دیا کہ وہ حسن مثنی کو عمر بن علیؑ کے بغیر ہی حسب سابق تن تنہا اس منصب صدقات پر فائز رہنے دے اور اس طرح مسئلہ حل ہوگیا-

۱۴- امام علی زین العابدینؒ الھاشمی القرشی
(م ۹۴ھ مدینہ)

جلیل القدر تابعی اور سیدنا علیؓ و حسنؓ و حسینؓ کے بعد اھل تشیع (فرقہ زیدیہ و اسماعیلیہ واثنا عشریہ وغیرہ) کے چوتھے امام سیدنا علی زین العابدین جو واقعہ کربلا کے بعد زندہ بچ جانے والوں میں سر فہرست ہیں۔ انہوں نے نہ صرف واقعہ کربلا کے بعد بیعت یزید فرمائی بلکہ واقعہ حرہ (اواخر ۶۳ھ) کے دوران میں جب باغیان یزید کا مدینہ پر غلبہ تھا، ابن الحنفیہؒ وابن عمرؓ و دیگر اکابر قریش و بنی ہاشم کی طرح بیعت یزید توڑنے سے انکار کر دیا۔ نیز یزید کو خط لکھ کر اپنی وفاداری کا یقین دلایا۔ جس کے جواب میں یزید نے اپنے امیر لشکر مسلمؒ بن عقبہ کو علی زین العابدین سے بطور خاص حسن سلوک کی ہدایت کی۔ چنانچہ صحابی رسولؐ مسلم بن عقبہؓ نے سیدنا زین العابدین سے یزید کی اس خصوصی ہدایت کا ذکر کیا۔ جس کے الفاظ یوں ہیں :-

"وانظر على بن الحسين فلكفف عنه واستوص به خيراً فإنه لم يدخل مع الناس وانه قد أتانى كتابه"۔ (الکامل لابن الاثیر، ج ۴، ص ۱۴۵)۔

ترجمہ :- اور علی بن حسین کا خاص خیال رکھنا۔ انہیں کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا کیونکہ وہ (بغاوت میں) لوگوں کے ساتھ شامل نہیں۔ ان کا خط میرے پاس آچکا ہے۔

یہ سن کر علی زین العابدینؒ نے فرمایا :-

"وصل الله أمير المئومنين"۔

(طبقات ابن سعد، نکر علي بن الحسين)۔

ترجمہ :- اللہ امیر المومنین پر رحمت فرمائے۔

"وصل الله أمير المئومنين و أحسن جزائه"۔

(الامامة والسياسة ج ۱ ص ۲۳۰)

(اللہ امیر المومنین پر رحمت فرمائے اور جزائے خیر دے)۔

واقعہ حرہ میں بیعت یزید بر قرار رکھنے کے علاوہ واقعہ کربلا کے بعد علی زین العابدینؒ شیعان کوفہ کی مذمت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"تم نہیں جانتے کہ تم ہی لوگوں نے میرے والد ماجد کی طرف خط لکھے، اور تم ہی نے ان سے دھوکہ کیا۔ اور تم ہی لوگوں نے اپنی طرف سے عہد و پیمان باندھے۔ بیعت کی۔ اور تم ہی لوگوں نے ان کو شہید کیا اور ان کو تکلیفیں دیں۔ پس جو ظلم تم نے کمائے ہیں، ان کی وجہ سے ہلاکت ہے، تمہارے لئے اور تمہارے برے ارادوں کے لئے۔ تم رسول اللہ کی طرف کس آنکھ سے دیکھو گے؟ جب آنحضرت فرمائیں گے :-

تم نے میری آل کو قتل کیا اور میرے خاندان کو تکلیفیں پہنچائیں۔ پس تم میری امت میں سے نہیں ہو"۔

(کتاب الاحتجاج للطبرسی، صفحہ ۱۵۷ وراجع علامہ محمد قمر الدین سیالوی، مذہب شیعہ، لاہور ۱۳۷۷ھ، ص ۹۷)۔

سیدنا علی زین العابدینؒ کی تاریخ وفات میں اختلاف ہے۔ ایک روایت کے مطابق ۲۵ محرم ۹۵ھ میں وفات پائی۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۱، ص ۹۹۹، مقالہ "اثنا عشریہ" طبع اول ۱۹۲۴ء)۔

شیعہ عالم و مؤرخ شیخ مفید (م ۴۱۳ھ بغداد) نے بھی سن ۹۵ میں وفات روایت کی ہے:-

"وتوفی بالمدینة سنة خمس وتسعین من الهجرة وله یو مئذ سبع وخمسون سنة"۔

ترجمہ:- آپ (علی زین العابدین) نے سن ۹۵ ہجری میں مدینہ میں وفات پائی۔ جبکہ آپ کی عمر ستاون برس تھی=(۳۸-۹۵ھ)۔

شیعہ مؤرخ جسٹس سید امیر علی نے سن وفات ۹۴ھ روایت کیا ہے:-

" ۴۔ حضرت علی ثانی زین العابدین (متوفی ۹۴ھ مطابق ۷۱۳ء)۔

(سید امیر علی، سپرٹ آف اسلام، اردو ترجمہ از محمد ہادی حسین بعنوان "روح اسلام" مر

۵۱۲ ٰاسلامک بک سنٹر دہلی ٰ ادارہ ثقافت اسلامیہ ٰ لاہور ٰ ۱۹۹۰ء)۔

واقعہ حرہ میں امیر لشکر یزید در مدینہ مسلم بن عقبہ و علی زین العابدین کی ملاقات کے حوالہ سے شیخ مفید کی نقل کردہ شیعی روایت بھی ملاحظہ ہو :۔

"وجاء الحديث من غير وجه أن مسرف بن عقبة لما قدم المدينة أرسل إلى على بن الحسين عليهما السلام فأتاه . فلما صار إليه قربه وأكرمه وقال له:وصاني أمير المئو منين بيرك وصلتك وتمييزك من غيرك فجزاه خيراً. ثم قال لمن حوله:أسرجو له بغلتي. وقال له: إنصرف إلى أهلك فاني أرى أن قد أفزعناهم وأتعبناك بمشيك إلينا. ولوكان بأيدينا ما نقوى به على صلتك بقدر حقك لوصلناك۔

فقال له على بن الحسين عليهما السلام: ما أعذرني للأمير ! وركب.

فقال المسرف لجلسائه : هذا الخير الذى لاشر فيه مع موضعه من رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم ومكانه منه".

(المفيد ، كتاب الإرشاد ، ج ۲ ، ص ۱۵۲ ، الباب السابع ، ذكر طرف من اخبار على بن الحسين عليه السلام ، انتشارات علميه اسلاميه ايران ، ۱۳۸۷ ھ ٰ مطبوعه مع فارسى ترجمه و شرح از سيد هاشم رسولى محلاتى)۔

ترجمہ :- ایک سے زیادہ طریق سے یہ روایت بیان ہوئی ہے کہ مسرف بن عقبہ جب مدینہ آئے تو انہوں نے علی بن حسین کو پیغام بھیجا اور وہ ان کے پاس آئے پس جب وہاں پہنچے تو مسرف نے انہیں اپنے قریب کیا ٰ اور ان کو بتلایا کہ :-

(امیر المومنین (یزید) نے مجھے آپ سے حسن سلوک، بھلائی اور دوسروں کے مقابلے میں ممتاز رکھنے کی تلقین کی ہے۔پس اللہ انہیں جزائے خیر دے۔

پھر اپنے اردگرد لوگوں سے کہا :-ان کے لئے میرے خچر پر زین کس دو۔ اور آپ سے کہنے لگے :-اپنے اہل خانہ کے پاس واپس جایئے۔کیونکہ میرا خیال ہے کہ ہم نے

(آپ کو بلوا کر) انہیں خوفزدہ کر دیا ہے۔ اور آپ کو اپنی طرف چل کر آنے کی زحمت دیکر ہم نے آپ کو تھکا دیا ہے۔ اگر ہمارے ہاتھ میں وہ کچھ ہوتا جس کے ذریعے ہم آپ کے حق و شان کے مطابق انعام دینے کی استطاعت رکھتے تو ہم آپ کی نذر کرتے۔ پس علی بن حسین علیہما السلام ان سے فرمانے لگے :- امیر یہ کیا عذر خواہی کر رہے ہیں؟ اور سوار ہو گئے۔

پس مسرف نے اپنے ہم نشینوں سے کہا :- یہ وہ خیر مجسم ہیں جن میں کوئی شر موجود نہیں۔ اور اس کے ساتھ ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ قرابت اور ان کے ہاں قدر و منزلت کے حامل ہیں۔

معلومات کے لئے یہ بھی واضح رہے کہ بیمار کربلا علی زین العابدینؑ کے شیعی روایات کے مطابق پندرہ بچے تھے جن میں سے شیعہ زیدیہ کے پانچویں امام، زید شہیدؒ اور شیعہ اثنا عشریہ کے پانچویں امام محمد باقرؒ بھی شامل ہیں :-

"ولد علی بن الحسین علیهما السلام خمسة عشر ولداً:-

محمد المکنی بأبی جعفر الباقر علیه السلام ، أمه أم عبدالله بنت الحسن بن علی بن أبیطالب علیه السلام.

وعبدالله والحسن والحسین أمهم أم ولد. وزیدوعمر لأم ولد.

والحسین الأصغر و عبدالرحمن و سلیمان لأم ولد .

وعلی ، وکان اصغر ولد علی بن الحسین علیهما السلام ،

وخدیجة ، أمهما أم ولد .

ومحمد الأصغر أمه أم ولد.

وفاطمة وعلیه و أم کلثوم ، أمهن أم ولد"۔

(المفید ، الإرشاد ، ج ۲ ، ص ۱٥٤ ، الباب الثامن ذکر ولد علی بن الحسین، ایران ۱۳۸۷ ھ)۔

ترجمہ :- علی بن حسین علیہم السلام کے پندرہ بچے پیدا ہوئے :-

محمد الباقر علیہ السلام جنکی کنیت ابو جعفر تھی۔ان کی والدہ ام عبداللہ بنت حسن بن علی بن ابی طالب علیہ السلام ہیں۔

نیز عبداللہ و حسن و حسین۔ان کی والدہ ام ولد (کنیز) ہیں۔

اور زید و عمر۔ان کی والدہ بھی ام ولد (کنیز) ہیں۔

نیز حسین الاصغر و عبدالرحمٰن و سلیمان - جو ایک ہی ام ولد سے ہیں۔

اور علی۔جو علی بن حسین علیہما السلام کی اولاد میں سب سے چھوٹے ہیں۔نیز خدیجہ۔ان دونوں کی والدہ ام ولد ہیں۔

اور محمد الاصغر۔ان کی والدہ بھی ام ولد ہیں۔

نیز فاطمہ و ام کلثوم۔ان کی والدہ بھی ام ولد ہیں۔

ان اقتباسات و ارشادات سے واقعہ کربلا سے پہلے اور بعد وارث علیؓ و حسنینؓ ' سیدنا علی بن حسینؓ (زین العابدین) کی اولاد و سیرت و عزیمت و بصیرت اور صلح کل طبیعت کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔نیز دست در دست یزید کی آخری حسینی پیشکش کے تناظر میں واقعہ کربلا کے بعد خلیفہ یزید سے آپ کے مثبت تعلقات اور واقعہ حرہ (اواخر ۶۳ھ) سے پہلے حامیان ابن زبیرؓ کے مدینہ پر غلبہ کے موقع پر بھی اپنے چچا ابن الحنفیہؓ اور پھوپھا ابن جعفرؓ نیز اپنے فرزند محمد الباقرؒ اور دیگر اہل بیت علیؓ و بنو ہاشم کے ہمراہ بیعت یزید کو بر قرار رکھنے سے آپ کے سیاسی نقطہ نظر کا بخوبی ادراک کیا جاسکتا ہے۔خواہ بعض شیعہ فرقے (اثنا عشریہ وغیرہ) اسے تقیہ پر مبنی قرار دیں اور دیگر شیعہ فرقے (کیسانیہ وغیرہ) اسے بلا تقیہ بیعت یزید قرار دیں۔نیز علی زین العابدین سیدنا حسینؓ کے سفر مکہ سے کربلا تک ' شہادت حسینؓ کے بعد سفر کوفہ و شام و مدینہ تک موجود وہ واحد مرد عاقل و بالغ وارث علیؓ و حسنینؓ شخصیت ہیں جن کا طرز عمل شہدائے کربلا و اہل بیت علیؓ کے تاریخی تسلسل میں اولاد علیؓ و فاطمہؓ کا ترجمان ہے۔نیز شخصیت و خلافت یزید کے بارے میں بہت سی فکری و عملی، شیعی و عمومی غلط فہمیوں کے ازالہ کا باعث ہے۔

خلاصہ ونتیجہ مباحث باب اول
فکر شیعی میں یزید
علیؓ وحسنینؓ تا علی بن حسینؒ
(پہلی صدی ہجری)

علیؓ وحسنینؓ سے علی بن حسینؒ تک ان جملہ ائمہ اکابر اہل تشیع کے اقوال و اقتباسات و آراء و افکار کی روشنی میں "فکر شیعی میں یزید- علیؓ و حسنینؓ سے علی بن حسینؒ تک" کے پس منظر و پیش منظر کا عملی و تحقیقی نقطہ نظر سے کماحقہ ادراک کیا جاسکتا ہے- جس کے نتیجہ میں تعصب وافراط و تفریط نیز مبالغہ آرائی سے پاک اصل حقائق تک ان کی اصل صورت میں رسائی آسان تر ہو جاتی ہے- وإن في ذلك لآيات لأولي الأبصار-

----

باب دوئم

فکر شیعی میں یزید

امام باقرؑ تا شیخ مفید

(دوسری تا چوتھی صدی ہجری)

عن عمران بن حصين قال:-

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:-

خيـر أمتـى قـرنى

ثـم الذين يلونـهم

ثـم الذين يلونـهم

(متفق عليه ، مشكاة المصابيح ، باب مناقب الصحابة)

۲-فکر شیعی میں یزید-امام باقر تا شیخ مفید

شورائی امامت و خلافت عمر بن عبدالعزیز (۹۹-۱۰۱ھ) پر پہلی صدی ہجری کے اختتام کے ساتھ ہی اہل بیت رسولؐ سمیت جملہ صحابہ کرامؓ کا زمانہ حیات بطور مجموعی اختتام پذیر ہو جاتا ہے-اور پہلی صدی کے عشرہ اخیرہ تک خلافت یزید و سانحہ کربلا کے وقت موجود و بقید حیات سینکڑوں صحابہ کرامؓ میں سے باقی ماندہ اصحاب رسولؐ مثلاً عبداللہ بن عباسؓ (م ۶۸ھ' طائف) عبداللہ بن عمرؓ (م ۷۴ھ' مکہ) جابر بن عبداللہ انصاریؓ (م ۷۸ھ، مدینہ) عبداللہ بن جعفر طیارؓ (م ۸۵ھ' مدینہ) اور انس بن مالکؓ (م ۹۰ یا بعد ازاں ۹۱-۹۲-۹۳ھ) وغیرھم بھی اب وفات پا چکے ہیں-لہذا خلافت عمر بن عبدالعزیزؒ کو بطور مجموعی قرن صحابہؓ کا آخری زمانہ قرار دیا جاسکتا ہے-

۱- چنانچہ وفات نبوی (۱۱ھ) کے بعد صحابہ راشدینؓ (ابو بکر و عمر و عثمان و علی و حسن و معاویہ رضی اللہ عنہم) کا پچاس سالہ دور امامت و خلافت (۱۱-۶۰ھ) وفات معاویہؓ (۲۲ رجب ۶۰ھ، دمشق) پر ختم ہو جاتا ہے-اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود سیدنا ابو بکرؓ و عمرؓ کے داماد ہیں، عثمانؓ و علیؓ داماد رسولؐ ہیں، سیدنا حسنؓ نواسہ رسولؐ اور سیدنا معاویہؓ کے بہنوئی خود جناب رسولؐ ہیں-

۲- وفات معاویہؓ کے بعد خلافت آل ابی سفیانؓ (۴۱-۶۴ھ) کا تسلسل خلافت یزید بن معاویہ الاموی القرشی (۶۰-۶۴ھ) ہے- جس کی پھوپھی ام المومنین سیدہ ام حبیبہؓ بنت ابی سفیانؓ اور پھوپھا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں-نیز وہ متعدد روایات کی رو سے داماد عبداللہ بن جعفر طیارؓ (شوہر سیدہ ام محمد بنت ابن جعفرؓ) اور داماد عاصم بن عمر فاروقؓ (شوہر سیدہ ام مسکین بنت عاصم) ہے-(ابن حزم جمھرۃ انساب العرب، ص ۶۹، والذھبی، میزان الاعتدال' ج ۳' ص ۴۰۰ بذیل الکنی للخنوق)- اور زوجہ حسینؓ سیدہ آمنہ (والدہ علی اکبر بن حسینؓ) سیدہ میمونہ بنت ابی سفیانؓ کی بیٹی اور یزید کی پھوپھی زاد بہن

ہیں۔(طبری، ج ۱۳، ص ۱۹ و ابن حزم، جمہرۃ انساب العرب ص ۲۵۵)۔

اور ان تمام رشتہ داریوں کی روایات پر نقد و جرح کرنے والا بھی اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یزید کے پھوپھا ہیں۔ تو پھر باقی قرابتوں پر اظہار تعجب چہ معنی دارد؟

۳- وفات یزید (۶۴ھ) کے بعد معاویہ ثانی کی خلافت سے رضاکارانہ دستبرداری کے ساتھ ہی خلافت آل ابی طالب (۳۵-۴۱ھ) کے بعد خلافت آل ابی سفیان (۴۱-۶۴ھ) بھی اختتام پذیر ہو جاتی ہے۔ اور حجاز و عراق میں خلافت آل زبیر بقیادت عبداللہ بن زبیر الاسدی القرشی (۶۴-۷۳ھ) اور شام میں خلافت مروانؒ (۶۴-۶۵ھ) ثم خلافت عبدالملک بن مروانؒ (۶۵-۸۶ھ) قائم ہو جاتی ہے۔ جس کا تسلسل خلافت ولید بن عبدالملک (۸۶-۹۶ھ) خلافت سلیمان بن عبدالملک (۹۶-۹۹ھ) اور خلافت عمر بن عبدالعزیز بن مروانؒ (۹۹-۱۰۱ھ) ہے۔ نیز یہی خلافت آل مروانؒ بعد ازاں (۱۰۱-۱۳۲ھ) بھی جاری و ساری رہ کر بالآخر خلافت بنی عباس (۱۳۲-۶۵۶ھ) میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اور یہ تمام ائمہ و خلفاء از صحابہ راشدینؓ و تابعینؒ تا اختتام عباسیینؒ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان قریش کی مختلف شاخوں سے تعلق رکھتے ہیں۔

۴- خلیفہ حجاز سیدنا عبداللہ بن زبیرؓ الاسدی القرشی (۶۴-۷۳ھ) کی والدہ سیدہ اسماء بنت ابی بکرؓ، خالہ سیدہ عائشہؓ ام المؤمنین اور خالو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جبکہ آپ کے والد زبیرؓ بن عوام، نبیؐ و علیؓ کے پھوپھی زاد، سیدہ فاطمہؓ کے ماموں زاد اور داماد ابوبکرؓ ہیں۔ جو اپنی ہی طرح یکے از عشرہ مبشرہ، طلحہؓ بن عبیداللہ التیمی القرشی کے ہمراہ جنگ جمل میں نائب لشکر عائشہؓ کی حیثیت سے شہید ہوئے۔ جبکہ عبداللہ بن زبیرؓ بھی اپنے والد اور خالہ عائشہؓ کے ہمراہ لشکر علیؓ سے بر سر پیکار تھے۔ بعد ازاں امام حسنؓ، طلحہؓ شہید کے داماد اور انکی بیٹی سیدہ ام القاسم بنت طلحہؓ کے شوہر بنے۔ اور وفات حسنؓ (۵۰ھ) کے بعد سیدنا حسینؓ بھی ام القاسم سے شادی کر کے داماد طلحہؓ قرار

پائے۔

۵- جبکہ خلیفہ مروان بن حکمؓ الاموی القرشی (۶۴ - ۶۵ھ) نبیؐ و علیؓ کی پھوپھی زاد بہن کے فرزند اور داماد رسولؐ' امیر المومنین عثمانؓ بن عفان کے چچازاد بھائی تھے- جو سن ۲ ھ میں پیدا ہوئے اور فتح مکہ کے موقع پر اپنے والد کے قبول اسلام کے وقت چھ برس کے تھے - نیز وفات نبوی کے وقت آٹھ برس کے تھے- (ابن حجر' الاصابہ' ج '۳' ص ۴۷۷' و ابن عبدالبر، الاستیعاب ج ۳ 'ص' ۴۲۵ و تھذیب التھذیب لابن حجر' ج ۱۰' ص ۹۱)-

۶-فرزند مروانؓ' خلیفہ عبدالملک بن مروانؓ (۶۵-۸۶ھ) جناب حسن بن حسنؓ (حسن مثنیٰؒ) کے داماد تھے- ان کی زوجہ حسن بن حسنؓ اور فاطمہ بنت حسینؓ کی صاحبزادی سیدہ زینبؒ تھیں- (عباس قمی' منتھی الآمال' ج ۱' ص ۲۵۱)-

۷- داماد حسن مثنیٰ' خلیفہ عبدالملک الاموی القرشی کے بعد منصب خلافت سنبھالنے والے ان کے فرزند ولید بن عبدالملک الاموی القرشی (۸۶-۹۶ھ) سیدہ نفیسہ بنت زید بن حسنؓ کے شوہر اور داماد زید بن حسنؓ تھے- (عنبہ' عمدۃ الطالب، ص ۴۴ -عباس قمی، منتھی الامال' ج ۱' ص ۲۴۴)-

۸- داماد زید بن حسنؓ' خلیفہ ولید بن عبدالملک الاموی القرشی کے بعد ان کے بھائی سلیمان بن عبدالملک الاموی القرشی (۹۶-۹۹ھ) کا دور خلافت ہے- جن کے بعد عمر بن عبدالعزیز الاموی القرشی (۹۹-۱۰۱ھ) نے منصب خلافت سنبھالا- جو خلیفہ مروانؓ کے پوتے' اور خلیفہ عبدالملک کے بھتیجے اور داماد (شوہر فاطمہ بنت عبدالملک) تھے- نیز خلیفہ ولید و سلیمان و یزید و ھشام (فرزندان عبدالملک) کے بہنوئی اور چچازاد تھے- اور ان کی والدہ امیر المومنین عمر فاروقؓ کی پوتی نیز محافظہ قرآن ام المومنین سیدہ

حفصہؓ بنت عمرؓ کی بھتیجی تھیں۔جبکہ عمر بن عبدالعزیز کی خالہ سیدہ ام مسکین زوجہ یزید بن معاویہؓ تھیں۔ (ذھبی ؛ میزان الاعتدال ج ۳ ص ۴۰۰)۔

پس امامت و خلافت خلفاء و صحابہ راشدینؓ (ابوبکر و عمر و عثمان و علی و حسن و معاویہ رضی اللہ عنھم) کے پچاس سالہ دور (۱۱-۶۰ھ) کے بعد خلیفہ راشد عمر بن عبدالعزیزؒ (۹۹-۱۰۱ھ) پر اکابر اہل بیتؓ سمیت عصر صحابہؓ کا بقیہ چالیس سالہ مجموعی دور خلافت (۶۱-۱۰۱) بھی اختتام پذیر ہو جاتا ہے۔اور اب خلافت یزید و واقعہ کربلا نیز خلافت ابن زبیرؓ و مروانؒ و آل مروان کے بقیہ عینی شاہدین صحابہؓ و اہل بیتؓ بھی اس دار فانی سے کوچ کر چکے ہیں۔لہذا خلافت عمر بن عبدالعزیز دینی و سیاسی لحاظ سے پہلی صدی اور مابعد صدیوں کے مابین حد فاصل قرار دی جاسکتی ہے۔

خلیفہ راشد عمر بن عبدالعزیزؒ الاموی القرشی (م ۱۰۱ھ، دمشق) امام اہل تشیع، ابن الحنفیہؒ (م ۸۱ھ، مدینہ) اور امام علی زین العابدینؒ (م ۹۴ھ، و بروایت ۹۵ھ) کے معاصر ہیں۔ جن کے بعد ان کے فرزند امام محمد الباقرؒ (۵۷-۱۱۲/۱۱۴ھ) کی پانچویں اثنا عشری امامت (۱۱۲/۱۱۴ھ) اور ان کے بھائی امام زید بن علی زین العابدینؒ کی پانچویں امامت شیعہ زیدیہ (۹۴-۱۲۲ھ) نیز فرزند ابن الحنفیہؒ امام ابو ھاشم عبداللہ کی امامت شیعہ کیسانیہ (۸۱ھ تا مابعد) کا دور ہے۔

امام محمد الباقرؒ ان صغیر السن پس ماندگان کربلا میں سر فہرست ہیں جنہوں نے چند برس کی عمر میں عصر یزید و واقعہ کربلا و حرہ و سفر کوفہ و شام و مدینہ کا بطور عینی گواہ مشاہدہ فرمایا۔اور دوسری صدی ہجری میں بقید حیات باقیماندہ معدودے چند مشاہدین کربلا و حرہ میں نہایت معتبر و سر فہرست ہیں۔جبکہ ان کے تمام بزرگان محترم و اکابر اہل تشیع یعنی عبداللہ بن عباسؓ (م ۶۸ھ، طائف) جابر بن عبداللہ انصاریؓ (م ۷۸ھ، مدینہ) محمد ابن الحنفیہؒ (م ۸۱ھ، مدینہ) عبداللہ ابن جعفرؓ (م ۸۵ھ، مدینہ) نیز سیدہ زینبؓ و ام کلثوم بنت علیؓ و علی زین العابدینؒ (م ۹۴/۹۵ھ، مدینہ) تک اس دار فانی سے کوچ کر چکے ہیں۔اور جلیل القدر صحابہ کبارؓ و اقارب اھل بیتؓ میں سے سیدہ ام کلثومؓ بنت علیؓ کے سوتیلے بیٹے اور

برادر ام المومنین سیدہ حفصہؓ جناب عبداللہ بن عمرؓ (م ۷۴ھ، مکہ) کے بعد انس بن مالکؓ جیسے معمرین صحابہؓ (م ۹۰ھ یا بعد ازاں) اور محبان و ناصحین حسینؓ بھی اب انتقال کر چکے ہیں۔ لہذا پہلی صدی ہجری کا عشرہ اخیرہ انس بن مالکؓ سے علی زین العابدینؒ و عمر بن عبدالعزیزؒ (شہادت ۱۰۱ھ، دمشق) تک اجتماعی و شورائی امامت و خلافت امت اور اس کے متوازی شیعی امامت و خلافت منصوصہ و معصومہ کے ہجری قرن اول کا نقطہ اختتام اور قرن ثانی کا نقطہ آغاز ہے۔

دوسری صدی ہجری میں امام باقر (م ۱۱۲ / ۱۱۴ھ) کے علاوہ (۲) امام زید بن حسنؓ و (۳، ۴) سیدہ فاطمہ و سکینہ بنت حسینؓ (۵) امام ابوھاشم عبداللہ بن ابن الحنفیہؒ اور (۶) امام زید بن علی زین العابدینؒ (م ۱۲۲ھ، کوفہ) کے ساتھ ساتھ (۷) امام یحیی بن زید (م ۱۲۵ھ، جورجان) ثم (۸) امام نفس زکیہ (م ۱۴۵ھ) و (۹) امام ابراہیم بن عبداللہ (م ۱۴۵ھ) جیسے علوی خروج کنندگان در خلافت ابو جعفر منصور عباسی بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

نیز مشاہدین کربلا میں سے آخری اثنا عشری امام، محمد باقرؒ کے فرزند (۱۰) امام جعفر الصادقؒ (۸۰-۱۴۸ھ) کے بعد ائمہ اربعہ از اولاد جعفر الصادق یعنی (۱۱) امام اسماعیلؒ (۱۲) امام عبداللہؒ (۱۳) امام محمدؒ اور (۱۴) امام موسی کاظمؒ کے علیحدہ علیحدہ سلسلہ ہای امامت و فرقہ ہائے شیعہ (اسماعیلیہ، افطحیہ، محمدیہ زیدیہ، اثنا عشریہ) بھی اسی صدی سے تعلق رکھتے ہیں۔

امام جعفر الصادق (۸۰-۱۴۸ھ، مدینہ) کے معاصرین میں ایک طرف امام ابو حنیفہؒ نعمان بن ثابت (۸۰-۱۵۰ھ، کوفہ) اور امام مالک بن انسؒ (۹۳-۱۷۹ھ، مدینہ) جیسے ائمہ اہل سنت شامل ہیں۔ اور دوسری طرف آل ابی سفیانؓ (۴۱-۶۵ھ) کے بعد مقتدر آل مروانؒ میں سے خلیفہ عبدالملک و ولید و سلیمان و عمر بن عبدالعزیز کی وفات کے واقعات آپ کے ابتدائی دور حیات سے تعلق رکھتے ہیں۔ بالخصوص شہادت عمر بن عبدالعزیزؒ آپ کے ایام شباب کا حادثہ ہے۔ اور بعد ازاں بقیہ خلفاء آل مروانؒ (یزید و

ھشام وولید ثانی ویزید بن ولید و مروان ثانی بن مروان) کا زوال و اختتام (۱۳۲ھ) اور بنو عباس کا غلبہ و اقتدار امام جعفر الصادق کے ایام حیات کے اہم واقعات ہیں۔ اور اسی سے متصل خروج نفس زکیہ (م ۱۴۵ھ) وابراہیم بن عبداللہ (م ۱۴۵ھ) در خلافت عباسیہ بھی امام جعفر کے آخری زمانہ حیات کے اہم واقعات و صدمات ہیں۔ جو ہاشمی قرشی آل ابیطالب بن عبدالمطلب اور ھاشمی قرشی آل عباس بن عبدالمطلب کے مابین کشمکش و تعاون کے کئی متنوع و متضاد مناظر پیش کرتے ہیں۔

دوسری سے چوتھی صدی ہجری تک فرقہ ہائے اہل تشیع (شیعہ تفضیلیہ و کیسانیہ وزیدیہ و اسماعیلیہ و افطحیہ و اثنا عشریہ) وغیرہ پروان چڑھتے ہوئے اپنے اپنے مستقل بالذات تشخص کو نمایاں و مستحکم کرنے کا باعث بنے۔ اور پہلی صدی ہجری سے تعلق رکھنے والے اولین تین متفق علیہ ائمہ شیعہ (علیؑ و حسنؑ و حسینؑ) کے بعد ابن الحنفیہؒ (م ۸۱ھ) و علی زین العابدین (م ۹۴ھ) کی متوازی امامت و خلافت منصوصہ و معصومہ کے بعد شیعہ زیدیہ و اثنا عشریہ و اسماعیلیہ کے متفق علیہ امام چہارم علی زین العابدین کی اولاد میں سے ان تین اہم شیعہ سلسلہ ہائے امامت کے دیگر ائمہ کرام کا تعلق بھی انہی تین صدیوں سے ہے۔

اور امام باقرؒ و جعفر الصادقؒ (مدینہ) کے بعد بقیہ چھ اثنا عشری ائمہ شیعہ (۱۵-۱۹) موسیٰ کاظمؒ، علی رضاؒ، محمد تقی، علی نقیؒ، حسن عسکری اور امام غائب محمد المھدی بھی اسی قرن دوم و سوئم و چہارم سے تعلق رکھتے ہیں۔ جن میں سے گیارھویں امام حسن عسکری (م ۲۶۰ھ) کے فرزند اور بارھویں اثنا عشری امام محمد المھدی (ولادت در شب ۱۵ شعبان ۲۵۵ھ) بھی غیبت صغریٰ کے بعد غیبت کبریٰ (۳۲۹ھ) فرما گئے۔ اور سلسلہ ائمہ اثنا عشر بھی پایہ تکمیل کو جا پہنچا۔

علاوہ ازیں (۲۰) عبداللہ بن میمون اور (۲۱) حمدان قرمط جیسے مدعیان امامت اہل تشیع بھی اسی دور سے تعلق رکھتے ہیں۔ وعلیٰ ھذا القیاس۔

مزید برآں اہم شیعہ مجموعہ ہائے احادیث مثلاً مسند الامام زید (م ۱۲۲ھ کوفہ)

اور کتب اربعہ اثنا عشریہ میں سے اہم ترین کتاب "الکافی" مؤلفہ شیخ ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی (م ۳۲۹ھ) نیز "من لایحضرہ الفقیہ" تالیف شیخ محمد بن علی، ابن بابویہ القمی (م ۳۸۱ھ) بھی اسی دور سے تعلق رکھتی ہیں۔ جن سے متصل بقیہ دو کتب حدیث اثنا عشریہ "التہذیب" و "الاستبصار" مؤلفہ شیخ محمد بن حسن الطوسی (م ۴۶۰ھ) کا تعلق بھی چوتھی صدی ہجری کے آخر اور اس سے متصل پانچویں صدی ہجری کے نصف اول سے ہے۔ اور اسی دور سے محدث ابن بابویہ القمی کے تلمیذ خاص اور سید مرتضٰی علم الھدیٰ جیسے اثنا عشری مجتہد اعظم (م ۴۳۶ھ) کے استاذ (۲۲) شیخ مفید، محمد بن محمد النعمان (۳۳۷-۴۱۳ھ، بغداد) کا تعلق ہے۔ جو احوال ائمہ اثنا عشر و روایات یزید و کربلا پر مشتمل ضخیم و معتبر اثنا عشری تصنیف "کتاب الارشاد" کے مؤلف ہیں۔

لہذا ان تین صدیوں (دوم تا چہارم) پر محیط فکر شیعی و اختلافات امامت کا مطالعہ و تجزیہ موضوع زیر بحث کی مناسبت سے بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ جس کا فکری و تاریخی پس منظر شورائی و اجماعی امامت و خلافت ابوبکر و عمر و عثمان و علی و حسن و معاویہ رضی اللہ عنہم اور اس کے متوازی شیعی امامت و خلافت منصوصہ و معصومہ علیؓ و اولاد علیؓ سے مربوط ہے۔

اس فکری و تاریخی تناظر میں امام باقر (۵۷-۱۱۲/۱۱۴ھ) سے شیخ مفید (۳۳۷-۴۱۳ھ) تک بیان شدہ تفصیلات امامت و خلافت و یزید و کربلا' مجموعی شیعی نقطہ نظر کی ترجمانی کے لئے قابل استناد و استشہاد ہیں۔ اور بعد کی ہجری صدیوں (پانچویں تا پندرھویں) کے شیعی افکار و روایات کا بھی اہم مرجع و منبع و مصدر اساسی ہیں۔ لہذا امام باقر سے شیخ مفید تک تین صدیوں (قرن ثانی و ثالث و رابع) کے شیعی فکری و فرقہ وارانہ ارتقاء کے تنوع اور پس منظر و پیش منظر کا مختصر جائزہ " فکر شیعی میں یزید" کے حوالہ سے ناگزیر ہے۔ خواہ بعض مقامات پر بحث ائمہ و امامت کے حوالہ سے اس کا تعلق و تسلسل بادی النظر میں براہ راست یزید و کربلا سے مربوط نظر نہ آسکے۔

اس باب کے آغاز و اختتام پر امام باقر و شیخ مفید کے بیان کردہ احوال یزید و کربلا سے قدرے تفصیلی ضروری اقتباس و استشہاد کے ساتھ ساتھ تعارف ائمہ فرقہ ہائے شیعہ و

اختلافات امامت بطور خاص اس لئے شامل باب ہیں کہ اہل تشیع کے نزدیک قصہ حسینؓ و یزید و کربلا، شیعی عقیدہ امامت سے علیحدہ کوئی منفرد و مستقل بالذات مسئلہ نہیں بلکہ بعد از وفات نبوی عقیدہ امامت و خلافت منصوصہ و معصومہ علی و آل علیؓ سے مربوط و متصل ہے۔ لہذا یہ باب :- بعنوان "فکر شیعی میں یزید- امام باقرؒ تا شیخ مفید" پہلی صدی ہجری کے بعد تین سو سالہ فکر شیعی و روایات شیعہ متعلق بہ امامت و حسین و یزید و کربلا کے مجموعی احاطہ پر مبنی ایک مختصر مجموعہ معلومات ہے۔ جو تحقیق و تنقید کے نئے نقاط کو منظر عام پر لا کر فکر شیعی اور نقد تاریخی کے حوالہ سے کئی نئی راہیں وا کر سکتا ہے۔

یہ بھی واضح رہے کہ روایات یزید و کربلا کے اہم شیعی و نیم شیعی و عمومی اولین تاریخی مصادر مثلاً "مقتل ابی مخنف (م ۱۵۷ھ / ۱۷۰ھ) اور تاریخ الطبری (م ۳۱۰ھ) کا تعلق بھی اسی دور سے ہے۔ اور اسی دور میں عباسی خلفاء نے بھی مسئلہ فدک سمیت مختلف امور میں مختلف آراء اختیار کیں۔ ڈاکٹر حمید الدین، عمر بن عبدالعزیزؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں :-

"آپ نے عمر فاروقؓ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے سارا علاقہ از سر نو صدقہ قرار دیا۔ اور اس کی آمدنی بھی عہد فاروقی کی طرح بنی ہاشم اور دیگر حاجتمندوں کے لئے وقف کی۔

آپ کے انتقال کے بعد علاقہ فدک کی سرگزشت بہت عجیب رہی۔ یزید بن عبدالملک اسے اپنے ذاتی تصرف میں لے آیا۔ لیکن پہلے عباسی خلیفہ سفاح نے اسے آل فاطمہؓ کے حوالہ کر دیا۔ خلیفہ منصور نے نفس الزکیہ اور ابراہیم کی بغاوت کے بعد اسے پھر ضبط کر لیا۔ لیکن مہدی نے آل فاطمہؓ کو واپس کر دیا۔ ہادی کے عہد میں جب علویوں نے پھر بغاوت کی تو اس نے سزا کے طور پر فدک ان سے چھین لیا۔ خلیفہ مامون رشید نے ۸۲۶ھ میں علاقہ فدک کو آل فاطمہؓ کی درخواست پر دوبارہ ان کے سپرد کر دیا۔ اور اس کے جواز میں بہت سے دلائل بھی اپنے حکمنامہ میں درج کئے جو اس نے مدینہ کے عامل کو ارسال کیا۔ لیکن مامون کے تیسرے جانشین متوکل نے علماء کے اصرار پر پھر اس حکم نامہ کو الٹ دیا۔ اور فدک کی آمدنی کا مصرف وہی قرار دیا جو حضرت ابوبکرؓ صدیق رضی اللہ

عنہ کے عہد میں تھا۔ بہر حال مشہور مؤرخ مسعودی اور ابن الاثیر کا بیان ہے کہ متوکل کے بیٹے مستنصر نے فدک کو بالآخر علویوں کے حوالے کر دیا"۔

(ڈاکٹر حمید الدین، تاریخ اسلام، فیروز سنز لمیٹڈ، چھٹا ایڈیشن ۱۹۸۷ء، ص ۲۴۷)۔

اس تمہید نیز تعارف باب کے بعد اب "امام باقر تا شیخ مفید" یزید و کربلا و ائمہ شیعہ کے حوالے سے ضروری معلومات بالترتیب ملاحظہ ہوں :-

---

۱- امام محمد الباقر الھاشمی القرشیؒ

(م ۱۱۲ھ' مدینہ)

سیدنا علی زین العابدینؒ کے فرزند محمد الباقرؒ (۵۷-۱۱۲ھ) شیعہ زیدیہ کے پانچویں امام 'زیدؒ بن علی زین العابدینؒ کے بھائی اور شیعہ اسماعیلیہ و اثنا عشریہ کے پانچویں امام ہیں- نیز سیدنا ابو بکر صدیقؓ کے پوتے سیدنا قاسم بن محمد بن ابی بکرؓ و سیدہ اسماء بنت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کے داماد اور سیدنا جعفر الصادقؒ کے والد ہیں- آپ نے ۱۱۲ھ میں مدینہ میں وفات پائی- (سید امیر علی' سپرٹ آف اسلام' اردو ترجمہ بعنوان 'روح اسلام از محمد حادی حسین' ص ۵۱۲' دھلی اسلامک بک سنٹر)- (بروایت دیگرے ذوالحجہ ۱۱۴ھ- اردو دائرہ معارف اسلامیہ' جامعہ پنجاب' ج ۱' ص ۹۹۹' ۱۹۶۴ء' مقالہ "اثنا عشریہ" - والمفید' الارشاد' ج ۲' ص ۱۵۶)-

آپ نے واقعہ کربلا کے حوالہ سے جو تفصیلی روایت بلا مبالغہ بیان فرمائی اور جو مستند کتب تاریخ میں موجود ہے اس کا ترجمہ درج ذیل ہے :-

کربلا کی کہانی ابو جعفر محمد باقرؒ کی زبانی

روایت کے راوی عمار دہنی نے کہا کہ میں نے محمد بن علی بن الحسینؓ سے عرض کیا کہ آپ مجھ سے واقعہ قتل حسینؓ ایسے انداز میں بیان فرمائیں کہ گویا میں خود وہاں موجود تھا اور یہ سامنے ہو رہا ہے- اس پر حضرت محمد باقرؒ نے فرمایا :-

"امیر معاویہؓ کے انتقال کے وقت ولید بن عتبہ بن ابی سفیانؓ حضرت معاویہؓ کا بھتیجا یزید کا چچیرا بھائی مدینہ منورہ کا گورنر تھا- ولید نے حسب دستور حضرت حسینؓ کو پیغام بھیجا تاکہ ان سے نئے امیر 'یزید کے لئے بیعت لیں- حضرت حسینؓ نے جواب میں فرمایا کہ سر دست آپ سوچنے کی مہلت دیں اور اس بارے میں نرمی اختیار کریں- ولید

نے ان کو مہلت دے دی- حضرت حسینؓ مہلت پا کر مکہ معظمہ تشریف لے گئے-

دریں اثناء جب کوفہ والوں کو اس کا پتہ چلا کہ حضرتؓ تو مکہ شریف پہنچ گئے ہیں تو انہوں نے اپنے قاصد حضرت امام حسینؓ کی خدمت میں روانہ کئے اور ان سے درخواست کی کہ آپ کوفہ تشریف لے آئیں' ہم اب آپ ہی کے ہو گئے ہیں- ہم لوگ یزید کی بیعت سے منحرف ہیں- ہم نے گورنر کوفہ کے پیچھے جمعہ پڑھنا بھی چھوڑ دیا ہے- اس وقت نعمان بن بشیر انصاریؓ' یزید کی طرف سے کوفہ کے گورنر تھے- جب اہل کوفہ کی طرف سے اس قسم کی درخواستیں آئیں' تو حضرت حسینؓ نے اپنے چچیرے بھائی مسلم بن عقیلؓ کو کوفہ بھیجنے کا پروگرام بنایا- تاکہ وہ کوفہ جائیں اور وہاں جا کر صورت حال کا جائزہ لیں- اگر اہل کوفہ کے بیانات صحیح ہوئے تو خود بھی کوفہ پہنچ جائیں گے-

حضرت مسلم کی کوفہ روانگی

قرارداد کے مطابق حضرت مسلم مکہ شریف سے مدینہ منورہ پہنچے- وہاں سے راستہ کی رہنمائی کے لئے دو آدمی ساتھ لئے اور کوفہ کی طرف روانہ ہو گئے- جس راستہ سے وہ لے گئے' اس میں ایک ایسا لق و دق میدان آگیا جس میں پانی نہ ملنے کے سبب پیاس سے سخت دوچار ہو گئے- چنانچہ اسی جگہ ایک رہنما انتقال کر گیا- اس صورت حال کے پیش نظر حضرت مسلم نے حضرت حسینؓ کو ایک خط لکھ کر کوفہ جانے سے معذرت چاہی- لیکن حضرت ممدوحؓ نے معذرت قبول کرنے سے انکار کر دیا اور لکھا کہ آپ ضرور کوفہ جائیں- بنابریں حضرت مسلم کوفہ کی طرف چل دیئے- وہاں پہنچ کر ایک شخص عوسجہ نامی کے گھر قیام فرمایا- جب اہل کوفہ میں حضرت مسلم کی تشریف آوری کا چرچا ہوا تو وہ خفیہ طور پر انکے ہاں آئے اور ان کے ہاتھ پر حضرت حسینؓ کے لئے بیعت کرنے لگے- چنانچہ بارہ ہزار اشخاص نے بیعت کر لی-

دریں اثنا یزید کے ایک کارندہ عبداللہ بن مسلم بن شعبہ حضرمی کو اس کا پتہ چلا تو اس نے ساری کاروائی کی اطلاع نعمان بن بشیر گورنر کوفہ کو دے دی- اور ساتھ ہی کہا- یا تو آپ واقعتہً کمزور ہیں یا کوفہ والوں نے آپ کو کمزور سمجھ رکھا ہے- دیکھتے نہیں

کہ شہر کی صورتحال مخدوش ہو رہی ہے؟اس پر حضرت نعمانؓ نے فرمایا کہ میری ایسی کمزوری جو بربنائے اطاعت الٰہی ہو وہ مجھے اس قوت و طاقت سے زیادہ پسند ہے جو اس کی معصیت میں ہو- مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ جس امر پر اللہ تعالے نے پردہ ڈالے رکھا ہے خواہ مخواہ اس پردہ کو فاش کروں-اس پر عبداللہ مذکور نے یہ سارا ماجرا یزید کو لکھ کر بھیج دیا-

یزید نے اپنے ایک آزاد کردہ غلام سرحون نامی سے اس بارے میں مشورہ لیا- اس نے کہا:- اگر آپ کے والد زندہ ہوتے اور آپ کو کوئی مشورہ دیتے تو اسے قبول کرتے؟ یزید نے کہا: ضرور- سرحون نے کہا: تو پھر میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ کوفہ کی گورنری عبیداللہ بن زیاد کے سپرد کریں-ادھر صورت حال ایسی تھی کہ ان دنوں یزید، عبیداللہ مذکور پر ناراض تھا-اور بصرہ کی گورنری سے بھی اسے معزول کرنا چاہتا تھا- مگر سرحون کے مشورے پر اس نے اظہار پسندیدگی کرتے ہوئے بصرہ کے ساتھ کوفہ کی گورنری پر بھی عبیداللہ بن زیاد کو نامزد کر دیا- اور لکھ دیا کہ کوفہ پہنچ کر مسلم بن عقیل کی تلاش کرو- اگر مل جائے تو اس کو قتل کر دو-

ابن زیاد کوفہ میں اور افشائے راز

اس حکم کی بنا پر عبیداللہ بصرہ کے چند سر کردہ لوگوں کے ہمراہ اس حالت میں کوفہ پہنچا کہ اس نے ڈھاٹا باندھ رکھا تھا تاکہ اسے کوئی پہچان نہ سکے- وہ اہل کوفہ کی جس مجلس سے گزرتا، اس پر سلام کرتا اور وہ حضرت حسینؓ سمجھ کر "وعلیک السلام یاابن رسول اللہ!" (اے رسول اللہ کے بیٹے! آپ پر بھی سلام) سے جواب دیتے- اسی طرح سلام کہتا اور جواب لیتا ہوا وہ قصر امارت میں پہنچ گیا- وہاں پہنچ کر اس نے ایک غلام کو تین ہزار درہم دیئے اور کہا کہ تم جا کر اس شخص کا پتہ لگاؤ جو کوفہ والوں سے بیعت لیتا ہے-لیکن دیکھو تم خود کو "حمص" کا باشندہ ظاہر کرنا اور یہ کہنا کہ میں بیعت کرنے کے لئے آیا ہوں اور یہ رقم بھی پیش کرنا چاہتا ہوں، تاکہ اپنے مشن کی تکمیل میں اس کو صرف کریں- چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا-اور بہ لطائف الحیل اس شخص تک اس کی رسائی

ہو گئی جو بیعت لینے کا اہتمام کرتا تھا۔ اور اس نے اپنے آنے اور امدادی رقم پیش کرنے کی سب بات کہہ ڈالی۔ اس نے کہا کہ مجھے یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ تمہیں ہدایت کا راستہ نصیب ہوا۔ لیکن یہ محسوس کر کے دکھ بھی ہو رہا ہے کہ ہماری اسکیم ابھی پختہ نہیں ہوئی۔ تاہم وہ اس غلام کو حضرت مسلم بن عقیلؓ کے ہاں لے گیا۔ حضرت مسلم نے اس سے بیعت بھی لے لی اور رقم بھی اس سے قبول کر لی۔ اب وہ یہاں سے نکلا اور عبیداللہ بن زیاد کے پاس سیدھا پہنچا اور سب کچھ اس کو بتلا دیا۔ ادھر حضرت مسلم، عبیداللہ کی کوفہ میں آمد کے بعد عوسجہ کا گھر چھوڑ کر ہانی بن عروہ مرادی کے مکان میں فروکش تھے۔ اور حضرت حسینؓ کی خدمت میں لکھ بھیجا کہ بارہ ہزار کی تعداد میں ہماری لوگوں نے بیعت کر لی ہے، آپ کوفہ تشریف لے آئیں۔

اور یہاں یہ ہوا کہ جب عبیداللہ کو پتہ چل گیا کہ مسلم، ہانی کے مکان پر ہیں تو اس نے کوفہ کے سر کردہ لوگوں سے کہا کہ کیا بات ہے ہانی میرے پاس نہیں آئے؟ اس پر حاضرین میں سے ایک شخص محمد بن اشعث چند ہمراہیوں کے ساتھ ہانی کے ہاں گئے تو وہ اپنے دروازے پر موجود تھے۔ ابن اشعث نے کہا کہ گورنر صاحب آپ کو یاد فرماتے ہیں اور آپ کے اب تک نہ حاضر ہونے کو بہت محسوس کرتے ہیں۔ لہذا آپ کو چلنا چاہیے۔ چنانچہ ان کے زور دینے پر ہانی ان کے ساتھ ہو لئے اور وہ عبیداللہ کے پاس پہنچے۔ اور اتفاق سے اس وقت قاضی شریح ابن زیاد کے پاس موجود تھے۔ ان سے مخاطب ہو کر اس نے کہا: دیکھو اس ہانی کی چال کھوٹ کی مظہر ہے۔ پھر اتنے میں وہ اس کے پاس آ گیا تو کہا: ہانی! مسلم بن عقیل کہاں ہیں؟ اس نے کہا: مجھے علم نہیں۔ اس پر عبیداللہ نے تین ہزار روپے والے غلام کو اس کے سامنے کر دیا۔ ہانی بالکل لاجواب ہو گئے۔ البتہ اتنا کہا کہ میں نے انہیں اپنے گھر بلایا نہیں بلکہ وہ خود میرے گھر آ کر ٹھہر گئے ہیں۔ ابن زیاد نے کہا: اچھا ان کو حاضر کرو۔ اس نے اس پر پس و پیش کیا تو ابن زیاد نے ان کو اپنے قریب منگا کر اس زور سے چھڑی ماری جس سے ان کی بھویں پھٹ گئیں۔ اس پر ہانی نے اس کے ایک محافظ سپاہی سے تلوار چھین کر عبیداللہ پر وار کرنا چاہا لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکا۔ اس پر ابن زیاد نے یہ کہہ کر کہ اب تمہارا خون حلال ہے، قصر امارت کے ایک حصے میں اس کو

قید میں ڈال دیا۔

اس واقعہ کی اطلاع ہانی کے قبیلہ مذحج کو ہوئی تو اس نے قصر امارت پر یلغار بول دی۔ عبیداللہ نے شور سنا اور پوچھا تو کہا: کیا ہانی کا قبیلہ ان کو چھڑانے کے لئے چڑھ آیا ہے۔ اس نے قاضی شریح کے ذریعے ان کو کہلایا کہ ہانی کو مسلم بن عقیل کا پتہ کرنے اور بعض باتوں کی تحقیق کے لئے روک لیا گیا ہے' خطرے کی کوئی بات نہیں۔ لیکن ساتھ ہی قاضی شریح پر بھی ایک غلام کو لگا دیا' یہ معلوم کرنے کے لئے کہ وہ لوگوں سے کیا کہتے ہیں؟ قاضی شریح لوگوں کی طرف جاتے ہوئے ہانی کے پاس سے گزرے تو اس نے قاضی صاحب سے کہا کہ میرے بارے میں اللہ سے ڈرنا' ابن زیاد میرے قتل کے در پے ہے۔ تاہم قاضی شریح نے ہجوم کو ابن زیاد والی بات کہہ کر مطمئن کر دیا۔ اور لوگ بھی یہ سمجھ کر مطمئن ہو گئے کہ ہانی کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔

حضرت مسلم کو جب ہنگامہ کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے اپنے ذرائع ابلاغ سے کوفہ میں اعلان کرا دیا۔ جس کے نتیجہ میں چالیس ہزار لوگ ان کے پاس جمع ہو گئے۔ جن کو باقاعدہ انہوں نے ایک فوجی دستہ کی شکل دے دی جس کا مقدمتہ الجیش' میمنہ اور میسرہ وغیرہ سبھی کچھ تھا۔ خود حضرت مسلم بن عقیل اس کے قلب میں ہو گئے۔ اس طرح چالیس ہزار کا یہ لشکر جرار قصر امارات کی طرف روانہ ہو گیا۔ عبیداللہ کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے اہالیان کوفہ کو اپنے قصر میں بلایا۔ جب یہ لشکر قصر امارت تک پہنچ گیا تو سرداران کوفہ نے اپنے اپنے قبیلے کو دیواروں کے اوپر سے گفتگو کر کے سمجھانا شروع کیا۔ اب تو مسلم کی فوج کے آدمی کھسکنے شروع ہوئے اور ہوتے ہوتے شام تک صرف پانچ سو رہ گئے۔ حتیٰ کہ رات کے اندھیرے تک وہ بھی چل دیئے۔ جب حضرت مسلم نے دیکھا کہ وہ تنہا رہ گئے ہیں' تو وہ بھی وہاں سے چل پڑے۔ راستہ میں ایک مکان کے دروازہ پر پہنچے تو ایک خاتون اندر سے آپ کی طرف نکلی۔ آپ نے اس کو پانی پلانے کے لئے کہا تو اس نے پانی تو پلا دیا لیکن اندر واپس چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد پھر باہر آئی تو آپ کے دروازے پر دیکھ کر اس نے کہا: اے اللہ کے بندے! آپ کا اس طرح بیٹھنا مشکوک ہے' یہاں سے چلے جائیں۔ آپ نے کہا: میں مسلم بن عقیل ہوں' کیا تم مجھے پناہ دو گی؟

اس نے کہا: ہاں آجایئے- آپ اندر چلے گئے- لیکن کرنا خدا کا یہ ہوا کہ اس عورت کے لڑکے نے محمد بن اشعث مذکور کو اطلاع دے دی- جس نے فوراً عبیداللہ تک خبر پہنچائی- جس نے اس کے ہمراہ پولیس کو روانہ کر دیا اور ان کو مسلم کی گرفتاری کا حکم دے دیا- پولیس نے جا کر مکان کا محاصرہ کر لیا جب کہ مسلم کو خبر تک نہ ہو سکی تھی- اب خود کو انہوں نے محصور پایا تو تلوار سونت کر نکل آئے اور پولیس کے مقابلہ کی ٹھان لی- لیکن ابن اشعث نے ان کو روک کر کہا کہ میں ذمہ دار ہوں' آپ محفوظ رہیں گے- پس وہ حضرت مسلم کو ابن زیاد کے پاس پکڑ کر لے گئے- چنانچہ ابن زیاد کے حکم سے انہیں قصر امارت کی چھت پر لے جا کر قتل کر دیا گیا- (انا للہ وانا الیہ راجعون)- اور ان کی لاش بازار میں لوگوں کے سامنے پھینک دی گئی- نیز ان کے حکم سے ہانی کو کوڑے کر کٹ کی جگہ تک گھسیٹتے ہوئے لے جا کر سولی دے دی گئی-

ادھر تو کوفہ میں یہ تک ہو گیا تھا اور ——————————

حضرت حسینؓ کی کوفہ روانگی

ادھر حضرت مسلم چونکہ خط لکھ چکے تھے کہ بارہ ہزار اہل کوفہ نے بیعت کر لی ہے' حضرت حسینؓ جلد از جلد تشریف لے آئیں' حضرت حسینؓ مکہ شریف سے کوفہ کی طرف روانہ ہو گئے- تاآنکہ آپ قادسیہ سے تین میل کے فاصلہ پر تھے کہ حر بن یزید تمیمی حضرت حسینؓ کے قافلہ کو ملا- اس نے کہا: کہاں تشریف لے جا رہے ہو؟ تو آپ نے فرمایا: کوفہ- اس نے کہا کہ وہاں تو کسی خیر کی توقع نہیں- آپ کو یہاں سے ہی واپس ہو جانا چاہئے- پھر کوفیوں کی بے وفائی اور حضرت مسلم کے قتل کی پوری روداد آپ کو سنائی-

سارا قصہ سن کر حضرت حسینؓ نے تو واپسی کا ارادہ کر لیا لیکن مسلم کے بھائیوں نے یہ کہہ کر واپس جانے سے انکار کر دیا کہ ہم مسلم کا بدلہ لیں گے یا خود مارے جائیں گے- اس پر حضرت حسینؓ نے فرمایا: تمہارے بغیر میں جی کر کیا کروں گا- اب وہ سب کوفہ کی طرف روانہ ہوئے- جب آپ کو ابن زیاد کی فوج کا ہراول دستہ نظر آیا تو آپ نے "کربلا" کا رخ کر لیا- اور وہاں جا کر ایسی جگہ پڑاؤ ڈالا جہاں ایک ہی طرف سے

جنگ کی جا سکتی تھی- چنانچہ خیمے نصب کر لئے- اس وقت آپ کے ساتھ پینتالیس (۴۵) سوار اور سو (۱۰۰) کے قریب پیدل تھے-

دریں اثنا عبیداللہ نے عمرو بن سعد کو جو کوفے کا گورنر تھا' بلایا اور اس سے کہا کہ اس شخص کے معاملے میں میری مدد کریں- اس نے کہا: مجھے تو معاف ہی رکھئے- ابن زیاد نہ مانا- اس پر عمر بن سعد نے کہا: پھر ایک شب سوچنے کی مہلت تو دے دیجئے- اس نے کہا: ٹھیک ہے سوچ لو- ابن سعد نے رات بھر سوچنے کے بعد آمادگی کی اطلاع دے دی-

اب عمر بن سعد حضرت حسینؓ کی خدمت میں حاضر ہوا- حضرت نے اس کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ دیکھو تین باتوں میں سے ایک بات منظور کر لو:-

۱- یا مجھے کسی اسلامی سرحد پر چلے جانے دو-

۲- یا مجھے موقعہ دو کہ میں براہ راست یزید کے پاس پہنچ جاؤں-

۳- اور یا پھر یہ کہ جہاں سے آیا ہوں وہیں واپس چلا جاؤں-

ابن سعد نے یہ تجویز خود منظور کر کے ابن زیاد کو بھیج دی- اس نے لکھا:- ہمیں یہ منظور نہیں ہے- (بس ایک ہی بات ہے کہ) حسینؓ (یزید کیلئے) میری بیعت کریں- ابن سعد نے یہی بات حضرت حسینؓ تک پہنچا دی- انہوں نے فرمایا ایسا نہیں ہو سکتا- اس پر آپس میں لڑائی چھڑ گئی اور حضرت کے سب ساتھی (مظلومانہ) شہید ہو گئے جن میں دس سے کچھ اوپر نوجوان ان کے گھر کے تھے- اسی اثنا میں ایک تیر آیا جو حضرت کے ایک چھوٹے بچے کو لگا جو گود میں تھا- آپ اس سے خون پونچھ رہے تھے اور فرما رہے تھے:-

"اے اللہ! ہمارے اور ایسے لوگوں کے بارے میں فیصلہ فرما جنہوں نے پہلے یہ لکھ کر ہمیں بلایا ہے کہ ہم آپ کی مدد کریں گے- پھر اب وہی ہمیں قتل کر رہے ہیں-"

اس کے بعد خود تلوار ہاتھ میں لی' مردانہ وار مقابلہ کیا اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے- رضی اللہ عنہ- اور یہ شخص جس کے ہاتھ سے حسینؓ شہید ہوئے قبیلہ مذحج کا آدمی تھا'- اگرچہ اس بارے میں دوسرے اقوال بھی تاریخوں میں مذکور ہیں-

مذحج ہانی کا وہی قبیلہ تھا' جس نے قصر امارت پر چڑھائی کر دی تھی- یہ شخص

حضرت کا سر تن سے جدا کر کے ابن زیاد کے پاس لے گیا- اس نے اس شخص کو آپ کا سر مبارک دے کر یزید کے پاس بھیج دیا- جہاں جا کر یزید کے سامنے رکھ دیا گیا-

ادھر ابن سعد بھی حضرت کے گھر دار کو لے کر ابن زیاد کے پاس پہنچ گیا- اور ان کا صرف ایک لڑکا بچارہ گیا تھا- اور وہ بچہ علی بن الحسین زین العابدین تھے- اور روایت کے راوی ابو جعفرؒ الباقر کے والد تھے- یہ عورتوں کے ساتھ اور بیمار تھے- ابن زیاد نے حکم دیا :- اس بچے کو بھی قتل کر دیا جائے- اس پر ان کی پھوپھی زینب بنت علیؓ اس کے اوپر گر پڑیں اور فرمایا کہ جب تک میں قتل نہ ہو جاؤں گی' اس بچے کو قتل نہ ہونے دوں گی- اس صورت حال کے نتیجے میں ابن زیاد نے اپنا یہ حکم واپس لے لیا- اور بعد میں اسیران جنگ کو یزید کے پاس بھیج دیا-

جب حضرت حسینؓ کے بچے کھچے یہ افراد خانہ یزید کے دربار میں پہنچے تو چند درباریوں نے حسب دستور یزید کو تہنیت فتح پیش کی- ان میں سے ایک شخص نے یہاں تک جسارت کر ڈالی کہ ایک لڑکی کی طرف اشارہ کر کے کہا : امیر المومنین! یہ مجھے دے دیجئے-" یہ سن کر حضرت زینب بنت علیؓ نے کہا : خدا! یہ نہیں ہو سکتا' بجز اس صورت کے کہ یزید دین الٰہی سے نکل جائے- پھر اس شخص نے دوبارہ کہا تو یزید نے اسے ڈانٹ دیا-

اس کے بعد یزید نے ان سب کو محل سرا میں بھیج دیا- پھر ان کو تیار کرا کے مدینہ روانہ کر دیا- جب یہ لوگ مدینہ پہنچے تو خاندان عبدالمطلب کی ایک عورت سر پیٹتی اور روتی ہوئی ان سے ملنے کے لئے آئی- اور اس کی زبان پر یہ اشعار تھے :-

"ماذا تقولون إن قال النبي لكم
ماذا فعلتم و أنتم أخر الأمم
بعترتي و بأهلي بعد مفتقدى
منهم أساري و قتلى ضرجوا بدم
ما كان هذا جزائي اذ نصحت لكم
ان تخلفوني بشر في ذوي رحمي"-

(تم کیا جواب دو گے اگر نبی نے تم سے پوچھا کہ میری وفات کے بعد تم نے آخری امت ہوتے ہوئے میرے خاندان اور اہل خانہ کے ساتھ یہ کیسا سلوک کیا ہے کہ ان میں سے کچھ گرفتار شدہ ہیں اور کچھ خون آلود مقتولین۔ جب میں نے تمہارے ساتھ خیر خواہی کی ہے تو میری یہ جزا تو نہ تھی کہ تم میرے بعد میرے رشتہ داروں کے معاملے میں ایسا برا سلوک کرتے)۔

(اس روایت کو حافظ ابن حجر العسقلانی نے "تہذیب التہذیب" میں نقل کیا ہے"۔

اردو ترجمہ بلا ترجمہ اشعار از مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی، ماخوذ از ہفت روزہ "الاسلام" لاہور۔ و مشمولہ "سانحہ کربلا" از ڈاکٹر اسرار احمد، ص ۴۱-۴۸، مطبوعہ مئی ۱۹۹۳ء، ناشر مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور۔ نیز مذکورہ تفصیلات و دیگر شیعی روایات کے لئے ملاحظہ ہو:۔ شیخ مفید، کتاب الارشاد، ج ۲، ص ۲۴-۱۳۷ بعد، الباب الثالث، ذکر الامام بعد الحسن بن علی، مطبوعہ انتشارات علمیہ اسلامیہ، ایران، ۱۳۸۷ھ)۔

واقعہ کربلا کی مذکورہ تفصیلات پر مبنی روایت کے علاوہ سیدنا محمد الباقرؒ نے واقعہ حرہ (اواخر ۶۳ھ میں اہل مدینہ کے ایک طبقہ کی یزید کے خلاف بغاوت) کے بارے میں بھی بیان فرمایا ہے کہ خاندان بنو ہاشم، بنو عبدالمطلب و آل ابی طالب میں سے کسی ایک نے بھی یزید کے خلاف بغاوت میں حصہ نہیں لیا تھا:۔

"سأل يحيى بن شبل أبا جعفر عن يوم الحرة: هل خرج فيه أحد من أهل بيتك؟ فقال: ما خرج فيها أحد من آل ابى طالب و لا خرج فيها أحد من بني عبدالمطلب، لزموا بيوتهم—

فلما قدم مسرف (أعني معلم بن عقبة) وقتل الناس، وسار الى العقيق، سأل عن على ابن الحسين أحاضر هو؟ فقيل له: نعم— فقال: مالى لا أراه؟ فبلغ أبي ذلك. فجاءه ومعه أبوهاشم و عبدالله إبنا محمد بن على (ابن الحنفية) — فلما رأى أبي رحب به و أوسع له على

سريره – ثم قال: كيف حالك بعدى؟ قال : انى أحمد الله إليك – فقال مسرف : إن أميرالمؤمنين أوصانى بك خيراً – فقال أبى: وصل الله أميرالمئومنين–

(ابن سعد' الطبقات الكبرى' ص ٤١٥' ذكر على بن الحسين' والإمامة والسياسة المنسوبة إلى ابن قتيبة' ج ١' ص ٢٣٠)–

ترجمہ :- یحییٰ بن شبل نے ابو جعفر سے یوم حرہ (اہل مدینہ کے ایک طبقہ کی یزید کے خلاف بغاوت) کے متعلق دریافت کیا کہ کیا ان کے اہل بیت میں سے کوئی (لشکر یزید کے خلاف) لڑنے کے لئے نکلا تھا؟ تو آپ نے فرمایا کہ نہ خاندان عبدالمطلب میں سے کوئی نکلا اور نہ آل ابی طالب میں سے کوئی فرد نکلا- سب اپنے اپنے گھروں میں بیٹھے رہے-

پس جب مسرف (میری مراد ہے مسلم بن عقبہ) آئے- اور قتال کے بعد وادی عقیق میں ٹھہرے تو انہوں نے میرے والد علی بن حسین کے بارے میں دریافت کیا کہ کیا وہ (مدینہ میں) موجود ہیں- تو انہیں بتایا گیا کہ ہاں موجود ہیں- وہ کہنے لگے کہ کیا وجہ ہے کہ میری ان سے ملاقات نہیں ہو پائی-

ان کے دریافت کرنے کی خبر جب میرے والد کو پہنچی تو وہ ان کے پاس آئے جبکہ ان کے ہمراہ محمد بن علی (ابن الحنفیہ) کے دو بیٹے ابو ہاشم و عبداللہ بھی تھے- مسلم نے جب میرے والد کو دیکھا تو خوش آمدید کہا- اور اپنے برابر چارپائی پر جگہ دی- پھر میرے والد سے پوچھا کہ میرے بعد آپ کیسے رہے؟ انہوں نے اللہ کی حمد و شکر ادا کیا- تو مسلم کہنے لگے کہ امیر المومنین (یزید) نے مجھے آپ کے ساتھ حسن سلوک کی تلقین فرمائی ہے- اس پر میرے والد (علی زین العابدین) نے فرمایا :-

وصل الله امير المؤمنين– اللہ امیر المؤمنین پر رحمت فرمائے-

اس روایت میں یہ بات قابل توجہ ہے کہ مسلم بن عقبہؓ جو عمر رسیدہ صحابی رسولؐ اور واقعہ حرہ میں امیر لشکر یزید تھے' ان کا نام بگاڑ کر مسرف (اسراف کرنے والا) بیان کیا گیا ہے- اور پھر فوراً ہی وضاحت کر دی گئی ہے کہ :-(میری مراد ہے مسلم بن

عقبہ) یہ بظاہر سیدنا محمد الباقر سے روایت کرنے والے کسی راوی کی کارستانی ہے۔ کیونکہ اپنے والد علی زین العابدینؒ سے غیر صحابی خلیفہ 'یزید کے حق میں کلمہ خیر نقل کرنے والے تابعی محمد الباقرؒ 'مقام صحابہؓ کے حوالہ سے نصوص قرآن اور "ولا تنابزوا بالألقاب" جیسے احکام قرآن کا علم رکھتے ہوئے توہین اسم صحابیؓ کے مرتکب کیونکر ہو سکتے ہیں؟ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

۲- امام زید بن حسنؓ

(م' بین ۱۱۰-۱۲۰ھ 'حاجز)

امام حسنؓ کے فرزند اکبر اور علی زین العابدینؒ کے چچا زاد زید بن حسنؓ ' اہل بیت علیؓ میں ایک جلیل القدر ' عظیم المرتبت اور طویل العمر شخصیت تھے- آپ واقعہ کربلا (۶۱ھ) اور خلافت یزید (۶۰-۶۴ھ) کے دوران میں عاقل و بالغ تھے- اور بعد ازاں آپ کی صاحبزادی سیدہ نفیسہ اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک (۸۶-۹۶ھ) کی زوجہ تھیں- جن کے بطن سے ولید کے ہاں اولاد بھی ہوئی :-

"وأما زيد بن الحسن عليه السلام فكان يلي صدقات رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم' وأسن - وكان جليل القدر' كريم الطبع' ظريف النفس' كثير البر- و مدحه الشعراء وقصده الناس من الآفاق لطلب فضله"-

(المفيد' الإرشاد ج '۲' ص ۱٦ - ۱۷ ' انتشارات علميه اسلاميه ' ايران' ۱۳۸۷ھ)-

ترجمہ :- زید بن حسن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقات کے والی اور عمر رسیدہ تھے- وہ جلیل القدر 'کریم الطبع' شریف النفس اور بکثرت نیکی کرنے والے تھے- شاعروں نے ان کی مدح کی ہے اور لوگ دور دراز سے ان کے پاس علم و فضل حاصل کرنے آتے تھے-

"وذكر اصحاب السيرة أن زيد بن الحسن كان يلي صدقات رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم- فلما ولي سليمان بن عبدالملك كتب إلى عامله بالمدينة:-

أما بعد: فاذا جاء ك كتابي هذا فاعزل زيداً عن صدقات رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم وادفعها إلى فلان بن فلان - رجل من

قومه— وأعنه على ما استعانك عليه— والسلام"—

(مفید' إرشاد' ج ۲' ص ۱۷)—

ترجمہ :- اصحاب سیرت نے ذکر کیا ہے کہ زید بن حسن' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقات کے والی تھے- جب سلیمان بن عبد الملک حکمران (خلیفہ) بنا تو اس نے مدینہ میں اپنے عامل کو لکھا :-

اَمّا بعد : جب میرا یہ خط تم تک پہنچے تو زید کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقات کے منصب سے معزول کر دینا اور ان کی قوم کے فلاں بن فلاں کو اس منصب پر فائز کر دینا- نیز وہ جس چیز میں تم سے مدد کا طالب ہو' اس کی مدد کرنا- والسلام-

"فلما استخلف عمر بن عبدالعزيز إذا كتاب قد جاء منه:—

أما بعد فان زيد بن الحسن شريف بني هاشم و ذوسنهم — فاذا جاء ك كتابي هذا فاردد عليه صدقات رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم وأعنه على ما استعانك عليه— والسلام".

(المفيد' الإرشاد' ج ۲' ص ۱۷)—

ترجمہ :- جب عمر بن عبدالعزیز کو خلافت دی گئی تو ان کی طرف سے یہ خط آیا :-

امابعد :- زید بن حسن بنوہاشم کے معزز اور سن رسیدہ لوگوں میں سے ہیں- پس جب میرا یہ خط تمہارے پاس پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقات کے منصب پر انہیں بحال کر دینا' اور وہ جس چیز میں تمہاری مدد طلب کریں' ان کی مدد کرنا- والسلام-

"ومات زيد بن الحسن وله تسعون سنة — فرثاه جماعة من الشعراء وذكروا مآثره و نكروا فضله" — (مفید' إرشاد' ج ۲' ص ۱۸)—

زید بن حسن نے نوے برس کی عمر میں وفات پائی- پس شعراء کی ایک جماعت نے ان کے مرثیے کہے اور ان کے عمدہ افعال وفضائل کا ذکر کیا-

شیعہ محدث و مجتہد شیخ مفید جو اولاد حسنؓ میں سلسلہ امامت کے موجود نہ ہونے کا اثنا عشری عقیدہ رکھتے ہیں' زید بن حسنؓ کے امام نہ ہونے کے حق میں یہ دلیل دیتے ہیں کہ شیعہ دو قسم کے ہوتے ہیں :۔ امامیہ اثنا عشریہ اور زیدیہ۔ چونکہ زید بن حسنؓ بنو امیہ سے تعاون کرتے تھے' تو ثابت ہوا کہ وہ تقیہ کرتے تھے۔ اور چونکہ زیدیہ ایسے تقیہ کے قائل نہیں' لہذا ثابت ہوا کہ زید بن حسنؓ امامی (اثنا عشری) تھے۔ حالانکہ شیخ مفید بخوبی جانتے ہیں کہ زید کے چچا محمد بن الحنفیہؒ تیسرے شیعہ فرقہ' کیسانیہ کے امام اور یزید و بنو امیہ کے بلا تقیہ بیعت کنندہ تھے۔ پس زید بن حسنؓ ان کے ہم مسلک قرار دیے جاسکتے ہیں۔ جبکہ ولید بن عبدالملک ان کا داماد بھی تھا۔ نیز اولاد حسنؓ میں سے ائمہ و مشائخ اہل سنت بھی بکثرت موجود ہیں۔ اور زید بن حسن ان میں بھی شمار ہوتے ہیں۔ لہذا انہیں "تقیہ باز امامی اثنا عشری" قرار دینا لازم و ثابت نہیں۔ بہر حال شیخ مفید کا بیان ملاحظہ ہو :۔

"وخرج زيد بن الحسن رحمة الله عليه من الدنيا ولم يدع الإمامة ولا إدعاها له مدع من الشيعة ولاغيرهم— وذلك أن الشيعة رجلان:— إمامى و زيدى — فالإمامى يعتمد فى الامامة على النصوص وهى معدومة فى ولد الحسن عليه السلام باتفاق منهم— ولم يدع ذلك أحد منهم لنفسه فيقع فيه إرتياب—

والزيدى يراعى فى الإمامة بعد على والحسن و الحسين عليه السلام الدعوة والجهاد — و زيد بن الحسن رحمة الله عليه كان مسالماً لبنى أمية ومتقلداً من قبلهم الأعمال — وكان رأيه التقية لأعدائه والتألف لهم والمداراة— وهذا يضاد عندالزيدية علامات الإمامة"—

(المفيد الإرشاد' ج ٢' ص ١٩)—

ترجمہ :- زید بن حسن رحمت اللہ علیہ دنیا سے اس حال میں رخصت ہوئے کہ نہ تو خود انہوں نے دعوی امامت کیا اور نہ ہی کسی شیعہ یا غیر شیعہ دعویدار نے ان کے امام ہونے کا دعوی کیا۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ شیعہ دو قسم کے ہوتے ہیں :- امامیہ اور زیدیہ۔

پس امامیہ امامت کے سلسلہ میں نصوص (قطعی احکام) پر اعتماد کرتے ہیں اور اس پر ان کا اتفاق ہے کہ یہ نصوص اولاد حسن علیہ السلام کے بارے میں موجود نہیں۔

جبکہ زیدیہ علی و حسن و حسین علیہ السلام کے بعد امامت کے سلسلہ میں (امام کی جانب سے) دعوی وجہاد کو پیش نظر رکھتے ہیں۔ مگر زید بن حسن رحمتہ اللہ علیہ بنی امیہ کے ساتھ صلح صفائی رکھنے والے اور ان کی جانب سے ذمہ داریاں قبول کرنے والے تھے۔ اس سلسلہ میں ان کی رائے دشمن کے ساتھ تقیہ و مدارات نیز ان کے ساتھ الفت و تعلق پر مبنی تھی' جبکہ یہ بات زیدیہ کے نزدیک علامات امامت کے برعکس ہے۔

ان امام زید بن حسنؓ کی ہمشیرہ سیدہ ام الحسنؓ بنت الحسنؓ سیدہ عائشہ ام لمومنینؓ کے بھانجے خلیفہ حجاز عبداللہ بن زبیر الاسدی القرشی کی زوجہ تھیں۔ جو نواسہ ابوبکرؓ تھے اور ان کے والد زبیر' نبیؐ و علیؓ کے چچازاد نیز سیدہ فاطمہؓ کے ماموں زاد تھے :۔

"أم الحسن که با زید از یکمادر بود' و بحباله نکاح عبدالله بن زبیر بن العوام درآمد — و بعد از قتل عبدالله ' زید او را برداشته وبمدینه آورد" — (عباس قمی منتهی الامال ' ج ۱ ' ص ۲٤٤)—

ترجمہ :- ام الحسن جو زید کے ساتھ ایک ہی ماں کے بطن سے تھیں' عبداللہ بن زبیرؓ بن عوام کے نکاح میں آئیں۔ اور عبداللہ (بن زبیرؓ) کے مقتول ہو جانے کے بعد (۷۳ھ' مکہ) زید ان کو لے کر مدینہ آگئے۔

زید و ام الحسن وام الحسین تینوں کی والدہ زوجہ حسنؓ ام بشیر خزرجیہ تھیں :-

"أولاد الحسن بن على عليه السلام خمسة عشر ولداً ذكراً وأنثى:—

زيد بن الحسن وأختاه : أم الحسن وأم الحسين' أمهم أم بشير بنت أبي مسعود عقبة عمرو بن ثعلبة الخزرجية"—

(المفيد' الإرشاد' ج ٢ ' الباب الثاني' ص ١٦ ' انتشارات علميه اسلاميه ايران' ١٣٨٧ھ)—

ترجمہ :- حسن بن علی علیہ السلام کے لڑکے اور لڑکیاں کل ملا کر پندرہ بچے تھے- جن میں زید بن حسن اور ان کی دو بہنوں ام الحسن وام الحسین کی والدہ ام بشیر بنت ابی مسعود عقبہ عمرو بن ثعلبہ خزرجیہ ہیں-

زید کے بارے میں کربلا میں موجودگی و عدم موجودگی ہر دو قسم کی روایات موجود ہیں :-

"مشہور آنست که زید در سفر عراق ملازمت رکاب عم خویش نداشت- وپس از شہادت امام حسین علیه السلام گاہی که عبدالله بن زبیر بن العوام دعوی دارخلافت گشت با او بیعت کرد و بنزد اوشتافت از بہرآنکه خواہرش ام الحسن بعبدالله زبیر شوہری کرد- وچوں عبدالله رابکشتند خواہر خود را برداشته از مکه بمدینه آورد-

وابوالفرج اصبہانی گفته که زید در کربلا ملازمت عم خود داشت- واوراباسایر اہل بیت اسیر کرده و بنزد یزید فرستادند - وپس از آں بااہلبیت بمدینه رفتند- إنتہی-

و شرح حال اولاد زید بعد ازیں ذکر خواہد شد - وصاحب "عمدة الطالب" گفته که زید صدسال و بقولی نود و پنجسال زندگی کرد و دربین مکه و مدینه در موضعی که حاجر نام دارد وفات کرد"- (وبقولی نود سال)-

(عباس قمی' منتہی الامال دراحوالات نبی والآل' ج ۱ ' ص ۲۴۲' سازمان انتشارات جاویدان' ایران ۱۳۸۸ھ)-

ترجمہ :- مشہور یہ ہے کہ زید سفر عراق میں اپنے چچا (حسین) کے ہمراہ نہیں تھے- اور امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد جب عبداللہ بن زبیر بن العوام خلافت کے دعویدار ہوئے تو آپ نے ان کی بیعت کرلی اور بعجلت ان کے نزدیک ہو گئے- کیونکہ ان کی بہن ام الحسن نے عبداللہ بن زبیرؓ سے شادی کر رکھی تھی- اور جب عبداللہ کو (لشکر حجاج نے) قتل کرڈالا تو آپ اپنی ہمشیرہ کو لیکر مکہ سے مدینہ آگئے-

جبکہ ابو الفرج اصفہانی نے بیان کیا ہے کہ زید کربلا میں اپنے چچا کے ہمراہ موجود تھے- اور انہیں تمام اہل بیت کے ہمراہ قیدی بنا کر یزید کے پاس بھیج دیا گیا تھا- جس کے بعد وہ اہل بیت کے ہمراہ مدینہ چلے گئے تھے- (بیان ختم ہوا)-

اور اولاد زید کی تفصیل کا تذکرہ اس کے بعد (آگے) آئے گا-

صاحب "عمدۃ الطالب" نے بیان کیا ہے کہ زید سو سال کی عمر تک' و بقول دیگر پچانوے سال (و بقول دیگر نوے سال) تک زندہ رہے- پھر مکہ و مدینہ کے درمیان "حاجر" نامی مقام پر وفات پائی-

زید بن حسنؓ کی زوجہ سیدنا حسینؓ کو شیعان کوفہ کے بھروسے پر خروج سے منع کرنے والے جناب عبداللہ بن عباسؓ کی بیٹی لبابہ تھیں- ان کی بیٹی نفیسہ خلیفہ ولید بن عبد الملک کی زوجہ تھیں :-

"بدانکه زوجه زید' لبابه دختر عبدالله بن عباس است- ولبابه از پیش زوجه ابوالفضل العباس بن علی بن ابیطالب علیه السلام بود- و چوں آنحضرت درکربلا شهید گشت' زید لبابه را تزویج نمود- وازوی دو فرزند آورد- اول حسن - دوم نفیسه - و نفیسه را ولید بن عبدالملك تزویج کرد - وازوی فرزند آورد - واز اینجا است که چوں زید بر ولید درآمد' او رابرسریر خویش جا ی داد وسی هزار دینار دفعة واحدة باو عطا کرد"-

(عباس قمی' منتهی الامال' ج ۱' ص ۲٤٤' ایران' ۱۳۸۸ھ)

ترجمہ :- جان لو کہ زید کی زوجہ لبابہ' عبداللہ بن عباس کی بیٹی ہیں- اور لبابہ پہلے ابو الفضل عباس بن علی بن ابیطالب علیہ السلام کی بیوی تھیں- جب آنجناب کربلا میں شہید ہو گئے تو زید نے لبابہ سے شادی کر لی- اور ان کے بطن سے دو بچے پیدا ہوئے :- پہلے حسن- اور دوسری مرتبہ نفیسہ-

نفیسہ سے (اموی خلیفہ) ولید بن عبد الملک نے شادی کی- اور ان کے بطن سے اس کے ہاں اولاد بھی ہوئی- اسی وجہ سے جب زید ولید کے پاس آتے تو وہ انہیں اپنے تخت پر

جگہ دیتا۔ اور انہیں ایک دفعہ اکٹھے تیس ہزار دینار عطا کیے۔

شیعی مؤرخ صاحب "عمدۃ الطالب" کے بیان کے مطابق بھی نفیسہ ولید بن عبدالملک الاموی القرشی کے ہاں تھیں :-

"وكان لزيد (بن حسن بن على) ابنة إسمها نفيسة خرجت إلى الوليد بن عبدالملك بن مروان فولدت له منه وماتت بمصر-

وقد قيل: إنها خرجت إلى عبدالملك بن مروان وانها ماتت حاملاً منه' والأصح الأول-

وكان زيد يفد على الوليد بن عبدالملك فيقعده ويكرمه لمكان ابنته - ووهب له ثلاثين ألف دينار دفعة واحدة"-

(عنبة' عمدة الطالب فى أنساب آل أبى طالب' ص ٤٤' المطبع الجعفرى' لكهنو' الطبع الاول)-

ترجمہ :- زید (بن حسن بن علی) کی ایک بیٹی نفیسہ نامی تھیں-جو ولید بن عبدالملک بن مروان کے پاس چلی گئیں اور اس سے ان کے ہاں اولاد بھی ہوئی-انہوں نے مصر میں وفات پائی-

اور یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ وہ عبدالملک بن مروان کے پاس گئی تھیں اور اس سے حاملہ ہو کر وفات پائی- مگر پہلا قول صحیح تر ہے-

زید' ولید بن عبدالملک کے پاس آتے تھے- وہ آپ کو آپ کی صاحبزادی کے مقام و مرتبہ کے حوالہ سے اپنے پاس بٹھاتا اور عزت افزائی کرتا-اور اس نے ایک ہی مرتبہ اکٹھے تیس ہزار دینار آپ کو عطا کر دیئے-

ان چند اشارات و اقتباسات سے امام زید بن حسنؓ کے یزید و کربلا و آل زبیرؓ و بنو امیہ کے بارے میں مثبت طرز فکر و عمل اور قرابت و روابط حسنہ کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے-اور سانحہ کربلا کی حقیقی نوعیت نیز یزید و کربلا و بنو امیہ کے حوالہ سے مبالغہ آمیز روایات و مبالغہ آرائیوں کی حقیقت کا ادراک بھی کماحقہ کیا جاسکتا ہے- وباللہ التوفیق-

---

۳-سیدہ فاطمہ بنت حسینؓ (م ۱۱۷ھ 'مدینہ)

۴-سیدہ سکینہ بنت حسینؓ (م ۱۱۷ھ 'مدینہ)

سیدہ زینبؓ و ام کلثومؓ کی طرح ان کی بھتیجی سیدہ فاطمہ بنت حسینؓ نے بھی دست مسلم بن عقیلؓ پر بیعت حسینؓ کرنے کے بعد غداری کرتے ہوئے بیعت ابن زیاد کرنے والے شیعان کوفہ کی مذمت فرمائی-اور انہیں قتل حسین وواقعہ کربلا کا ذمہ دار قرار دیا ہے-چنانچہ علامہ مجلسی سیدہ زینب کے بعد ان کا خطبہ نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

"بعد ازاں فاطمہ دختر حضرت سید الشہداء ایں خطبہ خواند :-

اے اہل کوفہ واہل مکر و غدر و تکبر و حیلہ! حق تعالی اہل بیت رسالت را بہ شما مبتلا گردانیدہ' وشمارا بما ممتحن ساختہ' وابتلائی ما را بر ما نعمت گردانیدہ' وعلم خود را بما دادہ' وفہم معارف را بما عطا کردہ- ماییم صندوق علم خدا و مخزن حکمت خدا وحجت خدا در زمین بر جمیع عباد وبلاد-گرامی داشتہ است ما را بکرامت خود' وتفضیل دادہ است ما را بر کت پیغمبر خود' بسیاری از مخلوقات بفضیلت بسیار ظاہر-پس شما تکذیب کردید ما را و ما را کافر شمردید' وقتال ما را حلال دانستید' واموال ما را غارت کردید' وما را اسیر کردید مانند اولاد ترک و دیلم' چنانچہ دیروز جد ما را کشتید' پیوستہ خون ما اہل بیت از دم شمشیر ہائے شما می چکد برائے کینہ ہای دیرینہ' ودلہای شما شاد شد-"

(باقر مجلسی' جلاء العیون' جلد دوم' ص ۵۹۴ تا ۵۹۵' خطبہ حضرت فاطمہ بنت حسین در کوفہ)-

ترجمہ :- اس کے بعد سیدہ فاطمہ دختر سید الشہداء نے خطبہ پڑھا :-

اما بعد! اے اہل کوفہ واہل غدر و مکر و تکبر و حیلہ! حق تعالی نے ہم اہل بیت کو تمہارے ہاتھوں ابتلاء میں ڈالا اور ہمارے ذریعے تمہارا امتحان لیا ہے-اور ہماری آزمائش کو ہمارے لئے نعمت بنایا ہے-اپنا علم ہم کو دیا اور فہم وادراک ہم کو عطا کیا ہے- ہم صندوق

علم خدا و مخزن حکمت خدا و حجت خدا در زمین بر جمیع بندگان بلاد ہیں- اس نے ہم کو اپنی کرامت سے بزرگ کیا ہے- اور ہم کو اپنے پیغمبر کی برکت سے تمام مخلوقات پر فضیلت بسیار دی ہے- تم نے ہماری تکذیب کی' ہمیں کافر سمجھا اور ہم سے لڑائی کرنا حلال جانا- ہمارے اموال لوٹے اور ہم کو مانند اسیران ترک و دیلم اسیر کیا- چنانچہ ماضی میں تم نے ہمارے جد بزرگوار (علیؑ) کو قتل کیا- اور کینہ ہائے دیرینہ کے سبب ہر وقت ہم اہل بیت کا خون تمہاری تلواروں سے ٹپکتا رہا- اور تمہارے دل شاد ہوتے رہے-

سیدہ فاطمہ بنت حسینؑ سیدنا حسن بن حسنؓ کی زوجہ تھیں- ان کا انتقال سن ۱۱۷ھ میں مدینہ منورہ میں ہوا- اور اسی سال ان کی بہن سیدہ سکینہ بنت حسینؑ کے بھی وفات پائی :-

"حضرت امام حسین علیہ السلام دختر خود فاطمہ را ب ابرواز زادہ خود حسن مثنی عقد بست- و فاطمہ از حسن مثنی' عبداللہ محض و ابراہیم غمر و حسن مثلث را آورد' و شرح حال ایشان مذکور رشد- و فاطمہ در تقوی و کمال و فضائل و جما نظیر و عدیلی نداشت' واو را حور العین می نامیدند- در سال یکصد و ہفدہم ہجری در مدینہ وفات یافت- و خواہرش جناب سکینہ ہم در آن سال در مدینہ برحمت ایزدی پیوست-

ونام حضرت سکینہ 'آمنہ یا امیمہ بود- مادرش رباب او را بہ سکینہ ملقب ساخت- وسکینہ لی لی زنہا و عقیلہ قریش بودہ باحصافت عقل واصابت رای- گویند: او افصح واعلم مردم بودہ بزبان عرب وعلم وشعر وفضل وادب- واز برای او قضایای کثیرہ است"-

ونقل شدہ کہ چوں آں مخدرہ وفات کرد' حرکت جنازہ اش تاخیر افتاد جہت آنکہ خالد بن عبدالملک (حاکم مدینہ) گفتہ بود : حرکت جنازہ را تا من بیایم- چوں دیر آمد سی دینار بہا" کافور دادند و بر بدن مبارکش نثار کردند-

وابو الفرج گفتہ کہ حرکت جنازہ از شب تا صباح تاخیر افتاد - و محمد بن عبداللہ نفس زکیہ چہار صد دینار عطاری را داد' وعطر وعود خرید و در پیرامون سریر سکینہ در مجمرہا بگزاشت وسوزنید"-

(عباس قمی' منتھی الامال' ج ا' ص ۴۶۴' ایران' سازمان چاپ وانتشارات جاویدان' ۱۳۸۸ھ)۔

ترجمہ:- حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنی بیٹی فاطمہ کا نکاح اپنے بھتیجے حسن مثنی سے کیا۔ حسن مثنی سے فاطمہ کے ہاں عبداللہ محض' ابراہیم غمر اور حسن مثلث (تین لڑکے) پیدا ہوئے۔ جن کے احوال کی تفصیل بیان کی جاچکی ہے۔

اور فاطمہ تقویٰ و فضائل نیز حسن و جمال و کمال میں بے نظیر و بے مثال تھیں۔ انہیں "حورالعین" کا نام دیا جاتا تھا۔ سال ایک سو سترہ ہجری میں مدینہ میں وفات پائی۔ جبکہ ان کی ہمشیرہ جناب سکینہ بھی اسی سال (۱۱۷ھ) مدینہ میں رحمت ایزدی سے جا ملیں۔

حضرت سکینہ کا نام آمنہ یا امیمہ تھا۔ ان کی والدہ رباب نے انہیں سکینہ کا لقب دیا۔ سکینہ بی بی پختگی عقل واصابت رائے کی حامل عقیلہ قریش اور خواتین کی مادر بزرگ تھیں۔ کہتے ہیں کہ وہ عربی زبان و شعر و ادب اور علم و فضل میں تمام لوگوں سے زیادہ فصیح و عالمہ تھیں۔ ان کے بہت سے واقعات و حوالہ جات معروف ہیں۔

اور نقل کیا گیا ہے کہ جب ان نیک بی بی نے وفات پائی تو ان کا جنازہ اٹھانے میں تاخیر ہوئی۔ کیونکہ خالد بن عبدالملک (گورنر مدینہ) نے کہا تھا کہ جب تک میں نہ پہنچ جاؤں جنازہ مت اٹھانا۔ چونکہ وہ دیر سے آیا' لہذا تیس دینار قیمت کا کافور لا کر ان کے بدن مبارک پر نچھاور کیا گیا۔ اور ابوالفرج نے بیان کیا ہے کہ ان کا جنازہ اٹھانے میں رات سے صبح تک تاخیر ہوئی۔ اور محمد بن عبداللہ نفس زکیہ نے عطر فروش کو چار سو دینار دیکر عطر وعود (خوشبو دار لکڑی) خریدے اور سکینہ کی چار پائی کے گرد انگیٹھیوں میں رکھ کر خوشبو جلائی۔

سیدہ فاطمہ بنت حسینؑ کے بطن سے حسن مثنیٰ کے ہاں تین لڑکے اور دو لڑکیاں پیدا ہوئیں:-

"ابو محمد حسن بن الحسن کہ اور را حسن مثنی گویند' وہ اولاد ذکور واناث برای

اوبشمار رفتہ :- (۱) عبداللہ (۲) ابراہیم (۳) حسن مثلث (۴) زینب (۵) ام کلثوم۔
وایں پنج تن از فاطمہ دختر امام حسین علیہ السلام متولد شدند"۔
(عباس قمی، منتہی الامال، ج ۱، ص ۲۵۱، ایران، سازمان انتشارات جاویدان، ۱۳۸۸ھ)۔
ترجمہ :- ابو محمد حسن بن حسن جنہیں حسن مثنی (دوہرا حسن) کہتے ہیں ان کے دس بچے شمار کئے گئے ہیں۔ جن میں سے پانچ بچے :- (۱) عبداللہ (۲) ابراہیم (۳) حسن مثلث (۴) زینب اور (۵) ام کلثوم، امام حسین علیہ السلام کی صاحبزادی فاطمہ کے بطن سے پیدا ہوئے۔

نواسی حسینؓ سیدہ زینب بنت فاطمہ بنت حسینؓ (دختر حسن مثنی) کی شادی واقعہ کربلا کے بعد اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان (۶۵-۸۶ھ) سے ہوئی :-
"وزینب را عبدالملک بن مروان کابین بست"۔
(عباس قمی، منتہی الامال، ج ۱، ص ۲۵۱، ایران، سازمان انتشارات جاویدان، ۱۳۸۸ھ)
ترجمہ :- زینب سے عبدالملک بن مروان نے شادی کی۔

سیدہ فاطمہ بنت حسینؓ کے لئے اصحاب عشرہ مبشرہ و نائب لشکر عائشہؓ در جنگ جمل طلحہؓ شہید کی نواسی اور سیدہ سکینہ بنت حسینؓ سیدہ رباب بنت امرؤ القیس کی صاحبزادی تھیں :-
" اما دختران : یکی سکینہ است کہ مادر او رباب دختر امرؤالقیس است - وایں رباب نیز مادر عبداللہ بن الحسین است۔
و دختر دیگر فاطمہ نام داشت و مادر او ام اسحاق دختر طلحہ بن عبیداللہ تیمیہ است"۔
(عباس قمی۔ منتہی الآمال، ج ۱، ص ۲۶۳، سازمان انتشارات جاویدان، ایران، ۱۳۸۸ھ).

ترجمہ :- آپ کی بیٹیوں میں سے ایک سکینہ ہیں جن کی والدہ رباب بنت امرؤالقیس ہیں اور یہ رباب عبداللہ بن حسین کی بھی والدہ ہیں۔

اور دوسری بیٹی کا نام فاطمہ تھا' جن کی والدہ طلحہ بن عبیداللہ کی صاحبزادی ام اسحاق تیمیہ ہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ سیدہ فاطمہ بنت حسینؓ کے خطبہ مذکورہ کی رو سے بھی نہ صرف بیعت حسینؓ توڑ کر بیعت ابن زیاد کر جانے والے شیعان کوفہ کو قتل حسینؓ و رفقائے حسینؓ کا اصلی و بنیادی ذمہ دار قرار دیا گیا ہے بلکہ سیدہ سکینہ بنت حسینؓ کی سن ۱۱۷ھ میں مدینہ منورہ میں وفات کی مستند شیعی روایات کی موجودگی میں دمشق میں قید یزید میں وفات سکینہ (۶۱ھ) کی عوامی روایات بھی غلط و باطل قرار پاتی ہیں۔ جن سے دیگر امور میں بھی یزید مخالف مبالغہ آمیز پروپیگنڈہ کی حقیقت و پس منظر کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ والحق یعلو ولا یعلی ۔

۵-امام ابوہاشم عبداللہ بن محمد بن حنفیہؒ

امام ابوہاشم عبداللہ اپنے والد' برادر حسنینؑ امام محمد بن حنفیہؒ (م ۸۱ھ' مدینہ) کے بعد شیعہ فرقہ کیسانیہ کے امام قرار پائے :-

"واما ابوھاشم عبداللہ بن محمد بن حنفیہ' پس اوامام کیسانیہ است"۔

(عباس قمی' منتھی الامال' ج ۱ ص ۱۸۹' سازمان انتشارات جاویدان' ایران' ۱۳۸۸ھ)۔

ترجمہ :- محمد بن حنفیہ کے فرزند ابوہاشم عبداللہ' ان کے بعد (شیعہ) کیسانیہ کے امام ہیں۔

امام ابن الحنفیہؒ کی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے شیعہ مؤلف "عمدۃ الطالب" لکھتے ہیں :-

"كان محمد بن الحنفية أحد رجال الدهر فی العلم و الزهد والعبادة والشجاعة – وهوأفضل ولد علی بن أبی طالب بعد الحسن و الحسين"–

(جمال الدين عنبة' عمدة الطالب فی أنساب آل أبی طالب' ص ٣٤٧' المطبع جعفری لكهنو' الطبع الاول)۔

ترجمہ :- محمد بن حنفیہ' علم وزہد وعبادت وشجاعت میں یکتائے زمانہ افراد میں سے تھے۔نیز وہ حسن وحسین کے بعد علی بن ابی طالب کی اولاد میں سب سے افضل ہیں۔

امام ابوہاشم عبداللہؒ کو اپنے جلیل القدر والد کے علم وزہد وشجاعت میں سے حظ وافر ملا تھا۔جبکہ امام ابن الحنفیہؒ کے کل چوبیس بچے روایت کئے جاتے ہیں :-

"محمد بن الحنفیہ را بیست وچہار فرزند بودہ کہ چہاردہ تن از ایشاں ذکور بودند۔ وعقبش از دو پسران خود علی وجعفر است"۔

(عباس قمی' منتھی الآمال۔ج ۱ ص ۱۸۹)۔

ترجمہ :- محمد بن حنفیہ کے چوبیس بچے تھے جن میں سے چودہ لڑکے تھے- ان کی نسل ان کے دو بیٹوں علی و جعفر سے چلی ہے-

شیعہ زیدیہ کے امام زید بن علی زین العابدینؒ (م ۱۲۲ھ) امام ابو ہاشم عبداللہ کے داماد تھے اور ان کے بعد منصب امامت و جہاد و شہادت سنبھالنے والے امام یحییٰ بن زید بن علی زین العابدینؒ (م ۱۲۵ھ) امام ابو ہاشم عبداللہ کے نواسے تھے :-

"و قتل یحییٰ در سن ۱۲۵ھ صد و بیست و پنجم واقع شد- و مادرش ریطہ دختر ابو ہاشم عبداللہ بن محمد بن حنفیہ بودہ"-

(عباس قمی 'منتہی الآمال' ج ۲ 'ص ۵۶ 'سازمان انتشارات جاویدان 'ایران '۱۳۸۹ھ)-

ترجمہ :- قتل یحییٰ سن ۱۲۵ھ (ایک سو پچیس) میں وقوع پذیر ہوا- ان کی والدہ ریطہ 'ابو ہاشم عبداللہ بن محمد بن حنفیہ کی بیٹی تھیں-

شیعہ کیسانیہ کے دیگر ائمہ میں امام ابو ہاشم عبداللہ کے بھتیجے حسن بن علی کے بیٹے امام ابو محمد اور پوتے امام علی بھی شامل ہیں :-

"واما علی بن محمد بن الحنفیہ 'پس از اولاد اوست ابو محمد بن حسن بن علی مذکور- و او مردی بود عالم فاضل- کیسانیہ در حق او ادعا کردند امامت را- و وصیت کرد بہ پسرش علی- کیسانیہ او را امام گرفتند بعد از پدرش"-

(عباس قمی 'منتہی الامال' ج ۱ 'ص ۱۸۹ 'سازمان انتشارات جاویدان 'ایران '۱۳۸۸ھ)

ترجمہ :- علی بن محمد بن حنفیہ کی اولاد میں سے ابو محمد بن حسن بن علی مذکور ہیں- وہ عالم فاضل شخص تھے- کیسانیہ نے ان کے حقدار امامت ہونے کا دعویٰ کیا- اور انہوں نے اپنے بیٹے علی کے بارے میں وصیت (امامت) فرمائی- پس کیسانیہ نے انہیں ان کے والد کے بعد اپنا امام قرار دیا-

فرزندان ابن الحنفیہ کی اولاد عرب و عجم کے مختلف علاقوں میں کثیر تعداد میں موجود ہے۔ عباس قمی بلاد عجم میں ان کے مقام و عظمت کے حوالہ سے روایت کرتے ہیں :-

"ابو نصر بخاری گفتہ کہ محمد یہ در قزوین رؤسا میباشند' و در قم علماء میباشند' و در ری سادا تند"۔(عباس قمی' منتھی الامال' ج ۱' ص ۱۸۹)۔

ترجمہ :- ابو نصر بخاری کا کہنا ہے کہ محمد یہ (اولاد محمد بن حنفیہ) قزوین میں رؤسا نیز قم میں علماء اور ری میں سادات میں شمار ہوتے ہیں۔

یہ بھی واضح رہے کہ امام محمد بن حنفیہؒ سیدنا علیؓ کے غیر فاطمی فرزند اور علی زین العابدینؒ کے متوازی امام ہیں۔ جبکہ ان کے بیٹے ابو ہاشم عبداللہ امام محمد الباقر و زید بن علی زین العابدینؒ کے متوازی امام ہیں۔ اور ابن الحنفیہؒ یزید کے فسق و فجور کے تردید کنندہ اور ابتداء ہی سے خلافت یزید کے بیعت کنندہ نیز سیدنا حسینؓ کو شیعان کوفہ کے بھروسے پر خروج سے منع کرنے والوں میں سرفہرست ہیں۔

٦- امام زید بن علی زین العابدینؒ
(م ۱۲۲ھ' کوفہ)

شیعہ زیدیہ امام علیؓ و حسنؓ و حسینؓ و علی زین العابدینؒ (۳۸-۹۴' ۹۵ھ)
کے بعد امام زید بن علی زین العابدینؒ (م ۱۲۲ھ) کو پانچواں امام تسلیم کرتے ہیں- جبکہ شیعہ جعفریہ واسماعیلیہ ان کے بھائی امام محمد الباقرؒ (۵۷-۱۱۴ھ) کو پانچواں امام اہل تشیع قرار دیتے ہیں- امام زید کے بعد شیعہ زیدیہ کا سلسلہ دیگر شیعہ فرقوں سے علیحدہ ہو کر اولاد امام زیدؒ میں منتقل ہو جاتا ہے۔ اور ایک مستقل بالذات شیعہ فرقہ کی حیثیت سے (یمن وغیرہ میں) شیعہ زیدیہ کا کئی ملین افراد پر مشتمل وجود و سلسلہ امامت تاقیامت جاری و ساری ہے-

امام زیدؒ کی روایات اہل بیت پر مبنی مجموعہ احادیث شیعہ "مسند الامام زید (بیروت' دار مکتبۃ الحیاۃ' ۱۹۶۶ء) کی ابتداء میں "ترجمۃ الامام زید" کے زیر عنوان امام زید کے مختصر و جامع احوال بھی درج ہیں :-

"قال مؤلف" عمدة الطالب" الشريف احمد بن عنبة فى المعلم الثالث:—

زيد الشهيد ابن على بن الحسين بن على بن أبى طالب كرم الله وجهه – ويكنى أبا الحسن وأمه أم ولد – ومناقبه أجل من أن تحصى – وفضله أكثر من أن يوصف – خرج أيام هشام بن عبدالملك بالكوفة وبايعه من أهل الكوفة خمسة عشر ألف رجل ثم تفرقوا عنه ليلة خرج سوى ثلاثمائة رجل—

ولما قتل أرسل برأسه إلى الشام ثم إلى المدينة— فنصب عندقبر النبى صلى الله عليه وآله وسلم وصلبت جبثته عرياناً— فنسجت العنكبوت على عورته ليومه – وأقام أربع سينن مصلوباً— ثم أنزل و

حرق و زرقی ملء الفرات ' قتله یوسف بن محمد بن یوسف بن عمر الثقفی– وله علیه السلام أربعة بنین منهم یحیی قتل بجورجان عمره ثمان عشرة سنة"–

(مسند الامام زید ' ترجمة الامام زید' ص ۷ ' بیروت ' دارمکتبة الحیاة ۱۹۶۶م)–

ترجمہ :- مؤلف "عمدۃ الطالب" الشریف احمد بن عنبہ نے معلم ثالث میں بیان کیا ہے کہ :-

زید شہید بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ- ان کی کنیت ابوالحسن اور ان کی والدہ ام ولد (کنیز) ہیں- ان کے مناقب بے شمار اور فضائل زائد از بیان ہیں- انہوں نے ھشام بن عبدالملک کے زمانہ (خلافت) میں کوفہ میں خروج کیا- اور اہل کوفہ میں سے پندرہ ہزار افراد نے ان کی بیعت کرلی- مگر پھر جس رات انہوں نے خروج کیا' تین سو کے علاوہ تمام لوگ ان کا ساتھ چھوڑ گئے-

جب وہ مقتول ہوگئے تو ان کا سر پہلے شام پھر وہاں سے مدینہ بھیجا گیا- اور قبر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب نصب کر دیا گیا- اور ان کے جسد کو عریاں حالت میں مصلوب کر دیا گیا- پس مکڑی نے اسی روز ان کے پوشیدہ حصے پر جالا تن دیا- وہ چار سال تک مصلوب حالت میں رہے- پھر ان کی نعش کو اتار کر جلا دیا گیا- اور فرات کے پانی میں راکھ بکھیر دی گئی- انہیں یوسف بن محمد بن یوسف بن عمر ثقفی نے قتل کیا- اور آپ علیہ السلام کے چار بیٹے تھے- جن میں یحیی بھی ہیں جو جورجان میں اٹھارہ سال کی عمر میں مقتول ہوئے-

امام زید کے چار فرزند یحیی و حسین و عیسی و محمد تھے :-

"ہمانا اولاد زید بقول صاحب "عمدۃ الطالب" چہار پسر بودہ و دختر نداشت- و پسران او یحیی و حسین و عیسی و محمد است- اما یحیی در اوائل سلطنت ولید بن یزید بن عبدالملک خروج کرد"- (عباس قمی' منتھی الامال' ج ۲' ص ۵۵)-

ترجمہ :- زید کی کل اولاد صاحب "عمدۃ الطالب" کے بقول چار بیٹوں پر مشتمل

تھی- اوران کی کوئی بیٹی نہ تھی۔ آپ کے بیٹے ہیں :-یحییٰ و حسین وعیسیٰ و محمد-
یحییٰ نے (خلیفہ) ولید بن یزید بن عبدالملک کی حکمرانی کے ابتدائی زمانہ میں خروج کیا-

امام زید نے اپنا عقیدہ بیان کرتے ہوئے خوارج و مرجئہ وغیرہ کے ساتھ
ساتھ گستاخان ابوبکرؓ و عمرؓ یعنی شیعہ روافض سے بھی اعلان برأت فرمایا :-

"وروى أن أباالخطاب وجماعة دخلوا على الإمام زيد فسألوه عن مذهبه فقال:- إنى أبرأ إلى الله من المشبهة الذين حملوا ذنوبهم على الله' ومن المرجئة الذين طمعوا الفساق فى عفوالله' ومن المارقة الذين كفروا أميرالمؤمنين على بن أبى طالب' وس الرافضة الذين كفروا أبابكر و عمر"-(مسند الإمام زيد' ترجمة الإمام زيد' ص ٩' بيروت' ١٩٦٦م)

ترجمہ :- روایت کیا گیا ہے کہ ابوالخطاب اور لوگوں کی ایک جماعت امام زید کے پاس آئے-پس انہوں نے ان کے مذھب کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا :-
میں (فرقہ) مشبہ سے علیحدہ ہوں جنہوں نے اپنے گناہوں کا بوجھ خدا پر ڈال دیا- نیز فرقہ مرجئہ سے بھی بری ہوں جنہوں نے عفو خداوندی کی امید دلا کر فاسقین کی حوصلہ افزائی کی-اور میں مارقہ (خوارج) سے بھی علیحدہ ہوں جنہوں نے امیر المؤمنین علی بن ابی طالب کی تکفیر کی- نیز میں رافضیوں سے بھی بیزار ہوں جنہوں نے ابوبکر و عمر کو کافر ٹھہرایا-

امام زید نے شیعان کوفہ کی جانب سے ابوبکرؓ و عمرؓ سے اعلان برأت کا مطالبہ تسلیم نہ کرتے ہوئے انہیں "روافض" (منکرین) کا نام دیا :-

"وفى تاريخ اليافعى لما خرج زيد أتته طائفة كبيرة' قالوا له :- تبرأ من أبى بكر و عمر حتى نبايعك - فقال : لا أتبرأ منهما- فقالوا: إذن نرفضك - قال : إذهبوا فأنتم الرافضة - فمن ذلك الوقت سموا الرافضة- وتبعته التى تولت أبابكر و عمر سميت الزيدية"-

(مسند الامام زيد' ترجمة الامام زيد' ص ١١)

ترجمہ :- تاریخ یافعی میں مذکور ہے کہ جب زید نے خروج کیا تو ایک بڑا گروہ ان

کے پاس آیا اور ان سے کہنے لگا :- ابوبکر و عمر سے علیحدگی و بیزاری ظاہر کیجئے تاکہ ہم آپ کی بیعت کرلیں- تو آپ نے فرمایا- میں ان دونوں سے اظہار برأت نہیں کروں گا- اس پر وہ کہنے لگے : تو پھر ہم آپ کا (ساتھ دینے سے) انکار کرتے ہیں- آپ نے فرمایا :- چلے جاؤ- تم رافضی (منکرین) ہو- پس اس وقت سے انہیں "روافض" کا نام دیا گیا- اور آپ کے پیروکار جنہوں نے ابوبکر و عمر سے دوستی رکھی "زیدیہ" کے نام سے موسوم ہوئے-

"وسئل الباقر عن أخيه زيد فقال الباقر:-

إن زيداً أعطى من العلم بسطة" -

(مسند الامام زيد' ترجمة الامام زيد' ص ٧)

ترجمہ :- باقر سے ان کے بھائی زید کے بارے میں پوچھا گیا تو باقر نے فرمایا :-

بے شک زید کو علم میں سے بہت بڑا حصہ عطا کیا گیا-

وقال جابر: سألت محمد بن علي الباقر عن أخيه زيد فقال :-

سألتني عن رجل ملئى إيماناً من أطراف شعره إلى قدمه وهو سيد أهل بيته -(مسند الامام زيد' ترجمة الامام زيد' ص ٨)-

ترجمہ :- اور جابر نے بیان کیا کہ میں نے محمد بن علی الباقر سے ان کے بھائی زید کے بارے میں پوچھا تو وہ کہنے لگے :- تم نے مجھ سے ایک ایسے شخص کے بارے میں پوچھا ہے جو اپنے بالوں کے اطراف سے اپنے پاؤں تک (سرتاپا) علم و ایمان سے بھرا ہوا ہے- نیز وہ اپنے اہل بیت کا سردار ہے-

"ولماسئل جعفر الصادق عن عمه الامام زيد قال :-

كان والله أقرأنا لكتاب الله وأفقهنا في دين الله وأوصلنا للرحم - والله ماترك فينا للدنيا ولا للآخرة مثله" -

(مسند الامام زيد' ترجمة الامام زيد' ص ٧)

ترجمہ :- اور جب جعفر الصادق سے ان کے چچا امام زید کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا :-

بخدا ! وہ ہم سب سے بڑھ کر کتاب اللہ کے قاری' اور دین خدا کے فقیہ' نیز

ہم سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والے تھے۔ خدا کی قسم! انہوں نے ہمارے درمیان دنیا و آخرت کے لئے اپنے جیسا کوئی نہیں چھوڑا ہے۔

"وقال أبوحنيفة رحمه الله :—

ما رأيت مثل زيد ولا أفقه منه ولا أعلم منه".

(مسند الامام زيد' ترجمة الامام زيد' ص ٧)

ترجمہ :- مجھے زید جیسا کوئی نظر نہیں آیا۔ اور نہ ہی کسی عالم و فقیہ کو ان سے بہتر پایا۔

امام زید سے استفادہ کرنے والے عظیم امر تبت علماء و مشائخ کی تعداد کثیر ہے :-

وأصحابه الذين أخذوا عنه العلم كثيرون— منهم:— سفيان الثوري و منصور بن المعتمر — وكان فقيها ورعاً محدثا إحتج به البخاري و مسلم و أبو داؤد و الترمذي والنسائي و غيرهم. وهو من شيوخ مسلم.

ومنهم: محمد بن عبدالرحمن بن أبي ليلى و قيس بن الربيع و أبو حنيفة و سلمة بن كهيل و انخعي و عطاء بن السائب و أبو عوانة' وغيرهم . يطول ذكرهم . و أبو خالد الواسطي وهو أكثرهم ملازمة له والراوي لهذا المجموع—

وله أصحاب كثيرون قتلوا مع زيد— وقد جمع (الإمام الحافظ) أبو عبدالله محمد بن علي الحسني الذي أثنى عليه الذهبي في ' النبلاء" وغيره من أسماء التابعين الذين رووا عن الإمام زيد بن علي ' و محمد و حسين و يحيى بن زيد'—

(مسند الإمام زيد' ترجمة الإمام زيد' ص ١٠' بيروت' دار مكتبة الحياة' ١٩٦٦م)—

ترجمہ :- ان سے علم حاصل کرنے والے اصحاب کثیر تعداد میں ہیں۔ جن میں سفیان الثوری اور منصور بن معتمر بھی ہیں۔ وہ فقیہ' محدث اور متقی تھے۔ بخاری

و مسلم و ابوداؤد و ترمذی و نسائی وغیرہ حضرات نے ان کے ذریعے دلیل و حجت قائم کی ہے- اور وہ مسلم کے شیوخ میں سے ہیں-

نیز ان میں سے ہیں :- محمد بن عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ قیس بن ربیع ابو حنیفہ سلمہ بن کہیل نخعی عطاء بن سائب ابو عوانہ اور دیگر حضرات- جن سب کا ذکر کرنا باعث طوالت ہے- نیز ابو خالد واسطی جو ان سب سے زیادہ آپ کے ساتھ رہنے والے اور اس مجموعہ (مسند الامام زید) کے راوی ہیں-

امام زید کے بہت سے اصحاب ہیں جو ان کے ساتھ ہی قتل کر دیئے گئے- اور (امام حافظ) ابو عبداللہ محمد بن علی الحسنی نے جن کی ذھبی نے "النبلاء" وغیرہ میں تعریف کی ہے' ان تابعین کے نام جمع کئے ہیں جنہوں نے امام زید بن علی نیز محمد و حسین و یحییٰ بن زید سے روایت کیا ہے-

شیخ عبدالواسع بن یحیی الواسعی نے امام زید کے حالات بیان کرتے ہوئے "الفصل الثالث" میں لکھا ہے :-

"إنه لم يبق من أهل المذاهب إلامذهب الأئمة الأربعة وأهل البيت– ولقائل أن يقول : فالإمامية لها مذهب – فيقال : هى داخلة فى مذهب أهل البيت – والإمامية هى الإثنى عشرية يقولون: ليس الأئمة من أهل البيت إلا إثنى عشر إماما فقط– والأئمة الأربعة والزيدية لا يحصرون الإمامة فى الاثنى عشر إماماً–

وقد ذكر ابن حجر فى "الصواعق" ما معناه أنه إستغرب الإمامية فى عدم عدا لامام زيد و ولده الشهيد يحيى بن زيد من أئمة أهل البيت مع جلالته وعلمه وفضله"–

(مسند الامام زُيد' ترجمة الامام زيد' الفصل الثالث فى ذكر بعض كتب اهل البيت عليهم السلام' ص ٣٦ ' بيروت' دار مكتبة الحياة' ١٩٦٦م)–

ترجمہ :- اہل مذاہب میں سے ائمہ اربعہ و اہل بیت کے فقہی مذاہب کے سوا کوئی مذھب باقی نہیں رہا- اور کوئی کہنے والا یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ امامیہ کا بھی اپنا ایک

مذھب ہے۔ تو (جواباً) کہا جاتا ہے کہ وہ مذھب اہل بیت ہی میں شامل ہے۔ اور امامیہ " اثنا عشریہ" کو کہتے ہیں۔ جن کا کہنا ہے کہ اہل بیت میں سے ائمہ صرف بارہ امام ہیں۔ جبکہ ائمہ اربعہ اور زیدیہ سلسلہ امامت کو بارہ اماموں تک محدود نہیں کرتے۔ پس امام زید بھی ائمہ اربعہ کے نزدیک امام ہیں۔ جبکہ امامیہ نے انھیں امام قرار نہیں دیا۔

اور ابن حجر (مکی) نے "الصواعق المحرقہ" میں جو ذکر کیا ہے' اس کا مفہوم یہ ہے کہ انھوں نے امام زید اور ان کے فرزند شہید یحییٰ بن زید کو ان کے علم و فضل و جلالت قدر کے باوجود ائمہ اہل بیت میں شمار نہ کرنے پر امامیہ پر اظہار تعجب کیا ہے۔

امام زیدؒ قائم باللیل' صائم بالنہار' جلیل القدر عالم و متقی اور عظیم الشان مؤلف و مجاہد تھے :-

"ومن أحواله : كان يصوم ويفطر يوما' وكان يحيى الليل كله كأبيه زين العابدين سلام الله عليهم أجمعين–

وله من المؤلفات هذا المسند المجموع الفقهي والمجموع الحديثي' وهو مختص بالحديث فقط – و " تفسير الغريب من القرآن" و" تثبيت الامامة" و"مناسك الحج"–

كانت ولادته سنة ٧٩ من الهجرة و بلغ من العمر ٤٢ سنة–وقتل بسهم لخمس بقين من المحرم سنة ١٢٢–"

(مسند الامام زيد ترجمة الامام زيد' ص ١٠)

ترجمہ :- ان کے حالات میں سے یہ بھی ہے کہ وہ ایک دن چھوڑ کر (نفلی) روزہ رکھتے اور اپنے والد زین العابدین' سلام اللہ علیہم اجمعین کی طرح تمام رات جاگ کر عبادت کرتے تھے۔

ان کی تالیفات میں یہ مسند' فقہی و حدیثی مجموعہ' شامل ہے۔ جو صرف حدیث سے مخصوص ہے۔ نیز "تفسیر غریب القرآن" و "تثبیت الامامہ" اور "مناسک الحج" ان کی دیگر تالیفات ہیں۔

آپ کی ولادت سن ۷۶ (؟) ہجری میں ہوئی۔ اور ۴۶ (؟) برس عمر پائی۔ اور جب محرم سن ۱۲۲ھ کے پانچ روز باقی تھے (یعنی ۲۵ محرم کو) ایک تیر لگنے سے آپ مقتول ہوئے۔

اثنا عشری عالم و مؤلف شیخ مفید امام زید کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں :۔

" وكان زيد بن على بن الحسين عليهما السلام عين إخوته بعد أبي جعفر عليه السلام وأفضلهم. وكان عابداً ورعاً فقيهاً سخياً شجاعاً. وظهر بالسيف يأمر بالمعروف وينهى عن المنكر ويطلب بثارات الحسين عليه السلام".

الشيخ المفيد كتاب الإرشاد ج ۲ ص ٦٨ انتشارات علميه اسلاميه ايران ۱۳۸۷ھ).

ترجمہ :۔ زید بن علی بن حسین علیہما السلام ابو جعفر علیہ السلام کے بعد اپنے بھائیوں میں سب سے ممتاز و افضل تھے۔ وہ عابد، متقی، فقیہ، سخی اور شجاع تھے۔ اور جہاد بالسیف کے ذریعے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرتے ہوئے نیز انتقام حسینؑ علیہ السلام کی طلب رکھتے ہوئے ظاہر ہوئے۔

اثنا عشری عالم شیخ مفید نے امام زید کی عمر صرف ۴۲ برس اور سن شہادت متعدد دیگر حضرات کے برعکس سن ۱۲۰ھ روایت کیا ہے :۔

" وكان مقتله يوم الإثنين لليلتين خلتا من صفر سنة عشرين ومائة. وكانت سنه يومئذ إثنين و أربعين سنة"۔

(المفيد الإرشاد ج ۲ ص ۱۷۰).

ترجمہ :۔ آپ کی شہادت سن ۱۲۰ھ میں ماہ صفر کی دو راتیں گزر جانے کے بعد بروز پیر ہوئی۔ جب کہ آپ کی عمر بیالیس برس تھی۔

مولانا مودودی شیعہ زیدیہ کے بارے میں بیان فرماتے ہیں :۔

"ان میں سب سے زیادہ نرم مسلک زیدیہ کا تھا۔ جو زید بن علی بن حسینؓ (متوفی ۱۲۲ھ ۷۴۰ء) کے پیرو تھے۔ وہ حضرت علیؓ کو افضل مانتے تھے۔ مگر ان کے

نزدیک افضل کی موجودگی میں غیر افضل کا امام ہونا جائز تھا- نیز ان کے نزدیک حضرت علیؓ کے حق میں شخصاً و صراحۃً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نص نہ تھی- اس وجہ سے وہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کی خلافت کو تسلیم کرتے تھے- تاہم ان کی رائے یہ تھی کہ امام اولاد فاطمہؓ میں سے کوئی اہل شخص ہونا چاہئے- بشرطیکہ وہ سلاطین کے مقابلے میں امامت کا دعویٰ لیکر اٹھے اور اس کا مطالبہ کرے"-

(ابوالاعلیٰ مودودی' خلافت و ملوکیت' ادارہ ترجمان القرآن' لاہور' اپریل ' ۱۹۸۰ء ص ۲۱۳ ' بحوالہ الاشعری ج ۱' ص ۱۲۹' وابن خلدون ص ۱۹۷-۱۹۸' والشہرستانی' ج ۱' ص ۱۱۵- ۱۱۷)-

اثناعشری عالم و مؤلف شیخ مفید اہل تشیع کی دو قسمیں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"إن الشيعة رجلان: امامی و زیدی – فالإمامی یعتمد فی الإمامة علی النصوص وهی معدومة فی ولد الحسن علیه السلام باتفاق منهم ولم یدع ذلك أحد منهم لنفسه فیقع فیه إرتیاب–

والزیدی یراعی فی الامامة بعد علی و الحسن و الحسین علیه السلام الدعوة والجهاد"–

(الشیخ المفید' الإرشاد' ج۲' ص ۱۹ ' انتشارات علمیه اسلامیه' ایران ۱۳۸۷ھ)–

ترجمہ :- شیعہ دو قسم کے ہوتے ہیں :- امامیہ اور زیدیہ- امامی (اثناعشری) امامت کے سلسلہ میں نصوص (واضح احکام امامت) پر اعتماد کرتا ہے- اور امامیہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ نصوص حسن علیہ السلام کی اولاد کے بارے میں موجود نہیں- نیز ان میں سے کسی نے اپنے بارے میں (نص موجود ہونے کا) دعویٰ بھی نہیں کیا کہ اس سلسلہ میں شک واقع ہو-

جبکہ زیدی شیعہ 'امامت کے سلسلہ میں علی و حسن و حسین علیہ السلام کے بعد دعوت و جہاد کو پیش نظر رکھتا ہے-

چنانچہ شیعہ زیدیہ کے نزدیک نص یا حکم قطعی کے بغیر ہی اولاد فاطمہؓ میں سے کوئی بھی حسنی یا حسینی اگر امامت کا دعویدار ہو تو اس کے لئے اپنی امامت کے ثبوت کے طور پر جہاد بالسیف لازم ہے- نیز شیعہ امامیہ (اثنا عشریہ) "تقیہ" (اصل عقیدہ چھپا کر اس کے خلاف ظاہر کرنا) کو اپنے بارہ اماموں اور تمام شیعہ اثنا عشریہ کے لئے درست قرار دیتے ہیں- اور اس سلسلہ میں متعدد روایات کی رو سے ہر چھوٹی بڑی ضرورت میں ہر اثنا عشری کو اپنی فہم کے مطابق تقیہ پر عملدر آمد کی اجازت ہے- مگر زیدیہ ایسے "تقیہ" کو تسلیم نہیں کرتے- چنانچہ جناب زید بن حسنؓ کے شیعہ زیدیہ میں سے نہ ہونے کی دلیل کے طور پر شیخ مفید بزعم خویش تحریر فرماتے ہیں :-

"و زید بن الحسن رحمة الله علیه کان مسالماً لبنی أمیة و متقلداً من قبلهم الأعمال – وکان رأیه التقیة لأعدائه والتألف لهم – وهذا یضاد عندا لزیدیة علامات الإمامةً–

(الشیخ المفید٬ الارشاد٬ ج ۲٬ ص ۱۹٬ انتشارات علمیه اسلامیه٬ ایران٬ ۱۳۸۷ھ)–

ترجمہ :- زید بن حسن رحمتہ اللہ علیہ بنی امیہ سے صلح صفائی رکھتے تھے- اور ان کی جانب سے ذمہ داریاں قبول فرماتے تھے- ان کی رائے دشمنوں کے ساتھ تقیہ اور الفت پر مبنی تھی- جبکہ یہ چیز زیدیہ کے نزدیک علامات امامت سے مطابقت نہیں رکھتی-

شیخ مفید اپنے اس بیان سے یہ ثابت فرمانا چاہتے ہیں کہ چونکہ شیعہ صرف دو قسم کے یعنی :زیدیہ اور امامیہ (اثنا عشریہ) ہوتے ہیں٬ اور زید بن حسن شیعہ زیدیہ میں سے نہیں تھے٬ لہذا وہ لازماً امامی (اثنا عشری) ہیں- حالانکہ اہل تشیع کے باقی فرقوں کی بھی بقائمی ہوش و حواس نفی نہیں کی جاسکتی- بلکہ ایسا کرنا علمی دیانت و صداقت سے متصادم ہے-(جبکہ امام زید بن حسنؓ کی ولادت علیؓ و حسنینؓ کے بعد والے بقیہ تو اثنا عشری اماموں سے پہلے ہوئی- اور انکی وفات تک کئی اثنا عشری امام ابھی پیدا ہی نہیں ہوئے تھے)- نیز شیخ مفید جیسے اثنا عشری اکابر بھی بخوبی جانتے ہیں کہ ایک اور شیعہ فرقہ "کیسانیہ" کے امام

برادر حسنینؓ محمد بن حنفیہؒ (م ۸۱ھ ' مدینہ) بھی تھے- جنہوں نے علی الاعلان نہ صرف حسنؓ و حسینؓ کی طرح خلافت معاویہؓ کی بیعت کی- بلکہ یزید بن معاویہؒ کی بھی علی الاعلان بیعت فرمائی- اور تا وفات یزید (۶۴ھ) بیعت یزید کو بر قرار رکھتے ہوئے باغیان یزید و حامیان ابن زبیرؓ کے سامنے (اواخر ۶۳ھ میں) یزید پر شراب نوشی و فسق و فجور کے الزامات کی تردید کرتے ہوئے اس کی پابندی نماز و سنت اور کار خیر میں سرگرمی کی ذاتی گواہی پیش فرما کر بیعت یزید توڑنے سے انکار کر دیا- نیز اس سے پہلے سیدنا حسینؓ کو شیعان کوفہ کے بھروسہ پر خروج سے منع فرمایا-

لہذا زید بن حسنؓ کا بنو امیہ سے تعاون کرنا نہ تو اس بات کی دلیل ہے کہ وہ تقیہ کرتے تھے اور اس بناء پر امامی (اثنا عشری) تھے- اور نہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ چونکہ وہ شیعہ زیدیہ میں سے نہیں تھے' لہذا وہ زیدیہ و امامیہ کے علاوہ شیعہ کیسانیہ (یا دیگر غیر زیدی و امامی) جیسے اہل تشیع میں شمار نہیں کئے جا سکتے جو کھلم کھلا اور بلا تقیہ 'بیعت یزید و بنی امیہ پر قائم اور اموی خلافت کے مدد و معاون تھے- نیز شیعہ زیدیہ نے کہیں بھی یہ لازم قرار نہیں دیا کہ ہر فاطمی النسل سید لازماً امامت کا دعوی اور جہاد کرے- اور کسی حکومت سے تعاون نہ کرے- لہذا اگر زید بن حسنؓ نے بقول اثنا عشریہ دعوی امامت اور جہاد نہیں کیا- اور بالفرض وہ زیدی شرائط کے مطابق امام نہیں تھے' تو پھر بھی اس کا لازماً یہ مطلب نہیں نکالا جا سکتا کہ وہ اپنے ہمعصر بھتیجے (اور آخری مشترکہ امام زیدیہ و امامیہ) علی زین العابدین (م ۹۵ھ مدینہ) کے دو بیٹوں میں سے شیعہ زیدیہ کے پانچویں امام 'زید بن علی زین العابدینؒ (م ۱۲۲ھ 'کوفہ) کے بجائے شیعہ امامیہ کے پانچویں امام 'محمد الباقرؒ بن علی زین العابدینؒ (م ۱۱۴ھ) کے ہم خیال تھے- یا وہ اپنے معاصر چچا و برادر حسنینؓ محمد بن حنفیہؒ (امام شیعہ کیسانیہ) کے ہم مسلک نہ تھے- یا انہیں دیگر حسنی یا حسینی ائمہ اہل بیت کی طرح یکے از ائمہ اہل سنت (غیر منصوص و غیر معصوم) قرار دینا منع ہے- اور یہی صورتحال اثنا عشریہ کے دیگر لاتعداد حسنی و حسینی' غیر اثنا عشری ائمہ سادات اہل سنت و زیدیہ و کیسانیہ و تفضیلیہ کے بارے میں کمزور و بے بنیاد شیعی اثنا عشری دعاوی کی ہے- وعلی ھذا القیاس-

چنانچہ شیعہ زیدیہ کے نزدیک امام علی و حسن و حسین و علی زین العابدینؓ کے بعد محمد الباقر کے بجائے زید بن علی زین العابدین پانچویں امام ہیں۔ اور ان کے بعد تا قیامت لاتعداد فاطمی ائمہ اہل بیت ہو سکتے ہیں۔ جس کے لئے بارہ کی تخصیص معتبر و ثابت شدہ نہیں۔ نیز زیدیہ بارھویں اثنا عشری امام غائب محمد المھدی کا وجود بھی دیگر متعدد غیر اثنا عشری شیعہ فرقوں کی طرح تسلیم نہیں کرتے۔ زیدی نظریہ امامت و خلافت کی تشریح کرتے ہوئے اثنا عشری مؤرخ سید امیر علی تحریر فرماتے ہیں :۔

"زیدیوں کی بابت شہرستانی کہتا ہے کہ وہ زید بن علی زین العابدین ابن حسین کے پیرو ہیں۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ امامت حضرت علیؓ سے شروع ہو کر پہلے امام حسن کو پھر امام حسین کو، پھر علی ثانی امام زین العابدین کو ملی۔ زین العابدین کے بعد وہ محمد الباقر کو نہیں ملی، جیسا کہ اثنا عشریہ بلکہ مسلمانوں کی اکثریت کا عقیدہ ہے، بلکہ زید کو۔

خلافت کے بارے میں زیدی بڑی حد تک اہل سنت سے مشابہ ہیں۔ ان کے خیال میں عوام کو یہ حق ہے کہ وہ خانوادہ نبوت میں سے کسی کو اپنا روحانی پیشوا انتخاب کریں۔ چنانچہ انہوں نے انتخاب کے اصول کو اور اس اصول کو کہ امامت اہل بیت نبوی تک محدود ہے، جمع کر دیا ہے۔ ان کا یہ بھی خیال ہے کہ افضل کے مقابلے میں مفضول کا انتخاب جائز ہے۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ اگرچہ حضرت علیؓ صحابہ رسولؐ میں سب سے برگزیدہ تھے اور حق وراثت کی بنا پر بھی اور اپنے ذاتی اوصاف کی بنا پر بھی امامت کے مستحق ہیں، لیکن ملکی مصلحتوں کے پیش نظر اور ان شورشوں کو فرو کرنے کی خاطر جو آنحضرتؐ کے وصال پر برپا ہوئیں، ایک زیادہ پختہ عمر کے آدمی کا منصب خلافت پر مامور ہونا ضروری تھا۔ تاکہ وہ لوگوں کو اطمینان دلا سکے۔ اور ان کے اختلافات کو رفع کر سکے۔ علاوہ بریں حضرت علیؓ حفاظت دین کی خاطر جس جہاد میں مشغول رہے تھے، اس کی وجہ سے ان لوگوں کے سلسلے میں جنہوں نے مسلمانوں سے لڑائیاں لڑی تھیں اور جنیں مسخر ہوئے زیادہ مدت نہ گزری تھی، حضرت علی کے خلاف شدید جذبہ انتقام تھا۔ اس امر کا احتمال تھا کہ لوگ حضرت علیؓ کی صولت کے آگے بھی آسانی سے نہ جھکتے۔ یہی دلیل وہ حضرت عمرؓ کے انتخاب کے جواز میں پیش کرتے ہیں"۔

(سید امیر علی' سپرٹ آف اسلام اردو ترجمہ بعنوان "روح اسلام" از محمد ھادی حسین' ص ۲۸۲-۲۸۳' اسلامک بک سنٹر دہلی)۔

زیدیہ کے ذیلی فرقوں کے حوالہ سے سید امیر علی مزید لکھتے ہیں :-

"سلیمانیہ اور حاکیہ پہلے دو خلیفوں کے تسلیم کرنے کے بارے میں ایک دوسرے سے متفق ہیں۔ مؤخر الذکر کی رائے ہے کہ چونکہ حضرت علیؓ' ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے حق میں اپنے فائق دعوے سے دستبردار ہو گئے تھے' اس لئے لوگوں کو یہ حق نہیں کہ ان کی امامت کے بارے میں سوال اٹھائیں۔ لیکن حضرت عثمانؓ کے بارے میں انہیں شک ہے"۔(سید امیر علی "سپرٹ آف اسلام" اردو ترجمہ بعنوان "روح اسلام" از محمد ھادی حسین' ص ۲۸۵' اسلامک بک سنٹر دہلی)۔

امام زیدؒ کے اموی خلیفہ ہشام بن عبدالملک (۱۰۵- ۱۲۵ھ) کے خلاف خروج و جہاد بالسیف (۱۲۲ھ) کے وقت امام باقرؒ تو وفات پا چکے تھے (۱۱۲/ ۱۱۴ھ) مگر چھٹے اثنا عشری امام جعفر الصادقؒ (۸۰-۱۴۸ھ) نے بھی عملاً اپنے چچا کے ہمراہ جہاد نہیں کیا۔ چنانچہ سید امیر علی رقمطراز ہیں :-

"امام محمد الباقر نے جو اپنے باپ حضرت علی ثانی کے جانشین تھے' قوت کے استعمال کو مذموم قرار دیا۔ امام زید اس معاملے میں ان سے مختلف الرائے تھے۔ چنانچہ انہوں نے ہشام بن عبدالملک اموی کے خلاف بغاوت کی اور ناکام رہ کر جوار کوفہ میں شہید ہوئے۔

ان کے جانشین ان کے بیٹے یحییٰ تھے۔ جنہوں نے باپ کے نقش قدم پر چل کر امام جعفر صادق کے مشورے کے خلاف اپنا دعویٰ اسلحہ بندانہ طاقت سے منوانے کی کوشش کی اور خراسان میں ایک لشکر جمع کر لیا۔ لیکن انہیں شکست ہوئی اور وہ ہشام کے ایک سردار فوج کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

امام یحییٰ کی وفات پر زیدیوں کے عقیدے کے مطابق' امامت ان کے خاندان کے ایک اور فرد کو ملی۔ یعنی محمد بن عبداللہ (النفس الزکیہ) کو جنہوں نے مہدی کا لقب اختیار کیا اور خلیفہ عباسی منصور کے خلاف حجاز میں علم بغاوت بلند کیا۔ انہوں نے

مدینے میں منصور کے بھتیجے عیسیٰ کے ہاتھوں زک اٹھائی اور شہادت پائی۔

ان کے بعد ان کے بھائی ابراہیم امام بنے۔ انھوں نے عباسیوں سے جنگ آزمائی کر کے جام شہادت پیا۔ ان کے تیسرے بھائی عیسیٰ نے بھی اپنا دعویٰ بزور شمشیر منوانا چاہا، لیکن گرفتار ہوئے اور منصور کے حکم سے عمر بھر کی قید میں ڈال دیئے گئے۔

یہ واقعات بیان کرنے کے بعد شہرستانی لکھتا ہے :-

ان پر جو افتاد پڑی، اس کی پیش گوئی جعفر صادق نے کی تھی۔ جنھوں نے یہ کہا تھا کہ دینوی اقتدار میں اس خاندان کا حصہ نہ تھا۔ بلکہ امامت کا عباسیوں کے ہاتھوں میں ایک کھلونا بننا مقدر تھا"۔

(سید امیر علی، سپرٹ آف اسلام اردو ترجمہ بعنوان "روح اسلام" از محمد هادی حسین، ص ۴۸۳-۴۸۴، اسلامک بک سنٹر دہلی)۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ شیعہ زیدیہ و اسماعیلیہ و اثنا عشریہ کے بارے میں اپنی تصانیف میں متعدد مقامات پر اظہار رائے فرماتے ہوئے ایک جگہ یوں مختصر و مجموعی تبصرہ فرماتے ہیں :-

"واحباء او کہ حب ایشاں از حد اعتدال بروں رفت بسیار اند۔ لآن سہ قوم بروئے کار اند :- اسماعیلیہ کہ زندیق صرف اند۔ امامیہ کہ بہ حقیقت منکر ختم نبوت اند۔ و زیدیہ کہ فتنہ مقاتلات بین المسلمین را ایشاں منشائی شدہ اند۔

باز ایں فرق منشعب شدہ اند بفرقہائے بسیار کہ تعداد ایشاں عسر وارد۔ و حضرت مرتضیٰ بریست از لوث ایشاں، و ایں معنی از خطب او ظاہر است۔ واللہ اعلم"۔

(شاہ ولی اللہ، قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین، طبع مجتبائی، دہلی، ۱۳۰۷ھ، ص ۱۴۸-۱۴۹)۔

ترجمہ :- ان (علیؓ) سے محبت ظاہر کرنے والے (شیعہ) کہ جن کی محبت حد اعتدال سے تجاوز کر گئی ہے، بہت سے ہیں۔ ان میں سے اب تین گروہ بروئے کار ہیں :-

یعنی :- اسماعیلیہ جو کہ خالص زندیق ہیں۔

اور امامیہ (اثنا عشریہ) جو کہ در حقیقت (عقیدہ امامت منصوصہ و معصومہ افضل

من النبوۃ والرسالہ کی بناء پر) منکرین ختم نبوت ہیں۔

نیز زیدیہ جن کا منشا و مقصود مسلمانوں کے درمیان باہم لڑائیاں کرانا ہے۔

شاہ ولی اللہ اور شیعہ زیدیہ کو احادیث سے ثابت متعدد احکام اسلامیہ کا منکر قرار دیتے ہوئے یہ بھی فرماتے ہیں :-

"زیدیہ اکثر عقائد اسلامیہ راکہ باحادیث ثابت شدہ منکرند و سبب جنگ ہا وجدل ہا شدند" (شاہ ولی اللہ' قرة العينين فی تفضيل الشيخين ص ۲۰۹-۲۱۰)۔

ترجمہ :- زیدیہ احادیث سے ثابت شدہ بہت سے اسلامی عقائد کا انکار کرتے ہیں اور جنگ وجدل کا باعث ہیں۔

مختلف شیعہ فرقوں کی جانب سے سیدنا ابوبکر و عمر نیز عثمان رضی اللہ عنہم کی خلافت پر شیعی عقیدہ امامت کے حوالہ سے اعتراضات کے بارے میں شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں :-

"وآں جاہلاں کہ می گویند خلافت را از مستحق آں غصب کردہ شد و بغیر مستحق رسید' مکذب خدا ومکذب رسول اویند"۔

(شاہ ولی اللہ' ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء' ج ۱' ص ۲۳' مطبع صدیقی' بریلی' ۱۲۸۶ھ)

ترجمہ :- وہ جاہل لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ خلافت کو اس کے حقدار (علیؓ) سے غصب کر لیا گیا تھا۔ اور غیر مستحق (ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ) کو مل گئی تھی' وہ لوگ خدا و رسول خدا کی تکذیب کرنے والے ہیں۔

چنانچہ شاہ ولی اللہ جیسے جلیل القدر امام اہل سنت (۱۷۰۳-۱۷۶۳ء' دہلی) نیز دیگر اکابر امت کے قدیم وجدید فتاوی تضلیل و تکفیر شیعہ وروافض اثنا عشریہ کے مطالعہ سے بھی یہ بات واضح تر ہو جاتی ہے کہ شیعہ زیدیہ کے بعض قابل تکفیر و تضلیل اعتقادی انحرافات و باطل معتقدات کی نشاندہی کے باوجود متقدم و متاخر اکابر اہل سنت نے شیعہ

اثنا عشریہ وغیرہ کے مقابلے میں انہیں بدرجہا بہتر اور معتدل و معقول تر شیعہ فرقہ قرار دیا ہے- جو فقہی و معاشرتی لحاظ سے بھی اہل سنت سے قریب تر اور رافضی اثنا عشری انتہاپسندی سے نسبتاً بعید تر ہے- چنانچہ "مسند الامام زید" کی روایات اہل بیت بسلسلہ ارکان وعبادات اسلام کے مطالعہ اور فقہ جعفریہ اثنا عشریہ سے اس کے تقابلی مطالعہ سے بھی اس نقطہ نظر کی تائید مزید ہوتی ہے-اس حوالہ سے قدرے تفصیلی انداز میں "مسند الامام زید" سے ضروری روایات واحادیث آئندہ صفحات میں درج کی جارہی ہیں- جن سے یہ بات واضح تر ہو جاتی ہے کہ شیعہ اثنا عشریہ 'شیعہ زیدیہ وغیرہ کے برعکس قرآن وحدیث 'عقیدہ امامت وخلافت وصحابیت نیز تقیہ' متعہ' رجعت 'بدا کے حوالے سے اپنے مخصوص نظریات اور مثبت ومنفی معتقدات کے ہمراہ صوم و صلاۃ' اور حج وزکوۃ وخمس وغیرہ کے مسائل وتفاصیل میں بھی شعوری یالاشعوری طور پر افراط و تفریط کے حامل اور جداگانہ تشخص پر مصر ہیں- جس کی تائید دیگر شیعہ فرقے 'زیدیہ' تفضیلیہ' کیسانیہ 'اور خطیہ وغیرہ بھی کرنے سے بالعموم قاصر ہیں-

اب روایات زیدیہ اور ان کے بالمقابل مسائل جعفریہ اثنا عشریہ کی بعض فقہی تفصیلات ملاحظہ ہوں جن سے خود جعفریہ اثنا عشریہ بھی تلاش حقائق و فقہی مسلک اعتدال اپنانے میں مدد لے سکتے ہیں :-

ا-الصلاۃ (نماز)

اذان اور وضوء و نماز کے حوالہ سے "مسند الامام زید" کی روایات اہل بیت بڑی اہمیت کی حامل ہیں :-

اذان

امت مسلمہ کی نوے فیصد سے زائد اکثریت پر مشتمل اہل سنت والجماعت (حنفی' مالکی' شافعی' حنبلی' اہلحدیث) دنیا بھر میں نماز پنجگانہ وجمعہ وغیرہ کے لئے جو اذان دیتے ہیں' وہ درج ذیل ہے :-

الله اكبر (چار مرتبه)

اشهد أن لا إله الله (دو مرتبه)

اشهد أن محمداً رسول الله (دومرتبه)

حی علی الصلاة (دو مرتبه)

حی علی الفلاح (دو مرتبه)

الله اکبر (دو مرتبه)

لا اله الا الله (ایک مرتبه)

البتہ اذان فجر میں "حی علی الفلاح" کے بعد دو مرتبہ "الصلاۃ خیر من النوم" (نماز نیند سے بہتر ہے) بھی پکارا جاتا ہے۔ جبکہ شیعہ زیدیہ اذان فجر میں اس کے بجائے "حی علی خیر العمل" پکارتے اور بقیہ چار اذانوں میں اہل سنت سے متفق بتلائے جاتے ہیں :۔

(ملاحظہ ہو "مسند الامام زید کتاب الصلاۃ' باب الاذان' روایات اذان فجر)

مگر اس کے برعکس شیعہ اثنا عشریہ جعفریہ کی اذان میں "حی علی الفلاح" کے بعد ہر ہر اذان میں "حی علی خیر العمل" دو مرتبہ اور آخر میں "لا الہ الا اللہ" بھی دو مرتبہ پکارا جاتا ہے۔ نیز "اشھد ان محمداً رسول اللہ" کے بعد یہ جملہ بولا جاتا ہے :۔

"أشهد أن أمير المئومنين وإمام المتقين علياً ولی الله'

وصی رسول الله و خليفته بلا فصل —

أشهد أن أميرالمؤمنين وإمام المتقين علياً حجة الله—

ترجمہ :۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ امیر المومنین وامام المتقین علیؑ اللہ کے ولی اور رسول اللہ کے وصی' نیز آپ کے بلافاصلہ خلیفہ ہیں۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ امیر المومنین و امام المتقین علیؑ اللہ کی حجت ہیں۔

اس جملہ کے بارے میں جعفری اثنا عشری علمائے مجتہدین کے اقوال ملاحظہ ہوں :۔

۱۔ بلکہ یہ جملہ کہنا مستحب ہے۔ لیکن بہ قصد جزئیت (اذان واقامت) نہیں۔

——— (آقا محمد محسن حکیم)

۲- اعلان شہادت ولایت امیر المومنین جزو اذان نہیں لیکن بقصد قربت بعد از ذکر رسول خدا خوب ہے- اور بہتر ہے کے بصورت تابع ذکر کیا جائے- مثلا :-

أشهدأن محمداً رسول الله وعلياً وليه وحجته – (آقائے شہاب الدین)

۳- شہادت ولایت وخلافت حضرت امیر علیہ السلام جزو اذان و اقامت نہیں بلکہ جزو ایمان ہے-اور اذان میں بدون قصد جزئیت اس کلمہ کا کہنا شرعاً جائز بلکہ بعض وجوہ سے ضروری ہے-(مفتی احمد علی)-

(مولانا سید منظور حسین نقوی' تحفۃ العوام کامل جدید' ص ۱۱۳' حاشیہ ۳' کتب خانہ اثنا عشری' لاہور' چھٹا ایڈیشن' نومبر ۱۹۶۷ء)-

چنانچہ جعفریہ اثنا عشریہ کے ہاں اس "مستحب جملہ اذان" کے الفاظ پر بھی اتفاق نہیں بلکہ مختلف مقامات پر مختصراً و مفصلاً مختلف انداز میں بولا جاتا ہے :- مثلاً ایرانی انقلاب کے بعد بالعموم شہادت رسالت کے بعد درج ذیل جملہ پکارا جاتا ہے :-

أشهد أن علياً ولى الله – أشهد أن علياً حجة الله–

(میں گواہی دیتا ہوں کہ علی اللہ کے ولی ہیں-

میں گواہی دیتا ہوں کہ علی اللہ کی حجت ہیں)-

یہاں حضرت علیؓ کے ولی و حجت ہونے کا معنی و مفہوم وہ نہیں جو اہل سنت سیدنا ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ کے لئے سمجھتے ہیں- بلکہ اس کا مطلب سیدنا علیؓ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اللہ رسولؐ کی جانب سے مقرر شدہ پہلا امام منصوص اور معصوم و خلیفہ بلا فصل ہونا ہے-جن کے مقابلہ میں ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ کو امام و خلیفہ ماننا ولایت وحجیت علیؓ کا انکار ہے-اور اسی طرح دائرہ ایمان سے خارج کر دیتا ہے جس طرح توحید خدا یا رسالت محمدیہ یا آخرت کا انکار دائرہ ایمان سے خارج کر دیتا ہے- کیونکہ امامت منصوصہ و معصومہ شیعی اصول دین میں شامل اور مذکورہ بالا فتاوی کے مطابق بھی جزو ایمان ہے-

اس مذکورہ جملہ کے سلسلہ میں امام خمینی فرماتے ہیں :-

(اشهدأن علياً ولى الله) کا کہنا جزو اذان واقامت نہیں- اور ایسی جگہ

پر جہاں تقیہ کے خلاف ہو اُس کا کہنا حرام ہے اور نہیں کہنا چاہئے۔
(۲۸ شوال ۱۳۹۹ قمری ہجری)۔
(فتوی امام خمینی بحوالہ مقالہ بی آزار شیرازی بعنوان "اتحاد اسلامی" در مجلہ "فجر" اسلام آباد' شمارہ ۱۸' ربیع الاول ۱۴۰۵ھ' ص ۲۹' رایزنی فرہنگی سفارت جمہوری اسلامی ایران)۔

اثنا عشری مجتہد اعظم آیت اللہ ابوالحسن اصفہانی کے پوتے' شیعہ عالم ڈاکٹر موسی موسوی فاضل نجف اشرف اس سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں :-

"سید مرتضٰی جو پانچویں صدی ہجری کے اکابر علماء شیعہ امامیہ میں سے ہیں' فرماتے ہیں :-

جس نے نمازوں کی اذان میں (أشهد أن علياً ولى الله) کہا' اس نے حرام عمل کا ارتکاب کیا۔

اس رائے سے معلوم ہوتا ہے کہ اذان میں تیسری شہادت کا اضافہ غیبت کبری کے بعد کیا گیا ہے۔ لیکن مذہبی واقعات میں رسمی طور پر اس کا اظہار اس وقت ہوا جس وقت شاہ اسماعیل صفوی نے ایران کو تشیع میں داخل کیا۔ اور اس نے مؤذنوں کو حکم دیا کہ چبوتروں پر نماز کے وقت کہی جانے والی اذان میں تیسری شہادت کا اضافہ کریں۔ اس طرح اس نے امام علی کو رسول اللہ کے بعد خلافت کا مستقل مقام دیدیا۔ وہ دن اور آج کا دن' تب سے پوری دنیا کی شیعہ مساجد میں یہی طریقہ جاری ہے۔ جسے صفوی حکمرانوں نے وسعت و ترویج دی۔ ہم مشرق و مغرب کی ایک بھی شیعہ مسجد اس سے مستثنی نہیں کر سکتے۔

اس سلسلے میں دلچسپ اور باعث تعجب بات یہ ہے کہ ہمارے فقہاء - سامحهم الله - کا اس پر مطلق و مکمل اجماع ہے کہ اس شہادت کا اذان میں اضافہ عصر ائمہ کے بعد ہوا ہے۔ اور چوتھی صدی تک اسے کوئی نہیں جانتا تھا"۔
(ڈاکٹر موسی موسوی 'الشیعہ والتصحیح' اردو ترجمہ بعنوان "اصلاح شیعہ" از ابو مسعود آل امام' ص ۱۸۴' فروری ۱۹۹۰ء)۔

اس سلسلہ میں ڈاکٹر موسوی مزید فرماتے ہیں :-

"ہم ان سے کہتے ہیں' مسئلہ یہ نہیں ہے کہ تیسری شہادت اذان کا جزو ہے یا نہیں بلکہ مسئلہ اس سے بھی زیادہ خطرناک ہے- اس لئے کہ اذان کے الفاظ رسول اللہ نے متعین فرمائے- لہذا یہ الفاظ سنت توقیفی ہیں- اس میں کسی کمی یا اضافے کا جواز نہیں ہے- خواہ وہ اضافی کلمات اپنی جگہ درست' صحیح اور مبنی بر حقیقت ہی ہوں"-

(ڈاکٹر موسیٰ موسوی 'الشیعہ والتصحیح' اردو ترجمہ بعنوان "اصلاح شیعہ" ص ۱۸۵)

اسی حوالہ سے ڈاکٹر موسوی مزید رقمطراز ہیں :-

"اللہ کی قسم اگر آج حضرت علیؓ بقید حیات ہوتے اور نماز کے لئے اذان میں مناروں سے اپنا نام ذکر ہوتا سنتے تو اسے جاری کرنے والے اور اس پر عمل کرنے والے دونوں پر برابر حد نافذ کرتے- ہم بھی عجیب لوگ ہیں کہ علی کی خاطر ایک ایسا عمل کرتے ہیں' جسے وہ خود پسند نہیں فرماتے-

ہم ایک بار پھر اپنی اصلاحی تحریک کے ضمن میں شیعہ سے مطالبہ کریں گے کہ وہ اس اذان کی طرف رجوع کریں جو بلال حبشی نے مسجد رسول اللہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرامؓ جن میں حضرت علی بھی شامل تھے کی موجودگی میں کہی- اور اپنے شیعی مساجد کے مؤذنوں کو بھی اس اذان کا پابند بننے کیلئے کہیں گے- اگر مؤذنوں نے مساجد میں اس کی پابندی کی تو اس سے بڑا راستہ کھلے گا اور یہ اذان شیعہ گھروں میں داخل ہو جائے گی- جیسا کہ قبل ازیں علی اور فاطمۃ الزہراء کے گھروں میں داخل ہو چکی ہے"-

(ڈاکٹر موسیٰ موسوی 'الشیعہ والتصحیح' اردو ترجمہ بعنوان "اصلاح شیعہ" ص ۱۸۷-۱۸۸)

شیعہ اثناعشریہ جعفریہ کی تمام اذانوں میں دو مرتبہ "حی علی خیر العمل" بھی بولا جاتا ہے- اور بطور خاص یہ الزام لگاتے ہیں کہ امت کے خلیفہ ثانی عمرؓ بن الخطاب نے اس جملہ کو اذان سے نکال کر اس کی جگہ :- الصلاۃ خیر من النوم' داخل اذان کر دیا-

اس الزام کو غلط ثابت کرنے کے لئے تو صرف اتنی بات ہی کافی ہے کہ "الصلاۃ خیر من النوم" کا تعلق صرف اذان فجر سے ہے- جبکہ جعفریہ اثناعشریہ کی پانچوں ... اقامتوں میں "حی علی خیر العمل" موجود ہے- اگر شیعہ جعفریہ اس جملہ کو

صرف اذان فجر تک محدود رکھیں اور بقیہ چار اذانوں نیز اقامتوں سے خارج کر دیں تو پھر ان کی حضرت عمرؓ پر الزام تراشی عقلی و منطقی لحاظ سے نسبتاً مبنی بر حقیقت یا کم از کم قابل توجہ و تجزیہ قرار پا سکتی ہے۔ مگر مشکل یہ ہے کہ سیدنا عمرؓ و عثمانؓ کے بعد سیدنا علیؓ و حسنؓ کے پنجسالہ بااختیار دور امامت و خلافت میں بھی اذان فجر میں "الصلاۃ خیر من النوم" کو عالم اسلام میں برقرار رکھا گیا۔ اور نہ تو اذان فجر میں اس کے متبادل کے طور پر اور نہ ہی بقیہ اذانوں میں "حی علی خیر العمل" پکارنے کا سرکاری حکم جاری کیا گیا۔ اس طرح خلافت علوی و حسنی نے خلافت فاروقی و عثمانی کی اذان کی تائید و ترویج جاری رکھی۔ لہذا جعفری اثنا عشری اعتراض بسلسلہ اذان، سیدنا عمرؓ و عثمانؓ کی طرح سیدنا علیؓ و حسنؓ پر بھی حیثیت خلیفہ عائد ہوتا ہے۔ یا پھر کسی پر بھی عائد نہیں ہوتا اور باطل و بے بنیاد قرار پاتا ہے۔ اس سلسلہ میں ڈاکٹر موسی موسوی بھی اس موقف کی تائید کرتے ہیں، جس کے مطابق عہد نبوی کے آخری زمانہ میں یہ جملہ اذان فجر میں پکارا جاتا تھا مگر اس کی تشہیر و باقاعدہ سرکاری اعلان لزوم، عہد فاروقی میں اجماع صحابہؓ سے ہوا :-

"الصلاۃ خیر النوم" کی عبارت ایک اختلافی امر ہے۔ شیعہ کے علاوہ تمام اسلامی فرقے اس پر متفق ہیں کہ یہ عہد رسولؐ سے وارد ہے۔ بخلاف شیعہ کے جو اسے حضرت عمر بن خطاب کی طرف منسوب کرتے ہیں"۔

(ڈاکٹر موسی موسوی "الشیعہ والتصحیح" اردو ترجمہ "اصلاح شیعہ" ص ۱۸۶)

جعفریہ اثنا عشریہ کی اذان کے آخر میں "لا الہ الا اللہ" بھی ایک کے بجائے دو مرتبہ پکارا جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں بھی اہل عقل و دین خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ جب ابتداء کا "اللہ اکبر" آخر میں نصف (دو مرتبہ) ہو گیا تو ذکر توحید (اشھد أن لا الہ الا اللہ) بھی دو کے بجائے ایک مرتبہ لانا (لا الہ الا اللہ) حسن صوت و ترتیب نیز عقل و منطق سے زیادہ مطابقت رکھتا ہے یا دو مرتبہ فرمانا؟

وضوء

"مسند الامام زید" میں وضوء کے سلسلہ میں درج ذیل روایت ہے :-

"زید بن علی عن أبیه علی بن الحسین عن جده الحسین بن علی عن امیرالمؤمنین علی بن أبی طالب علیه السلام قال:—

رأیت رسول الله صلی الله علیه وسلم توضأ فغسل و جهه و ذراعیه ثلاثاً و تمضمض و استنشق ثلاثاً ومسح برأسه وأذنیه مرة و غسل قدمیه ثلاثاً"—

(مسند الامام زید' کتاب الطهارة' باب فی ذکر الوضوء' ص ٤٩ — ٥٦' بیروت دارمکتبة الحیاة' ١٩٦٦م)—

ترجمہ :- زید بن علی نے اپنے والد علی بن حسین سے روایت کیا ' جنہوں نے انکے دادا حسین بن علی سے اور انہوں نے امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام سے روایت کیا کہ آپ نے فرمایا :-

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وضوء کرتے دیکھا- چنانچہ انہوں نے اپنے چہرے اور دونوں ہاتھوں کو کہنیوں تک تین تین مرتبہ دھویا- تین مرتبہ کلی فرمائی اور ناک میں پانی ڈال کر اسے صاف کیا- ایک مرتبہ اپنے سر اور دونوں کانوں کا مسح فرمایا اور تین تین مرتبہ اپنے دونوں پاؤں دھوئے-

حضرت علیؓ سے مروی اس سلسلہ کی ایک مزید شیعہ روایت یہ واضح کرتی ہے کہ سورۃ المائدہ میں آیت وضوء نازل ہونے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسح کے بجائے غسل رجلین (دونوں پاؤں دھونے) پر عمل شروع فرمادیا تھا :-

"حدثنی زید بن علی عن أبیه عن جده عن علی علیهم السلام أن رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم مسح قبل نزول المائدة ' فلما نزلت آیة المائدة لم یمسح بعدها"—

(مسند زید' کتاب الطهارة' باب المسح علی الخفین والجبائر' ص ٨٠)—

ترجمہ :- (راوی ابو خالد واسطی کا بیان ہے کہ) مجھے زید بن علی نے اپنے والد سے روایت کرکے بتلایا- جنہوں نے ان کے دادا (حسین) سے اور انہوں نے علی علیھم السلام سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سورہ مائدہ کے نازل ہونے سے پہلے (پاؤں کا) مسح فرماتے تھے- پس جب سورہ مائدہ کی آیت وضوء نازل ہوئی تو اس کے بعد انہوں نے مسح نہیں فرمایا-

اسی حدیث کے حاشیہ میں شارح مسند امام زید نے شیعہ امامیہ (اثنا عشریہ جعفریہ) کے وضوء میں پاؤں نہ دھونے اور ننگے پیروں کا صرف مسح کرنے کو جزو وضو قرار دینے کا تذکرہ یوں کیا ہے :-

" أما الامامية فيمتنعون المسح على الخفين ' و أما ظاهر القدمين فيمسحون ' ولا يغلسون القدمين أصلاً " -

(مسند الامام زيد ' كتاب الطهارة ' ص ٨١ ' حاشيه ١)

(ترجمہ :- امامیہ (اثنا عشریہ) موزوں پر مسح کے قائل نہیں- البتہ وہ ننگے پیروں کا مسح کرتے ہیں اور دونوں پیروں کو دھونے کا بالکل نہیں-

یعنی مطلب یہ کہ شیعہ امامیہ جزو وضو سمجھ کر آخر میں پاؤں نہیں دھوتے- اور یہاں موزوں پر جس مسح کا ذکر ہے اس سے (چمڑے وغیرہ کے) موزوں پر اہل سنت و شیعہ زیدیہ وغیرہ کا مسح کرنا مراد ہے- جو قیام کی حالت میں بالعموم ایک دن رات اور سفر کی حالت میں تین دن رات تک جائز ہے- بشرطیکہ موزوں میں داخل کرنے سے پہلے وضو میں پاؤں دھو لئے گئے ہوں- یہ استثنائی حکم اسی طرح درست ہے جس طرح حکم تیمم- مگر عام حالات میں وضو کے آخر میں دونوں پاؤں نہ دھونا اہل سنت کے علاوہ شیعہ زیدیہ وغیرہ کے نزدیک بھی خلاف قرآن و سنت ہے- تاہم جعفریہ اثنا عشریہ صرف تقیہ کے طور پر اس کی اجازت دیتے ہیں- بقول خمینی :-

" اہل سنت کی جماعت میں شرکت کے لئے اگر کوئی شخص تقیہ کی خاطر ان کی طرح وضو کرے اور ہاتھ باندھ کر نماز پڑھے- اور [illegible] کو زمین پر لگائے تو اس کی نماز صحیح ہے- اور پھر سے پڑھنا ضروری نہیں

(فتاوی نماز وحج از امام خمینی، مؤرخہ ۲۸ شوال ۱۳۹۹ھ، حوالہ مقالہ- ملی آزار شیرازی بعنوان " اتحاد اسلامی " در مجلہ " فجر " اسلام آباد، ربیع الاول ۱۴۰۵ھ، ص ۲۷-۲۸)-

مہر نماز

سجدہ میں پیشانی کو زمین پر ٹکانے کے حوالے سے شیعہ زیدیہ کے برعکس جعفریہ اثناعشریہ کے مخصوص فقہی مسائل مختصراً ملاحظہ ہوں :-

"(۱۰۷۴)- سجدہ زمین اور ان چیزوں پر ہو سکتا ہے جو زمین سے اگتی ہیں- اور کھانے کے کام نہیں آتیں-مثلاً لکڑی اور درخت کے پتے- اور وہ چیزیں جو کھانے اور پہننے کے کام آتی ہیں، ان پر سجدہ صحیح نہیں-اور معدنیات پر بھی مثلاً سونا چاندی اور فیروزہ پر سجدہ باطل ہے- باقی رہا معدنی پتھروں پر سجدہ کرنا مثلاً سنگ مرمر یا سیاہ پتھر تو اس میں کوئی اشکال نہیں-

(۱۰۷۲)- ان چیزوں پر سجدہ کرنا جو زمین سے اگتی ہیں اور جانوروں کی خوراک بنتی ہیں، مثلاً چارہ اور گھاس، صحیح ہے-

(۱۰۷۹)- آہنگ اور چونے کے پتھر پر سجدہ کرنا صحیح ہے-بلکہ پختہ چونے اور سیمنٹ، اینٹ اور مٹی کے لوٹے اور اس قسم کی چیزوں پر بھی سجدہ صحیح ہے-

(۱۰۸۰) کاغذ ایسی چیز سے بنا ہو کہ جس پر سجدہ صحیح ہے- مثلاً گھاس، تو اس پر سجدہ کر سکتے ہیں- اور اس کاغذ پر سجدہ کرنے میں بھی کوئی اشکال نہیں، جو روئی وغیرہ سے بنا ہو-

(۱۰۸۱)- سجدہ کیلئے ہر چیز سے بہتر تربت حضرت سید الشہداء علیہ السلام ہے-اور اس کے بعد مٹی، اور مٹی کے بعد پتھر، اور پتھر کے بعد گھاس ہے-

(سید روح اللہ خمینی، توضیح المسائل (فارسی) اردو ترجمہ مولانا سید صفدر حسین نجفی، احکام نماز، وہ چیزیں جن پر سجدہ جائز ہے، ص ۱۶۶، ببعد، امامیہ پبلیکیشنز لاہور، محرم ۱۴۰۷ھ)-

اہل سنت کی نماز باجماعت میں شرکت کے علاوہ انقلاب ایران کے بعد امام خمینی نے حرمین میں مہر نماز نہ لے جانے کا فتویٰ بھی ارشاد فرمایا :-

" مسجد الحرام اور مسجد نبوی میں مہر نماز رکھنا اور اس پر سجدہ کرنا حرام ہے-اور نماز میں خرابی پیدا ہوتی ہے"- (از فتاوی امام خمینی برائے حجاج مورخہ ۲۸ شوال ۱۳۹۹ھ) -
(بحوالہ مقالہ علی آزار شیرازی بعنوان "اتحاد اسلامی" مطبوعہ مجلہ "فجر" اسلام آباد، ربیع الاول ۱۴۰۵ھ، ص ۲۷-۲۸)-

سجدہ گاہ یا مہر نماز کا لازم ہونا، تقیہ کی حالت میں غیر ضروری ہونا اور مسجد الحرام و مسجد نبوی میں باعث خرابی نماز و حرام ہونا جعفریہ اثنا عشریہ کے ایسے مختلف و متضاد مواقف ہیں جن پر غیر اثنا عشری شیعہ فرقے بھی اظہار تعجب کرتے ہیں- چنانچہ زیدیہ وغیرہ کے برعکس جعفریہ اثنا عشریہ کے اس خاص مسئلہ کے حوالہ سے شیعہ مجتہد ڈاکٹر موسیٰ موسوی اپنی ... خیالی ظاہر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

"ہم شیعہ سے اس سے زیادہ کوئی مطالبہ نہیں کرتے کہ مٹی اور اس سے ماخوذ چیزوں مثلاً لکڑی، چٹائی اور کنکریوں پر سجدہ صحیح ہونے کے متعلق اسی رائے پر عمل کریں جس پر مسلمانوں کے تمام فقہاء کا اجماع ہے- اور شیعہ فقہاء بھی ان میں شامل ہیں- ان میں سے جس پر سجدہ درست ہے، اسی پر کریں-اس طرح وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، امام علی اور ائمہ کی پیروی کریں گے جنہوں نے خاک کربلا نامی کسی چیز پر سجدہ نہیں کیا- اور خاک کربلا پر سجدہ کی پابندی ترک کردیں گے-جس میں بیک وقت بدعت اور فرقہ بندی کے تمام اثرات موجود ہیں-اور مجھے کوئی شک نہیں ہے کہ دیگر اسلامی فرقوں کو جونہی اس فقہی نظریہ کا علم ہوگا جس کی اساس اجتہاد پر ہے تو یقیناً وہ کسی ایسی مسجد کی ضمانت دیدیں گے جو شیعہ کی اپنی مساجد میں اس اہتمام کے لئے موزوں ہو-اور وہ انہیں چٹائی یا اس سے ملتی جلتی کوئی زمین یا درخت سے ماخوذ چیز مہیا کردیں گے"- -

(ڈاکٹر موسیٰ موسوی، الشیعہ والتصحیح اردو ترجمہ از ابو مسعود آل امام بعنوان "اصلاح شیعہ" ص ۲۰۷، فروری ۱۹۹۰ء)-

تفصیلات نماز

شیعہ زیدیہ کے امام سیدنا زید بن علی زین العابدینؒ کی ائمہ سابقین سے روایت کردہ ہیئت وترکیب و تفصیل نماز بطور مجموعی وہی ہے' جو امت کی غالب اکثریت "اہل سنت والجماعت" کے ہاں مروجی ورائج ہے- مثلاً :-

اوقات نماز

"حدثنی زید بن علی بن أبیه عن جده (ع م) قال نزل جبریل (ع م) علی النبی (ص) حین زالت الشمس أمره أن یصلی الظهر– ثم نزل علیه حین کان الفئی قامة فأمره أن یصلي العصر– ثم نزل علیه حین وقع قرص الشمس فأمره أن یصلی المغرب– ثم نزل علیه حین وقع الشفق فأمره أن یصلی العشاء – ثم نزل علیه حین طلع الفجر فأمره أن یصلی الفجر–

ثم نزل علیه من الغد حین کان الفئي علی قامة من الزوال فأمره أن یصلی الظهر– ثم نزل علیه حین کان الفئی قامتین من الزوال فأمره أن یصلی العصر– ثم نزل علیه حین وقع القرص فأمره أن یصلی المغرب– ثم نزل علیه بعد ذهاب ثلث اللیل فأمره أن یصلی العشاء– ثم نزل علیه حین أسفر الفجر فأمره أن یصلی الفجر– ثم قال: یا رسول الله! مابین هذین الوقتین وقت"–

(مسند الامام زید' کتاب الصلاة' باب أوقات الصلاة' ص ۹۸–۹۹)–

ترجمہ :- (راوی ابوخالد واسطی کا کہتا ہے کہ) مجھے زید بن علی نے اپنے والد کی داوا (ع.م) سے روایت کے حوالہ سے بتلایا کہ انھوں نے فرمایا :-

جبریل (ع.م) نبی (ص) پر سورج ڈھلنے کے بعد نازل ہوئے- پس انھیں نماز ظہر پڑھنے کا حکم سنایا- پھر آپ پر اس وقت نازل ہوئے جب سایہ قامت کے برابر تھا- پس آپ کو نماز عصر پڑھنے کا حکم دیا- پھر آپ پر اس وقت نازل ہوئے جب سورج کی ٹکیہ

غائب ہو گئی- پس انہیں نماز مغرب پڑھنے کا حکم دیا- پھر آپ پر اس وقت نازل ہوئے جب شفق کی سرخی غائب ہو گئی- اور آپ کو نماز عشاء پڑھنے کا حکم دیا- پھر طلوع فجر کے وقت آپ پر نازل ہوئے' پس آپ کو فجر پڑھنے کا حکم دیا-

پھر اگلے روز اس وقت نازل ہوئے جب سایہ زوال کے بعد قامت کے برابر تھا- پس آپ کو نماز ظہر پڑھنے کا حکم دیا- پھر اس وقت نازل ہوئے جب سایہ زوال کے بعد دو قامت کے برابر تھا- اور آپ کو نماز عصر پڑھنے کا حکم سنایا-

پھر اس وقت نازل ہوئے جب سورج کی ٹکیہ غائب ہو گئی- اور نماز مغرب پڑھنے کا حکم دیا- پھر رات کا ایک تہائی گزر جانے کے بعد آپ پر نازل ہوئے اور عشاء پڑھنے کا حکم سنایا- پھر اس وقت نازل ہوئے جب فجر کی روشنی پھیل گئی' پس آپ کو فجر پڑھنے کا حکم دیا- پھر عرض کیا: یارسول اللہ! ان دو دو حدوں کے درمیان ہر نماز کا وقت ہے-

نیز امام زید اوقات نماز کے حوالہ سے یہ بھی روایت فرماتے ہیں :-

"حدثني زيد بن علي عن أبيه عن جده (ع م) عن علي بن أبي طالب كرم الله وجهه أنه سأله رجل: ما إفراط الصلوة؟ قال : إذا دخل الوقت الذي بعدها"-

(مسند الامام زيد' كتاب الصلاة' باب أوقات الصلاة' ص ٩٩' دارمكتبة الحياة' بيروت ١٩٦٦ھ)-

ترجمہ :- (راوی ابوخالد واسطی کا بیان ہے کہ) مجھے زید بن علی نے اپنے والد اور دادا کے توسط سے علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ سے روایت کر کے بتلایا کہ ایک آدمی نے ان سے سوال کیا کہ نماز میں افراط و زیادتی کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: جب کسی نماز کے بعد والی نماز کا وقت شروع ہو جائے تو پھر سابقہ نماز کی ادائیگی بے وقت شمار ہو گی-

روایات شیعہ زیدیہ کے برعکس جعفریہ اثنا عشریہ نماز مغرب کا ابتدائی وقت سورج ڈوبنے کے بعد قدرے سیاہی چھا جانے پر شمار کرتے ہیں- البتہ انقلاب ایران کے بعد جعفریہ اثنا عشریہ کو اہل سنت کے ساتھ باجماعت نماز اہل سنت کے وقت مغرب کے

مطابق جعفری "غروب شرعی" سے پہلے "غرب عرفی" (معروف معنوں میں غروب آفتاب) پر ادائیگی نماز کی تقیہ مداراتی (خوش اخلاقی والا تقیہ) کے تحت اجازت دیدی گئی ہے- (بحوالہ فتاوی امام خمینی برائے حجاج کرام بتاریخ ۲۸ شوال ۱۳۹۹ھ)-

اس کی تائید امام خمینی کے درج ذیل فتوی سے بھی ہوتی ہے :-

"سفارت جمہوری اسلامی ایران در دہلی نو (ہندوستان) سؤالی رابشرح زیر مطرح واز دفتر امام استفتاء نمودہ است-

سوال : درغیر از موارد حج شیعیان می توانند بہ امام اہل تسنن اقتداء نمایند یا خیر؟

جواب :- بسمہ تعالی : می توانند-

سوال : حج کے موقع کے علاوہ شیعہ افراد اہل تسنن سے تعلق رکھنے والے امام کی اقتداء (امام کے پیچھے نماز پڑھنا) کر سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب :- بسمہ تعالی :- کر سکتے ہیں-

مہر اور دستخط

(سید روح اللہ موسوی الخمینی)

(بحوالہ مجلہ "وحدت اسلامی" راولپنڈی اسلام آباد' شمارہ ۱۱' جلد ۱' ماہ محرم الحرام ۱۴۰۴ھ' ص ۱۸' یکے از مطبوعات سفارت جمہوری اسلامی ایران در پاکستان)-

جعفریہ اثنا عشریہ وقت مغرب میں تقریباً دس منٹ کی تاخیر سے افطار کے علاوہ شیعہ زیدیہ واہل سنت وغیرہ کے برعکس حج وسفر کے علاوہ بھی دو نمازیں (ظہر وعصر نیز مغرب وعشاء) اکٹھی پڑھنا (جمع بین الصلاتین) درست قرار دیتے ہیں- اور ہر نماز کو اس کے وقت فضیلت (ازروئے فقہ جعفری) میں ادا کرنے کو افضل قرار دینے کے باوجود اثنا عشری مساجد میں بھی ظہرین (ظہر وعصر) ومغربین (مغرب و عشاء) یکے بعد دیگرے بیک وقت ادا کرنے کے غیر افضل طریقہ پر عمل پیرا ہیں- اس سلسلہ میں شیعہ عالم ڈاکٹر موسی موسوی فرماتے ہیں :-

"شیعہ فقہاء کی اکثریت مقررہ وقت میں نماز پڑھنے کے مستحب ہونے کا فتوی

دیتی ہے' لیکن عملی طور پر جمع کر کے ہی پڑھتے ہیں- اور شیعہ کی مساجد میں نماز پر اس کے مطابق عمل ہو رہا ہے"-

(ڈاکٹر موسی موسوی الشیعہ التصحیح اردو ترجمہ از ابو مسعود آل امام بعنوان "اصلاح شیعہ" ص ۲۳۸)-

اسی سلسلہ میں ڈاکٹر موسوی' فاضل نجف اشرف' عصر نبوی کے حوالہ سے فرماتے ہیں :-

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں واقع اپنی مسجد میں پانچ اوقات میں نماز پڑھتے تھے- اور آپ کے بعد حضرت علیؓ سمیت تمام خلفاء کا عمل بھی یہی رہا- ائمہ شیعہ کا طریق کار بھی یہی تھا- اگر آپ نے سفر کے بغیر ایک یا دو بار نمازوں کو جمع کر کے پڑھا بھی' تو وہ مرض یا کسی دوسری وجہ سے جمع کی رخصت بیان کرنے کے لئے تھا- رہا آپ کا مستقل عمل تو آپ نے ہمیشہ پانچ اوقات کی پابندی فرمائی"-

(ڈاکٹر موسی موسوی' الشیعہ والتصحیح' اردو ترجمہ بعنوان' اصلاح شیعہ' ص ۲۳۸- ۲۳۹)-

ڈاکٹر موسوی اسی حوالہ سے جعفریہ اثنا عشریہ کو علیحدہ علیحدہ اوقات فضیلت میں پانچ نمازوں کی ادائیگی کی تلقین کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

"میں نہیں سمجھتا کہ مسلمانوں میں ایک فرد بھی ایسا ہو گا جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آپ کے طریق کار کے بالمقابل دوسروں کے عمل و آراء کو افضل خیال کرتا ہو- اسی بناء پر ہم شیعہ ائمہ مساجد اور خود شیعہ کو تنبیہ کرتے ہیں کہ بروقت نماز ادا کرنے کا التزام کریں- اور وہ پانچ نمازیں اپنے پیش نظر رکھا کریں جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ مہاجرین و انصار کے ساتھ مدینہ منورہ میں واقع اپنی مسجد میں ادا کرتے تھے- اور اس راستے سے انحراف نہ کریں جو پیغمبر نے اہل اسلام کے لئے مقرر فرمایا ہے- اس لئے کہ ان کی عزت' کرامت اور شوکت آپ کی اقتداء کرنے اور آپ کی سنت پر عمل پیرا ہونے میں ہے-

یہ دیکھئے امام علی بھی مختلف شہروں کے حاکموں کو نماز اور اس کے اوقات کے

متعلق خط لکھتے ہیں :-

امابعد ! لوگوں کو ظہر کی نماز بکریوں کے باڑے سے دھوپ لوٹ جانے سے پہلے پڑھایا کرو- اور عصر کی نماز اس وقت پڑھاؤ جبکہ سورج تیز' سفید اور روشن ہو- اور مغرب اس وقت پڑھاؤ جب روزہ دار روزہ افطار کرتا ہے- اور عشاء کی نماز شفق غائب ہونے سے ایک تہائی رات گزرنے تک پڑھادیا کرو- اور صبح کو نماز اس وقت پڑھایا کرو جب آدمی اپنے ساتھی کا چہرہ پہچان سکتا ہو"-

(ڈاکٹر موسیٰ موسوی "الشیعہ والتصحیح" اردو ترجمہ بعنوان "اصلاح شیعہ" ص ۲۳۹-۲۴۰ بحوالہ "نہج البلاغہ" ج ۳' ص ۸۲)-

وضع اليدين فى الصلاة

(دونوں ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنا)

امام زید بن علی زین العابدینؒ سابقہ ائمہ اہل بیت سے روایت کرتے ہیں کہ ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنا اخلاق انبیاء کا حصہ ہے :-

"حدثني زيد بن على عن أبيه عن جده عن على (ع م) قال:-
ثلاث من أخلاق الأنبياء صلاة الله وسلامه عليهم :- تعجيل الإفطار وتاخير السحور و وضع الكف على الكف تحت السرة"-

(مسند الامام زيد' كتاب الصوم ' باب الافطار' ص ٢٠٤ - ٢٠٥) دار مكتبة الحياة' بيروت ١٩٦٦م)-

ترجمہ :- (راوی ابو خالد کا کہنا ہے کہ) مجھے زید بن علی نے اپنے والد' دادا اور حضرت علی (ع'م) سے روایت کر کے بتلایا کہ تین چیزیں انبیاء صلاۃ اللہ و سلامہ علیہم کے اخلاق و عادات میں سے ہیں :- روزہ جلدی کھولنا' سحری دیر سے کھانا' اور ناف تلے ہاتھ پر ہاتھ باندھنا-

مسند الامام زید کے ساتھ طبع شدہ آٹھویں اثنا عشری امام علی الرضا کی مسند میں

بھی نبی علیہ السلام کے ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنے کی حدیث موجود ہے-اور سلسلہ روایت یوں درج شدہ ہے جو علی زین العابدینؒ پر جا کر سلسلہ راویان امام زیدؒ سے جا ملتا ہے-

"علی الرضی عن أبیه موسی بن جعفر عن أبیه جعفر بن محمد عن أبیه محمد بن علی عن أبیه علی بن الحسین عن أبیه الحسین بن علی عن أبیه علی بن أبی طالب عن رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم"-

(مسند الامام علی الرضی' مطبوعة مع مسند الامام زید' ص ٤٣٩-٤٤٠' بیروت' دارمکتبة الحیاة' ١٩٦٦م)-

علی رضا اپنے والد موسیٰ بن جعفر سے روایت کرتے ہیں-وہ اپنے والد جعفر بن محمد سے' وہ اپنے والد محمد بن علی سے اور وہ اپنے والد علی بن حسین سے روایت کرتے ہیں- جو اپنے والد حسین بن علی سے اور وہ اپنے والد علی بن ابی طالب سے روایت کرتے ہیں-جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں-

"وباسناده قال:- رأیت النبی (ص) کبر علی عمه حمزة علیه السلام خمس تکبیرات- وکبر علی الشهداء بعده خمس تکبیرات- فلحق بحمزة سبعون تکبیرة- ووضع یده الیمنی علی یده الیسری"-

(مسند الامام علی الرضی' مطبوعة مع مسند الامام زید' بیروت' دارمکتبة الحیاة' ١٩٦٦ م' الباب الثالث في الحث علی الصلوات الخمس وصفة صلاة الجنازة' ص ٤٥٢)-

ترجمہ:- انہوں (علی رضا) نے اپنی اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے کہ آپ (علی بن ابی طالب) نے فرمایا:-میں نے نبی (ص) کو اپنے چچا حمزہ علیہ السلام کے جنازے پر پانچ تکبیریں پڑھتے دیکھا-پھر آپ نے اس کے بعد دیگر شہداء (احد) پر بھی پانچ پانچ تکبیرات نماز (جنازہ) پڑھیں-پس آپ نے حمزہ کے ساتھ ملا کر کل ستر تکبیرات پڑھیں- اور آپ نے (نماز جنازہ میں) اپنے دائیں ہاتھ کو اپنے بائیں ہاتھ پر رکھا-

امام زید کی روایت کے مطابق نبی علیہ السلام نماز جنازہ میں چار تکبیریں بھی کہا کرتے تھے اور اس سے زیادہ بھی:-

"حدثني زيد بن علي عن أبيه عن جده عن علي عليه السلام أنه كبر أربعاً وخمساً و ستاً و سبعاً"۔

(مسند الامام زید' کتاب الصلاة' الصلاة علی المیت)۔

ترجمہ :- مجھے زید بن علی نے اپنے والد اور دادا کے توسط سے علیؑ علیہ السلام سے روایت کر کے بتلایا کہ آپ نے نماز جنازہ میں چار تکبیریں بھی پڑھیں نیز پانچ' چھ اور سات بھی کہیں۔

مگر جعفریہ اثنا عشریہ پانچ سے کم تکبیرات پر مشتمل نماز جنازہ کو جائز نہیں قرار دیتے :-

"لا يجوز أقل من خمس تكبيرات إلا للتقية"۔

(روح الله الخميني' تحرير الوسيلة' كتاب الطهارة' القول في كيفية صلاة الميت' طبع ايران' ج ۱' ص ۷۳)۔

ترجمہ :- پانچ تکبیروں سے کم نماز جنازہ میں جائز نہیں۔ البتہ تقیہ کے طور پر درست ہے۔

امام موسیٰ کاظم بن جعفر الصادقؒ کی نسل میں سے دعویدار امامت اور ایک مستقل بالذات شیعہ فرقہ کے بانی الامام الھدیٰ سید محمد الملقب بہ نوربخشؒ (۷۹۵-۸۶۹ھ) کے پیروکار بھی ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنا' ہاتھ کھول کر نماز پڑھنے کی طرح ہی درست قرار دیتے ہیں۔ اور موسمی حالات کے مطابق ترجیح و عدم ترجیح وضع یدین و ارسال یدین کے قائل ہیں :-

"وأما أدب اليدين حال القيام' يجوز إرسالهما ويجوز عقدهما— والأولى في الصيف إرسالهما وفي الشتاء عقدهما"—

(کتاب فقه اماميه نوربخش المعروف به " سراج الاسلام" ص ۹۵'— وراجع مقاله ڈاکٹر مولوی محمد شفیع " فرقه نوربخشی— نور بخشی عقائد" مطبوعه اورینٹل کالج میگزین' لاهور' مئی ۱۹۲۵ء' ص ۵۹ حاشیه ۱)—

ترجمہ :- جہاں تک قیام نماز کی حالت میں ہاتھوں کے آداب کا تعلق ہے تو دونوں ہاتھوں کا کھلا رکھنا بھی جائز ہے-اور دونوں ہاتھ باندھ لینا بھی جائز ہے- اور بہتر یہ ہے کہ موسم گرما میں دونوں ہاتھ کھول کر اور سردیوں میں دونوں ہاتھ باندھ کر نماز پڑھی جائے-

چنانچہ ہاتھ کھول کر نماز پڑھنے کے ساتھ ساتھ شیعہ زیدیہ روایات ائمہ اہل بیت کے مطابق ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنا اخلاق انبیاء وسنت رسولؐ کے مطابق درست قرار دیتے ہیں-اور مذکورہ مسند الامام علی رضا کے مطابق نیز دیگر شیعہ فرقوں (نور بخشیہ وغیرہ) کے نزدیک ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنا شرعاً درست و مستند ہے-اور ہاتھ کھول کر نماز پڑھنا بھی جائز ہے- مگر جعفریہ اثناعشریہ ان تمام شیعی روایات و احکام کے باوجود ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنا باطل قرار دیتے ہیں :-

"مبطلات نماز میں سے ایک یہ ہے کہ بعض اشخاص کہ جو شیعہ نہیں ہیں' ان کی طرح ہاتھ پر ہاتھ رکھ لے- (ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنا)"-

(امام خمینی' توضیح المسائل' اردو ترجمہ از سید صفدر حسین نجفی' احکام الصلاۃ' ص ۱۷۷' امامیہ پبلیکیشنز' لاہور' محرم ۱۴۰۷ھ)-

"جب ادب کے طور پر ہاتھ باندھ لے' اگرچہ ان لوگوں (ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنے والے) کی طرح نہ ہو تو بھی احتیاط واجب یہ ہے کہ نماز دوبارہ پڑھے-البتہ اگر بھول کر یا مجبوراً کسی اور وجہ سے' مثلاً خراشنے کے لئے ہاتھ پر ہاتھ کو رکھ دے تو کوئی اشکال نہیں"-(امام خمینی' توضیح المسائل' اردو ترجمہ از صفدر نجفی' احکام الصلاۃ' ص ۱۷۷)-

اسی حوالہ سے امام خمینی اپنی عربی فقہی تصنیف میں نماز کو باطل کر دینے والی چیزوں (مبطلات الصلاۃ) کا ذکر کرتے ہوئے ہاتھ باندھنے کے بارے میں فرماتے ہیں :-

"ثانيها التكفير– وهو وضع إحدى اليدين على الأخرى نحو مايصنعه غيرنا – وهو مبطل عمداً على الأقوى لا سهواً – وإن كان الأحوط فيها الإعادة – ولا بأس بها حال التقية"-

(روح الله الخميني' تحرير الوسيلة' كتاب الصلاة' القول فى مبطلات

الصلاۃ المجلد الأول' ص ۱٦۸' طبع ایران)۔

ترجمہ :- نماز کو باطل کر دینے والی چیزوں میں سے دوسری "تکفیر" ہے۔ یعنی ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر رکھ دینا۔ جس طرح ہمارے (جعفریہ اثنا عشریہ کے) علاوہ دوسرے لوگ کرتے ہیں۔زیادہ قوی رائے کے مطابق جان بوجھ کر ایسا کرنا تو نماز کو باطل کر دیتا ہے' مگر بھول چوک سے ایسا ہو جائے تو نماز باطل نہیں ہوتی۔اگرچہ اس صورت میں بھی زیادہ محتاط رویہ یہی ہے کہ نماز دوبارہ پڑھی جائے۔ البتہ "تقیہ" کی حالت میں اس میں (ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنے میں) کوئی حرج نہیں۔

مرد کیلئے صرف تقیہ کے تحت ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنے کی اجازت کے ساتھ ساتھ عورت کے لئے جعفریہ اثنا عشریہ کے نزدیک ہاتھ کھولنے کے بجائے سینہ پر ہاتھ رکھ کر نماز پڑھنا سنت طریقہ ہے :-

"مرد اپنے ہاتھ بالمقابل گھٹنوں کے' رانوں پر اور عورت اپنے ہاتھ چھاتیوں پر علیحدہ علیحدہ رکھے"۔

(مولانا سید منظور حسین نقوی' تحفۃ العوام کامل جدید' ص ۱۳۱' کتب خانہ اثنا عشریہ' چھٹا ایڈیشن' نومبر ۱۹٦۷ء)۔

جعفریہ اثنا عشریہ ہاتھ کھول کر نماز پڑھنے کی تائید میں اہل سنت میں سے فقہ مالکی کے پیروکاروں کے ہاتھ کھول کر نماز پڑھنے کا بطور خاص تذکرہ کرتے ہیں۔ جبکہ یہاں اختلافی مسئلہ یہ نہیں کہ ہاتھ کھول کر نماز پڑھنے کی گنجائش موجود ہے یا نہیں' بلکہ مسئلہ زیر بحث یہ ہے کہ جعفریہ اثنا عشریہ کا ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنے کو باطل قرار دینا خود غیر اثنا عشری شیعہ فرقوں (زیدیہ' نور بخشیہ وغیرہ) کے نزدیک بھی نا قابل تسلیم ہے۔ خود مالکیہ ہاتھ کھول کر نماز پڑھنے کے باوجود ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنا درست و مستحب قرار دیتے ہیں۔اور اس سلسلہ میں فقہ مالکی کے بانی امام دار الھجرۃ امام مالک بن انس (م ۱۷۹ھ' مدینہ) کے مسند احمد (م ۲۴۱ھ) نیز صحاح ستہ سے قدیم تر مجموعہ احادیث نبویہ "الموطا" میں ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنے کی روایات موجود ہیں :-

"عن عبدالکریم بن أبی المخارق البصری أنه قال:- من کلام

النبوة:— إذا لم تستح فافعل ما شئت — ووضع اليدين إحداهما على الأخرى فى الصلوة يضع اليمنى على إليسرى — وتعجيل الفطر والاستيناء بالسحور"—

(موطا الامام مالك' برواية يحيى الليشى ' شرح و تعليق: احمد راتب راموش' بيروت' دارالنفائس' ١٩٧١م ' كتاب الصلاة' وضع اليدين إحداهما على الأخرى فى الصلاة' ص ١١١)—

ترجمہ :- عبدالکریم بن ابی المخارق بصری سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا :-

یہ بات کلام نبوت میں سے ہے کہ :-

جب تو بے حیا ہو جائے تو جو تیرا جی چاہے کر تا پھر-

اور نماز میں ایک ہاتھ پر دوسرا ہاتھ رکھنا- یعنی دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھ کر باندھنا- نیز افطار میں جلدی کرنا اور سحری دیر سے کھانا-

"عن سهل بن سعد أنه قال:=كان الناس يؤمرون أن يضع الرجل اليد اليمنى على ذراعه اليسرى فى الصلاة — قال ابوحازم : لااعلم إلاأنه ينهى ذلك— (اى يرفعه الى الرسول صلى الله عليه وسلم)"—

(موطا الامام مالك ' كتاب الصلاة' وضع اليدين إحداهما على الأخرى' ص ١١١' ومابين القوسين : — حاشيه ٣ ' ص ١١١)—

ترجمہ :- سھل بن سعد سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا :-

لوگوں کو اس بات کا حکم دیا جاتا تھا- کہ بندہ نماز میں اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر رکھے-(راوی) ابوحازم کا کہنا ہے کہ مجھے علم نہیں مگر یہ کہ وہ (سہل) اس روایت حدیث کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتے تھے-

آخر نماز میں دائیں بائیں سلام پھیرنا

امام زید کی روایت کے مطابق امام علیؑ نماز کے آخر میں دائیں سے بائیں سلام پھیرتے تھے جبکہ جعفریہ اثنا عشریہ اس پر محض استثنائی صورتوں میں (مثلاً اہل سنت

کے ساتھ نماز باجماعت ادا کرتے وقت) عمل کرتے ہیں۔ اور متعدد کے بقول اگرچہ اس کی ممانعت نہیں مگر اس کا حکم لازم بھی موجود نہیں :-

حدثنی زید بن علی عن أبیه عن جده (ع۔ م) عن علی بن أبی طالب کرم الله وجهه أنه کان إذا تشهد قال:-

التحیات لله والصلوات والطیبات-----

أشهد أن لا اله إله الله وأشهد أن محمداً عبده و رسوله-

ثم یحمدالله ویثنی علیه ویصلی علی النبی-

ثم یسلم عن یمینه و عن شماله:- السلام علیکم ورحمة الله-

(مسند الامام زید' کتاب الصلاة' باب التشهد' ص ۱۰۸ - ۱۰۹)-

ترجمہ :- (راوی ابو خالد واسطی کا کہنا ہے کہ) مجھے زید بن علی نے اپنے والد سے اپنے دادا (ع۔م) کے توسط سے روایت کر کے بتلایا کہ انہوں نے (ع۔م) علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کے حوالے سے روایت فرمایا کہ وہ (علی) جب نماز کے تشہد میں بیٹھتے تو فرماتے :- تمام درود و سلام و پاکیزہ کلمات اللہ کے لئے ہیں------

اشهد أن لا اله الا الله واشهد أن محمداً عبده و رسوله-

پھر اللہ کی حمد و ثناء اور نبی پر درود بھیجنے کے بعد دائیں اور بائیں طرف "السلام علیکم ورحمتہ اللہ" کہہ کر سلام پھیرتے-

رفع الیدین فی الصلاۃ

(نماز میں تکبیروں پر ہاتھ اٹھانا)

شیعہ زیدیہ کی روایات اہل بیت کے مطابق امام علیؑ صرف نماز کے شروع میں نیت باندھتے وقت پہلی دفعہ "اللہ اکبر" (تکبیرۃ الاحرام) پر دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھاتے تھے۔ اس کے بعد بقیہ تکبیروں پر رفع یدین نہیں کرتے تھے :-

"حدثنی زید بن علی عن أبیه عن جدہ (ع.م) عن علی بن أبی طالب کرم اللہ تعالی وجھه أنه کان یرفع یدیه فی التکبیرۃ الأولی إلی فروع أذنیه ثم لا یرفعهما حتی یقضی الصلوۃ"۔

(مسند الامام زید' کتاب الصلاۃ' باب التکبیر فی الصلاۃ' ص ۱۰۰ — ۱۰۱ بیروت' دار مکتبة الحیاۃ' ۱۹۶۶م)۔

ترجمہ :- مجھے زید بن علی نے اپنے والد سے اپنے دادا (ع. م) کے توسط سے علی بن ابی طالب کرم اللہ تعالی وجھہ سے روایت کر کے بتلایا کہ وہ نماز کی تکبیر اولی پر اپنے دونوں ہاتھوں کو کانوں کی لو تک اٹھاتے تھے' پھر اس کے بعد نماز ختم کرنے تک کسی تکبیر پر بھی رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

شیعہ زیدیہ کے برعکس جعفریہ اثنا عشریہ ہر ہر تکبیر پر رفع یدین کو مستحب (پسندیدہ' بہتر مگر لازمی نہیں) قرار دیتے ہیں :-

"مستحب ہے کہ نماز کی پہلی تکبیر اور نماز کے درمیان جو اور تکبیریں ہیں' انہیں کہتے وقت اپنے ہاتھوں کو کانوں کے برابر تک بلند کرے"۔

(امام خمینی' توضیح المسائل' اردو ترجمہ از صفدر نجفی' ص ۱۵۲' امامیہ پبلیکیشنز لاہور' محرم ۱۴۰۷ھ)۔

القنوت فی الصلاۃ

(نماز میں قنوت پڑھنا)

روایات اہل سنت کے مطابق نبی علیہ السلام نے نماز وتر میں قنوت کی پابندی کے علاوہ بعض مواقع پر نماز فجر کی دوسری فرض رکعت کے اختتام پر قنوت نازلہ پڑھی۔ شیعہ زیدیہ کی روایات میں نماز فجر و وتر میں مستقلاً قنوت پڑھنے کا ذکر یوں آیا ہے :-

"حدثنی زید بن علی عن أبیه عن جدہ عن علی (ع. م) أنه کان یقنت فی الفجر قبل الرکوع۔

وکان زید بن علی (ع.م) یقنت فی الفجر والوتر قبل الرکوع)۔

(مسند الامام زید' کتاب الصلاۃ' باب القنوت' ص ۱۰۹)

ترجمہ :- مجھے زید بن علی نے اپنے والد اور دادا کے توسط سے حضرت علی (ع.م) کے بارے میں روایت کرکے بتلایا کہ وہ فجر کی نماز میں رکوع کرنے سے پہلے دعائے قنوت پڑھا کرتے تھے۔

اور زید بن علی (ع.م) فجر اور وتر کی نماز میں رکوع سے پہلے قنوت پڑھتے تھے۔

امام زید کی روایت کے مطابق قنوت فجر بھی محض ایک دعا ہے جس کا نماز فجر میں پڑھنا بھی لازم نہیں :-

قال أبو خالد رضي الله عنه لما دخل زيد بن علي' سألت زيداً بن علي عليهما السلام عن الرجل الذي ينسى القنوت في الفجر حتى يركع ثم يرفع رأسه؟ فقال: لا يقنت بعد ذلك- قلت فهل عليه سجدتا السهو؟ فقال : لا- قلت: فان نسي قنوت الوتر حتى يركع؟ قال : يقنت بعد الركوع- قت: فإن ذكره وقد سجد؟ قال لا يقنت بعد السجود- وقال عليه السلام: إنما القنوت في الفجر دعاء وليس عليه في ذلك سهو"-

(مسند الامام زيد' كتاب الجنائز' باب مسائل من الصلاة' ص ۱۸۵ — ۱۰۶)-

ترجمہ :- ابو خالد رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب زید بن علی علیہما السلام تشریف لائے تو میں نے ان سے اس شخص کے بارے میں فتویٰ پوچھا جو نماز فجر میں قنوت پڑھنا بھول جائے یہاں تک کہ رکوع کرکے اپنا سر اٹھائے ؟ تو آپ نے فرمایا : اس کے بعد قنوت نہ پڑھے- میں نے عرض کیا کہ کیا (قنوت نہ پڑھ سکنے پر) اس کو دو سجدہ سہو کرنا پڑیں گے ؟ تو آپ نے فرمایا : نہیں- میں نے پوچھا : پس اگر نماز وتر میں قنوت پڑھنا بھول جائے یہاں تک کہ رکوع میں چلا جائے ؟ آپ نے فرمایا : رکوع سے اٹھنے کے بعد قنوت پڑھ لے- میں نے عرض کیا : اگر سجدہ کرنے کے بعد اسے یاد آئے ؟ تو آپ نے فرمایا : سجدہ کے بعد قنوت نہ پڑھے -اور آپ علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ : نماز فجر میں قنوت

محض ایک دعا ہے جسے نہ پڑھنے پر سجدہ سہو لازم نہیں آتا۔

نماز وتر میں قنوت کے علاوہ نماز فجر میں قنوت کی زیادہ سے زیادہ یہ حقیقت ہے۔ مگر زیدیہ وغیرہ کے برعکس جعفریہ اثنا عشریہ نے ہر ہر نماز میں قنوت کو مستحب قرار دیکر اس کی کئی تفصیلات بیان کی ہیں۔ یہاں یہ بھی واضح رہے کہ شیعہ زیدیہ کے نزدیک روایات ائمہ اہل بیت کے مطابق نماز وتر تین رکعت ہے۔(مسند الامام زید کتاب الصلاۃ باب الوتر) جبکہ جعفریہ اثنا عشریہ کے ہاں ایک رکعت ہے :-

"(۱۱۱۵) تمام واجب اور مستحب نمازوں میں دوسری رکعت کے رکوع سے پہلے قنوت پڑھنا مستحب ہے۔ اور نماز وتر میں باوجودیکہ ایک رکعت ہے رکوع سے پہلے قنوت پڑھنا مستحب ہے۔اور نماز جمعہ کی ہر رکعت میں قنوت ہے۔اور نماز آیات میں پانچ قنوت ہیں۔اور نماز عید الفطر اور عید قربان کی پہلی رکعت میں پانچ اور دوسری میں چار قنوت ہیں۔

(۱۱۱۶) اگر قنوت پڑھنا چاہے تو احتیاطاً ہاتھ چہرے کے مدمقابل بلند کرے اور بقصد رجاء مطلوبیت دونوں ہتھیلیاں ملا کر آسمان کی طرف رکھے۔اور انگوٹھے کے علاوہ باقی انگلیاں بھی ملی ہوئی ہوں۔اور اس کی نظر ہاتھوں کی ہتھیلیوں پر رہے۔

(۱۱۱۷) قنوت میں جو بھی ذکر کہے یہاں تک کہ ایک دفعہ "سبحان اللہ" بھی کافی ہے اور بہتر یہ ہے کہ کہے :-

لا إله إلا الله الحليم الكريم— لا إله إلا الله العلى العظيم— سبحان رب السماوات السبع و رب الأرضين السبع وما فيهن وما بينهن و رب العرش العظيم— والحمد لله رب العالمين—

(۱۱۱۸) مستحب ہے کہ انسان قنوت بلند آواز سے پڑھے۔البتہ وہ شخص جو جماعت کے ساتھ نماز پڑھ رہا ہے اگر پیش نماز اس کی آواز کو سن رہا ہو تو بلند آواز سے پڑھنا اس کے لئے مستحب نہیں۔

(۱۱۱۹) اگر جان بوجھ کر قنوت نہ پڑھے تو اس کی قضا نہیں۔اور اگر بھول جائے اور بمقدار رکوع جھکنے سے پہلے اسے یاد آجائے تو مستحب ہے کہ سیدھا ہو کر اسے بجا

لائے- اور اگر رکوع میں یاد آئے تو مستحب ہے کہ رکوع کے بعد اس کی قضا دے- اور اگر سجدہ میں یاد آئے تو مستحب ہے کہ نماز کے سلام کے بعد اس کی قضا دے-
(امام خمینی' توضیح المسائل' اردو ترجمہ از سید صفدر حسین نجفی' ص ۱۷۱- ۱۷۲' امامیہ پبلیکیشنز لاہور' محرم ۱۴۰۷ھ)-

قنوت پڑھنے کے لئے دونوں ہاتھ بصورت دعا اٹھانے کی فقہ جعفری میں بھی کوئی لازمی حیثیت نہیں :-

"لا يعتبر رفع اليدين فى القنوت على إشكال فالأحوط عدم تركه"-

(روح الله الخمينى' تحرير الوسيله' المجلد الأول' ص ١٦٥ - ١٦٦' طبع ايران)-

ترجمہ :- قنوت پڑھتے دونوں ہاتھ (بصورت دعا) اٹھانے کی کوئی لازمی حیثیت نہیں کیونکہ اس مسئلہ میں اشکال ہے- البتہ زیادہ احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ اسے ترک نہ کیا جائے-

قنوت کی دعا کے بارے میں امام خمینی یہ بھی فرماتے ہیں :-

"لا يعتبر فى القنوت قول مخصوص بل يكفى فيه ما تيسر من ذكر و دعاء- بل يجزى البسملة مرة واحدة بل "سبحان الله" خمس أوثلاث مرات' كما يجزى الإقتصار على الصلوة على النبى وآله- والأحسن ماور دعن المعصوم عليه السلام من الأدعية بل والأدعية التى فى القرآن"-

(الخمينى' تحرير الوسيلة' ج ١' ص ١٦٥ - ١٦٦' الصلاة)-

ترجمہ :- قنوت میں کوئی مخصوص قول معتبر نہیں- بلکہ اس میں جو بھی ذکر و دعاء بآسانی ہو سکے کافی ہے- بلکہ ایک مرتبہ "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" بلکہ تین یا پانچ دفعہ "سبحان اللہ" کہہ دینا بھی کافی ہے- اسی طرح نبی و آل نبی پر درود بھیج دینا بھی کافی ہے- اور بہتر یہ ہے کہ وہ دعائیں پڑھے جو معصوم علیہ السلام سے منقول ہیں- یا جو قرآن میں

موجود ہیں۔

امام زید طریق اہل بیت کے مطابق نماز میں "سمع اللہ لمن حمدہ" کے بعد ربنا لک الحمد" بھی کہتے تھے :۔س

"کان إذا رفع رأسه من الركوع قال:

سمع الله لمن حمده— ربنا و لك الحمد"—

(مسند الامام زید، کتاب الصلاۃ، باب الركوع والسجود ومايقال فی ذلك، ص ۱۰۵ — ۱۰۶)—

ترجمہ :- (راوی ابوخالد کا بیان ہے کہ) امام زید جب رکوع سے سر اٹھاتے تو فرماتے :- سمع اللہ لمن حمدہ- ربنا ولک الحمد-

(اللہ نے اپنی حمد کرنے والے کی بات سن لی- اے ہمارے رب تمام تعریفیں تیرے ہی لئے ہیں)-

تفصیل نماز کے سلسلہ میں "مسند الامام زید" کی درج ذیل روایت بھی قابل توجہ ہے :-

"قال أبو خالد رضى الله عنه: لما دخل زيد بن على (ع . م) الكوفة إستخفى فى دار عبدالله بن الزبير الأسدى = فبلغ ذلك أبوحنيفة فكلم معاوية بن إسحاق السلمى ونصر بن خزيمة العبسى وسعيد بن خيثم حتى دخلوا على زيد بن على (ع . م) فقالوا :هذا رجل من فقهاء الكوفة— قال زيد بن على: ما مفتاح الصلوة وما إفتتاحها وما استفتا حها وتحريمها وما تحليلها؟

قال : فقال أبو حنيفة : مفتاح الصلوة الطهور و تحريمها التكبير وتحليلها التسليم= وافتتاح الصلوة التكبير لأن النبى (ص) كان إذا افتتح الصلوة كبر و رفع يديه — والإسفتاح: سبحانك الهم وبحمدك وتبارك اسمك وتعالى جدك ولا إله غيرك— لأنه روى عن النبى (ص) أنه كان إذا استفتح الصلوة قال ذلك—

فأعجب زيداً (ع.م) ذلك منه -

(مسند الامام زيد' كتاب الصلاة' باب استفتاح الصلاة' ص ۱۰۳ — ۱۰٤)-

ترجمہ :- ابو خالد رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ زید بن علی (ع.م) جب کوفہ آئے تو عبداللہ بن زبیر اسدی کے مکان میں خفیہ قیام فرمایا- پس (امام) ابو حنیفہ کو یہ خبر ملی تو انہوں نے معاویہ بن اسحاق سلمی' نصر بن خزیمہ عبسی اور سعید بن خیثم سے بات کی- چنانچہ وہ سب زید بن علی (ع.م) کے پاس آئے- پس وہ لوگ کہنے لگے :- یہ صاحب (ابو حنیفہؒ) فقہائے کوفہ میں سے ہیں- تو زید بن علی نے سوال فرمایا :- نماز کی کنجی کیا ہے ؟ اس کا افتتاح کیا ہے ؟ اس کا آغاز کیا ہے ؟ اور اسکی حرمت و حلت کیا ہے ؟

راوی کا کہنا ہے کہ (امام) ابو حنیفہ نے جواب دیا :-

نماز کی کنجی طہارت ہے- اس کی حرمت (نماز میں داخل ہونا) "اللہ اکبر" کہنا ہے- اور اس کی حلت (یعنی نماز ختم کر کے اس سے باہر نکلنا) سلام پھیرنا ہے- اور نماز کا افتتاح "اللہ اکبر" کہنا ہے- کیونکہ نبیؐ جب نماز کا افتتاح و آغاز فرماتے تو "اللہ اکبر" کہہ کر دونوں ہاتھ اٹھاتے- اور نماز کا استفتاح و ابتداء ہے :- سبحانک اللھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالی جدک ولاالہ غیرک- کیونکہ نبی (ص) سے روایت کیا گیا ہے کہ آپ جب نماز شروع فرماتے تو یہ کلمات پڑھتے تھے-

پس امام زید (ع.م) کو ان (امام ابو حنیفہؒ) کی ان معلومات پر بڑی حیرت و تعجب ہوا-

چنانچہ امام زید و شیعہ زیدیہ کی روایات ائمہ اہل بیت کے مطابق نماز کی جملہ تفصیلات و اوقات بطور مجموعی وہی ہیں جو امت مسلمہ کی نوے فیصد سے زائد اکثریت پر مشتمل "اہل سنت والجماعت" کے ہاں روایات صحابہؓ و اہل بیتؓ پر مبنی فقہ اہل سنت میں مذکور ہیں- جبکہ جعفریہ اثنا عشریہ کے ہاں متعدد فقہی تفصیلات نماز روایات امام زید و شیعہ زیدیہ وغیرہ سے مختلف و متضاد یا افراط و تفریط پر مبنی ہیں-

۲-صوم رمضان

امام زید کی روایات اہل بیت کے مطابق سحری دیر سے کھانا اور روزہ جلدی افطار کرنا مسنون ہے- جبکہ اس کے برعکس جعفریہ اثنا عشریہ 'شیعہ زیدیہ (نیز اہل سنت وغیرہ) کے برعکس سحری کا وقت تقریباً دس منٹ پہلے ختم کر دیتے اور وقت افطار کو سورج ڈوبنے کے بجائے سرخی غائب ہونے (شرعی غروب آفتاب) سے شمار کرتے ہیں-وقت افطار و نماز مغرب کے سلسلہ میں امام زید اپنے والد سیدنا علی زین العابدین سے اپنے دادا اور پردادا سیدنا حسینؓ و علیؓ کے توسط سے ایک طویل روایت میں یہ بھی بیان فرماتے ہیں :-

"ثم نزل عليه حين وقع قرص الشمس فأمره أن يصلي المغرب"-(مسند الامام زيد' كتاب الصلاة' باب أوقات الصلاة' ص ٩٨)

ترجمہ :-پھر جبریل آپؐ پر اس وقت نازل ہوئے جب سورج کی ٹکیہ غائب ہو گئی-پس انہوں نے آپ کو مغرب پڑھنے کا حکم سنایا-

اس کے ساتھ ساتھ "مسند الامام زید" میں سورج ڈوبتے ہی روزہ جلد افطار کرنے کو سنت انبیاء روایت کیا گیا ہے :-

"حدثني زيد بن علي عن أبيه عن جده عن علي (ع۰م) قال: ثلاث من أخلاق الأنبياء صلاة الله و سلامه عليهم :- تعجيل الإفطار ' و تاخير السحور ' و وضع الكف على الكف تحت السرة "-

(مسند الإمام زيد 'كتاب الصيام ' باب الإفطار ' ض ٢٠٤-٢٠٥)-

ترجمہ :- مجھے (راوی ابو خالد کو) زید بن علی نے اپنے والد اور دادا کے توسط سے علی (ع'م) سے روایت کر کے بتلایا کہ آپ نے فرمایا :- تین چیزیں اخلاق و عادات انبیاء صلاۃ اللہ سلامہ علیہم میں شامل ہیں :- افطار میں عجلت 'سحری میں تاخیر اور ناف کے نیچے ہتھیلی پر ہتھیلی رکھنا (ہاتھ باندھنا)-

اس کے برعکس جعفریہ اثنا عشریہ کا وقت افطار و مغرب سورج ڈوبنے کے

جائے سرخی غائب ہونے پر شروع ہوتا ہے :-

"(۷۳۵)- مغرب کا وقت وہ ہے جب ہر طرف مشرق کی سرخی جو غروب آفتاب کے وقت پیدا ہوتی ہے ختم ہو جائے"-

(خمینی' توضیح المسائل' اردو ترجمہ از سید صفدر نجفی' ص ۱۱۹)-

بقول امام خمینی :-

"روزہ یہ ہے کہ انسان اللہ تعالی کے فرمان کو بجا لانے کے لئے اذان صبح سے لے کر مغرب یعنی شرعی غروب آفتاب تک ان چیزوں سے جو کہ روزہ کو توڑتی ہیں اور جن کی تفصیل بعد میں آئے گی' پرہیز کرے"-

(امام خمینی' توضیح المسائل' اردو ترجمہ صفدر نجفی' روزہ کے احکام' ص ۲۳۳)

اس انفرادیت پر اصرار کے علاوہ جعفریہ اثنا عشریہ کے بقول روزہ تاخیر سے کھولنا بہتر ہے- بلکہ اگر مغرب و عشاء کی نمازیں یکے بعد دیگرے جمع کر کے پڑھنے کے بعد روزہ کھولا جائے تو زیادہ بہتر ہے-(حوالہ :- امام خمینی' توضیح المسائل' اردو ترجمہ سید صفدر حسین نجفی' روزہ کے احکام)-

نماز تراویح

امام زید کی روایات ائمہ اہل بیت کے مطابق سیدنا علیؓ رمضان میں نماز عشاء کے بعد اور باجماعت نماز وتر سے پہلے دو دو رکعت کر کے بیس رکعت نماز تراویح باجماعت ادا کرنے کا حکم دیتے تھے- جبکہ جعفریہ اثنا عشریہ باجماعت نماز تراویح کو عمر فاروقؓ کا جبری حکم قرار دیتے ہوئے باجماعت تراویح کی ادائیگی درست قرار نہیں دیتے :-

"حدثنی زید بن علی عن أبیه عن جده عن علی علیهم السلام أنه أمر الذی یصلی بالناس صلاة القیام فی شهر رمضان أن یصلی بهم عشرین رکعة یسلم فی کل رکعتین ویراوح مابین کل أربع رکعات فیرجع ذوالحاجة ویتوضأ الرجل وأن یوتربهم من آخر اللیل حین الانصراف"-

(مسندزید' کتاب الصلاة' باب القیام فی شهر رمضان' ص ۱۵۸- ۱۵۹)-

ترجمہ: مجھے زید بن علی نے اپنے والد اور دادا کے ذریعے علی علیہ السلام سے بتلایا کہ انہوں نے ماہ رمضان میں لوگوں کو نماز قیام لیل پڑھانے والے کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعت نماز پڑھائے۔ جس میں ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرے۔اور ہر چار رکعت کے بعد استراحت کرے تاکہ حاجت مند واپس آ سکے اور بندہ وضو کر سکے نیز یہ حکم بھی دیا کہ لوگوں کو وتر کی نماز اس کے بعد آخر شب میں مسجد سے واپس جانے سے پہلے باجماعت پڑھائے۔

جعفریہ اثناعشریہ کو چونکہ "تقیہ مداراتی" کی بناء پر غیر اثنا عشریہ (اہل سنت) کی نماز باجماعت میں بشمول نماز مغرب شرکت کی اجازت ہے۔ (فتاویٰ امام خمینی بتاریخ 28 شوال 1399ھ وغیرہ ذلک) جوکہ فقہ جعفری کے مطابق غروب شرعی کے بجائے "غروب عرفی" (عرف عام میں غروب آفتاب) پر تقریبا دس منٹ پہلے ادا کی جاتی ہے، تو اس لحاظ سے اگر غروب عرفی پر بغیر دہرائے نماز مغرب درست ہے تو افطار بھی عقلی و منطقی طور پر کیونکر درست قرار نہیں پاتا؟ لہذا اس بنا پر بعض شیعہ اثنا عشریہ موقع و محل کی مناسبت سے غیر اثنا عشریہ(شیعہ زیدیہ و اہل سنت وغیرہ) کے ہمراہ سورج ڈوبتے ہیں افطار پر عمل پیرا ہو جاتے ہیں مگر علمائے جعفریہ بالعموم تو امام زید بن علی زین العابدین و شیعہ زیدیہ و اہل سنت وغیرہ کے روایت کردہ اس مشترکہ وقت افطار کو مستقل طور پر وقت افطار و مغرب تسلیم کرنے پر تاحال آمادہ ہیں، اور نہ ہی باجماعت نماز تراویح کو درست تسلیم کرنے پر تیار ہیں۔ اللہ کرے مستقبل میں زیادتی جعفری فقہی اختلافات ختم ہونے کی کوئی صورت نکل آئے۔ واللہ الموفق

3: حج بیت اللہ

حج و عمرہ ہر صاحب استطاعت مسلمان پر عمر بھر میں ایک مرتبہ فرض ہے اور ذوالحجہ کی آٹھ سے 13 تاریخ تک مناسک حج ادا کیے جاتے ہیں جبکہ عمرہ اس موقع پر میں اس کے علاوہ سال بھر کسی بھی ماہ میں ادا کیا جا سکتا ہے۔

حج کی تین قسمیں ہیں:- یعنی تمتع، قران اور افراد

1: حج تمتع:- یعنی پہلے عمرہ کی نیت سے احرام باندھنا پھر حج کے لئے دوبارہ احرام باندھنا۔

2: حج قران:- یعنی بیک وقت حج و عمرہ کی ادائیگی کی نیت سے احرام باندھنا اور عمرہ کرنے کے بعد بھی ایام حج تک احرام باندھے رکھنا۔

3: حج افراد:- یعنی صرف حج کی نیت سے احرام باندھنا۔

فقہائے اہلسنت کے نزدیک ہر حاجی تینوں میں سے کسی ایک قسم کے حج کی نیت کر سکتا ہے اور یہ امام زید کی روایات آئمہ اہل بیت کے بھی عین مطابق ہے:-

"حدثنی زید بن علی أبیہ عن جدہ عن علی (ع۔م) قال:-

من شاء ممن لم یحج تمتع بالعمرة الی الحج ومن شا، قرنھا جمیعا ومن شاء افراد"۔
(مسند الامام زید کتاب الحج، باب الاھلال والتلبیۃ ص 234)

ترجمہ:- مجھے زید بن علی نے اپنے والد اور دادا کے توسط سے علی سے روایت کر کے بتلایا کہ انہوں نے فرمایا:-

ہر شخص کو جس نے حج نہ کیا ہو اختیار ہے کہ وہ چاہے تو حج کے ساتھ عمرہ سے بھی متمتع ہو۔ اور چاہے تو دونوں کو اکٹھا کر دے(قران) اور چاہے تو (عمرہ کے بغیر)صرف حج کر لے(افراد)۔

چنانچہ شیعہ زیدیہ کے مسائل حج (رویت ہلال و تفصیل طواف و ارکان حج وغیرہ) روایات ائمہ اہل بیت کے مطابق روایات اہل سنت کی بطور مجموعی تائید کرتے ہیں۔ جبکہ جعفریہ اثنا عشریہ اس شخص کے لئے جو مکہ کا باشندہ نہ ہو حج قران و افراد کے بجائے صرف حج تمتع کی ادائیگی لازم قرار دیتے ہیں:-

"وھی ثلاثۃ- تمتع و قرآن و افراد- والاول فرض من کان بعیدا عن مکہ - والآخران فرض من کان حاضرا غیر بعید - وحد البعد ثمانیۃ واربعون میلا من کل جانب علی الاقوی من مکہ۔

(روح الله الخمینی' تحریر الوسیلة' ج ۱' ص ۳۶۸– ۳۶۹' القول فی أقسام الحج)–

ترجمہ :- حج کی تین اقسام ہیں :- تمتع' قران اور افراد-

اول الذکر (تمتع) مکہ سے دور رہنے والوں پر فرض ہے-

اور دوسری دو قسمیں (قران و افراد) مکہ کے شہریوں پر فرض ہیں جو (مکہ سے) دور کے باشندے نہیں- اور قوی تر رائے کے مطابق دوری کی حد مکہ کے تمام اطراف میں اڑتالیس اڑتالیس میل تک شمار ہو گی-

----

۴- زکواۃ

امام زید کی روایات از ائمہ اہل بیت کے مطابق سونے چاندی کے زیورات اور درہم و دینار (نقدی) پر بھی زکواۃ فرض ہے :-

"وسألت زید بن علی (ع.م) عن زکاة الحلی فقال:– زك للذهب والفضة زکاة فی الدر والیا قوت واللؤللؤ وغیر ذلك من الجواهر" –

(مسند الامام زید' کتاب الزکاة' باب زکاة الذهب والفضة' ص ۱۹۳)

ترجمہ :-میں نے زید بن علی (ع.م) سے زیورات کی زکوٰۃ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا :-سونے اور چاندی کی زکوٰۃ ادا کر-البتہ موتی' یاقوت' لؤ لؤ اور دیگر جواہرات پر زکوٰۃ واجب نہیں-

و سألته علیه السلام عن رجل له مائة درهم وخمسون درهماً' وله خمسة دنا نیر؟ فقال : فی ذلك زكوٰة – قال : وإن كان واحداً من هذین ینقص فلا زكوٰة فی شئی من ذلك – إلا أن یكون الأ خیر یزید زیادة فیها نقصان لآخر' فیجب فی ذلك الزكوة"–

(مسند الا مام زید' کتاب الزکاۃ' ص۱۹۴–۱۹۵)–

ترجمہ :- نیز میں نے آپ علیہ السلام سے اس شخص کے بارے میں پوچھا جس

کے پاس ایک سو پچاس درہم اور پانچ دینار ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: اس میں زکوۃ واجب ہے۔ اور فرمایا کہ اگر دونوں میں سے کوئی ایک مقدار کم ہو جائے تو اس پر زکوۃ نہیں۔ الا یہ کہ ان میں سے ایک میں اضافہ سے دوسری میں کمی ہو جائے تو پھر اس میں زکوۃ واجب ہے۔

اس کے برعکس جعفریہ اثنا عشریہ نہ تو سونے چاندی کے زیورات کی زکوۃ کے قائل ہیں اور نہ ہی کرنسی نوٹ کی زکوۃ لازم قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ امام خمینی بیان فرماتے ہیں :-

"(۱۸۵۰) نو چیزوں پر زکوۃ واجب ہے :-
۱- گندم ۲- جو ۳- کھجور ۴- کشمش ۵- سونا
۶- چاندی ۷- اونٹ ۸- گائے ۹- بھیڑ بکری۔
(امام خمینی 'توضیح المسائل' اردو ترجمہ صفدر نجفی' احکام زکوۃ 'ص ۲۷۷)

"(۱۸۹۶) سونے یا چاندی پر اس وقت زکوۃ واجب ہوتی ہے جبکہ وہ سکہ دار ہوں۔ اور کاروبار میں رائج ہوں۔ اور اگر اس کا سکہ ختم ہو گیا ہو تب بھی اس کی زکوۃ ادا کرے"۔

"(۱۸۹۷) وہ سکہ دار سونا چاندی جسے عورتیں زینت کے لئے استعمال کرتی ہیں اس پر زکوۃ' نہیں اگرچہ وہ رائج الوقت ہی کیوں نہ ہو"۔
(امام خمینی' توضیح المسائل' اردو ترجمہ از صفدر نجفی' احکام زکوۃ' ص ۲۸۴)

جعفریہ اثنا عشریہ سے قطع نظر امام زید بن علی زین العابدین عشر و نصف عشر کے بارے میں روایت کرتے ہیں :-

"حدثني زيد بن علي عن أبيه عن جده عن علي عليهم السلام قال:— ليس فيما أخرجت أرض العشر صدقة من تمر و لا زبيب ولا حنطة ولا شعير ولا ذرة حتى بلغ الصنف من ذلك خمسة أوسق— الوسق ستون

صاعاً – فاذا بلغ ذلك جرت فيه الصدقة فيما سقت السماء من ذلك أوسقى سيحاً ففيه العشر– وما سقى بالغرب أو دالية ففيه نصف العشر"–

(مسند الامام زيد کتاب الزکاۃ باب أرض العشر ص ۱۹۶)

ترجمہ :- مجھے زید بن علی نے اپنے والد اور دادا کے ذریعے علی علیھم السلام سے روایت کر کے بتلایا کہ انھوں نے فرمایا :-

عشر کی زمین کی پیداوار- کھجور' کشمش' گندم' جو اور مکئی- پر اس وقت تک زکوۃ نہیں جب تک ان میں سے کوئی جنس پانچ وسق تک نہ پہنچ جائے- جبکہ ایک وسق ساٹھ صاع کے برابر ہے- پس جب وہ اس مقدار کو پہنچ جائے تو اس میں زکات ہے-- جس فصل کو بارش کے پانی یا نالے کے پانی سے سینچا گیا تو اس میں دسواں حصہ (عشر) ہے- اور جس زمین کو کنویں کے ڈول یا ڈولچی سے سینچا گیا تو اس میں نصف عشر ہے-

امام زید کے نزدیک معدنیات کا پانچواں حصہ (خمس) بطور زکوۃ ہے :-

"وسألت زيد بن علی علیہما السلام عن معدن الذهب والفضة والرصاص والحديد و الزئبق والخاض؟ فقال : فی ذلك الخمس"–

(مسند الامام زيد کتاب الزكاة ص ۱۹۴ دارمكتبة الحياة بيروت ۱۹۶۶م)–

ترجمہ :- اور میں نے زید بن علی علیہا السلام سے سونے' چاندی' سیسہ' لوہا' زئبق اور خاض کی کانوں کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا :- ان کی زکوۃ پانچواں حصہ (خمس) ہے-

۵- خمس

روایات امام زید کے مطابق خمس کا تعلق صرف مال غنیمت سے ہے :-

"حدثنی زيد بن علی عن أبيه عن جده عن علی (ع.م) أن النبی (ص) كان ينفل بالربع والخمس والثلث–

قال علی علیہ السلام: إنما النفل قبل القسمة ولا نفل بعد القسمة–

سألت زيد بن علی (ع.م) عن الخمس قال:– هولنا ما إحتجنا إليه – فاذا استغنينا فلاحق لنا فيه – ألم ترأن الله قد قرننا مع اليتامى والمساكين وابن السبيل– فاذا بلغ اليتيم واستغنى المسكين وأمن إبن السبيل فلاحق لهم– وكذلك نحن إذا استغنينا فلاحق لنا"–

(مسند الامام زيد' كتاب السير و ماجاء فی ذلك' باب الخمس والأنفال' ص ٣٥٦)–

ترجمہ :- مجھے زید بن علی نے اپنے والد اور دادا کے توسط سے علی (ع.م) سے روایت کر کے بتلایا کہ نبی (ص) مال غنیمت کا چوتھا' پانچواں اور تیسرا حصہ عطا فرماتے تھے۔

علی نے زید بن علی (ع.م) سے خمس کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ وہ ہمارے لئے اس وقت تک جائز ہے جب تک ہم اس کے حاجتمند ہوں–پس جب ہم غنی ہو جائیں تو اس میں ہمارا حق نہیں–کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے ہمارا (اہل بیت کا) ذکر یتیموں' مسکینوں اور مسافروں کے ساتھ کیا ہے–پس جب یتیم بالغ ہو جائے' مسکین مالدار ہو جائے اور مسافر امان پا جائے تو اس کا حق باقی نہیں رہتا– ہمارا معاملہ بھی اسی طرح ہے کہ جب ہم غنی ہو جائیں' تو ہمارا اس خمس میں کوئی حق نہیں–

شیعہ زیدیہ وغیرہ (نیز اہل سنت) کے برعکس جعفریہ اثنا عشریہ جنگ کے اموال غنیمت کے علاوہ دیگر اشیاء پر بھی وجوب خمس کا منفرد موقف رکھتے ہیں :-

"(١٧٤٨)- خمس سات چیزوں پر واجب ہے :-

١- وہ نفع جو کسب (کاروبار) سے حاصل ہو–

٢- معدن (کان) ٣-گنج (خزانہ) ٤- مال حلال مخلوط بحرام

٥- وہ جواہرات جو کہ دریا میں غوطہ لگانے سے ہاتھ آئیں–

٦- جنگ میں مال غنیمت–

٧- وہ زمین جو کافر ذمی نے مسلمان سے خریدی ہو"–

(امام خمینی' توضیح المسائل' اردو ترجمہ از صفدر نجفی' خمس کے احکام' ص ٢٩٢)–

جعفری اثنا عشری امام خمینی فرماتے ہیں :-

"خمس دو حصوں میں تقسیم کیا جائے۔

ایک حصہ سہم سادات ہے۔ اس میں احتیاط واجب یہ ہے کہ مجتہدین جامع الشرائط کی اجازت سے فقیر سید یا یتیم سید یا اس سید کو دیا جائے' جو سفر میں بے خرچ ہو جائے۔

اور دوسرا آدھا حصہ سہم امام علیہ السلام ہے جو اس زمانہ میں مجتہد جامع الشرائط کو دیا جائے۔ یا ایسے مصرف میں صرف کیا جائے کہ جس کی اجازت وہ مجتہد دیدے۔ البتہ اگر انسان اس مجتہد کو دینا چاہے کہ جس کی اس نے تقلید نہ کی ہو تو اس صورت میں اجازت دی جاتی ہے کہ جب دینے والے کو علم ہو کہ وہ مجتہد اور جس مجتہد کی وہ تقلید کرتا ہے' دونوں سہم امام کو ایک ہی طریقہ پر صرف کرتے ہیں"۔

(خمینی' توضیح المسائل' اردو ترجمہ از صفدر نجفی' خمس کے احکام' مصرف خمس' ص ۲۷۴)۔

غیر اثنا عشری سید خواہ شیعہ (زیدیہ' نور بخشیہ' کیسانیہ وغیرہ) ہو' خمس کا حقدار نہیں :-

"(۱۸۳۳) وہ سید جو عادل نہیں ہے' اسے خمس دیا جا سکتا ہے۔ البتہ وہ سید جو اثنا عشری نہیں ہے' وہ خمس نہیں لے سکتا"۔

(خمینی' توضیح المسائل اردو ترجمہ از صفدر نجفی' خمس کے احکام' مصرف خمس' ص ۲۷۴)

"(۱۸۳۸) جس کی بیوی سیدانی ہو تو احتیاط واجب یہ ہے کہ واس کو اپنا خمس نہ دے جبکہ وہ اسے اپنے مصرف میں صرف کرے۔ البتہ اگر سیدانی پر دوسرے لوگوں کے اخراجات واجب ہوں اور وہ ان کے اخراجات نہیں دے سکتی' تو پھر جائز ہے کہ انسان اس عورت کو خمس دے تاکہ وہ اس پر صرف کر سکے"۔

(خمینی' توضیح المسائل' اردو ترجمہ از صفدر نجفی' خمس کے احکام' مصرف خمس' ص ۲۷۵)

اثنا عشری مجتہد اعظم آیت اللہ العظمی سید ابو الحسن اصفہانی کے پوتے اور عراقی شیعہ مجتہد ڈاکٹر موسی موسوی' فاضل نجف اشرف' سورۃ الانفال کی آیت خمس (۴۱) کے

حوالے سے اپنے ہم مسلک جمہور علماء جعفریہ کے غلط موقف کو رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

"غنیمت کی تفسیر منافع کے ساتھ کرنا ان امور میں سے ہے جنہیں ہم شیعہ کے سوا کہیں نہیں پاتے- چنانچہ آیت دوٹوک اور واضح ہے کہ "خمس" جنگ کی غنیمت میں مشروع ہے نہ کہ کاروبار کے منافع میں-

کاروبار کے منافع میں خمس کے واجب نہ ہونے کی سب سے واضح اور قطعی دلیل نبی کریم (ص) اور آپ کے بعد امام علی سمیت خلفاء نیز ائمہ شیعہ کی سیرت ہے- چنانچہ ارباب سیر نے جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت لکھی، اور اس سے تعلقات رکھنے والی ہر چھوٹی بڑی بات نیز آپ کے اوامر ونواہی کو مدون کیا، یہ بات ذکر نہیں کی کہ آپ نے مدینہ کے بازاروں میں خمس اکٹھا کرنے والے بھیجے ہوں- جب کہ ارباب سیر ان اشخاص کے نام تک لکھتے ہیں جنہیں رسول اللہ مسلمانوں کے مالوں میں سے زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے ارسال فرماتے تھے-

اسی طرح حضرت علیؓ سمیت خلفائے راشدین کے سیرت نگاروں نے کبھی ذکر نہیں کیا کہ ان میں سے کسی نے منافع میں سے خمس کا مطالبہ کیا ہو یا انہوں نے خمس اکٹھا کرنے کے لئے محصلین ارسال کئے ہوں"-

(ڈاکٹر موسیٰ موسوی "الشیعہ والتصحیح" اردو ترجمہ بعنوان "اصلاح شیعہ" ص ۱۲۲-۱۲۳)

ڈاکٹر موسوی مزید فرماتے ہیں :-

" بعض شیعہ فقہاء نے جن میں فقیہ احمد اردبیلی شامل ہیں جو اپنے زمانہ کے سربرآوردہ فقہاء میں سے تھے حتیٰ کہ انہیں مقدس اردبیلی کا لقب دیا گیا، غیبت کبریٰ کے زمانہ میں خمس میں تصرف کے ناجائز ہونے کا فتویٰ دیا-

اسی طرح بعض شیعہ فقہاء (جو تعداد میں بہت ہی کم تھے) نے امام مہدی سے مروی اس قول کی بناء پر کہ :- (ہم نے اپنے شیعان کو خمس معاف کر دیا ہے) شیعہ سے خمس ساقط قرار دیا ہے"-

(ڈاکٹر موسیٰ موسوی "الشیعہ والتصحیح" اردو ترجمہ بعنوان "اصلاح شیعہ" ص ۱۲۵)

ڈاکٹر موسوی آخر میں تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

"امامیہ فقہاء ایک تنگنائے میں پھنس کر رہ گئے ہیں- انہوں نے اتفاق کیا کہ خمس میں سے جو اللہ' اس کے رسول اور امام غائب کا حق ہے' نصف تو اس مجتہد کو ادا کرنا واجب ہے' جس کی وہ (امامیہ شیعہ) تقلید کرتا ہے اور باقی نصف ہاشمی فقراء' محتاجوں' یتیموں اور مسافروں پر خرچ کرے گا- لیکن یہ بات ان سے اوجھل رہی کہ یہ تو عوام میں سے مقلدین کی نسبت حکم ہوا- لیکن اس محتاط کا کیا حکم ہوگا' جو کسی ایک فقیہ کی رائے پر عمل نہیں کرتا- اس پر سے خمس ساقط ہوگا؟ یا وہ اس میں جیسے چاہے' تصرف کر سکتا ہے؟

یہیں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ خمس کی بدعت شیعی مفہوم میں فقہاء کے اس اصرار کے باوصف دقیق نہیں- اس میں ایسے خلا ہیں جو اس کے باطل ہونے کی بین دلیل ہیں-

بدعت خمس کا شیعی مفہوم' سنت رسول' خلفاء راشدین اور ائمہ شیعہ کے عمل کے خلاف ہے- کیونکہ اسلام میں تو صرف غنیمت میں خمس ہے- تجارت اور کاروبار کے منافع پر تو کبھی خمس نہیں تھا"-

(ڈاکٹر موسی موسوی' الشیعہ والتصحیح' اردو ترجمہ بعنوان "اصلاح شیعہ" فروری ۱۹۹۰ء' باب خمس' ص ۱۳۹)-

امام زید نیز "مسند الامام زید" اور شیعہ زیدیہ کے حوالہ سے ان تمام اقتباسات و ارشادات نیز جعفریہ اثنا عشریہ کے فقہی مسائل بسلسلہ ارکان اسلام کے تقابلی مطالعہ سے امام زید بن علی زین العابدینؒ اور شیعہ زیدیہ کے عقیدہ امامت و خلافت نیز فقہ زیدی کے اعتدال و توازن کا کماحقہ اندازہ کیا جا سکتا ہے-

نیز خلافت یزید میں خروج حسینی اور بالآخر شیعان کوفہ کی غداری و بیعت یزید و ابن زیاد کے بعد دست در دست یزید کی بصیرت افروز حسینی پیشکش کے تناظر و تسلسل میں شیعہ زیدیہ و اسماعیلیہ و اثنا عشریہ کے مشترکہ امام چہارم علی زین العابدینؒ کے دیگر اکابر اہل بیتؓ کے ہمراہ واقعہ حرہ و وفات یزید تک بیعت یزید برقرار رکھنے کا بھی بخوبی تجزیہ و ادراک کیا

جاسکتا ہے۔

اور خلافت آل ابی سفیانؓ کے خاتمہ کے طویل عرصہ بعد خروج امام زیدؒ (م ۱۲۲ھ) در خلافت ھشام، موقف امام ابو حنیفہؒ و جعفر الصادقؒ نیز غداری و تبرائے شیعان کوفہ و تولائے امام زید برائے ابو بکرؓ و عمرؓ کے حوالہ سے خود جعفریہ اثنا عشریہ سمیت تمام اہل تشیع، امور امامت و خلافت و فقہ و تاریخ و سیرت کا حقیقت پسندانہ ادراک کر کے از سر نو ایسے حقائق کی تحقیق و نقاب کشائی کر سکتے ہیں جو کم از کم امام زید بن علی زین العابدینؒ اور امام محمد الباقر بن علی زین العابدینؒ (نیز حتی الامکان امام ابن الحنفیہؒ برادر حسنینؓ) کے پیروکاروں کے لئے یکساں طور پر قابل قبول ہو۔ اور ڈاکٹر موسی موسوی جیسے شیعی اثنا عشری علماء و مفکرین نے اس بعید از قیاس لائحہ عمل کے امکانات روشن کر دیئے ہیں۔ واللہ الموفق۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

7- امام یحییٰ بن زید رح
(م 125ھ، جوزبان)

امام علی زین العابدین کے پوتے اور امام زید کے فرزند امام یحییٰ شیعہ زیدیہ کے دوسرے امام ہیں۔ جنہوں نے امام زید (بروایت اصح، م 122ھ کوفہ) کی شہادت (در خلافت ہشام) کے بعد اموی مروانی خلیفہ ولید بن عبدالملک القرشی کے خلاف خروج کیا۔ اس سلسلہ میں شیخ عباس قمی کے تفصیلی فارسی بیان ابولفرج وغیرہ کا ترجمہ ملاحظہ ہو:-

" ابولفرج نے نقل کیا ہے کہ جب زید بن علی 121ھ میں کوفہ میں شہید ہوگئے اور یحییٰ اپنے والد کی تدفین سے فارغ ہوئے تو زید کے رفقاء و انصار منتشر ہوگئے۔ اور یحییٰ رات کے وقت کوفہ سے باہر نکلے اور نینوا کی جانب چلے گئے۔ پھر وہاں سے مدائن کا رخ کیا، اور مدائن اس وقت راہ خراسان میں تھا۔ والی عراقین یوسف بن عمر ثقفی نے یحیٰی کی گرفتاری کے لیے حریث کلبی کو مدائن بھیجا۔ مگر یحییٰ مدائن سے ری کی جانب اور ری سے سرخس چلے گئے۔ سرخس میں یزید بن عمرو تیمی کے ہاں وارد ہوئے۔ اور چھ ماہ تک اس کے پاس رہے۔ محکمہ یعنی خوارج نے جنہوں نے "لا حکم الا اللہ" کو اپنا شعار بنا لیا تھا، ان سے مل کر بنی امیہ سے قتال کی خواہش کی۔ مگر یزید بند عمرو نے یحیٰی کو ان کی ہمراہی سے منع کردیا۔ اور کہنے لگا۔ آپ دفع دشمنان کے لیے اس جماعت سے مدد کے کس طرح متلاشی ہیں جو علی اور ان کے اہل بیت سے بیزاری کے جویا ہیں۔ پس یحییٰ نے ان کو خود سے دور کردیا۔ اور سرخس سے بلخ کی جانب روانہ ہوئے۔ اور حریش بن عبد الرحمن شیبانی کے ہاں وارد ہوئے۔ پھر اس کے پاس مقیم رہے۔ حتی کہ ہشام دنیا سے رخصت ہوا اور ولید خلیفہ بن گیا۔
اس وقت یوسف بن عمر نے عامل خراسان نصر بن سیار کو لکھا کہ حریش کی طرف کسی کو بھیجو تاکہ یحییٰ کو گرفتار کیا جاسکے۔ نصر نے عامل بلخ عقیل کو لکھا

کہ حریش کو گرفتار کرو اور اسے اس وقت تک رہا نہ کرو جب تک وہ یحییٰ کو تمہارے سپرد نہ کردے۔ عقیل نے نصر بن یسار کے حکم کے مطابق حریش کو گرفتار کر لیا اور اسے چھ سو کوڑے لگوائے اور کہنے لگا۔ خدا کی قسم! اگر تو نے یحیٰی کو میرے حوالے نہ کیا تو میں تجھے مار ڈالوں گا۔ مگر اس کے باوجود حریش نے ایسا کرنے سے انکار کردیا۔

حریش کے فرزند قریش نے عقیل کو کہا کہ میرے باپ سے سروکار نہ رکھو کیونکہ میں اس مہم سے عہدہ برا ہونے کے لیے کافی ہوں۔ اور یحییٰ کو آپ کے سپرد کردوں گا۔ پس اس نے ایک جماعت کو ساتھ لیا اور یحییٰ کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ تو یحییٰ کو ایک ایسے گھر میں پایا جو ایک دوسرے گھر کے جوف میں تھا۔

پس انہیں یزید بن عمرو کے ہمراہ جو ان کے کوئی اصحاب میں سے تھا، گرفتار کر لیا اور نصر کے پاس بھیج دیا۔ نصر نے انہیں قید و بند کے ساتھ (ہتھکڑیاں، بیڑیاں پہنا کر) محبوس کردیا۔ اور ان کے حال کی تفصیل یوسف بن عمر کو لکھ بھیجی۔

یوسف نے یہ قضیہ ولید کو لکھ بھیجا۔ ولید نے جواب میں لکھا کہ یحیٰی اور ان کے ساتھیوں کو رہا کردیں۔ یوسف نے ولید کے خط کا مضمون نصر کو لکھ بھیجا۔

نصر بن سیار نے یحیٰی کو طلب کیا اور انہیں فتنہ و خروج سے بچنے کو کہا، اور دا ہزار درہم نیز دو خچر ان کو دیے۔ اور انہیں حکم دیا کہ ولید سے جا ملیں۔

ابولفرج نے روایت کیا ہے کہ جب یحییٰ کو بیڑی سے رہا کیا گیا تو مالدار شیعوں کی ایک جماعت اس لوہار کے پاس گئی جس نے بیڑی یحییٰ کے پاؤں سے نکالی تھی اور اس سے کہنے لگے کہ یہ بیڑی ہمارے پاس بیچ دو۔ لوہار نے اس بیٹی کو برائے فروخت رکھ دیا، اور ہر شخص جس نے اس کو خریدنا چاہا، دوسرے نے اس کی قیمت سے بڑھ کر بولی دی۔ حتی کہ قیمت بیس ہزار درہم تک جا پہنچی۔ آخر کار ان سب نے مل کر وہ قیمت ادا کی اور مشترکہ طور پر اس کو خرید لیا۔ پس اس بیڑی کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے تقسیم کیا اور ہر کسی نے اپنا حصہ تبرکا انگوٹھی کے نگینہ کے طور پر جڑ لیا۔

خلاصہ کلام یہ کہ جب یحییٰ رہا ہوئے تو وہ سرخس کی طرف چلے گئے۔ اور وہاں سے والی شہر عمرو بن زرارہ کے ہاں گئے۔ عمرو نے یحیٰی کو ہزار درہم نفقہ کے طور پر دیے اور انہیں بیہق کی جانب روانہ کردیا۔ یحییٰ کے پاس بیہق میں ستر افراد تھے۔

آپ نے ان کے لئے گھوڑے خریدے۔ اور عامل ابرشہر نصر بن سیار کو دفع کرنے کے لئے باہر نکلے۔ عمرو کو جب یحیی کے خروج کی اطلاع ملی تو اس نے نصر بن سیار کو یہ قضیہ لکھ بھیجا۔ نصر نے عامل سرخس عبداللہ بن قیس اور عامل طوس حسن بن زید کو لکھ بھیجا کہ وہ ابرشہر جائیں اور اس کے حاکم عمرو بن زرارہ کے فرمان کے تحت ہو کر یحیی سے لڑائی کریں۔ پس عبداللہ و حسن اپنے دستوں کے ہمراہ عمرو کے پاس پہنچے اور دس ہزار افراد عساکر و جنود تیار رکھے۔ اور یحیی سے جنگ کے لئے تیار ہو گئے۔

یحیی ستر سواروں کے ساتھ ان سے جنگ کے لئے نکل آئے۔ اور ان سے شدید معرکہ آرائی کی۔ آخر کار عمرو بن زرارہ کو قتل کر دیا اور اس کے لشکر پر فتح پا کر اس کو شکست خوردہ بنا دیا۔ نیز عمرو کی لشکر گاہ کے اموال کو مال غنیمت بنالیا۔ پس وہاں سے ہرات کی جانب بسرعت روانہ ہوئے۔ اور ہرات سے جوزجان وارد ہوئے جو کہ بلاد خراسان میں مرو و بلخ کے درمیان ہے۔

نصر بن سیار نے سلم بن احوز کو آٹھ ہزار شامی و غیر شامی سواروں کے ہمراہ یحیی سے جنگ کے لئے بھیجا۔ چنانچہ "ارغوی" نامی بستی میں دونوں لشکروں کی مڈبھیڑ ہوئی اور جنگ کی بھٹی گرم ہو گئی۔ یحیی نے تین روز و شب تک ان سے مقابلہ کیا۔ حتی کہ ان کا لشکر مقتول ہو گیا۔ آخر کار جنگ کی شدت میں ایک تیر یحیی کی پیشانی پر لگا اور پاؤں سے باہر نکلا۔ پس وہ شہید ہو گئے۔

چنانچہ جب مسلم کے لشکر کو فتح ہو گئی اور یحیی مقتول ہو گئے تو وہ لوگ ان کے مقتل میں آئے اور ان کے جسم کو برہنہ کر دیا۔ اور ان کا سر جدا کر کے نصر بن سیار کے لئے بھیج دیا۔ نصر نے ولید کے لئے روانہ کر دیا۔

یحیی کے جسد کو شہر جوزجان کے دروازہ پر تختہ دار پر لٹکا دیا گیا۔ اور ان کا جسد مسلسل دار پر لٹکا رہا۔ تا آنکہ سلطنت امویہ کی بنیادیں متزلزل ہو گئیں اور سلطنت بنی عباس نے قوت پائی۔ اور ابو مسلم داعی دولت بنی عباس نے قاتل یحیی سلم کو مار ڈالا۔ اور جسد یحیی کو دار سے اتار کر غسل و کفن دیا۔ اور ان کی نماز جنازہ پڑھ کر اسی جگہ انہیں دفن کر دیا۔ پس اس نے کسی ایک شخص کو بھی جس نے قتل یحیی میں حصہ لیا تھا'

قتل کئے بغیر نہ چھوڑا۔ چنانچہ خراساں اور اس کے ماتحت تمام علاقوں میں ایک ہفتہ تک لوگوں نے یحیی کی عزاداری برپا رکھی۔ اور اس سال ہر مولود جو خراساں میں پیدا ہوا' اس کا نام یحیی رکھا گیا۔ یحیی کا قتل سن ۱۲۵ (ایک سو پچیس) میں واقع ہوا۔ آپ کی والدہ ابو ہاشم عبداللہ بن محمد حنفیہ کی صاحبزادی ریطہ تھیں"۔

(عباس قمی، منتہی الامال' ج ۲ ص ۵۵-۵۶ سازمان انتشارات جاویدان ایران ۱۳۸۹ھ)

۸- امام نفس زکیہ، محمد بن عبداللہ بن حسنؒ
(م ۱۴۵ھ، مدینہ)

امام محمد بن عبداللہ المعروف بہ "النفس الزکیہ" ائمہ آل علیؓ و فاطمہؓ میں علم و تقویٰ اور جہاد و شہادت کے حوالہ سے منفرد و ممتاز مقام کے حامل ہیں- آپ کا خروج خلافت بنی عباس کے خلاف تھا:-

"محمد بن عبداللہ مکنی با بو عبداللہ و ملقب بصریح قریش است- چہ آنکہ یک تن از امہات و جدات او ام ولد نبودند- مادر او ہند دختر ابی عبیدۃ بن عبداللہ بن زمعہ بن اسود بن مطلب بودہ- و محمد را از جہت کثرت زہد و عبادت "نفس زکیہ" لقب دادند- و اہلبیت او باستظہار حدیث نبویؐ :- إن المهدی من ولدی اسمه اسمی ' او را مہدی می گفتند- و ہم او را مقتول باحجار زیت گفتہ اند- واو را بفقہ و دانائی و شجاعت و سخاوت و کثرت فضائل ستائش نمودہ اند- و در میان ہر دو کتف او خالی سیاہ بمقدار بیضہ بودہ- و مردمان را اعتقاد چناں بودہ کہ او ہمان مہدی موعود از آل محمد است، صلوات اللہ علیہم اجمعین- لہذا با وی بیعت کردند و پیوستہ مترصد ظہور و خروج او بودند"-

(عباس قمی، منتہی الامال، ج ۱، ص ۲۷۳، ذکر حال محمد بن عبداللہ الملقب بنفس زکیہ)

ترجمہ :- محمد بن عبداللہ کی کنیت ابو عبداللہ ہے اور انہیں "صریح قریش" کا لقب دیا گیا- کیونکہ ان کی امہات وجدات میں سے کوئی بھی ام ولد (کنیز) نہیں تھیں- ان کی والدہ ہند بنت ابی عبیدہ بن عبداللہ بن زمعہ بن اسود بن مطلب تھیں- اور محمد کو کثرت زہد و عبادت کے حوالہ سے "نفس زکیہ" (پاکیزہ نفس) کا لقب دیا گیا- اور اہل بیت ان کو اس حدیث نبوی سے دلیل پکڑتے ہوئے مہدی کہتے تھے کہ :- مہدی میری اولاد میں سے ہوگا اور اس کا نام بھی میرا نام ہوگا- نیز انہیں "مقتول احجار زیت" بھی کہتے ہیں- اور فقہ و دانائی و سخاوت و کثرت فضائل کی بناء پر لوگ ان کی تعریف کرتے تھے- ان کے دونوں کندھوں کے درمیان انڈہ کے حجم کے برابر سیاہ تل تھے- اور لوگوں کا یہ عقیدہ تھا کہ آل محمد میں سے

یہی وعدہ شدہ مہدی ہیں۔ صلوات اللہ علیہم اجمعین۔ اس وجہ سے لوگوں نے ان کی بیعت کی اور مسلسل ان کے ظہور و خروج کے منتظر رہتے تھے۔

عباس قمی اپنے اثنا عشری عقیدہ کے مطابق امام عبداللہ محض (نفس زکیہ) کے امام مہدی ہونے کا بر بنائے بعض روایات انکار کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :۔

"وابوالفرج و سید بن طاؤس اخبار بسیاری نقل کردہ اند کہ عبداللہ محض و سایر اہل بیت او انکار داشتند از آنکہ محمد نفس زکیہ مہدی موعود باشد و می گفتند :۔ مہدی موعود علیہ السلام غیر او است"۔

(عباس قمی، منتھی الامال، ج ا ص ۲۷۳، ایران، ۱۳۸۸ھ سازمان انتشارات جاویدان)

ترجمہ :- ابوالفرج و سید بن طاؤس نے بہت سی روایات نقل کی ہیں کہ عبداللہ محض اور ان کے تمام اہل بیت اس بات کا انکار کرتے تھے کہ محمد نفس زکیہ، مہدی موعود ہیں۔ اور کہتے تھے :- وہ مہدی علیہ السلام جن کا وعدہ کیا گیا ہے، ان کے علاوہ کوئی اور ہیں۔

اس کے بعد عباس قمی کے تفصیلی بیان کا ترجمہ درج ذیل ہے :-

"خلاصہ کلام یہ کہ محمد نے سن ۱۴۵ میں خروج کیا۔ وبااتفاق دو سو پچاس افراد ماہ رجب میں داخل مدینہ ہوئے۔ اور صدائے تکبیر بلند کی۔ (خلیفہ) منصور کے قید خانہ کا رخ کیا۔ قید خانہ کا دروازہ توڑ کر قیدیوں کو باہر نکالا۔ اور منصور کے نگران قید خانہ ریاح بن عثمان کو گرفتار کر کے قید کر دیا۔ اس موقع پر محمد (نفس زکیہ) منبر پر چڑھے اور خطبہ پڑھا۔ جس میں منصور کے مثالب و مطاعن اور اس کی خباثت سیرت کا کچھ ذکر فرمایا۔

لوگوں نے مالک بن انس سے استفتاء کیا کہ بیعت منصور ہماری گردنوں میں ہے۔ کیا اس کے ہوتے ہوئے ہم محمد کی بیعت کر سکتے ہیں؟ مالک نے فتویٰ دیا کہ :ہاں کیوں نہیں۔ اس لئے کہ تم لوگوں نے منصور کی بیعت کراہت کے ساتھ کی تھی۔ پس لوگوں نے محمد کی بیعت کرنے میں عجلت کی۔ اور محمد کا مدینہ و مکہ و یمن پر غلبہ ہو گیا۔

ابو جعفر منصور کو جب اس صورتحال کا علم ہوا تو اس نے محمد کو صلح و سلامتی کے سلسلہ میں ایک مکتوب لکھا۔ اور انہیں امان دی۔ محمد نے اس کے خط کا کافی و شافی جواب لکھا۔ اور خط کے آخر میں یہ بھی لکھا کہ وہ کونسی امان ہے جو تو میرے لئے پیش کر رہا ہے؟ وہ

امان جو تو نے ابن ہبیرہ کو دی ؟ یا وہ امان جو تو نے اپنے چچا عبداللہ بن علی کو دی ؟ یا یہ وہ امان ہے جس کے ذریعے تو نے ابو مسلم کو شاد و مطمئن کیا تھا؟ مطلب یہ کہ تیری امان کا کیا اعتبار ہے۔ کیونکہ تو نے ان تین بندوں کو امان دی اور اپنی امان کے مطابق عمل نہ کیا۔

ثانیاً ابو جعفر نے ان کو ایک اور خط لکھا جس میں حسب و نسب کے حوالہ سے مجادلہ کیا۔ اور اس مختصر کتاب میں ان مکاتیب کے ذکر کی گنجائش نہیں۔ طالبین ملاحظہ فرمائیں: "تذکرہ سبط" وغیرہ۔

جب منصور اس بات سے مایوس ہو گیا کہ محمد صلح و سلامتی پر آمادہ ہو جائیں تو اس نے اپنے بھتیجے اور ولی عہد عیسی بن موسی کو محمد سے جنگ کی تیاری کا حکم دیا۔ اور دل میں کہنے لگا کہ ان میں سے جو بھی مارا جائے میری بلا سے۔ کیونکہ منصور عیسی کی زندگی کا طالب نہ تھا۔ اس لئے کہ سفاح نے وصیت کی تھی کہ منصور کے بعد عیسی خلیفہ ہو گا۔ جبکہ منصور اس کی خلافت کو ناپسند کرتا تھا۔

پس عیسی چار ہزار سوار اور دو ہزار پیادہ کے ساتھ محمد کو مغلوب کرنے کے لئے نکلا۔ اور منصور نے اس سے کہا کہ پہلی مرتبہ لڑائی سے پہلے اس کو امان دینا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ لڑائی کے بغیر ہی ہماری اطاعت کر لے۔ عیسی نے کوچ کیا یہانتک کہ مکہ کی راہ میں فید کہ نامی مقام تک جا پہنچا۔ وہاں اس نے محمد کے ساتھیوں کی ایک جماعت کی جانب خط لکھا۔ اور انہیں محمد کی مدد کی راہ سے منتشر کر دیا۔ محمد کو جب اطلاع ملی کہ عیسی ان کے توڑ کے لئے نکل پڑا ہے تو انہوں نے جنگ کی تیاری کی اور مدینہ کے گرد خندق کھود لی۔ عیسی اپنے لشکر سمیت ماہ رمضان میں مدینہ وارد ہوا اور مدینہ کے ارد گرد گھیرا ڈال لیا۔ سبط ابن جوزی نے روایت کیا ہے کہ جب لشکر منصور نے مدینہ کا محاصرہ کر لیا تو محمد کو اس کے سوا کسی بات کی فکر نہ تھی کہ ان لوگوں کے ناموں کی فہرست جلا دیں جنہوں نے ان کی بیعت کی تھی، نیز جنہوں نے ان سے خط و کتابت کی تھی۔ پس انہوں نے ان لوگوں کے خطوط نذر آتش کر دیئے۔ تب انہوں نے فرمایا کہ اب مجھے موت قبول ہے۔ اور اگر وہ یہ کام نہ کرتے تو لوگ ہر آن ایک بڑی آزمائش میں مبتلا رہتے۔ کیونکہ اگر وہ رجسٹر لشکر منصور کے ہاتھ لگ جاتا تو وہ ان لوگوں کے ناموں سے مطلع ہو جاتا جنہوں نے ان کی بیعت کی تھی۔ پس وہ ان کو قتل کر

ڈالتا۔

قصہ کوتاہ یہ کہ عیسی آیا اور مدینہ میں سلع نامی پہاڑ پر کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ :- اے محمد! تمہارے لئے امان ہے۔ محمد نے فرمایا: تمہاری امان کا اعتبار نہیں۔ اور عزت کی موت ذلت کی زندگی سے بہتر ہے۔ اس وقت محمد کے لشکری اس کے ارد گرد سے منتشر ہو چکے تھے اور ایک لاکھ افراد میں سے جنہوں نے ان کی بیعت کی تھی' اہل بدر کی تعداد کے برابر تین سو سولہ افراد ان کے ساتھ رہ گئے تھے۔ پس محمد اور ان کے رفقاء نے غسل کیا۔ اپنے اوپر حنوط لگایا۔ اور اپنے گھوڑوں کو ایڑ لگا کر عیسی اور اس کے ساتھیوں پر حملہ کر دیا۔ اور تین مرتبہ انہیں پسپا کیا۔ لشکر عیسی نے بھی پوری تیاری کی اور یکبارگی وہ سب کے سب ان پر حملہ آور ہو گئے۔ اور ان کا کام تمام کر کے انہیں مقتول بنا دیا۔ محمد کو حمید بن قحطبہ نے شہید کیا۔ پھر ان کا سر عیسی کے پاس لے گیا۔ محمد کی بہن زینب اور بیٹی فاطمہ نے ان کا جسد خاک سے اٹھایا اور اسے بقیع میں دفن کر دیا۔ پس محمد کے سر کو اٹھا کر منصور کے پاس لے گئے۔ منصور نے حکم دیا کہ اسے کوفہ کے دروازہ پر نصب کر دیا جائے اور مختلف شہروں میں پھرایا جائے۔ اور محمد کا قتل رمضان سن ۱۴۵ھ کے وسط میں ہوا۔ ان کے ظاہر رہنے کی مدت وقت شہادت تک دو ماہ اور سترہ روز تھی۔ اور ان کی عمر پینتالیس برس ہو چکی تھی۔ ان کا مقتل احجار زیت مدینہ میں واقع ہے۔ جیسا کہ امیر المومنین صلوات اللہ علیہ نے اپنی اخبار غیب میں اس کا اشارہ اپنے اس قول کے ذریعہ دے دیا تھا کہ :-

وإنه تقتل عند أحجار الزيت –

(اسے احجار زیت کے پاس قتل کیا جائے گا)"۔

(عباس قمی' منتهى الامال' ج' ا' ص ۲۷۴-۲۷۵ سازمان انتشارات جاویدان' ایران' ۸۹-۱۳۸۸ھ)۔

۹- امام ابراہیم بن عبداللہ بن حسنؒ

(م ذوالحجہ ۱۴۵ھ' باخمری' عراق)

فاطمی النسب امام' ابراہیم بن عبداللہ بن حسنؒ نے بھی اپنے بھائی امام نفس زکیہ کی طرح ہاشمی عباسی خلافت کے خلاف خروج فرما کر جام شہادت نوش فرمایا-اس سلسلہ میں آپ کی فتح و شکست کی تفصیلات پر مبنی چند فارسی اقتباسات کا اردو ترجمہ شیخ عباس قمی اثنا عشری کی "منتھی الامال" سے درج ذیل ہے :-

" مسعودی کی "مروج الذہب" میں مکتوب ہے کہ جب محمد بن عبداللہ محض نے خروج کا ارادہ کیا تو اپنے بھائیوں اور بیٹوں کو مختلف بلاد وامصار میں پھیلا دیا تا کہ لوگوں سے ان کی بیعت لے سکیں- ان میں سے اپنے بیٹے علی کو مصر بھیجا- جو مصر میں مقتول ہوئے- اور "تذکرہ" سبط کی روایت کے مطابق قید خانہ میں فوت ہوئے-

نیز اپنے ایک اور بیٹے عبداللہ کو خراسان بھیجا- جب لشکر منصور نے انہیں پکڑنا چاہا تو وہ بھاگ کر بلاد سندھ چلے گئے اور وہاں شہید ہو گئے-

اور انہوں نے اپنے ایک اور فرزند حسن کو سوئے یمن بھیجا- انہیں پکڑ کر قید کر دیا گیا یہاں تک کہ انہوں نے قید ہی میں وفات پائی-

فقیر عرض کرتا ہے کہ یہ مسعودی کا بیان ہے- مگر جو کچھ دیگر کتب سے منقول ہے' اس کے مطابق حسن بن محمد واقعہ فخ میں حسین بن علی کے ہمرکاب تھے- اور عیسی بن موسی عباسی نے انہیں شہید کر دیا- جیسا کہ پہلے امام حسن علیہ السلام کی اولاد کے تذکرہ میں وضاحت گزر چکی ہے-

اور محمد کے بھائی موسی بلاد جزیرہ چلے گئے- جبکہ ان کے دوسرے بھائی یحیی نے ری و طبرستان کی جانب سفر کیا- اور آخر کار رشید کے ہاتھوں مقتول ہوئے- جیسا کہ پہلے تفصیل آ چکی ہے- نیز محمد کے ایک اور بھائی ادریس نے مغرب کی جانب سفر کیا اور ایک جماعت سے اپنی بیعت لے لی- آخر کار رشید نے ایک شخص کو بھیجا جس نے دھوکہ

سے اچانک انہیں قتل کر دیا- ان کے بعد ادریس بن ادریس اپنے والد کے جانشین ہوئے- اور لوگوں نے اپنے علاقہ کو ان کے نام سے موسوم کر دیا- اور اسے بلد ادریس بن ادریس کہنے لگے- قتل ادریس کا بھی پہلے ذکر ہو چکا ہے-

محمد کے ایک اور بھائی ابراہیم نے بصرہ کی جانب سفر کیا- اور بصرہ میں خروج کیا- اہل فارس و اہواز وغیرہ کے ایک بہت بڑے گروہ نے نیز زیدیہ و معتزلہ بغداد وغیرہ کی ایک کثیر تعداد نے ان کی بیعت کر لی- اور آل ابو طالب (طالبین) میں سے عیسیٰ بن زید بن علی بن الحسین علیہما السلام بھی ان کے ساتھ تھے- منصور نے عیسیٰ بن موسیٰ اور سعید بن مسلم کو ایک بڑے لشکر کے ہمراہ ان سے جنگ کیلئے بھیجا- اور انہوں نے باخمری کی سرزمین میں' جو اراضی کربلا (طف) میں کوفہ سے چھ فرسخ کے فاصلہ پر واقع ہے' ابراہیم کو شہید کر دیا- نیز ان کے شیعان از جماعت زیدیہ میں سے چار سو افراد اور دوسرے قول کے مطابق پانچ سو افراد مارے گئے-

مقتل ابراہیم کی کیفیت جیسا کہ "تذکرہ" سبط میں مسطور ہے' اس طرح ہے کہ ماہ شوال کی ابتداء میں نیز ایک اور قول کے مطابق ماہ رمضان سن ۱۴۵ھ میں ابراہیم نے بصرہ میں خروج کیا- اور لاتعداد لوگوں نے ان کی بیعت کر لی- (خلیفہ) منصور نے شہر بغداد کی تعمیر کی ابتداء کی تھی- اور اس وقت تعمیر بغداد میں مشغول تھا- اس کو خبر دی گئی کہ ابراہیم بن عبداللہ نے بصرہ میں خروج کر کے اہواز و فارس پر غلبہ پا لیا ہے- اور ایک بڑی جماعت ان کے گرد جمع ہو گئی ہے- نیز لوگ برضا و رغبت ان کی بیعت کر رہے ہیں- ان کا مقصد اپنے بھائی محمد کے خون کا بدلہ لینے اور ابو جعفر منصور کو ہلاک کرنے کے سوا کچھ اور نہیں- منصور نے جب یہ سنا تو جہان روشن اس کی نظروں میں تاریک ہو گیا- اس نے تعمیر بغداد سے ہاتھ کھینچ لیا- اور یکدم ترک لذات اور عوتوں سے کنارہ کشی کی بات کرنے لگا- چنانچہ اس نے قسم کھائی کہ ہرگز عورتوں کے قریب نہ جاؤں گا اور عیش و لذت میں مشغول نہ ہوں گا جب تک لوگ ابراہیم کا سر میرے پاس نہ لے آئیں یا میرا سر اٹھا کر اس کے پاس نہ لیجائیں- خلاصہ یہ کہ ہول و خوف عظیم' منصور کے دل میں گھر کر گیا- کیونکہ ایک لاکھ کا لشکر ابراہیم کے ہمرکاب تھا- جبکہ منصور کے پاس دو ہزار سوار سے زیادہ کا لشکر موجود نہ

تھا- کیونکہ اس کے جیش و عساکر مملکت شام وافریقہ و خراسان میں بکھرے ہوئے تھے- ساس دوران میں منصور نے عیسی بن موسی بن علی بن عبداللہ بن عباس کو ابراہیم سے جنگ کیلئے بھیجا- اور دوسری طرف ابراہیم. فریفتہ کو فیان ہو کر بصرہ سے کوفہ کی جانب نکل پڑے- کیونکہ اہل کوفہ کی ایک جماعت نے بصرہ میں ابراہیم کی خدمت میں پہنچ کر عرض کیا تھا کہ کوفہ میں ایک لاکھ افراد آپ کی تشریف آوری کے انتظار میں ہیں- اور اگر آپ ان کی جانب جائیں گے تو وہ اپنی جانیں آپ کی راہ میں نثار کر دیں گے- بصرہ کے لوگوں نے ابراہیم کو کوفہ جانے سے منع کیا- لیکن ان کی گفتگو فائدہ مند نہ ہوئی- ابراہیم کوفہ کی جانب اٹھارہ فرسخ کے فاصلہ پر تھے کہ سرزمین طف (کربلا) میں "باخمری" کے نام سے معروف مقام پر ان کی لشکر منصور سے مڈبھیڑ ہو گئی- پس دونوں لشکر دو طرف صف آرا ہوئے اور جنگ مسلسل ہوتی رہی- لشکر ابراہیم نے لشکر منصور پر فتح پائی- اور ان لوگوں کو شکست دیدی-

ابوالفرج کی روایت کے مطابق ان کو شکست فاش دی- اور وہ لوگ اس طرح فرار ہوئے کہ ان کے لشکر کا اگلا حصہ کوفہ میں داخل ہو گیا- نیز بروایت "تذکرہ" عیسی بن موسی نے جو کہ لشکر منصور کا سپہ سالار تھا' اپنے اہل خاندان و خواص میں سے سو افراد کے ہمراہ پائے استقامت مضبوطی سے جمائے رکھا- اور ان لوگوں نے لڑائی سے منہ نہ موڑا- قریب تھا کہ ابراہیم ان لوگوں پر بھی فتح پالیں اور انہیں راہی ملک عدم کر دیں کہ اچانک جنگ کے ہنگامہ میں ایک تیر' جس کے پھینکنے والے کا علم نہ ہو پایا' اور نہ یہ معلوم ہوا کہ وہ کہاں سے آیا ہے' ابراہیم کو لگا- ابراہیم گھوڑے سے زمین پر گر پڑے- اور کہنے لگے :-

وكان أمر الله قدراً مقدوراً- أردنا أمراً وأراد الله غيره-

اللہ کا فیصلہ مقدر شدہ تقدیر ہے- ہم نے ایک بات چاہی مگر اللہ نے اس کے علاوہ دوسری کا ارادہ فرمایا-

ابوالفرج نے روایت کیا ہے کہ مقتل ابراہیم اس وقت ہوا جب کہ عیسی بھی پشت پھیر کر میدان جنگ سے فرار ہوتا نظر آرہا تھا- ابراہیم کو گرمی وشدت معرکہ نے تھکا کر

چور کردیا تھا۔ انھوں نے اپنی قبا کے بٹن کھول دیئے اور جامہ کو سینہ سے ہٹادیا کہ شاید گرمی کی شدت کم ہو جائے۔اچانک کسی نامعلوم تیر انداز کاایک منحوس تیران کے گلے کے جوڑ پر لگا اور بے اختیار ہاتھ گھوڑے کی گردن سے نکل آیا۔پس گروہ زیدیہ نے جو کہ ان کے ہمرکاب تھے اُن کااحاطہ کرلیا۔

دوسری روایت کے مطابق بشیر رحال نے انھیں اپنے سینہ پر تھام لیا۔ اور خلاصہ یہ کہ اسی تیر سے ابراہیم کاکام تمام ہو گیااور وہ وفات پاگئے۔عیسی کے ساتھی بھی راہ فرار سے لوٹ آئے۔اور جنگ کی بھٹی گرم ہوگئی۔ یہانتک کہ منصور کے لشکر نے فتح پائی۔ جبکہ ابراہیم کے لشکریوں میں سے کچھ مارے گئے اور بقیہ شکست کھا گئے۔ نیز بشیر رحال بھی مقتول ہوا۔اس وقت عیسی کے ساتھیوں نے ابراہیم کا سر کاٹااور عیسی کے پاس لے گئے۔عیسی سر بسجود ہو گیا۔اور سجدہ شکر بجالایا۔نیز اس نے سر منصور کو بھیج دیا۔اور قتل ابراہیم ذوالحجہ ۱۴۵ھ میں پیر کے روز دن چڑھے واقع ہوا۔ جبکہ ابو نصر بخاری وسبط ابن جوزی کی روایت کے مطابق پچیس ذیقعدہ روز دحو الارض واقع ہوا۔اس وقت ان کی عمر اڑتالیس برس ہو چکی تھی۔اور حضرت امیرالمومنین صلوات اللہ علیہ نے اپنی غیبی خبروں میں ابراہیم کے انجام کی اطلاع دیدی تھی اس مقام پر جہاں آپ نے فرمایا کہ :-

بباخمری یقتل بعدأن یظهر ویقهر بعد أن یقهر—

(وہ باخمری میں قتل کیا جائے گا بعد اس کے کہ وہ ظاہر ہو-

اور وہ مغلوب کیا جائے گا بعد اس کے کہ وہ غالب آئے)۔

نیز ان کے حق میں آپ نے فرمایا تھا :-

یأتیه سهم غرب یکون فیه منیته—

فیابؤس الرامی شلت یده و وهن عضده—

(اسے ایک اجنبی تیر لگے گا جس میں اس کی موت ہو گی۔

ہائے تیر انداز کی بدبختی۔اس کا ہاتھ شل ہو جائے اور اس کا بازو کمزور پڑے)۔

اور نقل کیا گیا ہے کہ جب منصور کا لشکر شکست کھا گیا اور منصور کو خبر دی

گئی تو دنیا اس کی نظروں میں تاریک ہو گئی-اور کہنے لگا- أين قول صادقهم؟ أين لعب الغلمان والصبيان؟(صادق بنی ہاشم کا قول کیا ہوا؟ جس نے کہا تھا کہ بنی عباس کے بچے خلافت سے کھیلیں گے)-اور کلام منصور میں اشارہ ہے حضرت صادق علیہ السلام کی پیش گوئیوں کی طرف جو خلافت بنی عباس' شہادت عبداللہ اور ان کے بیٹوں محمد وابراہیم کے بارے میں تھیں-اور اس سے پہلے وہ یہ بھی جانتا تھا کہ جب بنی ہاشم و بنی عباس ابواء میں جمع ہوئے تھے اور انہوں نے محمد بن عبداللہ کی بیعت کی تھی تو جب حضرت صادق علیہ السلام وارد ہوئے تو انہوں نے ان کی رائے کی تصدیق نہ کی اور فرمایا:-خلافت سفاح و منصور کیلئے ہو گی-اور عبداللہ وابراہیم کا اس میں کوئی حصہ نہیں- نیز منصور ان کو قتل کر دے گا-

منصور نے اسی روز سے دل میں خلافت بسالی تھی-یہاں تک کہ اس نے اسے پالیا-اور چونکہ وہ جانتا تھا کہ آنحضرت سچ کے سوا کوئی بات نہیں کہتے' تو اس موقع پر جب کہ اس کے لشکر کی شکست سامنے آئی' وہ حیران رہ گیا-اور کہنے لگا کہ ان کے صادق کی پیش گوئی کیا ہوئی؟ نیز وہ سخت مضطرب ہو گیا-مگر زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ ابراہیم کی شہادت کی اطلاع اس تک پہنچ گئی-ان کا سر اٹھا کر اس کے پاس لے آئے اور اس کے سامنے رکھ دیا-منصور نے جب ابراہیم کا سر ملاحظہ کیا تو زار و قطار رونے لگا-یہاں تک کہ آنسو اس کے گالوں پر بہنے لگے-اور وہ کہنے لگا:- خدا کی قسم! مجھے یہ بات پسند نہ تھی کہ تیرا معاملہ اس انجام کو پہنچے-

اور حسن بن زید بن حسن بن علی بن ابیطالب علیہما السلام سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں منصور کے پاس تھا جب ان لوگوں نے ابراہیم کا سر ایک ڈھال میں رکھ کر اس کے حضور میں پیش کیا-جب میری نظر اس سر پر پڑی تو فرط غم اور جوش گریہ سے میرا گلا رندھ گیا-اور میری حالت یوں دگرگوں ہو گئی کی قریب تھا کہ باآواز بلند رونے لگوں-مگر میں نے اپنے آپ پر قابو پایا اور رونے سے باز رہا' کہ کہیں منصور میری طرف متوجہ نہ ہو جائے-اچانک منصور نے چہرہ میری طرف پھیرا اور کہنے لگا:اے ابو محمد! کیا یہی ابراہیم کا سر ہے؟ میں نے کہا: ہاں اے امیر!-اور میں چاہتا تھا کہ آپ کی اطاعت کرے

تاکہ اس کا معاملہ اس انجام تک نہ پہنچے۔ منصور نے بھی قسم کھا کر کہا کہ میں بھی یہی چاہتا تھا کہ وہ میری اطاعت میں سر تسلیم خم کردے اور اس روز کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ لیکن وہ مخالفت میں باہر نکل آیا اور میر سر لینا چاہا۔ مگر اس پر یہ افتاد پڑی کہ لوگ اس کا سر میرے پاس لے کر آئے ہیں۔

پس اس نے حکم دیا کہ اس سر کو کوفہ میں لٹکا دیا جائے تاکہ لوگ بھی اس کا مشاہدہ کر سکیں۔ بعد ازاں ربیع سے کہا کہ ان کا سر ان کے والد کے پاس قید خانہ میں لے جائے۔ ربیع وہ سر لے کر زندان میں گیا۔ عبداللہ اس وقت نماز میں مشغول تھے' اور ان کی توجہ حق تعالی کی طرف تھی۔ ان سے کہا گیا کہ :- اے عبداللہ! نماز میں سرعت و عجلت دکھا کہ تیرے لئے ایک چیز پیش ہے۔ جب عبداللہ نے سلام نماز پڑھ کر نظر ڈالی تو اپنے بیٹے ابراہیم کا سر دیکھا۔ انہوں نے سر کو تھاما اور سینہ سے چمٹا کر کہنے لگے :-

لقد وفيت بعهد الله و ميثاقه-

رحمك الله يا أبا القاسم! وأهلاً بك و سهلاً-

اے نور دیدہ من ابراہیم خوش آمدید! خدا تجھ پر رحمت فرمائے۔ بے شک تو ان لوگوں میں سے ہے جن کے بارے میں خدا نے فرمایا ہے کہ :- الذين يوفون بعهد الله و ميثاقه... الآية- (وہ لوگ جو اللہ کا عہد و میثاق پورا کرتے ہیں۔ الآیہ)۔

(عباس قمی' منتھی الامال' ج ا' ص ۲۷۵ - ۲۷۸' سازمان انتشارات جاویدان' ایران' ۸۹-۱۳۸۸ھ)۔

ان تفصیلات سے امام ابراہیم بن عبداللہ بن حسنؓ کے خلافت بنو عباس کے خلاف خروج و شہادت کی نوعیت اور خلافت یزید و آل مروانؒ سے خلافت بنو عباس تک علوی و حسنی و حسینی خروجوں کے پس منظر و پیش منظر کے حقائق اور ان کی مذہبی و سیاسی حیثیت کا ٹھوس ادراک و تجزیہ کیا جا سکتا ہے کہ کیا یہ معرکہ ہائے نص و اعتقاد و حق و باطل تھے یا اختلاف ہائے سیاست و حکومت و شخصیت و بصیرت؟ رحمۃ اللہ علی اولیاء اللہ اجمعین۔

۱۰- امام جعفر الصادقؒ
(م ۱۴۸ھ' مدینہ)

شیعہ کیسانیہ (معتقدین امامت علیؓ و حسنؓ و حسینؓ ثم ابن الحنفیہؒ و اولادہ) اور شیعہ زیدیہ (معتقدین امامت علیؓ و حسنؓ و حسینؓ و زین العابدینؒ ثم زیدؒ و اولادہ) کے بر عکس شیعہ جعفریہ اثناعشریہ و اسماعیلیہ 'سیدنا علیؓ و حسنؓ و حسینؓ و علی زین العابدینؒ و محمد الباقرؒ کے بعد سیدنا جعفر الصادقؒ کو چھٹا امام منصوص و معصوم مانتے ہیں- اور ان کے بعد شیعہ اسماعیلیہ (معتقدین امامت اسماعیل بن جعفرؒ) و شیعہ افطحیہ (معتقدین امامت عبداللہ بن جعفرؒ) و شیعہ محمدیہ جعفریہ (معتقدین امامت محمد بن جعفرؒ) کا سلسلہ امامت بھی شیعہ اثناعشریہ سے ساتویں اثناعشری امام موسیٰ بن جعفرؒ پر علیحدہ ہو جاتا ہے۔

شیعہ اثناعشریہ جعفریہ اگرچہ امام جعفر الصادقؒ کو امام علیؓ و حسنؓ و حسینؓ و علی زین العابدینؒ و محمد الباقرؒ کے بعد امام ششم تسلیم کرتے ہیں- اور ان کی وفات کے بعد بالترتیب (۷) امام موسیٰ الکاظم (۸) علی الرضا (۹) محمد التقی (۱۰) علی النقی (۱۱) حسن العسکری اور (۱۲) محمد المھدی کی امامت منصوصہ و معصومہ کا عقیدہ رکھتے ہیں' مگر شیعہ اثناعشریہ کا عقیدہ و مذہب امام جعفر صادقؒ کی نسبت سے جعفری اثناعشری معروف ہے- اور امام جعفر صادقؒ کو شیعہ جعفریہ اثناعشریہ کے ہاں سلسلہ امامت میں واسطۃ القلادۃ 'یا مرکز ائمہ متقدمین و متاخرین اثناعشر کی حیثیت حاصل ہے- اور یہی وہ آخری (چھٹے) اثناعشری امام ہیں جنہوں نے مدینہ منورہ میں مقیم رہ کر وہیں ۱۴۸ھ میں وفات پائی- اور جنت البقیع میں سیدہ فاطمہؓ و سیدنا حسنؓ و محمد الباقرؒ و اسماعیل بن جعفرؒ کے ہمراہ مدفون ہوئے- جبکہ ان کے بعد آنے والے چھ اثناعشری ائمہ میں سے امام موسیٰ الکاظمؒ و محمد تقیؒ و علی نقیؒ و حسن عسکریؒ 'سیدنا علیؓ و حسینؓ کی طرح عراق میں 'اور آٹھویں امام' علی رضاؒ مشہد (خراسان' ایران) میں محو استراحت ہیں- جبکہ بارھویں امام محمد المھدی (غیبت ۳۲۹ھ سر من رائی' عراق) گیارہ سو سال سے زائد عرصہ سے زندہ مگر

غائب ہیں۔اور قیامت کے قریب ظاہر ہو کر غلبہ شیعہ اثنا عشریہ کا باعث بنیں گے۔امام جعفر الصادقؒ متعدد روایات کے مطابق ۸۰ھ میں مدینہ میں پیدا ہوئے مگر شیعی روایت شیخ مفید کے مطابق سن ولادت ۸۳ھ ہے جس۔۔۔

"وكان مولده بالمدينة سنة ثلاث و ثمانين – ومضى عليه السلام في شوال من سنة مائة و ثمان وأربعين' وله خمس و ستون سنة' ودفن بالبقيع مع أبيه وجده وعمه الحسن عليهم السلام–

وأمه ام فروة بنت القاسم بن محمد بن أبي بكر"–

(الشيخ المفيد' الارشاد' ج ٢' ص ١٧٤' انتشارات علميه اسلاميه' ايران ١٣٨٧هـ)–

ترجمہ :- آپ کی ولادت سن تراسی میں مدینہ میں ہوئی۔اور آپ علیہ السلام نے شوال سن ایک سو اڑتالیس (۱۴۸ھ) میں وفات پائی۔جبکہ آپ کی عمر پینسٹھ برس تھی۔ آپ کو بقیع میں اپنے والد اور دادا نیز چچا حسن' علیہم السلام کے ساتھ دفن کیا گیا۔
اور آپ کی والدہ ام فروہ بنت قاسم بن محمد بن ابی بکر ہیں۔

چنانچہ قاسم بن محمد بن ابی بکرؓ 'سیدنا جعفر الصادق" کے نانا اور سیدہ اسماء بنت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ آپ کی نانی تھیں۔اسی حوالہ سے امام صادق کا یہ قول شیعہ کتب میں معروف ہے کہ مجھے ابو بکر نے دو مرتبہ جنم دیا۔(ولد نى ابوبكر مرتين):–

"أم سادس الأئمة هي فاطمة بنت القاسم بن محمد بن أبي بكر– وأم فاطمة هي أسماء بنت عبدالرحمن بن أبي بكر– لذلك قال الامام الصادق (ع) : ولدني أبوبكر مرتين"–

(علي رمضان' مع الامام الصادق في ذكرى مولده' مجلة "الجهاد" الطهران' ربيع الأول' ١٤٠٤هـ' ص ٩٢)–

ترجمہ :- چھٹے امام کی والدہ فاطمہ بنت قاسم بن محمد بن ابی بکر ہیں۔اور فاطمہ کی والدہ اسماء بنت عبدالرحمٰن بن ابی بکر ہیں۔اسی لئے امام (جعفر) الصادق نے فرمایا :- مجھے ابو

بکر نے دومرتبہ جنم دیا۔

محمد بن ابی بکر کی والدہ سیدہ اسماءؓ بنت عمیس زوجہ جعفرؓ بن ابی طالب تھیں۔ان کی شہادت کے بعد سیدنا ابوبکرؓ سے نکاح ہوا اور محمد بن ابی بکرؓ پیدا ہوئے۔وفات ابوبکرؓ کے بعد سیدنا علیؓ سے شادی کی اور محمد بن ابی بکر نے خانہ علیؓ میں پرورش پائی۔ شیعی روایت کے مطابق علی بن حسینؓ اور قاسم بن محمد بن ابی بکرؓ خالہ زاد بھی تھے :۔

"وكان امير المؤمنين عليه السلام ولى حريث بن جابر الحنفى جانباً من المشرق فبعث إليه ابنتى يزد جرد بن شهريار بن كسرى فنحل ابنه الحسين عليه السلام شاه زنان منهما فأولدها زين العابدين عليه السلام— ونحل الأخرى محمد بن أبى بكر فولدت له القاسم بن محمد بن أبى بكر— فهما إبنا خالة"—(الشيخ المفيد الارشاد ج ٢ ص ١٣٨)

ترجمہ :۔ امیر المؤمنین (علی) علیہ السلام نے حریث بن جابر الحنفی کو مشرق کے علاقہ کا والی بنایا تھا۔پس اس نے یزدگرد بن شہریار بن کسری کی دو بیٹیاں آپ کو بھجوائیں۔جن میں سے شاہ زنان سے حسین علیہ السلام نے شادی کی۔پس ان سے زین العابدین علیہ السلام پیدا ہوئے۔ جبکہ دوسری سے محمد بن ابی بکر نے شادی کی۔جس نے قاسم بن محمد بن ابی بکر کو جنم دیا۔ چنانچہ یہ دونوں خالہ زاد ہیں۔

انہی شاہ زنان زوجہ حسینؓ کا نام شہربانو بھی بتلایا جاتا ہے :۔

"ويقال : إن اسمها كان شهربانويه"—

(مفيد ارشاد ج ٢ ص ١٣٨)

ترجمہ :۔اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان (شاہ زنان) کا نام شہربانو تھا۔

ا۔سیدہ اسماء بنت ابی بکرؓ (والدہ عبداللہ بن زبیرؓ) اور ام المؤمنین سیدہ عائشہؓ امام جعفر الصادق کے نانا اور نانی دونوں کی پھوپھیاں تھیں۔

جبکہ سیدہ ام الحسن بنت الحسنؓ سیدہ اسماء بنت ابوبکرؓ کی بہو اور عبداللہ بن زبیرؓ کی زوجہ تھیں۔ چنانچہ جس طرح امام علیؓ نے اپنے تین بیٹوں کے نام ابوبکر و عمر و عثمان

رکھے۔ اور داماد علیؑ عبداللہ بن جعفر طیارؓ نے اپنے ایک بیٹے کا نام معاویہ رکھا۔ جنہوں نے بعد ازاں اپنے بیٹے کا نام یزید رکھا۔ جن کی والدہ فاطمہ بنت حسن مثنی تھیں۔ (عباس قمی، منتہی الامال، ج ۱، ص ۲۵۱)۔ اسی طرح امام جعفر الصادقؒ کی ایک بیٹی کا نام عائشہ تھا۔ (تھانوی، بہشتی زیور کامل جدید طبع پاکستان، جز ہشتم، ص ۴۳)۔ وبروایت دیگر آپ کی ایک صاحبزادی کا نام اسماء تھا۔ (مفید، ارشاد، ۲/۲۰۰)۔

۲۔ نیز اسی تسلسل میں شیعی روایت کے مطابق امام موسیٰ الکاظم کی ایک بیٹی کا نام بھی عائشہ تھا۔ (مفید، ارشاد، ۲/۲۴۳)۔

۳۔ اگرچہ بعض شیعی روایات کے مطابق امام علی رضا کی اکلوتی اولاد محمد الجواد اور بعض کے مطابق صرف دو بیٹے تھے۔ مگر ایک شیعی روایت کے مطابق سیدنا جعفر الصادقؒ کے پوتے اور آٹھویں اثنا عشری امام علی رضا کی اکلوتی صاحبزادی کا نام عائشہ تھا:-

"واختلف أيضاً في عدد أولاده و تحديد أسمائهم– فعن جماعة أنهم خمسة ذكور و بنت واحدة– وهم: محمد القانع والحسن و جعفر و ابراهيم والحسين و عائشة"–

(محمد جواد فضل الله، الامام على الرضا – تاريخ و دراسة، دارالزهراء، بيروت، ص ٣٦)–

ترجمہ :- اور ان کی اولاد کی تعداد و اسماء میں بھی اختلاف کیا گیا ہے۔ پس ایک جماعت سے مروی ہے کہ ان کے پانچ لڑکے اور ایک بیٹی تھی۔ اور وہ ہیں :- محمد القانع و حسن و جعفر و ابراہیم و حسین و عائشہ۔

۴۔ امام علی رضاؒ کے پوتے اور دسویں اثنا عشری امام ابو الحسن علی النقیؒ کی اکلوتی بیٹی اور گیارھویں امام ابو محمد حسن عسکریؒ کی بہن (یعنی بارھویں امام محمد المھدی کی پھوپھی) کا نام بھی عائشہ تھا:-

"وخلف من الولد أبامحمد الحسن ابنه هو الامام بعده، والحسين و محمد و جعفر وإبنته عايشة"–

(الشیخ المفید، الارشاد، ج ۲، ص ۳۰۰، الباب ۳۰، انتشارات علمیہ اسلامیہ، ایران)۔

۱۳۸۷ھ)۔

ترجمہ :- انہوں نے (علی نقی نے) جو اولاد چھوڑی ان میں ان کے بیٹے اور ان کے بعد امام ابو محمد حسن (عسکری) نیز حسین و محمد و جعفر اور انکی بیٹی عائشہ شامل ہیں۔

امام جعفر صادقؑ کا حلیہ و صفات بیان کرتے ہوئے عباس قمی روایت کرتے ہیں :-

"و در شمایل حضرت صادق علیہ السلام گفتہ اند کہ آنحضرت میانہ بالا و افروختہ رو و سفید بدن و کشیدہ بینی و موہای او سیاہ و مجعد بود ۔و بر خد رویش خال سیاہی بود"۔

(عباس قمی، منتھی الآمال، ج ۲، ص ۱۲۲)۔

ترجمہ :- اور حضرت صادق علیہ السلام کے حلیہ و صفات کے بارے میں روایت کیا گیا ہے کہ آنحضرت کا قدرے نکلتا ہوا درمیانہ قد، چمکتا دمکتا چہرہ، گورا بدن، موٹی آنکھیں اور سیاہ گھنگریالے بال تھے۔ نیز ان کے چہرے کے گال پر ایک کالا تل بھی تھا۔

امام جعفر صادق اپنی صدیقی النسب والدہ کو شاندار الفاظ میں خراج عقیدت پیش کرتے ہیں :-

"والدہ ماجدہ آنحضرت نجیبہ جلیلہ مکرمہ علیا جناب فاطمہ مسماۃ بام فروہ بنت قاسم بن محمد بن ابی بکر است کہ حضرت صادق علیہ السلام در حق او فرمودہ :-

كانت أمي ممن آمنت و اتقت و أحسنت والله يحب المحسنين۔

یعنی مادرم از جملہ زنانی بود کہ ایمان آورد و تقوی و پرہیزگاری راہ اختیار کرد و احسان و نیکوکاری نمود ۔و خدا دوست دارد نیکوکاران را۔

(عباس قمی، منتھی الآمال، ج ۲، ص ۱۲۲، سازمان انتشارات جاویدان، ایران، ۱۳۸۹ھ)

ترجمہ :- آنحضرت (امام جعفر) کی والدہ ماجدہ صفات نجابت و بزرگی و عزت و برتری کی حامل خاتون فاطمہ موسوم بہ ام فروہ، بنت قاسم بن محمد بن ابی بکر ہیں۔ جن کے بارے میں حضرت صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ :

میری والدہ ان عورتوں میں سے ہیں جو ایمان لائیں' تقویٰ و پرہیزگاری اختیار کی اور احسان و نیکو کاری کرتی رہیں-اور اللہ نیکو کاروں کو دوست رکھتا ہے-

ان صدیقی النسب زوجہ امام باقر و والدہ امام جعفر کی ایک ہمشیرہ' داماد علیؑ جناب عبداللہ بن جعفر طیارؓ کی بہو تھیں :-

"وام فروہ را خواہری است معروفہ بام حکیم زوجہ اسحاق عریضی بن عبداللہ بن جعفر بن ابیطالب رضی اللہ عنہم اجمعین' والدہ قاسم بن اسحاق کہ مروی جلیل وامیر یمن بودہ- واو پدر داؤد بن القاسم است کہ معروفست بہ ابو ہاشم جعفری بغدادی- وبیاید ذکرش در اصحاب حضرت ہادی علیہ السلام"-

(عباس قمی' منتھی الامال' ج ۲' ص ۱۲۳' ایران' ۱۳۸۹ھ)

ترجمہ :-ام فروہ کی ایک بہن ام حکیم کے نام سے معروف ہیں جو اسحاق عریضی بن عبداللہ بن جعفر بن ابیطالب رضی اللہ عنہم اجمعین کی زوجہ اور قاسم بن اسحاق کی والدہ ہیں-جو کہ ایک مرد جلیل اور امیر یمن تھے-یہ داؤد بن قاسم المعروف بہ ابو ہاشم جعفری بغدادی کے والد ہیں-جن کا تذکرہ حضرت ہادی علیہ السلام کے اصحاب میں آرہا ہے-

امام جعفر صادقؓ سمیت امام محمد الباقرؓ کے کل سات بچے تھے :-

"قد ذكرنا فيما سلف أن ولد أبي جعفر عليه السلام سبعة نفر:- أبوعبدالله جعفر بن محمد عليه السلام وكان به يكنى – وعبدالله بن محمد عليه السلام – أمهما أم فروة بنت القاسم بن مجمد بن أبي بكر–

وإبراهيم و عبيدالله درجا– أمهما أم حكيم بنت أسيد بن المغيرة الثقفية– و على و زينب لأم ولد – وأم سلمة لأم ولد"–

(المفيد' الارشاد' ج ۲' ص ۱۷۲' الباب الحادى عشر' ذكر ولدأبى جعفر عليه السلام)–

ترجمہ :- ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ ابو جعفر (محمد الباقر) علیہ السلام کے سات بچے تھے :-

ابو عبداللہ جعفر بن محمد علیہ السلام، جن کے نام پر آپ کی کنیت ہے۔ اور عبداللہ بن محمد علیہ السلام ۔ ان دونوں کی والدہ ام فروہ بنت قاسم بن محمد بن ابی بکر ہیں۔

نیز ابراہیم و عبید اللہ جو (بچپن میں) فوت ہو گئے۔ ان دونوں کی والدہ ام حکیم بنت اسید بن مغیرہ ثقفیہ ہیں۔

اور علی و زینب جو ایک کنیز (ام ولد) کے بطن سے ہیں۔

نیز ام سلمہ جن کی والدہ بھی کنیز (ام ولد) ہیں۔

امام باقرؒ و جعفر الصادقؒ ائمہ اہل سنت کے ہاں بھی قابل اعتماد و واجب الاحترام ائمہ مجتہدین میں شمار ہوتے ہیں۔ اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ہر دو سے منسوب منفی اثنا عشری روایات درست نہیں :-

ا۔ شیخ عباس قمی نے مسند ابی حنیفہ سے ابن شہر آشوب کی نقل کردہ روایت میں حسن بن زیاد کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ عباسی خلیفہ (وفقیہ) ابو جعفر منصور کی فرمائش کے مطابق امام ابو حنیفہؒ نے امام جعفر الصادقؒ کے لئے چالیس مشکل فقہی سوال تیار کئے۔ اور جب "حیرہ" میں خلیفہ منصور کے دربار میں پہنچے تو انہیں بیٹھنے کا اشارہ کر کے منصور، امام جعفرؒ سے کہنے لگا :-

"گفت :ای ابو عبداللہ! ایں ابو حنیفہ است۔ فرمود : بلی! میشناسم اورا۔ آنگاہ منصور روبمن کرد و گفت : پرس از ابو عبداللہ سوالات خودرا۔ پس من می پرسیدم از آنحضرت و اوجواب میداو۔ میفرمود : شما درایں مسئلہ چنیں میگوئید، واہل مدینہ چنیں میگویند۔ وفتوای خودش، گاہی موافق مابود و گاہی موافق اہل مدینہ و گاہی مخالف جمیع۔ و یکیک را جواب داد تا چہل مسئلہ تمام شد۔ و در جواب یکی از آنہا اخلال ننمود۔ آں وقت ابو حنیفہ گفت : پس کیکہ اعلم مردم باشد باختلاف اقوال از ہمہ علمش بیشتر و فقاہتش زیادہ تر خواہد بود"۔

(عباس قمی، منتہی الامال، ج ۲، ص ۱۲۵، سازمان انتشارات جاویدان، ایران، ۱۳۸۹ھ)

ترجمہ :- خلیفہ منصور کہنے لگا : اے ابو عبداللہ! یہ ابو حنیفہ ہیں۔ انہوں نے فرمایا : ہاں میں انہیں جانتا ہوں۔ اس وقت منصور میری طرف رخ کر کے کہنے لگا :-

ابو عبداللہ سے اپنے سوالات پوچھئے- پس میں نے آنجناب سے مسائل پوچھے اور انہوں نے جواب دیئے- فرمانے لگے :اس مسئلہ میں آپ یوں کہتے ہیں- اور اہل مدینہ یوں کہتے ہیں- نیز جواب مسئلہ میں ان کا اپنا فتوی کبھی ہمارے موافق ہوتا' کبھی اہل مدینہ کے موافق' اور کبھی تمام سے مختلف- اور ایک ایک کر کے وہ جواب دیتے رہے یہانتک کہ چالیس کے چالیس سوال ختم ہوگئے- اور ان میں سے کسی ایک کے جواب میں بھی خلل نہ آیا- اس وقت ابو حنیفہ کہنے لگے کہ :- جو شخص (امام جعفر) اختلاف اقوال کا تمام لوگوں سے بڑھ کر علم رکھنے والا ہے' اسی کا علم سب سے زیادہ اور اسی کی فقاہت سب سے بڑھ کر ہے۔

۲- "شیخ صدوق از مالک بن انس فقیہ اہل مدینہ و امام اہل سنت روایت کردہ کہ گفت :- من وارد میشدم بر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام- پس برای من نازبالش می آورد کہ تکیہ کنم بر آن- و میشناخت قدر مرا و میفرمود : ای مالک ! من ترا دوست میدارم- پس من مسرور گشتم باین و حمد میکردم خدارا بر آن"-

(عباس قمی' منتھی الآمال' ج ۲' ص ۱۲۵' سازمان انتشارات جاویدان' ایران' ۱۳۸۹ھ)-

ترجمہ :- شیخ صدوق نے فقیہ اہل مدینہ و امام اہل سنت مالک بن انس سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا :- میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس حاضر ہوا تو وہ میرے لئے ایک گدی لائے تاکہ میں اس پر ٹیک لگا سکوں- انہوں نے میری قدو قیمت پہچانی اور فرمانے لگے :- اے مالک! میں آپ کو دوست رکھتا ہوں- پس میں اس پر مسرور ہوا اور اس بات پر خدا کا شکر بجالایا-

۳- "و سید شبلنجی شافعی گفتہ کہ مناقب آنحضرت بسیار است حدیکہ محاسب نتواند تمام را در حساب آورد- و مستوفی ہشیار و دانا از انواع آن در حیرت شود- روایت کردہ اند از آنجناب جماعتی از اعیان ائمہ اہل سنت و اعلام ایشان' مانند یحیی بن سعید و ابن جریج و مالک بن انس و ثوری و ابن عیینہ و ابو ایوب سجستانی و غیر ایشان-

ابن قتیبہ در کتاب "ادب الکاتب" گفتہ کہ کتاب جفر را امام جعفر صادق علیہ

السلام نوشتہ، ودر آنست آنچہ مردم بدانستن آں احتیاج دارند تا روز قیامت"۔

(عباس قمی، منتھی الامال، ج ۲ ص ۱۲۴)

ترجمہ :- اور سید شبلنجی شافعی نے بیان کیا ہے کہ آنحضرت (جعفر صادق) کے مناقب اتنے زیادہ ہیں کہ ان کا شمار کرنے والا ان سب کو شمار نہیں کر سکتا۔ اور دانا و ہشیار حساب کنندہ ان کی انواع و اقسام کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ جاتا ہے۔ آنجناب (امام جعفر) سے ممتاز و معروف ائمہ اہل سنت کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے۔ مثلاً یحیی بن سعید، ابن جریج، مالک بن انس، (سفیان) ثوری، ابن عیینہ، ابوایوب سجستانی نیز دیگر حضرات نے۔

ابن قتیبہ نے اپنی کتاب "ادب الکاتب" میں بیان کیا ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے علم جفر پر ایک کتاب لکھی ہے۔ جس میں وہ سب کچھ موجود ہے جس کے جاننے کی لوگوں کو تا قیامت ضرورت ہے۔

شیخ مفید کی روایت کے مطابق امام جعفر الصادق کے دس بچے تھے :-

"وكان لأبى عبدالله عليه السلام عشرة أولاد:- اسماعيل و عبدالله وأم فروة- أمهم فاطمة بنت الحسين بن على بن الحسين-

و موسى عليه السلام و اسحاق و محمد لأم ولد-

والعباس و على و أسماء و فاطمة لأمهات شتى"-

(المفيد، الارشاد، ج ۲، ص ۲۰۰ - ۲۰۱، انتشارات علميه اسلاميه، ايران، ۱۳۸۷ ھ)-

ترجمہ :- ابو عبداللہ (جعفر صادق) علیہ السلام کے دس بچے تھے :-

اسماعیل و عبداللہ و ام فروہ۔ جن کی والدہ فاطمہ بنت حسین بن علی بن حسین ہیں۔

اور موسی (الکاظم) علیہ السلام و اسحاق و محمد۔ ان کی والدہ ام ولد (کنیز) ہیں۔

نیز عباس و علی و اسماء و فاطمہ۔ جو آپ کی مختلف کنیزوں (ام ولد) کے بطن سے ہیں۔

ڈاکٹر موسی موسوی امام باقرؑ و جعفر صادقؑ کی عظیم الشان علمی و دینی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے بیان فرماتے ہیں :-

"پھر امام باقر اور ان کے بیٹے امام صادق کا دور آتا ہے۔ یہی ہیں جنہوں نے فقہی مکتب فکر کی بنیاد رکھی جو فقہ جعفری کے نام سے موسوم ہوا۔ ہر دو امام مدینہ میں مسجد نبوی میں درس دیتے تھے۔ اور اپنی فقہی آراء کا اظہار فرماتے۔ اور بلا خوف و خطر اہل بیت کے مذہب کی اشاعت کرتے۔ امام باقر اموی خلافت کے زمانہ میں تھے۔ امام صادق نے اموی خلافت کا آخری اور عباسی خلافت کا ابتدائی زمانہ پایا۔ خلافت امویہ اور خلافت عباسیہ دونوں اماموں سے اختلاف رکھتی تھی۔ اہل بیت کے فقہی مکتب فکر کو پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھتی تھی۔ تاہم ان دونوں اماموں نے اپنا پیغام پہنچایا۔ اور بہت سے فقہاء و علماء نے ان کے ہاں سے تعلیم مکمل کی۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ دونوں امام اپنے خلاف حکومتوں سے بے خوف ہو کر اپنا فریضہ ادا کرتے رہے"۔

(ڈاکٹر موسیٰ موسوی 'الشیعہ والتصحیح' اردو ترجمہ بعنوان "اصلاح شیعہ" ص ۱۰۲۔ ۱۰۳)

یہ بھی واضح رہے کہ امام جعفر الصادقؒ (۸۰ - ۱۴۸ھ) سے باہم استفادہ کرنے والوں میں امام ابو حنیفہؒ نعمان بن ثابت (۸۰--۱۵۰ھ) جیسے جلیل القدر ائمہ مجتہدین بھی شامل ہیں۔

شیعہ عالم ڈاکٹر موسیٰ موسوی امام باقرؒ و جعفرؒ وغیرہما سے منسوب منفی شیعی روایات کو غلط قرار دیتے ہوئے رقمطراز ہیں :-

"اس مقام پر ایک اور چیز غور و فکر کے لائق ہے۔ حضرت ابو بکرؓ سمیت خلفاء راشدین پر طعن و تشنیع کے متعلق شیعہ راویوں کی جملہ روایتوں کا خاتمہ کرنے کے لئے اس پر توجہ مرکوز کرنا ضروری ہے = وہ یہ کہ امام صادق جو اثنا عشری مذہب کے بانی اور سربراہ سمجھے جاتے ہیں' کئی مقام پر فخریہ کہتے ہیں := ابو بکر دو اعتبار سے میرے جد امجد ہیں۔

امام صادق کا نسب دو طریقوں سے ابو بکر تک پہنچتا ہے۔ ایک تو ان کی والدہ فاطمہ بنت قاسم بن محمد بن ابی بکرؓ کے توسط سے اور نانی اسماء بنت عبدالرحمٰن بن ابی بکر کے واسطہ سے' جو فاطمہ بنت قاسم بن محمد بن ابی بکرؓ کی والدہ تھیں۔ لیکن تعجب کی بات ہے کہ ہمارے راویوں نے (اللہ انہیں معاف کرے) اسی امام سے جو اپنے جد امجد ابو بکرؓ پر فخر کرتا ہے' ایسی بیشمار روایات ذکر کی ہیں جن میں حضرت ابو بکرؓ پر حرف گیری کی گئی ہے۔ تو

کیا یہ معقول ہے کہ ایک طرف تو امام اپنے جدامجد پر فخر کریں اور دوسری طرف ان پر زبان طعن دراز کریں؟ اس قسم کی بات عام بازاری آدمی سے تو صادر ہو سکتی ہے لیکن معاذاللہ' اس امام سے صادر نہیں ہو سکتی جو اپنے زمانہ و عہد کا سب سے بڑا فقیہ اور متقی ہے۔

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ شیعہ راویوں نے ائمہ شیعہ کے ساتھ جن کے انصار ہونے اور ان کے موروثی علوم کو زندہ رکھنے کے لئے متعدد کتابیں تالیف کرنے کا وہ خود دعوی رکھتے ہیں' انہوں نے ان کے ساتھ برا سلوک کرنے میں بالواسطہ طریقہ سے بڑا فعال کردار ادا کیا۔ ہم ان کتابوں کی تالیف اور ان میں موجود بایکدیگر خلط ملط روایات کے زمانے کو شیعہ اور تشیع کے مابین معرکہ آرائی کے عصر اول کا نام دیتے ہیں۔ کیونکہ شیعہ اور تشیع میں کشمکش اسی زمانہ میں منصہ شہود پر آئی"۔

(ڈاکٹر موسی موسی' الشیعہ والتصحیح' اردو ترجمہ از ابو مسعود آل امام بعنوان "اصلاح شیعہ' ص ۸۵-۸۶)۔

اب امام باقر و امام جعفر صادقؒ سے منسوب سینکڑوں منفی و تعجب خیز اثنا عشری روایات میں سے اثنا عشریہ کے مستند ترین مجموعہ احادیث "کتاب الکافی" میں سے بطور اشارہ محض چند روایات ملاحظہ ہوں۔ (واضح رہے کہ اس کتاب کے بارے میں مؤلف کتاب ابو جعفر کلینی کی روایت ہے کہ بارہویں اثنا عشری امام محمد المھدی نے اسے سنکر فرمایا:۔ هذا كاف لشيعتنا یہ ہمارے شیعوں کیلئے کافی ہے۔ لہذا اس کا نام "الکافی" پڑ گیا):۔

۱۔ امام باقر علیہ السلام نے فرمایا:۔

مادعى أحد من الناس أنه جمع القرآن كله كما أنزل إلا كذاب — وماجمعه وحفظه كما أنزله الله إلا على بن أبى طالب والأئمة من بعده".

(اصول الكافى "كتاب الحجة" باب انه لم يجمع القرآن كله إلا الأئمة عليهم السلام" ص ١٣٩" لكهنو" مطبع نولكشور" ١٣٠٢ هـ).

ترجمہ :- جس آدمی نے یہ دعوی کیا کہ اس نے پورا قرآن اسی طرح جمع کیا ہے جس طرح کہ وہ نازل ہوا تھا تو وہ کذاب ہے- کیونکہ اسے اللہ کی تنزیل کے مطابق صرف علی بن ابی طالب اور ان کے بعد والے ائمہ ہی نے جمع کیا اور محفوظ رکھا ہے۔

۲-امام جعفر صادق سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا :-

"فإذا قام القائم قرأ كتاب الله عزوجل على حدة وأخرج المصحف الذى كتبه على عليه السلام – وقال : أخرجه على عليه السلام إلى الناس حين فرغ منه وكتبه فقال لهم: هذا كتاب الله عزوجل كما أنزله الله على محمد صلى الله عليه وآله جمعته من اللوحين. فقالوا: هو ذا عندنا مصحف جامع فيه القرآن لا حاجة لنا فيه – فقال : أما والله ما ترونه بعد يومكم هذا"۔

(اصول الكافى' كتاب فضل القرآن' لكهنو' ص ٦٧١)۔

ترجمہ :- پس جب قائم (اثنا عشری امام مہدی) ظاہر ہوں گے تو وہ اللہ عزوجل کی کتاب (قرآن) کو اصلی اور صحیح طور پر پڑھیں گے -اور قرآن کا وہ نسخہ نکالیں گے جس کو علی علیہ السلام نے لکھا تھا-اور امام جعفر نے یہ بھی فرمایا کہ علی علیہ السلام جب اس (نسخہ) کو لکھ کر فارغ ہوئے تو اسے لوگوں کے سامنے پیش کر کے فرمانے لگے :- یہ اللہ عزوجل کی کتاب (قرآن) ہے' ٹھیک اسی کے مطابق جس طرح اللہ نے اسے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ پر نازل فرمایا تھا- میں نے اسے لوحین سے جمع کیا ہے- تو لوگوں نے کہا کہ ہمارے پاس یہ جامع مصحف موجود ہے جس میں پورا قرآن ہے- ہمیں اس (تمہارے جمع کردہ نسخہ) کی ضرورت نہیں-اسپر آپ نے فرمایا :- بخدا آج کے بعد تم اسے کبھی نہ دیکھ پاؤ گے-

۳-"عن هشام بن سالم عن أبى عبدالله عليه السلام قال: إن القرآن الذى جاء به جبرئيل عليه السلام إلى محمد صلى الله عليه وآله

سبعة عشر ألف آية "۔

(اصول الکافی' باب فضل القرآن' لکھنو' ص ٦٧١)

ترجمہ :- ہشام بن سالم نے ابو عبداللہ (امام جعفر) علیہ السلام سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا :- وہ قرآن جو جبرئیل محمد صلی اللہ علیہ و آلہ کی جانب لیکر آئے تھے' سترہ ہزار آیات پر مشتمل تھا۔

اصول الکافی کے شارح علامہ قزوینی نے اس روایت کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :-

"مراد اینست کہ بسیارے از قرآن ساقط شدہ ودر مصاحف مشہورہ نیست"۔

(قزوینی' صافی شرح اصول کافی' طبع لکھنو' جز ششم' ص ۷۵)

ترجمہ :- مراد یہ ہے کہ اس اصل قرآن میں سے بہت سا حصہ ساقط اور غائب کر دیا گیا۔ اور قرآن کے مشہور نسخوں میں اب موجود نہیں۔

واضح رہے کہ خلافت ابوبکر میں ترتیب نبوی کے مطابق سرکاری طور پر تحریری شکل میں جمع شدہ قرآن میں چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ (٦٦٦٦) آیات ہیں۔ اور یہی قرآن عصر نبوی و خلافت ابوبکر و عمر و عثمان و علی و حسن و معاویہ رضی اللہ عنہم سے آج تک رائج و زیر تلاوت چلا آرہا ہے۔

۴- ابو بصیر کی روایت کے مطابق امام جعفر صادق ؒ نے اس سوال کے جواب میں کہ "مصحف فاطمہ" کیا ہے ؟ فرمایا :-

"إن الله لما قبض نبيه عليه السلام دخل فاطمة من الحزن مالا يعلمه إلا الله عزوجل۔ فأرسل إليها ملكاً يسلى عنها و يحدثها۔ فشكت ذلك إلى أميرالمومنين عليهما السلام۔ فقال لها: إذا أحسبست به وسمعت الصوت قولى لى۔ فأعلمته بذلك۔ فجعل أميرالمؤمنين عليه السلام يكتب كلما سمع حتى أثبت من ذلك مصحفاً"۔

(اصول الکافی' باب فیه ذکر الصحیفة والجفر والجامعة ومصحف فاطمة'

لکھنو' ص ۱٤۷)۔

ترجمہ :- اللہ نے جب اپنے نبی علیہ السلام کی روح قبض کرلی تو فاطمہ کو ایسا رنج و غم ہوا جس کا بس اللہ عزوجل ہی کو اندازہ تھا- پس اس نے ان کی طرف فرشتہ بھیجا تاکہ ان کے غم میں انہیں تسلی دے اور ان سے کلام کیا کرے- تو انہوں نے امیرالمومنین (علی) علیہما السلام کو یہ بات بتلادی- پس آپ نے ان سے فرمایا کہ جب تم کو اس کی آمد کا احساس ہو اور اس کی آواز سنو تو مجھے بتلادینا- چنانچہ فاطمہ نے آپ کو اس کی خبر دیدی۔ تو امیرالمومنین جو کچھ اس فرشتہ کو کہتے سنتے' لکھتے جاتے- یہاں تک کہ اس سے پورا مصحف تیار کرلیا-

۵- اسی سلسلہ میں ابو بصیر کے ایک سوال کے جواب میں امام جعفر نے فرمایا :-

"وإنا عندنا لمصحف فاطمة عليها السلام- وما يدريهم ما مصحف فاطمة؟ قال: فيه مثل قرآنكم ثلاث مرات. والله مافيه من قرآنكم حرف واحد".

(اصول الكافى' باب فيه ذكر الصحيفة والجفر والجامعة و مصحف فاطمة لكهنو' ص ١٤٦).

ترجمہ :- اور ہمارے پاس مصحف فاطمہ علیہا السلام بھی ہے- اور لوگوں کو کیا معلوم کہ مصحف فاطمہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا :۔ اس میں تمہارے اس قرآن سے تین گنا زیادہ کلام ہے- اور بخدا! اس میں تمہارے قرآن میں سے ایک حرف بھی نہیں-

اس سلسلہ میں علماء جعفریہ اثناعشریہ بشمول امام خمینی (کشف الاسرار) کا کہنا ہے کہ اگر غیر نبی مادر مسیح سیدہ مریم کے پاس از روئے آیت قرآن فرشتہ (جبرئیل) آسکتا ہے تو فاطمہ بنت رسولؐ کے پاس کیوں نہیں آسکتا؟ جس کے جواب میں اکابر امت کا کہنا ہے کہ تکمیل قرآن اور وفات نبوی کے بعد عقیدہ ختم نبوت کی رو سے جس طرح تاقیامت کوئی نیا نبی و رسول نہیں آئیگا' اسی طرح کسی غیر نبی کے پاس وحی و فرشتہ کے آنے

کا یقین و عقیدہ رکھنا بھی عقیدہ ختم نبوت سے متصادم اور کفر ہے۔ جبکہ غیر نبی سیدہ مریم سے فرشتہ کا ہمکلام ہونا تکمیل ختم نبوت سے پہلے کا واقعہ ہے۔

۶۔ امام جعفر صادق نے فرمایا:۔

"نحن شجرة النبوة و بيت الرحمة و مفاتيح الحكمة و معدن العلم و موضع الرسالة و مختلف الملائكة"۔

(اصول الكافى' باب: إن الأئمة معدن العلم و شجرة النبوة ومختلف الملائكة' لكهنو)۔

ترجمہ:۔ ہم لوگ نبوت کا درخت اور رحمت کا گھر ہیں۔ ہم حکمت کی کنجیاں اور علم کا خزانہ ہیں۔ نیز ہم رسالت کا مقام ہیں اور ہمارے پاس فرشتوں کی آمد و رفت رہتی ہے۔

۷۔ امام جعفر نے اپنے خاص رازداروں کی ایک مجلس میں فرمایا:۔

"لو كنت بين موسى والخضر لأخبرتهما أنى أعلم منهما ولأنبأتهما ما ليس فى أيديهما— لأن موسى و الخضر عليهما السلام أعطيا علم ما كان ولم يعطيا علم ما يكون وما هو كائن حتى تقوم الساعة. و قد ورثناه من رسول الله صلى الله عليه وآله وراثة"۔

(اصول الكافى' باب ان الأئمة عليهم السلام يعلمون ما كان وما يكون وانه لا يخفى عليهم شئى صلوات الله عليهم' لكهنو' ص ١٦٠)

ترجمہ:۔ اگر میں (جعفر صادق) موسیٰ اور خضر کے درمیان ہوتا تو انہیں بتلاتا کہ میں ان دونوں سے زیادہ علم رکھتا ہوں۔ اور انہیں ان باتوں کی خبر دیتا جن کا علم ان دونوں کے پاس نہیں۔ کیونکہ موسیٰ و خضر کو تو صرف ما کان (جو ہو چکا یعنی ماضی) کا علم دیا گیا تھا' مگر ما یکون (جو ہو رہا ہے) اور جو قیامت برپا ہونے تک ہونے والا ہے' اس کا انہیں علم نہیں دیا گیا۔ جبکہ ہم نے یہ علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ سے وراثت میں پایا ہے۔

۸- راوی ابو بصیر کے ایک سوال کے جواب میں امام جعفر فرماتے ہیں :-

"أما علمت أن الدنيا و الآخرة للإمام يضعها حيث شاء ويدفعها إلى من يشاء"۔

(اصول الكافی' باب ان الأرض للامام عليه السلام' لكهنو' ص ۲۵۹)

ترجمہ :- کیا تجھے علم نہیں کہ دنیاو آخرت امام کی ملکیت ہیں-انہیں جہاں چاہے رکھ دے اور جس کو چاہے عطا کر دے-

۹-امام باقر سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا :-

"إن الله لا يستحى أن يعذب أمة دانت بإمام ليس من الله' وإن كانت فى أعمالها برة تقية- وإن الله ليستحى أن يعذب أمة دانت بإمام من الله' وإن كانت فى أعمالها ظالمة مسيئة"۔

(اصول الكافی' باب فيمن دان الله عزوجل بغير امام من الله جل جلاله' لكهنو' ص ۲۳۸)۔

ترجمہ :- یقیناً اللہ ایسی امت کو عذاب دینے سے نہیں شرماتا جو ایسے امام کی اطاعت کرے جو اللہ کی طرف سے مقرر شدہ نہیں۔ (مثلاً غیر منصوص ابوبکر و عمر و عثمان)-اگرچہ یہ امت اپنے اعمال میں نیکوکار اور متقی ہی کیوں نہ ہو- جبکہ اللہ ایسی قوم (شیعہ) کو عذاب دینے میں شرم محسوس کرتا ہے جو اللہ کی طرف سے مقرر شدہ (منصوص من اللہ) امام پر ایمان رکھتی ہو-اگرچہ وہ لوگ اپنی عملی زندگی میں ظالم وبدکار ہی کیوں نہ ہوں-

۱۰-امام جعفر سے روایت ہے کہ وہ فرماتے تھے :-

"نحن الذين فرض الله طاعتنا - لا يسع الناس معرفتنا. ولا يعذر الناس بجهالتنا. من عرفنا كان مؤمناً. ومن أنكرنا كان كافراً- و من لم يعرفنا و لم ينكرنا كان ضالاً حتى يرجع إلى الهدى الذى افترض الله عليه من طاعتنا الواجبة"۔

(اصول الکافی' باب فرض طاعة الأئمة' ص ۱۱۰)

ترجمہ :- ہم وہ لوگ ہیں جن کی طاعت اللہ نے فرض کی ہے- سب لوگوں کے لئے ہم کو پہچانا اور ماننا لازم ہے- ہم سے بے خبر رہنے والوں کا عذر قبول نہ ہوگا- جس نے ہمیں پہچان لیا' وہ مومن ہے- اور جس نے ہمارا انکار کر دیا تو وہ کافر ہے- اور جس نے نہ تو ہمیں پہچانا اور نہ انکار کیا تو وہ گمراہ ہے- یہاں تک کہ وہ اس راہ ہدایت پر آجائے جو اللہ نے ہماری لازمی اطاعت کے سلسلہ میں فرض قرار دی ہے-

۱۱- امام جعفر کے پوتے اور آٹھویں اثنا عشری امام' علی رضا نے اپنے ایک طویل خطبہ میں صفات امام کے حوالہ سے یہ بھی فرمایا :-

"فهو معصوم مؤيد' موفق مسدد' قد أمن من الخطأ والزلل و العثار' يخصه الله بذلك ليكون حجة على عباده و شاهده على خلقه".

(اصول الکافی' باب نادر جامع فی فضل الإمام و صفاته' ص ۱۲۱ – ۱۲۲).

ترجمہ :- پس وہ (امام منصوص) معصوم ہوتا ہے- اللہ کی خاص توفیق و تائید اس کے ساتھ ہوتی ہے۔ اللہ اس کو راہ راست پر رکھتا ہے- وہ غلطی' بھول چوک اور لغزش سے محفوظ و مامون ہوتا ہے- اللہ تعالیٰ معصومیت کی اس نعمت کے ساتھ اسے مخصوص کرتا ہے تاکہ وہ اس کے بندوں پر اللہ کی حجت قرار پائے اور اس کی مخلوق پر گواہ ٹھہرے-

۱۲- راوی زرارہ کے مطابق امام باقر نے فرمایا :-

"للامام عشر علامات – يولد مطهراً مختوناً – وإذا وقع على الأرض وقع على ر احتيه رافعاً صوته بالشهادتين' ولايجنب' وتنام عينه ولاينام قلبه' ولا يتثاؤب' ولا يتمطى' ويرى من خلفه كما يرى من أمامه' ونجوه كرائحة المسك والأرض مأمورة بستره و ابتلاعه. وإذا لبس درع

رسول الله صلى الله عليه وآله كانت وفقا ً و إذا لبسها غيره من الناس طويلهم و قصيرهم زادت عليه شبراً۔

(اصول الكافي ' ص ٢٤٦ ' لكهنو ' طبع نولكشور ' ١٣٠٢ ھ)

ترجمہ :- امام کی دس خاص نشانیاں ہیں-وہ بالکل پاک صاف اور ختنہ شدہ پیدا ہوتا ہے-اور جب بطن مادر سے زمین پر آتا ہے تو اسطرح کہ دونوں ہتھیلیاں زمین پر رکھے ہوتا ہے۔اور بلند آواز سے شہادت توحید ورسالت ادا کرتا ہے-اور اس کو کبھی جنابت (ناپاکی کی وجہ سے غسل کی حاجت) نہیں ہوتی-اور نیند کی حالت میں اس کی آنکھ سو رہی ہوتی ہے مگر دل بیدار رہتا ہے-اس کو کبھی جماہی نہیں آتی اور نہ کبھی وہ انگڑائی لیتا ہے-وہ جس طرح آگے کی جانب دیکھتا ہے اسی طرح پیچھے کی چیزیں بھی دیکھ سکتا ہے-اس کے پاخانہ میں مشک کی سی خوشبو ہوتی ہے-اور زمین کو حکم ہے کہ اس کو ڈھانک لے اور نگل لے-اور جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کی زرہ پہنتا ہے تو وہ اس کے بالکل فٹ آتی ہے-جبکہ کوئی دوسرا آدمی وہی زرہ پہنے تو چاہے وہ طویل القامت ہو یا پستہ قد' وہ زرہ اس پر ایک بالشت بڑی رہتی ہے-

۱۳- ملا باقر مجلسی بروایت کلینی وعیاشی روایت کرتے ہیں کہ امام باقر نے درج ذیل آیت کی تفسیر میں یوں فرمایا:-

"الم تر إلى الذى أوتوا نصيباً من الكتاب يؤمنون بالجبت والطاغوت"۔(کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کتاب میں سے حصہ دیا گیا اور وہ بتوں اور سرکش شیطان پر ایمان لے آئے)

"حضرت فرمود کہ مراد بہ جبت و طاغوت دو بت منافقانند ابوبکر و عمر"۔

ترجمہ :- حضرت باقر نے فرمایا کہ جبت و طاغوت سے دو منافق بت یعنی ابوبکر و عمر مراد ہیں۔(معاذ اللہ)

۱۴- عن زارة عن أبى عبدالله عليه السلام فى تزويج أم كلثوم

فقال:- إن ذلك فرج غصبناه"۔

(فروع الکافی' باب فی تزویج ام کلثوم' الروایة الأولی' طبع لکھنو)

ترجمہ:- زرارہ نے ابو عبداللہ (امام جعفر) علیہ السلام سے ام کلثوم (بنت علیؓ) کی (عمر فاروقؓ سے) شادی کے بارے میں روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:-

وہ ہماری عزت تھی جسے ہم سے زبردستی چھین لیا گیا۔

امام جعفر سے منسوب اس ناقابل یقین روایت کے حوالہ سے پیر طریقت علامہ محمد قمر الدین سیالویؒ تحریر فرماتے ہیں:-

"اہل تشیع کی ام الکتاب' یعنی "فروع الکافی' جلد ۲' ص ۱۴۱' سطر ۲' مطبوعہ لکھنو' کسی بڑے مدعی تولی ومعتقد اہل بیت سے سنئے- نیز ناسخ التواریخ جلد ۲' ص ۳۶۳ اور صفحہ ۳۶۴' سطر ۱' ملاحظہ فرمائیں- اور میری تمام معروضات کی تصدیق کریں کہ شان حیدری میں کس قدر بکواس اور سب و شتم کئے ہیں- کوئی بڑے سے بڑا سے بڑا بدبخت خارجی بھی ان کے حق میں اس قسم کے کلمات لکھنے کی جرأت نہیں کرے گا- حضرت سیدنا علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کے حق میں یہ بکواس صرف اس لئے کئے ہیں کہ آپ نے سیدنا امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ کو رشتہ کیوں دیا ہے اور بس- کاش میرے بھولے بھالے برادران وطن شیعہ مذہب کی حقیقت سے واقف ہوتے-"

علامہ قمر الدین سیالوی' مذہب شیعہ' اردو پریس لاہور' ۱۳۷۷ھ' ص ۷۲)۔

۱۵- امام باقر سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا:-

قال : كان الناس أهل ردة بعد النبي صلى الله عليه وآله إلا ثلاثة ۔ فقلت : و من الثلاثة؟ فقال : المقداد بن الأسود و أبو ذر الغفاري و سلمان الفارسي رحمة الله عليهم وبركاته"۔

(الكافي 'كتاب الروضة)۔

ترجمہ:- امام باقر نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ کی وفات کے بعد (علی

کی بجائے ابوبکر کی بیعت کر کے) تین کے سوا تمام لوگ مرتد ہو گئے تھے۔(راوی کہتا ہے) میں نے عرض کیا :۔ وہ تین کون تھے ؟ آپ نے فرمایا :۔ مقداد بن اسود، ابوذر غفاری اور سلمان فارسی۔ ان پر اللہ کی رحمت اور برکات ہوں۔

١٦- عن أبى جعفر عليه السلام قال : قلت له : إن بعض أصحابنا يفترون ويقذفون من خالفهم — فقال لى :۔ الكف عنهم أجمل — ثم قال:۔ والله يا أبا حمزة! إن الناس كلهم أولاد البغايا ماخلا شيعتنا"۔

(الكافى "كتاب الروضة" ص ٢٨٥)

ترجمہ :- راوی ابو حمزہ ثمالی نے ابو جعفر (امام باقر) علیہ السلام سے روایت کر کے بیان کیا کہ میں نے ان سے عرض کیا :۔ ہمارے بعض ساتھی مخالفین پر بدکاری کی تہمت اور بہتان لگاتے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ ان لوگوں کے بارے میں زبان بند رکھنا بہتر ہے۔ پھر فرمایا :۔ اے ابو حمزہ! خدا کی قسم ہمارے شیعوں کے علاوہ تمام لوگ بدکار عورتوں کی اولاد ہیں۔

١٧- عن زرارة عن أبى جعفر عليه السلام قال:۔ التقية فى كل ضرورة و صاحبها أعلم بها حين تنزل به۔

(اصول الكافى "باب التقية" ص ٤٨٤)۔

ترجمہ :-زرارہ نے ابو جعفر (امام باقر) علیہ السلام سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: تقیہ ہر ضرورت میں جائز ہے۔ اور ہر ضرورتمند اپنے بارے میں بہتر جانتا ہے کہ کب اسے تقیہ کی ضرورت پیش آتی ہے۔

١٨- عن أبى عمير الأعجمى قال قال لى أبو عبدالله عليه السلام: يا أبا عمير! تسعة أعشار الدين فى التقية ولا دين لمن لا تقية له"۔

(اصول الكافى "باب التقية" طبع لكهنو" ص ٤٨٦)

ترجمہ :-ابو عمیرا عجمی سے روایت ہے۔اس نے بیان کیا کہ مجھ سے ابو عبداللہ (امام جعفر) علیہ السلام نے فرمایا :۔اے ابو عمیر !دین کے دس حصوں میں سے نو حصے تقیہ (اپنے اصل عقیدہ کو چھپا کر اس کے برعکس ظاہر کرنا ہے)اور جو تقیہ نہیں کرتا' وہ بے دین ہے-

۱۹- راوی سلیمان بن خالد کا بیان ہے کہ :-

قال أبو عبدالله عليه السلام:۔ يا سليمان! إنكم على دين من كتمه أعزه الله ومن أذاعه أذله الله"۔ (اصول الكافى' باب الكتمان' ص ٤٨٥)۔

ترجمہ :- ابو عبداللہ (امام جعفر) علیہ السلام نے فرمایا :۔اے سلیمان! تم لوگ ایک ایسے دین پر ہو کہ جو اس کو چھپا کر رکھے گا (کتمان دین) اللہ اسے عزت بخشے گا-اور جو اس کا اعلان کرے گا' اللہ اسے ذلیل فرمائے گا-

۲۰- عن السمان قال:۔ كنت عند أبي عبدالله عليه السلام إذا دخل عليه رجلان من الزيدية فقالا له :۔ أفيكم إمام مفترض الطاعة؟ فقال:۔ لا ۔ قال فقالا له: قدأخبرنا عنك الثقات أنك تفتي و تقر و تقول به۔ ونسميهم لك' فلان و فلان' وهم أصحاب ورع و تشمير و هم ممن لايكذب۔ فغضب أبو عبدالله وقال:۔ ما أمرتهم بهذا"۔

(اصول الكافى' باب الكتمان' ص ١٤٢)۔

ترجمہ :- سعید سمان سے روایت ہے کہ میں ابو عبداللہ (امام جعفر) علیہ السلام کے پاس تھا کہ (شیعہ فرقہ)زیدیہ سے تعلق رکھنے والے دو مرد آپ کے پاس آئے اور آپ سے کہنے لگے کہ کیا آپ میں سے کوئی ایسا امام ہے جس کی اطاعت اللہ کی طرف سے فرض قرار دی گئی ہو؟ راوی نے بیان کیا کہ اس پر آپ نے فرمایا : نہیں-راوی کا کہنا ہے کہ اس پر وہ آپ سے کہنے لگے کہ ہمیں آپ کے بارے میں آپ کے قابل اعتماد لوگوں نے خبر دی ہے کہ آپ یہ بات فرماتے ہیں' اس کا اقرار کرتے ہیں اور اسی بات کا فتوی دیتے ہیں-ہم آپ کے سامنے ان لوگوں کے نام لے دیتے ہیں-وہ فلاں فلاں ہیں-اور وہ بڑے معتبر و پرہیز گار لوگ ہیں-جو جھوٹی بات نہیں کہتے- اس پر ابو عبداللہ غضبناک ہو گئے اور

فرمانے لگے :۔ میں نے انہیں (علی الاعلان) یہ بات کہنے کا حکم نہیں دیا تھا۔

۲۱۔ ایرانی شیعہ عالم فاضل لنگرانی بلا خوف جان و مال تقیہ مداراتی (خوش اخلاقی والا تقیہ) کے حوالہ سے فرماتے ہیں :۔

"از برخی روایات استفاده می شود که تقیه مداراتی حتی در برابر ناصبین هم جریان دارد. وآں روایت زراره از امام باقر (ع) است که فرمود:.

لابأس بأن تصلی خلف الناصب و لا تقرء خلفه فیما یجهر فان قرأته یجزیك"

(وسائل الشیعة' ابواب صلوة الجماعة' باب ٣٦' حدیث ٥. وراجع فاضل لنگرانی' تقیه مداراتی' زمینه ساز وحدت' ص ٢١' طبع قم).

ترجمہ :- روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ تقیہ مداراتی (خوش اخلاقی والا تقیہ بلا خوف جان و مال) ناصبین (دشمنان آل علی) کے معاملے میں بھی درست ہے۔اور زرارہ کی امام باقر (ع) سے روایت موجود ہے کہ آپ نے فرمایا :-

ناصبی کے پیچھے تیرے (باجماعت) نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔اور جب وہ اونچی آواز میں قرأت نماز کر رہا ہو تو اس کے پیچھے تیرے قرأت نہ کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔کیونکہ اس کی قرأت تیری طرف سے بھی کافی ہے۔

۲۲۔روایت صحیحہ حماد بن عثمان از امام صادق علیہ السلام است کہ فرمود :-

"من صلی معهم فی الصف الأول کان کمن صلی خلف رسول الله (ص) فی الصف الأول"....(وسائل الشیعة' ابواب صلاة الجماعة' باب ٥' ح ١. تقیه مداراتی' فاضل لنگرانی' قم' ص ١٩)

حماد بن عثمان نے امام صادق علیہ السلام سے صحیح روایت بیان کی ہے کہ آپ نے فرمایا :-

جس نے ان (غیر شیعوں) کے ساتھ صف اول میں نماز پڑھی تو وہ اس شخص کی مانند ہے جس نے رسول اللہ (ص) کے پیچھے صف اول میں نماز پڑھی ہو۔

۲۳- روایت صحیحہ علی بن جعفر از برادرش موسی بن جعفر علیہما السلام کہ فرمود :- صلی حسن و حسین خلف مروان و نحن نصلی معھم.
(وسائل الشیعة ' ابواب صلاة الجماعة ' باب ۵' ج ۲ — تقیہ مداراتی فاضل 'لنگرانی' ص ۱۹ — ۲۰).
ترجمہ :- علی بن جعفر اپنے بھائی موسی بن جعفر سے روایت صحیحہ بیان کرتے ہیں کہ :۔ حسن و حسین نے مروان کے پیچھے نمازیں پڑھیں۔ اور ہم بھی ان لوگوں (غیر شیعوں) کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں۔

۲۴- "امام جعفر صادق جو شیعہ قانون کے بانی تھے' سے پوچھا گیا :۔ کیا متعہ بیوی ان چاروں میں سے ہوتی ہے (اسلام میں شرعی لحاظ سے جن کی اجازت دی گئی ہے)؟ کہا جاتا ہے کہ امام نے اس کا جواب دیا :۔ ان میں سے تم ایک ہزار سے شادی کرو کیونکہ یہ تو "اجر" کمانے والی ہوتی ہیں۔ یعنی ایک مرد ایک ہی وقت میں چار سے بھی زیادہ عارضی بیویاں رکھ سکتا ہے۔ بہر حال موجودہ علماء میں اس سلسلے مین اختلاف پایا جاتا ہے"۔
(ایرانی اثنا عشری شیعہ محقق ڈاکٹر شہلا حائری 'لا آف ڈیزائر' اردو ترجمہ و تلخیص بعنوان "چاہت کا قانون" از ستار طاہر 'مطبوعہ "قومی ڈائجسٹ" لاہور' مارچ ۱۹۹۳ء' ص ۲۰)۔
۲۵- "جہاں تک کنواری عورت کا اپنی شادی کے امور خود طے کرنے کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں علماء میں واضح اختلافات ہیں اور وہ بٹے ہوئے ہیں۔ اس نزاع کو سامنے رکھتے ہوئے شفائی نے امام جعفر صادق کی مندرجہ ذیل روایت بیان کی ہے کہ ایک شخص امام جعفر صادق کے پاس آیا اور استفسار کیا :-

ایک کنواری نے اپنے والدین کے علم میں لائے بغیر مجھے دعوت دی کہ میں اس کے پاس آؤں۔ اور اس نے میرے ساتھ متعہ شادی کرنے میں دلچسپی ظاہر کی۔ کیا

میرے لئے اس لڑکی کے ساتھ متعہ کرنا درست ہوگا؟ امام نے جواب دیا:۔ ہاں لیکن اس کے ساتھ جسمانی تعلق قائم کرنے سے اجتناب کرنا۔ کیونکہ جسمانی تعلق کنواری کے لئے شرمناک ہوتا ہے۔ میں نے پوچھا: اگر وہ خود اس کے لئے رضامند ہو تو؟ امام نے جواب دیا:۔ اگر وہ رضامند ہے تو پھر اس کی ممانعت نہیں"۔

(ڈاکٹر شہلا حائری' لا آف ڈیزائر' اردو ترجمہ بعنوان "چاہت کا قانون" قومی ڈائجسٹ لاہور' مارچ ۱۹۹۳ء' ص ۵۵)۔

امام باقرؒ و امام جعفرؒ نیز دیگر ائمہ اثناعشر سے منسوب اس قسم کی سینکڑوں منفی روایات و احادیث معصومین جعفریہ اثناعشریہ کے کئی ہزار صفحات پر مشتمل مجموعہ احادیث "کتاب الکافی" نیز دیگر کتب حدیث (من لا یحضرہ الفقیہ' الاستبصار' التہذیب وغیرہ) میں موجود ہیں۔ جن سے قرآن و سنت' عقیدہ امامت منصوصہ و معصومہ افضل من النبوۃ والرسالۃ' خلافت ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و مقام ازواج رسولؐ و اصحاب کرامؓ نیز تقیہ' متعہ' رجعت' بدا وغیرہ کے حوالہ سے شیعی اثناعشری اسلام کا ایک ایسا ایڈیشن تیار ہوتا ہے جو نہ تو امت مسلمہ کی نوے فیصد سے زائد اکثریت پر مشتمل "اہل سنت والجماعت" کے لئے قابل قبول ہے اور نہ ہی مختلف غیر اثناعشری شیعہ فرقوں (زیدیہ وغیرہ) کیلئے قابل تسلیم ہے۔ بلکہ اکابر امت کے نزدیک قابل تکفیر و تضلیل ہے۔ علاوہ ازیں روایات تحریف قرآن کے ہمراہ حدیث نبوی کے سلسلہ میں جعفریہ اثناعشریہ ایک لاکھ سے زائد جملہ صحابہ کرامؓ کو بطور راویان احادیث شرعاً نا قابل قبول قرار دیکر عملاً ذخیرہ حدیث نبوی بروایات صحابہ کرامؓ کو بھی مسترد کر دیتے ہیں۔ اس سلسلہ میں پیر طریقت علامہ محمد قمر الدین سیالوی چشتیؒ کا درج ذیل بیان ملاحظہ ہو:۔

"اہل تشیع نے اپنے مخصوص مذہب کی بناء ایسی روایات پر رکھی ہے جو انتہائی درجہ محدود ہے کہ احادیث کے عینی شاہد یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جن کی تعداد تاریخ عالم کی رو سے ڈیڑھ لاکھ کے قریب ہے' اور بجز اہل تشیع کے باقی تمام اقوام عالم پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایمان لانے والوں کی تعداد اس سے کم نہیں بتاتے' تو اس قدر تعداد میں سے صرف چار یا پانچ آدمیوں کی روایت قابل تسلیم اور باقی تمام

کے تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی روایات ناقابل تسلیم یقین کرتے ہیں-
دوسرا جن اصحاب سے اماموں کی روایتیں لینا جائز بتاتے ہیں' ان کے متعلق اس
ضروری عقیدہ کا دعوی کرتے ہیں کہ تقیہ اور کذب بیانی ان کا دین و ایمان تھا-
(معاذاللہ ثم معاذاللہ)۔

چنانچہ اہل تشیع کی انتادرجہ معتبر کتاب "کافی" مصنفہ (اہل تشیع کے مجتہد اعظم)
ابو جعفر یعقوب کلینی میں مستقل باب تقیہ کے لئے مخصوص ہے-اوراس کواصول دین
میں شمار کرتے ہیں- نمونہ کے طور پر ایک دو روایتیں امام ابو عبداللہ جعفر صادق رضی
اللہ عنہ کی طرف منسوب پیش کرتا ہوں :-

عن أبي عمير الأعجمي قال : قال لي أبو عبدالله عليه السلام :.
يا أبا عمير! إن تسعة أعشار الدين في التقية ولادين لمن لا تقية له-

یعنی حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالی عنہ نے اپنے ایک خاص شیعہ ابی
عمیر الا عجمی سے فرمایا کہ دین میں نوے فیصد تقیہ اور جھوٹ بولنا ضروری ہے- اور جو
تقیہ (جھوٹ) نہیں کرتا'وہ بے دین ہے-(باقی دس کی بھی کسر نہ رہی)۔ دیکھو اصول کافی'
۴۸۲'اور ص ۴۸۳ پر بھی کثرت کے ساتھ روایات ہیں"-
(علامہ قمرالدین سیالوی'مذہب شیعہ'ص ۳-۴'اردو پریس لاہور'۷۷ ۱۳ھ)

اس حوالہ سے چند مزید روایات نقل کرنے کے بعد علامہ سیالویؒ فرماتے ہیں :-

"اب جبکہ ابتدائی واسطہ یعنی صحابہ کرامؓ کی ذات قدسی صفات ہی کو قابل
اعتماد تسلیم نہ کیا جائے'یعنی تین چار کے بغیر ظاہری مخالفت کی بنا پر قابل اعتبار نہ رہیں۔اور
یہ تین چار باوجود انتہائی دعوی محبت و تولی کے سخت ناقابل اعتماد ثابت کئے جائیں کہ جو بھی
ان کی روایات ہوں گی یقیناً غلط اور خلاف واقعہ امر کی طرف رہنمائی کریں گے-یا تو خود ان
ہستیوں نے تقیہ وکتماناً للحق غلط اور خلاف واقعہ فرمایا'یا ان کے محبان خدمت گاران شیعوں
نے بہ تعمیل ائمہ' کذب'جھوٹ اور خلاف واقعہ روایت فرمائیں- بہر صورت ان روایات
کو صحیح کہنا اپنی بے دینی اور بے ایمانی پر واضح دلیل پیش کرنا ہے"-
(علامہ قمرالدین سیالوی'مذہب شیعہ' ص ۸' اردو پریس لاہور ۱۳۷۷ھ)۔

شیعی روایات تحریف قرآن اور انکار صحابہ کرامؓ بحیثیت راویان حدیث نبوی کے سلسلہ میں شیعی اثنا عشری نقطہ نظر بیان فرمانے کے بعد علامہ سیالوی سوال فرماتے ہیں :-

"اب میرے محترم بھائیو! حدیث کا اس طریقہ سے انکار' اور قرآن کا اس طرح سے انکار' تو کوئی بتائے کہ مذہب اسلام اور شریعت مقدسہ کسی طرح بھی ممکن الوجود ہو سکتی ہے ؟"۔

(علامہ قمر الدین سیالوی 'مذہب شیعہ' ص ۹' لاہور اردو پریس ے ۱۳ھ)۔

یہ بھی واضح رہے کہ شیعہ اثنا عشریہ اقوال ائمہ اثنا عشر کو احادیث نبویہ کی طرح احادیث معصومین کے زیر عنوان اپنی کتب حدیث میں وہی شرعی مقام دیتے ہیں جو احادیث نبویہ کو حاصل ہے۔ اور ان کی کتب اربعہ میں احادیث نبویہ کی نسبت احادیث ائمہ کی تعداد کئی گنا زیادہ ہے۔ علاوہ ازیں ایک لاکھ سے زائد صحابہ کرامؓ کو بحیثیت راویان حدیث و دیگر علوم دین مسترد کرنے کے لئے اہل تشیع کا موقف ہے کہ :- صاحب البیت ادری بما فی البیت۔ (گھر میں جو کچھ ہوتا ہے اس کو گھر والے بہتر جانتے ہیں)۔ مگر شیعی اثنا عشری اصول حدیث کے مطابق بھی اول تو اہل تشیع بیت رسولؐ میں ہمہ وقت موجود اہل بیت یعنی ازواج مطہرات سیدہ عائشہؓ و حفصہؓ وغیرہ' نیز دیگر اقارب رسولؐ (ابو بکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و دیگر اکابر قریش و بنی ہاشم) کی روایات حدیث قبول نہیں کرتے۔ اور ثانیاً اپنے ہی اصول (اہل بیت بہتر جانتے ہیں) کا عملاً یہ مطلب لیتے ہیں کہ غیر اہل بیت ایک لاکھ سے زائد صحابہ کرامؓ نہ بہتر جانتے ہیں نہ کمتر۔ بلکہ روایات حدیث و علوم دین میں سے سرے سے کچھ جانتے ہی نہیں۔ ورنہ اہل تشیع بھی اہل بیتؓ سمیت جملہ صحابہ کرامؓ کی روایات پر مبنی کتب احادیث (صحاح ستہ وغیرہ) کو شرعاً مستند تسلیم کرتے ہوئے اپنی مخصوص روایات اہل بیتؓ کو دیگر صحابہ کرامؓ کی نسبت قابل ترجیح اور زیادہ قابل قبول قرار دینے کا نسبتاً بہتر موقف اختیار کر سکتے تھے۔

بہر حال اس بحث سے قطع نظر کتب شیعہ اثنا عشریہ میں امام باقر و جعفر و دیگر

ائمہ سے منسوب ہزاروں منفی روایات کی بناء پر اہل تشیع کو منکرین قرآن و سنت و صحابہؓ وغیرہ قرار دیا جاتا ہے۔ چنانچہ اہل تشیع کو اس قسم کے فتووں سے بچانے کے لئے ان روایات کی تطہیر کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے شیعہ مجتہد اعظم آیت اللہ العظمی ابو الحسن اصفہانی کے پوتے ڈاکٹر موسیٰ موسوی فاضل نجف اشرف فرماتے ہیں :۔

"ہم ہوشمند تعلیم یافتہ طبقہ کو جسے ہم اصلاح کا اول و آخر سہارا سمجھتے ہیں متنبیہ کرتے ہیں کہ ایسی روایات میں' جن پر ہمارے فقہاء و علماء' شیعہ مذہب میں اضافہ کی گئی بدعات کو ثابت کرنے کیلئے اعتماد کرتے ہیں 'کتاب اللہ' سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور عقل سلیم کو فیصل بنائیں۔ اور ہر شخص کو ان غلط' صحیح' رطب و یابس باتوں کے معاملے میں جو انہیں ائمہ سے وارد ہونے والی روایات کے نام سے سنائی جاتی ہیں' خود فیصل بننا ہوگا۔ صدیوں سے شیعہ کے قلوب و اذہان پر ڈالی گئی زنجیروں کے بندھنوں سے خلاصی پانے کا یہی واحد طریقہ ہے"۔

(ڈاکٹر موسیٰ موسوی الشیعہ والتصحیح' اردو ترجمہ "بعنوان اصلاح شیعہ" از ابو مسعود آل امام' ص ۲۶۷' فروری ۱۹۹۰ء)۔

امام جعفر صادقؒ وغیرہ سے منسوب جعفری اثنا عشری روایات کے اس تناظر میں غیر جانبدار محققین یہ سوال کرنے میں حق بجانب ہیں کہ اگر عقیدہ تحریف قرآن و عقیدہ امامت منصوصہ و معصومہ و انکار صحابہ کرامؓ بحیثیت راویان حدیث و علوم دین کے حامل شیعان کے بزرگ شیعان کوفہ کی سازشوں سے یزید نے اپنی حکومت اور عالم اسلام کو محفوظ رکھنے کیلئے اقدام کیا۔ اور سیدنا حسینؓ کو ان منفی عقائد کے حامل شیعان کوفہ سے الگ تھلگ رکھنے کی کوشش کی جو سیدنا علیؓ سے بے وفائیوں کے مرتکب ہونے کے علاوہ صلح حسنؓ و معاویہؓ کے موقع پر سیدنا حسنؓ کو شدید مجروح و سب و شتم کرکے اپنے ناقابل اعتماد ہونے کا ثبوت فراہم کر چکے تھے' تو یہ بات کیونکر قابل اعتراض قرار دی جاسکتی ہے۔ البتہ شیعان کوفہ کی غداری و بیعت ابن زیاد کے بعد سیدنا حسینؓ کی جانب سے دست در دست یزید (ما صلح و مذاکرات) کی پیشکش کو ابن زیاد کا یزید کو مطلع کئے بغیر شمر بن ذی

ہے جس کی مذمت خود یزید کی جانب سے کیے جانے کی روایات کتب اہل تشیع میں موجود ہیں۔اور بعد ازاں یزید کا قافلہ پس ماندگان حسینی کو حفاظت واحترام صحابی رسول نعمان بن بشیرؓ کی قیادت میں مدینہ واپس بھجوانا بھی شیعی روایات میں متفق علیہ ہے۔وان فی ذٰلک لآیات لأولی الالباب۔

امامت و خلافت و یزید و کربلا کی شیعی بحث کی مناسبت سے یہ بات بھی انتہائی قابل توجہ ہے کہ شیعی روایات کے مطابق جس طرح امام علی زین العابدینؒ کے مقابلے میں ان کے چچا امام محمد بن حنفیہؒ (م ۸۱ھ) اور بعد ازاں امام ابوھاشم عبداللہ بن محمد بن حنفیہؒ امامت شیعہ (کیسانیہ) کے دعویدار تھے۔ اور امام باقر بن علی زین العابدینؒ کے مقابلے میں امام زید بن علی زین العابدینؒ امامت شیعہ (زیدیہ) کے علمبردار تھے اسی طرح امام جعفر صادقؒ کے چار بیٹے ایک دوسرے کے متوازی امامت کے دعویدار تھے۔ جن میں امام اسماعیل بن جعفر (وبعد ازاں محمد بن اسماعیلؒ) امام عبداللہ (افطح) بن جعفرؒ امام محمد بن جعفرؒ اور امام موسی الکاظم بن جعفر صادقؒ شامل ہیں۔ جن سے شیعہ فرقے جعفریہ اسماعیلیہ و جعفریہ افطحیہ و جعفریہ محمدیہ زیدیہ و جعفریہ موسویہ اثناعشریہ وجود پذیر ہوئے۔

اور غیر جانبدار محققین کے نزدیک شیعی امام کے اللہ کی طرف سے مقرر شدہ (منصوص من اللہ) و معصوم عن الخطا ہونے کے شیعی عقیدہ کے باوجود خود امام جعفر صادقؒ کے فرزندان کا امام منصوص و معصوم کے تعین میں اختلاف و متوازی دعوی ہائے امامت و خلافت کیا اس بات کی دلیل نہیں کہ اماموں کا مقام جتنا بھی قابل احترام قرار دیا جائے مگر انہیں منصوص من اللہ و معصوم عن الخطا قرار دینا محال ہے؟ کیونکہ نہ تو برادران حسینؓ امام محمد بن حنفیہ و امام عمر بن علیؓ نے اپنے بھائی امام حسینؓ بن علیؓ کے اقدام خروج میں انہیں اپنے زمانہ کا واحد امام منصوص و معصوم تسلیم کر کے ان کے ہمراہ کوفہ کا سفر کیا۔ اور نہ ہی انہوں نے حکم امام (حسینؓ) کے انتظار میں بیعت خلافت یزید کو ملتوی کیا۔ بلکہ الٹا داماد علیؓ سیدنا عبداللہ بن جعفر طیارؓ سمیت سیدنا حسینؓ کو شیعان کوفہ کے بھروسے پر اقدام خروج سے منع کرنے میں کوشاں رہے۔

پس یہ عقیدہ امامت منصوصہ و معصومہ اینجا چہ معنی دارد؟ کہ نہ تو یزید کے

خلاف اتفاق رائے ہوا اور نہ ہی امام باقر و امام زید نیز ائمہ اربعہ از فرزندان جعفر الصادق 'امام اسمٰعیل و عبداللہ و محمد و موسیٰ الکاظم باہم متفق ہوئے؟

البتہ ان ائمہ و دیگر ائمہ و خلفائے اسلام کو غیر منصوص و غیر معصوم قابل احترام ائمہ مجتہدین قرار دیا جاسکتا ہے۔ جن میں سے ہر ایک نے اپنے اجتہاد کے مطابق دین و شریعت پر عمل کیا۔ والمجتهد يخطئى ويصيب۔ (مجتہد کی رائے کبھی درست ہوتی ہے اور کبھی خطا)۔ اور انہی جلیل القدر ائمہ مجتہدین میں امام جعفر الصادقؒ بھی حیثیت امام مجتہد و امام اہل تشیع عظیم المرتبت ہیں۔ سید امیر علی ان کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے رقمطراز ہیں :-

"حضرت جعفر الصادق' جو امام محمد الباقر کے سب سے بڑے بیٹے تھے۔ ان کی پیدائش سن ۸۰ھ مطابق ۶۹۹ء میں بمقام مدینہ ہوئی۔ ایک عالم 'ادیب اور مقنن کی حیثیت سے وہ مسلمانوں کے تمام فرقوں میں معزز و محترم ہیں۔ ان کی علمی فضیلت 'ان کے اوصاف حمیدہ اور ان کے صدق و صفائے سیرت نے دشمنان اہل بیت سے بھی خراج تحسین وصول کیا۔ انہوں نے بڑی عمر پائی۔ اور انکی وفات مدینے میں سن ۱۴۸ھ مطابق ۷۶۵ء میں ہوئی۔ اس وقت عباسیوں کا دوسرا خلیفہ ابو جعفر المنصور مسند نشین تھا"۔

(سید امیر علی' سپرٹ آف اسلام' اردو ترجمہ بعنوان "روح اسلام" ص ۵۱۲' ص' اسلامک بک سنٹر دہلی)۔

۱۱-امام اسماعیل بن جعفر الصادقؒ
(م قبل ۱۴۸ھ مدینہ)

شیعہ اسماعیلیہ امام علیؑ و حسنؓ و حسینؓ و علی زین العابدینؒ و محمد الباقرؒ و جعفر الصادقؒ کے بعد امام موسیٰ کاظمؒ (ساتویں اثنا عشری امام) کے بجائے ان کے بھائی امام اسماعیل بن جعفرؒ کو ساتواں امام مانتے ہیں-اور بعد ازاں ان کے بیٹے امام محمد بن اسماعیلؒ کو آٹھواں امام قرار دیتے ہوئے اولاد اسماعیل بن جعفرؒ میں تا قیامت امامت منصوصہ و معصومہ کو "حاضر امام" کی صورت میں جاری وساری تسلیم کرتے ہیں-

شیعی اسماعیلی امامت اور اثنا عشری عقیدہ "بدا" کا پس منظر بیان کرتے ہوئے شیعہ عالم ڈاکٹر موسیٰ موسوی رقمطراز ہیں :-

"شیعہ امامیہ کے عقیدہ کے مطابق امامت باترتیب باپ سے بڑے بیٹے کی طرف منتقل ہوتی رہی- البتہ امام حسن و حسین اس قاعدے سے مستثنی ہیں-امام حسن کے بعد ان کے بڑے بیٹے کی بجائے ان کے بھائی حسین کو امامت منتقل ہوئی-اور یہ نص حدیث کی وجہ سے ہوا- جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

الحسن و الحسین إمامان قعدا أو قاما-

(حسن و حسین قیام و قعود ہر حال میں امام ہیں)

اس کے بعد یہ ہوا کہ اسماعیل جو شیعہ کے چھٹے امام جعفر صادق کے بیٹے تھے' اپنے باپ کی زندگی میں وفات پاگئے تو امامت ان کے بھائی موسیٰ بن جعفر کو منتقل ہوئی-جو امام کے چھوٹے بیٹے تھے- امامت جو منصب الہی ہے' کے سلسلہ میں تبدیلی کو "بداء" کہا جاتا ہے--یعنی اللہ تعالی کو نئی صورت حال پیدا ہونے کے بعد اس کا علم ہوتا ہے-ان نئی معلومات کے بعد بموجب امامت اسماعیل بن جعفر سے موسیٰ بن جعفر کو منتقل ہوئی اور پھر انکی اولاد میں جاری رہی- طبعی طریق کار تو یہ ہے کہ باپ کے بعد اس کے بڑے بیٹے کو

(ڈاکٹر موسیٰ موسوی "الشیعہ والتصحیح" اردو ترجمہ از ابو مسعود آل امام بعنوان "اصلاح شیعہ" ص ۲۵۳-۲۵۴)۔

اسی حوالہ سے ڈاکٹر موسوی مزید بیان فرماتے ہیں :-

"مذہب اسماعیلی کی رو سے ارادہ الٰہی کے عین مطابق سلسلہ امامت جاری و ساری تھا- اور زمانی تسلسل کے ساتھ علیؓ اولاد علی اور انکی نسل میں رواں تھا- اس کا مطلب یہ ہے کہ باپ امام کو جانشین امام کی تعیین میں مداخلت کا کوئی حق نہیں- کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ارادے سے معین ہوتا ہے- جب شرعی وارث وفات پا گیا تو اس کے باپ امام صادق کو یہ حق نہ تھا کہ اپنے چھوٹے صاحبزادے موسیٰ کو امام نامزد کرتے- بلکہ (حسب قاعدہ) امامت بڑے بیٹے اسماعیل کو منتقل ہونا تھی- شیعہ نے بھی چونکہ نظریہ امامت الٰہیہ کو اسی صورت میں اپنایا تو اس فکری بحران کا حل انہوں نے یہ نکالا کہ نظریہ "بدا" پیش کر دیا تاکہ اسماعیل بن جعفر کی طرف انتقال امامت کی ذمہ داری امام جعفر صادق کی بجائے اللہ تعالیٰ پر ڈال دی جائے اور ساتھ ہی اسماعیلی عقیدہ غلط ثابت ہو جائے- جیسا کہ سبھی جانتے ہیں کہ اسماعیلیوں کے نزدیک آج تک امامت ان میں جاری ہے- ان کے نزدیک امام 'حاضر' زندہ اور خانوادہ اسماعیل بن جعفر کا فرد ہوتا ہے- وہ اس طرز فکر سے انگشت برابر ادھر ادھر نہیں ہوتے جس کی ان کے مذہب نے ان کو تعلیم دی تھی"۔

(ڈاکٹر موسیٰ موسوی "الشیعہ والتصحیح" اردو ترجمہ بعنوان "اصلاح شیعہ" ص ۲۵۵)۔

اسماعیلی عقیدہ امامت کی تردید اور عقیدہ "بدا" کی اہمیت کے سلسلہ میں شیعہ اثنا عشریہ کی اہم ترین کتاب احادیث معصومین "الکافی" میں آٹھویں اثنا عشری امام علی رضا بن امام موسیٰ کاظم سے یہ قول مروی ہے :-

"ما بعث الله نبياً قط إلا بتحريم الخمر وأن يقر لله بالبدأ"-

(اصول الكافى' باب البدأ)-

ترجمہ :- اللہ تعالیٰ نے کبھی بھی کوئی نبی مبعوث نہیں فرمایا مگر حرمت شراب اور "بدا" کے اقرار کے ساتھ -

معروف اثنا عشری محدث ومؤلف شیخ مفید (م ۴۱۳ھ) اسماعیل بن جعفرؒ کے بارے میں لکھتے ہیں :-

"وكان اسماعيل أكبر ا لإخوة – وكان أبو عبدالله عليه السلام شديد المحبة له والبربه والإ شفاق عليه– وكان قوم من الشيعة يظنون أنه القائم بعد أبيه والخليفة له من بعده– إذ كان أكبر إخوته سناً ولميل أبيه إليه وإكرامه له فمات فى حياة أبيه بالمدينة حتى دفن بالبقيع–

وروى أن أباعبدالله عليه السلام جز ع عليه جزعاً شديداً وحزن عليه حزناً عظيماً و تقدم سريره على الأرض قبل دفنه مراراً كثيرة– وكان يكشف عن وجهه وينظر إليه يريد بذلك تحقيق أمر وفاته عند الظانين خلافته له من بعده وإزالة الشبهة عنهم فى حياته–

ولما مات اسماعيل (ره) انصرف عن القول بإمامته بعد أبيه من كان يظن ذلك فيعتقدة من أصحاب أبيه – وأقام على حياته شرذمة لم تكن من خاصة أبيه ولا من الرواة عنه وكانوا من الأباعد والأطراف–

فلما مات الصادق عليه السلام إنتقل فريق منهم إلى القول بإمامة موسى بن جعفر عليه السلام بعد أبيه عليه السلام–وافترق الباقون فريقين– فريق منهم رجعوا عن حياة اسماعيل و قالوا بإمامة إبنه محمد بن اسماعيل لظنهم أن الإمامة كانت فى أبيه وأن الإبن أحق بمقام الإمامة من الأخ– و فريق ثبتوا على حياة اسماعيل وهم اليوم شذاذ لايعرف منهم أحد يؤمى إليه– وهذان الفريقان يسميان بالإسماعيلية– و المعروف منهم الآن من يزعم أن الإمامة بعد اسماعيل فى ولده و ولد ولده إلى آخر الزمان"–

﴿الشيخ المفيد كتاب الإرشاد ج ۲ ص ۲۰۱ – ۲۰۲ باب ۱٤ ذكرأولاد أبى عبدالله عليه السلام ايران انتشارات علميه اسلاميه مع ترجمة فارسية للسيد هاشم رسولى محلاتى ۱۳۸۷ھ)–

ترجمہ :- اسماعیل بھائیوں میں سب سے بڑے تھے- اور ابو عبداللہ علیہ السلام ان سے شدید محبت و شفقت و حسن سلوک کے حامل تھے- اور شیعوں میں سے ایک گروہ کا خیال تھا کہ وہ اپنے والد کے بعد قائم بالزمان اور ان کے بعد ان کے خلیفہ ہوں گے- کیونکہ وہ عمر کے لحاظ سے ان کے سب سے بڑے بیٹے تھے- نیز ان کے والد کے ان کی طرف میلان اور عزت افزائی کی بناء پر یہ خیال تھا- مگر وہ اپنے والد کی زندگی ہی میں انتقال کر گئے یہانتک کہ انہیں بقیع کے قبرستان میں دفن کر دیا گیا-

اور روایت کیا گیا ہے کہ ابو عبداللہ (جعفر) علیہ السلام ان کی وفات پر شدید مضطرب اور بہت غمزدہ ہوئے- اور ان کے دفن کئے جانے سے پہلے آپ کئی مرتبہ زمین پر ان کی چارپائی کی طرف بڑھے- آپ بار بار ان کے چہرے سے کپڑا ہٹا کر ان کی طرف دیکھتے تھے- اس طرح آپ کا مقصد ان لوگوں کے سامنے ان کی وفات کے معاملہ کی تصدیق و تحقیق تھا جو آپ کے بعد ان کی جانشینی کا گمان رکھتے تھے- نیز ان کے شک وشبہ کا ازالہ اپنی زندگی ہی میں کرنا مقصود تھا-

جب اسماعیل کا انتقال ہو گیا تو ان کے والد کے ساتھیوں میں سے جو کوئی بھی ان کی والد کے بعد امامت کا گمان و اعتقاد رکھتا تھا وہ یہ بات کہنے سے باز آگیا- مگر کچھ لوگ ان کے زندہ ہونے کے عقیدہ پر قائم رہے- یہ لوگ نہ تو ان کے والد کے خواص میں سے تھے اور نہ ان سے روایت کرنے والے- بلکہ وہ ادنیٰ اور نسبتاً دور کے لوگوں میں سے تھے-

پس جب (جعفر) صادق علیہ السلام فوت ہو گئے تو ان میں سے ایک فریق موسیٰ بن جعفر علیہ السلام کی اپنے والد علیہ السلام کے بعد امامت کا قائل ہو گیا- جبکہ باقی لوگ دو فریقوں میں بٹ گئے- ایک گروہ نے اسماعیل کے زندہ ہونے (کے عقیدہ) سے رجوع کر لیا- اور اس گمان کی بناء پر ان کے بیٹے محمد بن اسماعیل کی امامت کے قائل ہو گئے کہ امامت ان کے والد میں تھی اور بیٹا مقام امامت کا بھائی کی نسبت زیادہ حقدار ہے- جبکہ دوسرا فریق اسماعیل کے زندہ ہونے کے عقیدہ پر ثابت قدم رہا- مگر اب یہ لوگ نہ ہونے کے برابر ہیں- ان میں سے کوئی بھی ایسا معروف نہیں کہ اس کی طرف اشارہ کیا جا سکے- یہ دونوں فریق "اسماعیلیہ" کہلاتے ہیں- ان میں سے اب وہ لوگ ہی معروف فرقہ

ہیں جن کا یہ خیال ہے کہ امامت اسماعیل کے بعد ان کے بیٹے اور پھر آخر زمانہ تک ان کی اولاد کی اولاد میں موجود ہے۔

۱۲- امام عبداللہ بن جعفر الصادقؒ
(م بعد ۱۴۸ھ)

امام اسماعیل بن جعفر اور امام موسیٰ الکاظم کے بھائی عبداللہ بن جعفر نے بھی وفات جعفر الصادقؒ کے بعد امامت کا دعویٰ کیا۔اس طرح امام جعفر الصادق کے یہ تینوں بیٹے بیک وقت مدعیان امامت منصوصہ و معصومہ تھے :-

"وكان عبدالله بن جعفر أكبر إخوته بعد إسماعيل – ولم يكن منزلته عند أبيه كمنزلة غيره من ولده في الإكرام – وكان متهماً بالخلاف على أبيه في الاعتقاد– ويقال إنه كان يخالط الحشوية ويميل إلى مذهب المرجئة–

وادعى بعد أبيه الإمامة – واحتج بأنه أكبر إخوته الباقين فأتبعه على قوله جماعة من أصحاب أبي عبدالله عليه السلام– ثم رجع أكثرهم بعد ذلك إلى القول بإمامة أخيه موسى عليه السلام لما تبينوا ضعف دعواه وقوة أمر أبي الحسن عليه السلام ودلالة حقه و براهين امامته– وأقام نفر يسير منهم على أمرهم– و دانوا بإمامة عبدالله بن جعفر– وهم الطائفة الملقبة بالفطحية– وإنما لزمهم هذا اللقب لقولهم بإمامة عبدالله وكان أفطح الرجلين– ويقال: إنهم لقبوا بذلك لأن داعيهم إلى إمامة عبدالله كان يقال له عبدالله بن أفطح"–

(الشيخ المفيد' الإرشاد' ج ۲' ص ۲۰۲ – ۲۰۳' ايران ۱۳۸۷ھ)–

ترجمہ :- عبداللہ بن جعفر اسماعیل کے بعد اپنے بھائیوں میں سب سے بڑے تھے۔ان کو اپنے والد کے ہاں وہ مقام عزت حاصل نہ تھا جو وہ اپنی دوسری اولاد کو دیتے تھے۔اور ان پر اعتقادی لحاظ سے اپنے والد کے برخلاف ہونے کی تہمت بھی لگائی

جاتی تھی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ حشویہ (فرقہ) سے میل جول رکھتے تھے اور مرجئہ کے مذہب کی طرف مائل تھے۔

انھوں نے اپنے والد کے بعد امامت کا دعوی کیا۔ اور یہ دلیل دی کہ وہ اپنے باقی ماندہ بھائیوں میں سب سے بڑے ہیں۔ پس ابو عبداللہ (جعفر صادق) علیہ السلام کے ساتھیوں کی ایک جماعت نے ان کا اتباع کر لیا۔ پھر ان میں سے اکثر لوگ رجوع کر کے ان کے بھائی موسی (کاظم) علیہ السلام کی امامت کے قائل ہو گئے۔ جب ان لوگوں پر عبداللہ کے دعوی کی کمزوری واضح ہو گئی۔ نیز ابوالحسن (موسی کاظم) علیہ السلام کے معاملہ کی قوت' ان کے حق کی دلیل اور براہین امامت ان پر ظاہر ہو گئیں۔ مگر ان میں سے کچھ لوگ اپنے معاملہ پر قائم رہے اور عبداللہ بن جعفر کی امامت کی اطاعت کر لی۔ اور یہی لوگ وہ فرقہ ہیں جن کو "فطحیہ" کا لقب دیا گیا۔ ان کو یہ لقب امامت عبداللہ کا قائل ہونے کی وجہ سے ملا کیونکہ وہ چوڑے پیروں والے تھے۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کو یہ لقب اس لئے دیا گیا کہ ان کو امامت عبداللہ کی جانب دعوت دینے والے کو عبداللہ بن افطح کہا جاتا تھا۔

۱۳-امام محمد بن جعفر الصادقؒ

(م بعد ۱۹۹ھ)

امام اسماعیل و امام عبداللہ بن جعفرؒ کی طرح امام جعفر الصادقؒ کے ایک اور عابد و زاہد، سخی و شجاع فرزند امام محمد بن جعفرؒ تھے- جو اپنے والد کے برعکس ان کے چچا امام زید بن علی زین العابدینؒ کے شیعی زیدی مسلک کے مطابق تقیہ کے بجائے فاطمی مدعی امامت کے لئے جہاد بالسیف کا عقیدہ رکھتے تھے- چنانچہ انہوں نے سن ۱۹۹ھ میں عباسی خلیفہ مامون الرشید کے خلاف خروج کیا اور مغلوب ہوئے- اثنا عشری مؤلف شیخ مفید رقمطراز ہیں :-

"وكان محمد بن جعفر سخياً شجاعاً- وكان يصوم يوماً ويرى رأى الزيدية فى الخروج بالسيف-

وروى عن زوجته خديجة بنت عبدالله بن الحسين أنها قالت:-

ما خرج من عندنا محمد يوماً قط فى ثوب فرجع حتى يكسوه - وكان يذبح كل يوم كبشاً لأضيافه - و خرج على المأمون فى سنة تسع و تسعين ومائة بمكة - واتبعته الزيدية الجارودية- فخرج لقتاله عيسى الجلودى ففرق جمعه وأخذه و أنفذه إلى المامون - فلما و صل إليه أكرمه المأمون و أدنى مجلسه منه و وصله وأحسن جائزته- فكان مقيماً معه بخراسان يركب إليه فى موكب من بنى عمه- وكان المأمون يحتمل منه مالا يحتمله السلطان من رعيته"-

(الشيخ المفيد' الإرشاد' ج ۲' ص ۲۰۳ - ۲۰۴ ' ذكر اولاد أبى عبدالله عليه السلام' ايران' ۱۳۸۷ ھ ' انتشارات علميه اسلاميه)-

ترجمہ :- محمد بن جعفر سخی اور بہادر تھے- وہ ایک دن چھوڑ کر (نفلی) روزہ رکھتے تھے- اور خروج بالسیف کے سلسلہ میں زیدیہ کے ہم خیال تھے-

ان کی زوجہ خدیجہ بنت عبداللہ بن الحسین سے روایت ہے کہ انہوں نے

فرمایا :-

محمد کبھی بھی ہمارے پاس سے کسی لباس میں اس طرح نہیں گئے کہ واپس آئے ہوں تو وہ لباس حاجتمندوں کو نہ دے آئے ہوں اور وہی پہن رکھا ہو- نیز وہ اپنے مہمانوں کے لئے ہر روز ایک مینڈھا ذبح کرتے تھے- انہوں نے سن ایک سو ننانوے (۱۹۹ھ) میں مامون کے خلاف مکہ میں خروج کیا- اور (فرقہ) زیدیہ جارودیہ نے ان کا اتباع کیا- پس ان سے لڑائی کیلئے عیسی الجلودی نکلا اور ان کے لشکر کو تتر بتر کر دیا- نیز انہیں گرفتار کر کے مامون کے پاس بھجوا دیا- پس جب وہ مامون کے پاس پہنچے تو اس نے ان کی عزت افزائی کی- انہیں اپنے قریب بٹھایا اور عمدہ انعام و اکرام دیا- پس وہ اس کے ساتھ خراسان میں مقیم رہے- اور اپنے چچازادوں کی جماعت کے ہمراہ سوار ہو کر (بڑی شان سے) اس کے پاس آتے تھے- مامون ان کی طرف سے وہ کچھ برداشت کرتا تھا جو کوئی سلطان اپنی رعایا کی طرف سے برداشت نہیں کر پاتا-

---

۱۴-امام موسیٰ (الکاظم) بن جعفر الصادقؒ
(م ۱۸۳ھ ، بغداد)

شیعہ اسماعیلیہ وافطحیہ ومحمدیہ جعفریہ واثناعشریہ کے متفق علیہ چھٹے امام، جعفر الصادقؒ کے ان چاروں بیٹوں (اسماعیل وعبداللہ ومحمد وموسیٰ) میں سے جنہوں نے ایک دوسرے کے متوازی دعویٰ امامت فرمایا، شیعہ اثناعشریہ امام موسیٰ الکاظم بن جعفر الصادقؒ کو ساتواں اثناعشری امام منصوص ومعصوم قرار دیتے ہیں :-

"وكان الإمام كما قدمناه بعد أبي عبدالله عليه السلام إبنه أباالحسن موسى بن جعفر، العبد الصالح، عليه السلام لإجتماع خلال الفضل فيه والكمال، ولنص أبيه بالإمامة عليه وإشارته بها إليه-

وكان مولده عليه السلام بالأبواء سنة ثمان وعشرين و مائة-

وقبض عليه السلام ببغداد فى حبس السندى بن شاهك لست خلون من رجب سنة ثلاث و ثمانين و مائة - وله يومئذ خمس و خمسون سنة-

وأمه أم ولد يقال لها حميدة البربرية - فكانت مدة خلافته ومقامه فى الإمامة بعد أبيه عليهما السلام خمساً و ثلاثين سنة - وكان يكنى أبا أبراهيم وأباالحسن و أباعلى، و يعرف بالعبدالصالح و ينعت أيضاً بالكاظم، عليه السلام"-

(الشيخ المفيد، الإرشاد، ج ۲، ص ۲۰۷ - ۲۰۸، ایران، انتشارات علمیه اسلامیه، ۱۳۸۷ھ)-

ترجمہ :- جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے ابو عبداللہ (جعفر صادق) علیہ السلام کے بعد العبد الصالح ابوالحسن موسیٰ بن جعفر، علیہ السلام امام تھے- کیونکہ ان میں صفات فضل وکمال جمع تھیں- نیز ان کے والد کی طرف سے ان کی امامت کے بارے میں

نص تھی اور ان کی طرف اشارہ امامت تھا۔

آپ علیہ السلام کی ولادت ابواء کے مقام پر سن ایک سو اٹھائیس (۱۲۸ھ) میں ہوئی۔ اور آپ علیہ السلام کی وفات بغداد میں سندی بن شاھک کی قید میں چھ رجب سن ایک سو تراسی (۱۸۳ھ) کو ہوئی۔ جبکہ آپ کی عمر پچپن برس تھی۔

آپ کی والدہ ام ولد (کنیز) ہیں جنہیں حمیدہ بربریہ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اور اپنے والد علیھما السلام کے بعد آپ کا مقام امامت اور مدت خلافت پینتیس برس پر محیط ہے۔ آپ کی کنیت ابو ابراہیم وابو الحسن وابو علی تھی۔ اور آپ عبد صالح (نیک بندے) کے نام سے معروف تھے۔ نیز آپ علیہ السلام اپنی صفت " کاظم " (غصہ پی جانے والے) سے بھی موصوف تھے۔

بعض روایات کے مطابق آپ کا سن پیدائش ۱۲۹ھ ہے۔ (سید امیر علی، سپرٹ آف اسلام، اردو ترجمہ بعنوان "روح اسلام" از محمد ھادی حسین، ص ۵۱۲، دھلی اسلامک بک سنٹر)۔

امام موسیٰ الکاظم کے "شیعی رویات" کے مطابق انیس (۱۹) بیٹے اور۔ خدیجہ و عائشہ سمیت اٹھارہ (۱۸) بیٹیاں تھیں :-

"وكان لأبى الحسن موسى عليه السلام سبعة وثلاثون ولداً ذكراً وأنثى– منهم على بن موسى الرضا عليهما السلام وإبراهيم و العباس و القاسم لأمهات أولاد–

و اسماعيل و جعفر و هارون و الحسن لأم ولد–

وأحمد ومحمد وحمزه لأم ولد–

وعبدالله و اسحاق و عبيدالله و زيد و الحسن و الفضل و الحسين و سليمان لأمهات أولاد–

و فاطمة الكبرى و فاطمة الصغرى و رقية و حكيمة وأم أبيها ورقية الصغرى وأم جعفر ولبابة وزينب وخديجة وعلية و آمنة وحسنة و بريهة و عايشة وأم سلمة و ميمونة وأم كلثوم لأمهات أولاد"–

(المفيد' الإرشاد' ج ۲' ص ۲۳٦ – ۲۳۷' باب ۱۹' ذکر عدد أولاده'
ایران' ١٣٨٧ھ)

ترجمہ :- ابوالحسن موسی علیہ السلام کے لڑکے اور لڑکیاں ملا کر سینتیس (۳۷)
بچے تھے۔ جن میں سے علی بن موسی الرضا علیہما السلام ہیں۔ نیز ابراھیم و عباس و قاسم جو
مختلف امھات اولاد (کنیزوں) کے بطن سے ہیں۔

اور اسماعیل و جعفر و ھارون و حسن' جو ایک ہی کنیز (ام ولد) کے بطن سے ہیں۔

نیز احمد و محمد و حمزہ۔ جن کی ماں ام ولد (کنیز) ہیں۔

اور عبداللہ' اسحاق' عبیداللہ' زید' حسن' فضل' حسین اور سلیمان۔

جو مختلف امھات اولاد (کنیزوں) کے بطن سے ہیں۔

نیز فاطمہ کبری و فاطمہ صغری و رقیہ و حکیمہ و ام ابیھا و رقیہ الصغری و ام جعفر و لبابہ و
زینب و خدیجہ و علیہ و آمنہ و حسنہ و بریہ و عائشہ و ام سلمہ و میمونہ و ام کلثوم۔ جو کہ مختلف
امھات اولاد (اولاد کی ماؤں یعنی کنیزوں کے بطن) سے ہیں۔

امام موسی الکاظمؒ اور ان کے متوازی ان کے تین بھائیوں (امام اسماعیلؒ و عبداللہؒ
و محمدؒ) کے متوازی شیعی سلسلہ ہائے امامت (جعفریہ اسماعیلیہ وافطحیہ و محمدیہ واثنا عشریہ)
کے اس پیش منظر و پس منظر میں وفات نبوی کے بعد شورائی اسلامی عقیدہ امامت و خلافت
و شیعی عقیدہ امامت و خلافت منصوصہ و معصومہ نیز یزید و کربلا کے اعتقادی و تاریخی حقائق
کا اندازہ لگانے اور ان اختلافات کو معرکہ ہائے حق و باطل قرار دینے کے بجائے اختلافات
ترجیح و عدم ترجیح و کمتر و برتر قرار دیکر ہر ایک کے اجتہادی موقف کو کماحقہ سمجھنے میں
بڑی مدد لی جا سکتی ہے۔ واللہ لا یھدی القوم الظالمین۔

۱۵- امام علی الرضا ؒ

(م ۲۰۳ھ 'طوس ' خراسان)

امام جعفر الصادق ؒ کے جن چار فرزندوں (امام اسماعیلؒ و عبداللہ افطحؒ و محمدؒ و موسی الکاظمؒ) نے ایک دوسرے کے مدمقابل امامت کا دعوی فرمایا- اور چار علیحدہ شیعہ فرقوں (جعفریہ اسماعیلیہ و جعفریہ افطحیہ و جعفریہ محمدیہ و جعفریہ اثناعشریہ) کے علمبردار قرار پائے 'ان میں سے شیعہ اثناعشریہ کے ساتویں امام منصوص و معصوم موسی الکاظم بن جعفر الصادق ؒ کے فرزند ارجمند امام علی رضاؒ شیعہ اثناعشریہ کے آٹھویں امام منصوص و معصوم ہیں- جو ہاشمی النسب عباسی خلیفہ ہارون الرشید (۱۷۰- ۱۹۳ھ) کے داماد اور خلیفہ امین (۱۹۳-۱۹۸ھ) نیز خلیفہ مامون الرشید (۱۹۸-۲۱۸ھ) کے بہنوئی تھے- جبکہ آپ کے فرزند محمد التقی (نویں اثناعشری امام) خلیفہ مامون الرشید کے بھانجے اور داماد تھے- اور امام علی رضا کو شیعی روایت کے مطابق اسی خلیفہ مامون نے انگوروں میں زہر دیکر شہید کر دیا- (مفید 'ارشاد ۲ / ۲۶۳)- ان آٹھویں اثناعشری امام کی ولادت سن ۱۴۸ھ میں مدینہ منورہ میں اور وفات سن ۲۰۳ھ میں طوس (خراسان) میں ہوئی- آپ کا عظیم الشان روضہ مبارک ایران کے شہر "مشہد مقدس" میں بلاامتیاز تشیع و تسنن مرجع خلائق ہے :- شیخ مفید آپ کی امامت منصوصہ و معصومہ کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں :-

"وكان الإمام القائم بعد أبي الحسن موسى بن جعفر عليهما السلام إبنه أباالحسن علي بن موسى الرضا عليهما السلام"-

(مفيد 'ارشاد' ج ۲ 'ص ۲۳۹)-

ترجمہ :- ابوالحسن موسی بن جعفر علیہما السلام کے بعد ان کے بیٹے ابوالحسن علی رضا بن موسی علیہما السلام امام ہوئے-

آپ کی اثناعشری امامت و خلافت کی مدت بیس سال ہے :-

"وكان مولده عليه السلام بالمدينة سنة ثمان وأربعين ومائة-

و قبض عليه السلام بطوس من أرض خراسان فى صفرسنة ثلاث و مائتين– وله يومئذ خمس و خمسون سنة – وأمه أم ولد يقال لها أم البنين– فكانت مدة إمامته وقيامه بعد أبيه عليه السلام فى خلافته عشرين سنة"–(المفيد الإرشاد ج ۲ ص ۲٤٠)–

ترجمہ :- آپ علیہ السلام (علی رضا) کی ولادت مدینہ میں سن ایک سو اڑتالیس (۱۴۸ھ) میں ہوئی- جبکہ آپکی وفات سرزمین خراسان میں طوس کے مقام پر صفر سن دو سو تین (۲۰۳ھ) میں ہوئی- اس وقت آپ کی عمر پچپن برس تھی-

آپ کی والدہ ام ولد (کنیز) تھیں جنہیں ام البنین کہا جاتا ہے-اور آپ کی امامت نیز اپنے والد علیہ السلام کی خلافت پر قائم رہنے کی مدت بیس برس تھی-

امام علی رضا کی اولاد کے بارے میں اہل تشیع کے ہاں اختلاف ہے-بعض روایات کے مطابق صرف ایک بیٹا (امام محمد التقیؒ) تھا:-

"ومضى الرضا على بن موسى عليهما السلام ولم يترك ولداً نعلمه إلا إبنه الإمام بعده أبا جعفر محمد بن على عليهما السلام وكانت سنه يوم وفاة أبيه سبع سنين وأشهراً"–

(المفيد الإرشاد ج ۲ ص ۲٦۳ الباب الثانى و العشرون)–

ترجمہ :- علی رضا بن موسی علیھما السلام کا انتقال ہوا تو ہمیں علم نہیں کہ انہوں نے اپنے بیٹے اور اپنے بعد امام ابو جعفر محمد بن علی علیھما السلام کے علاوہ کوئی اولاد چھوڑی ہو-ان کی عمر اپنے والد کی وفات کے وقت سات برس اور کچھ مہینے تھی-

بعض شیعی روایات کے مطابق امام علی رضا کے صرف دو بیٹے اور دیگر کے مطابق پانچ بیٹے اور ایک بیٹی عائشہ تھی:-

"واختلف أيضاً فى عدد أولاده و تحديد أسمائهم فعن جماعة أنهم خمسة ذكور و بنت واحدة – وهم:– محمد القانع والحسن و جعفر و إبراهيم والحسين وعائشة"–

(محمد جواد فضل الله الامام على الرضا – تاريخ و دراسة دارالزهراء

بیروت 'ص ٣٦)۔

ترجمہ :۔ ان (علی رضا) کی اولاد کی تعداد اور ناموں کی تحدید میں بھی اختلاف کیا گیا ہے۔ چنانچہ ایک جماعت سے مروی ہے کہ وہ کل پانچ لڑکے اور ایک بیٹی تھے۔ جن کے نام ہیں :۔ محمد القانع و حسن و جعفر و ابراہیم و حسین نیز عائشہ۔

شیعہ مورخ سید امیر علی نیز بعض دیگر مؤرخین کے بقول امام علی رضا کا سن ولادت ۱۵۳ھ اور سن وفات ۲۰۲ھ ہے :۔

"حضرت ابوالحسن علی الرضا :۔ رضا کا لقب ان کی صفائے سیرت پر دلالت کرتا ہے۔ وہ صف اول کے شاعر' عالم اور فلسفی تھے۔ ان کی ولادت مدینے میں سن ۱۵۳ھ مطابق سن ۷۷۰ء اور وفات خراسان کے شہر طوس میں سن ۲۰۲ھ مطابق ۸۱۷ء میں ہوئی۔ ان کی بیوی ام الفضل خلیفہ مامون کی بہن تھی"۔

(سید امیر علی' سپرٹ آف اسلام' اردو ترجمہ بعنوان "روح اسلام" از محمد ھادی حسین 'ص ۵۱۳ 'اسلامک بک سنٹر' دہلی)۔

ابن خلدونؒ 'امام علی رضاؒ کی حیثیت ولی عہد خلیفہ مامون نامزدگی کے حوالہ سے ولی عہدی یزید کے بارے میں فرماتے ہیں :۔

"پس اگر معاویہ کسی ایسے شخص کو اپنا جانشین بناتے جس کو (بنو امیہ) کی عصبیت نہ چاہتی ہوتی تو ان کی یہ کاروائی یقیناً الٹ دی جاتی۔ نظم خلافت درہم برہم ہو جاتا اور امت کا شیرازہ بکھر جاتا۔ تم نہیں دیکھتے کہ مامون الرشید نے زمانے کی تبدیلی کا یہ حکم نظر انداز کر کے علی بن موسیٰ بن جعفر الصادق کو اپنا ولی عہد نامزد کر دیا تھا تو کیا نتیجہ ہوا؟ عباسی خاندان نے پورے معنی میں بغاوت کر دی۔ نظام خلافت درہم برہم ہونے لگا۔ اور مامون کو خراسان سے بغداد پہنچ کر معاملات کو قابو میں کرنا پڑا"۔

(ابن خلدون' مقدمہ 'طبع مصر 'ص ۱۷۶)۔

۱۶- امام محمد التقیؒ

(م۲۲۰ھ' بغداد)

امام محمد التقی شیعہ اثنا عشریہ کے نویں امام منصوص و معصوم ہیں :-

"حضرت ابو جعفر محمد الجواد التقی- ان کے القاب ان کی فیاضی اور پارسائی کے نشان دہ ہیں- وہ خلیفہ مامون کے بھانجے تھے- اور ان کی بیوی ام الحبیب مامون کی بیٹی تھی- مامون اور اس کا جانشین معتصم دونوں ان کی بڑی عزت کرتے تھے- ولادت سن ۱۹۵ھ مطابق سن ۸۱۱ء اور وفات سن ۲۲۰ھ مطابق ۸۳۵ء میں ہوئی"-

(سید امیر علی' سپرٹ آف اسلام' اردو ترجمہ بعنوان "روح اسلام" از محمد ھادی حسین' ص ۵۱۴' دھلی اسلامک بک سنٹر)-

عباسی خلیفہ مامون الرشید کے بھانجے اور داماد نیز نویں اثنا عشری امام محمد التقی' خلیفہ ہارون الرشید کے داماد اور آٹھویں اثنا عشری امام' علی رضاؒ کے فرزند تھے :-

"وكان الإمام بعد الرضا علی بن موسی إبنه محمد بن علی الرضا عليهما السلام بالنص عليه والإشارة من أبيه إليه' وتكامل الفضل فيه-

وكان مولده عليه السلام فی شهر رمضان سنة خمس و تسعين و مائة بالمدينة و قبض ببغداد فی ذی القعدة سنة عشرين و مائتين وله يومئذ خمس و عشرون سنة- فكانت مدة خلافته لأبيه وإمامته من بعده سبع عشرة سنة- وامه أم ولد يقال لها سبيكة- وكانت نوبية"-

(الشيخ المفيد' الإرشاد' ج ۲' ص ۲٦۳-۲٦٤' انتشارات علميه أسلاميه' ايران' ۱۳۸۷ھ)-

ترجمہ :- علی رضا بن موسیٰ کے بعد ان کے بیٹے محمد بن علی رضا علیہما السلام امام ہیں کیونکہ ان کے بارے میں ان کے والد کی نص اور ان کی جانب اشارہ موجود تھا- نیز ان کے کمال فضیلت کی بناء پر- آپ علیہ السلام کی ولادت ماہ رمضان سن ایک سو پچانوے

(۱۹۵ھ) میں مدینہ میں ہوئی- آپ کی وفات بغداد میں ذوالقعدہ سن دو سو بیس (۲۲۰ھ) میں ہوئی جب کہ آپ کی عمر پچیس برس تھی- آپ کی اپنے والد کے بعد امامت و خلافت کی مدت سترہ برس تھی- آپ کی والدہ ام ولد (کنیز) تھیں جن کو سبیکہ کہا جاتا تھا- اور وہ نوبیہ (حبشی خاتون) تھیں-

"وكان سبب وروده إليها إشخاص المعتصم له من المدينة- فورد بغداد لليلتين بقيتا من المحرم سنة عشرين ومائتين' وتوفى بها في ذى القعدة من هذه السنة=

وقيل: إنه مضى مسموماً- ولم يثبت بذلك عندى خبر فأشهد به- ودفن فى مقابر قريش فى ظهر جده أبى الحسن موسى بن جعفر عليهما السلام- وكان له يوم قبض خمس و عشرون سنة وأشهر- وكان منعوتاً بالمنتجب' والمرتضى- وخلف بعده من الولد علياً إبنه والإمام من بعده' و موسى' و فاطمة وأمامة إبنتيه- ولم يخلف ذكراً غير من سميناه"=

(المفيد' الارشاد' ج ۲ ' ص ۲۸٤' انتشارات عليه اسلاميه ' ايران' ۱۳۸۷ھ)=

ترجمہ :- ان (محمد تقی) کے بغداد آنے کا سبب یہ تھا کہ (خلیفہ) معتصم باللہ نے انہیں مدینہ سے طلب کیا- پس آپ سن دو سو بیس میں بغداد میں وارد ہوئے جبکہ محرم کی دو راتیں باقی تھیں (۲۸ محرم ۲۲۰ھ)- اور اسی سال ذوالقعدہ میں آپ نے بغداد میں وفات پائی-

یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ان کی وفات زہر دیئے جانے سے ہوئی- مگر اس خبر کا میرے (شیخ مفید کے) پاس کوئی ایسا ثبوت نہیں جس کی بناء پر میں اس کی تصدیق کر سکوں- آپ کو قبرستان قریش میں اپنے دادا ابوالحسن موسیٰ بن جعفر علیہما السلام کی قبر کے پچھلی جانب دفن کیا گیا- اور وفات کے روز آپ کی عمر پچیس برس اور چند ماہ تھی- آپ اپنی صفات "منتجب و مرتضیٰ" (برگزیدہ و پسندیدہ) سے موسوم تھے-

آپ نے اپنے بعد جو اولاد چھوڑی 'اس میں آپ کے فرزند اور آپ کے بعد امام 'علی (نقی) نیز موسیٰ اور آپ کی دو بیٹیاں فاطمہ و امامہ شامل ہیں۔ اور جو نام ہم نے بیان کئے ہیں ان کے علاوہ آپ نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔

۱۷- امام علی النقیؒ

(م ۲۵۴ھ، سر من رای، عراق)

امام علی نقی شیعہ اثنا عشریہ کے دسویں امام منصوص و معصوم ہیں :-

"وکان الإمام بعد أبی جعفر علیه السلام إبنه أباالحسن علی بن محمد علیهما السلام"-(مفید، إرشاد، ج ۲، ص ۲۸۵)-

ترجمہ :- ابو جعفر (محمد تقی) علیہ السلام کے بعد ان کے بیٹے ابوالحسن علی (نقی) بن محمد علیہما السلام امام ہوئے-

آپ کی ولادت مدینہ منورہ اور وفات سر من رای (عراق) میں ہوئی- بقول شیخ مفید :-

"وکان مولده بصریا بمدینة الرسول للنصف من ذی الحجة سنة إثنتی عشرة ومائیتن، وتوفی بسرمن رأی فی رجب سنة أربع وخمسین ومأتین - وله یومئذ إحدی وأربعون سنة وأشهر-وکان المتوکل قد أشخصه مع یحیی بن هرثمة بن أعین من المدینة إلی سرمن رأی، فأقام بها حتی مضی سبیله - وکانت مدة إمامته ثلاثاً وثلاثین سنة - وأمه أم ولد یقال له سمانة"-

(المفید، الإرشاد، ج ۲، ص ۲۸۵، انتشارات علمیة اسلا میة، ایران، ۱۳۸۷ھ)-

ترجمہ :- آپ کی ولادت مدینۃ الرسول میں "صریا" کے مقام پر نصف ذی الحجہ سن دو سو بارہ (۲۱۲ھ) کو ہوئی- جبکہ آپ کی وفات "سر من رای" (عراق) میں رجب سن دو سو چون (۲۵۴ھ) میں ہوئی- اس وقت آپ کی عمر اکتالیس برس اور چند ماہ تھی- (خلیفہ) متوکل نے آپ کو یحیی بن ہرثمہ بن اعین کے ہمراہ مدینہ سے "سر من رای" طلب کیا تھا- پس آپ وہاں مقیم رہے یہانتک کہ وفات پاگئے- آپ کی مدت امامت تینتیس

(۳۴) برس تھی۔اور آپ کی والدہ سمانہ نامی ام ولد (کنیز) تھیں۔

امام علی نقی کی اکلوتی بیٹی کا نام عائشہ تھا:۔

"وتوفی أبو الحسن علیه السلام فی رجب سنة أربع وخمسین ومائتین و دفن فی داره بسر من رأی۔ و خلف من الولد أبامحمد الحسن ابنه هو الامام من بعده والحسین و محمد و جعفر وإبنته عایشة"۔

(الشیخ المفید' الإرشاد' ج ۲' ص ۲۹۹ – ۳۰۰)۔

ترجمہ :- ابوالحسن (علی نقی) علیہ السلام نے رجب سن دوسو چون (۲۵۴ھ) میں وفات پائی اور انہیں "سر من رای" (بغداد) میں ان کے گھر میں دفن کیا گیا۔ انہوں نے جو اولاد چھوڑی اس میں ان کے بیٹے اور ان کے بعد امام ابو محمد حسن' نیز حسین و محمد و جعفر اور ان کی بیٹی عائشہ شامل ہیں۔

١٨۔ امام حسن العسکریؒ

(م ٢٦٠ھ' سر من رائی' عراق)

امام حسن عسکریؒ شیعہ اثناعشریہ کے گیارھویں امام منصوص و معصوم اور امام علی نقیؒ کے فرزند ہیں :-

"وکان الإمام بعد أبی الحسن علی بن محمد علیهما السلام إبنه أبا محمد الحسن بن علی" — (مفید' ارشاد' ج ٢' ص ٣٠٠)—

ترجمہ :- ابوالحسن علی بن محمد علیہما السلام کے بعد ان کے بیٹے ابو محمد حسن بن علی امام تھے۔

امام حسن عسکری سن ٢٣٢ھ میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے اور سن ٢٦٠ھ میں سر من رای (عراق) میں وفات پائی۔

"وکان مولده بالمدینة فی شهر ربیع الآخر من سنة اثنتین وثلاثین وما ئتین — و قبض علیه السلام یوم ا لجمعة لثمان لیالی خلون من شهر ربیع الأول سنة ستین ومائتین — وله یومئذ ثمان وعشرون سنة—ودفن فی داره بسر من رأی فی البیت الذی دفن فیه أبوه علیهما السلام—

وأمه أم ولد یقال لها حدیثة — وکانت مدة خلافته ست سنین"— (مفید' إرشاد' ج ٢' ص ٣٠١' الباب الواحد والثلاثون' انتشارات علمیه اسلامیه' ایران' ١٣٨٧ھ)—

ترجمہ :- آپ (حسن عسکری) کی ولادت مدینہ میں ماہ ربیع الثانی سن دو سو بتیس (٢٣٢ھ) میں ہوئی۔ اور آپ کی وفات ربیع الاول کی آٹھ راتیں گزر جانے کے بعد دو سو ساٹھ میں ہوئی۔ (٨ ربیع الاول ٢٦٠ھ)۔ اس وقت آپ کی عمر اٹھائیس برس تھی۔ آپ کو سر من رای (عراق) میں اپنے گھر میں دفن کیا گیا جہاں آپ کے والد علیہما السلام کو بھی

دفن کیا گیا تھا- آپ کی والدہ حدیثہ نامی ام ولد (کنیز) تھیں- اور آپ کی مدت خلافت چھ برس تھی-

"وخلف إبنه المنتظر لدولة الحق- وكان قد أخفى مولده وستر أمره لصعوبة الوقت وشدة طلب سلطان الزمان له' واجتهاده فى البحث عن أمره- ولماشاع من مذهب الشيعة الإمامية فيه و عرف من انتظارهم له- فلم يظهر ولده عليه السلام فى حياته' ولا عرفه الجمهور بعد وفاته-

و تولى جعفر بن على أخو أبى محمد عليه السلام أخذ تركته-وسعى فى حبس جوارى أبى محمد عليه السلام و اعتقال حلايله-وشنع على أصحابه بانتظارهم ولده وقطعهم بوجوده' القول بامامته- وأغرى بالقوم حتى أخافهم و شردهم- و جرى على مخلفى أبى محمد عليه السلام بسبب ذلك كل عظيمة' من اعتقال و حبس و تهديد و تصغير و استخفاف وذل- ولم يظفر السلطان منهم بطائل- وحازجعفر ظاهراً تركة أبى محمد عليه السلام و اجتهد فى القيام عند الشيعة مقامه-ولم يقبل أحد منهم ذلك ولا إعتقده فيه- فصار إلى سلطان الوقت يلتمس مرتبة أخيه- وبذل مالاً جليلاً و تقرب بكل ماظن أنه يتقرب به' فلم ينتفع بشئى من ذلك-

ولجعفر أخبار كثيرة فى هذا المعنى رأيت الإضراب عن ذكر ها لأسباب لايحتمل الكتاب شرحها- وهى مشهورة عندالإمامية' ومن عرف أخبار الناس من العامة' وبالله نستعين"-

(المفيد' كتاب الإرشاد' ج ٢' ص ٣٢١ - ٣٢٢' الباب الرابع والثلاثون)-

ترجمہ:- انہوں (حسن عسکری) نے اپنے جانشین کے طور پر اپنا بیٹا چھوڑا جس کا سلطنت حق کے لئے انتظار کیا جارہا تھا- آپ نے ان کی ولادت کو مخفی اور ان کے معاملے کو پوشیدہ رکھا- کیونکہ وقت کڑا تھا اور سلطان زمانہ شدت سے ان کا طلبگار اور ان کے معاملے کی تلاش و تفتیش میں سخت کوشاں تھا- نیز اس وجہ سے کہ ان کے بارے میں

شیعہ امامیہ کے مذہب کا چرچا ہو چکا تھا- اور ان لوگوں کا آپ کے انتظار میں ہونا جان لیا گیا تھا- پس آپ نے اپنے بیٹے کو اپنی زندگی میں ظاہر نہ کیا- اور اکثر لوگوں نے آپ کی وفات کے بعد بھی ان کو نہیں پہچانا تھا-

ابو محمد علیہ السلام کے بھائی جعفر بن علی ان کا ترکہ حاصل کرنے میں مصروف ہوئے- اور ابو محمد علیہ السلام کی بیویوں کو قید رکھنے اور ان کی کنیزوں کو محبوس کرنے کی کوشش کرتے رہے- نیز آپ کے ساتھیوں کو آپ کے فرزند کا انتظار کرنے اور ان کے وجود کا قطعی یقین رکھنے نیز ان کی امامت کا قائل ہونے پر برا بھلا کہتے رہے- اور ان لوگوں کے دشمن ہو گئے- یہاںتک کہ انہیں خوفزدہ و منتشر کرنے لگے- اور اس وجہ سے ابو محمد علیہ السلام کے پیچھے رہ جانے والے لوگوں پر بڑی مصیبتیں آئیں جن میں قید و گرفتاری' دھمکی اور تحقیر' ذلت و رسوائی سب شامل ہیں- مگر سلطان ان لوگوں سے کچھ حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہوا- اور بظاہر جعفر نے ابو محمد علیہ السلام کا ترکہ حاصل کیا- اور شیعوں میں ان کا قائمقام بننے کی بڑی کوشش کی- مگر ان میں سے کسی نے بھی ان سے اس بات کو قبول نہ کیا اور نہ ان کے بارے میں ایسا اعتقاد رکھا- پس وہ سلطان زمانہ کے پاس اپنے بھائی کے مقام و منصب کی طلب میں گئے- اور انہوں نے بکثرت مال خرچ کیا' نیز جس جس چیز کو باعث تقرب خیال کیا' اس کے ذریعے قریب ہونیکی کوشش کی- لیکن اس سلسلہ (امامت) میں کچھ بھی فائدہ نہ اٹھا پائے- اور جعفر کے اس حوالہ سے بہت سے احوال و اخبار ہیں- جن کا ذکر کرنے سے میں نے ایسے اسباب کی بناء پر اجتناب کیا ہے جن کی وضاحت کی یہ کتاب متحمل نہیں- اور یہ باتیں شیعہ امامیہ کے ہاں نیز لوگوں کے حالات جاننے والے عام حضرات کے ہاں شہرت یافتہ ہیں- پس ہم اللہ ہی سے طالب اعانت ہیں-

---

۱۹-الامام محمد المهدی الاثنا عشری

(غیبت کبریٰ ۳۲۹ھ' عراق)

امام محمد مھدی شیعہ اثنا عشریہ کے بارھویں اور آخری امام منصوص و معصوم ہیں۔ جن کی امامت کو باقی شیعہ فرقے (کیسانیہ' زیدیہ' اسماعیلیہ' نورخشیہ وغیرہ) تسلیم نہیں کرتے۔ آپ ۱۵ شعبان سن ۲۵۵ھ (شب برأت) کو پیدا ہوئے۔

''وکان الامام بعد أبی محمد علیه السلام إبنه المسمی باسم رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم المکنی بکنیته – ولم یخلف أبوه ولداً ظاهراً ولا باطناً غیره –و خلفه غائباً مستتراً علی ما قد مناً ذکره–

وکان مولده علیه السلام لیلة النصف من شعبان سنة خمس و خمسین ومائتین– وأمه أم ولد یقال لها نرجس – وکان سنه عند وفاة أبیه خمس سنین آتاه الله فیها الحکمة وفصل الخطاب– وجعله آیة للعالمین– وآتاه الحکمة کما آتاها یحیی صبیاً– وجعله إماماً فی حال الطفولیة الظاهرة کما جعل عیسی بن مریم فی المهدنبیاً–

وقد سبق النص علیه فی ملة الاسلام من نبی الهدی علیه السلام ثم من أمیرالمؤمنین علی بن أبیطالب علیه السلام– ونص علیه الأئمة واحداً بعد واحد إلی أبیه الحسن علیه السلام– ونص أبوه علیه عند ثقاته وخاصة شیعته"–

(المفید' الإرشاد' ج ۲' ص ۳۲۳– ۳۲٤' الباب الخامس و الثلاثون)–

ترجمہ :- ابو محمد (حسن عسکری) علیہ السلام کے بعد ان کے وہ فرزند امام بنے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام و کنیت سے موسوم ہیں۔ آپ کے والد نے آپ کے علاوہ ظاہر و باطن میں کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔ اور آپ کو غائب و پوشیدہ حالت میں چھوڑ گئے جس کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔

آپ علیہ السلام کی ولادت نصف شعبان سن دو سو پچپن کی رات (۱۵ شعبان

۲۵۵ھ (شب برأت) میں ہوئی۔ آپ کی والدہ نرجس (نرگس) نامی ام ولد (کنیز) تھیں۔ اور آپ کی اپنے والد کی وفات کے وقت عمر پانچ برس تھی۔ اس عمر میں ہی اللہ نے آپ کو حکمت و فیصلہ کن خطاب عطا فرمادی تھی اور جہانوں کے لئے نشانی قرار دیا تھا۔ اس نے آپ کو اسی طرح حکمت عطا فرمائی جس طرح یحیی کو بچپن میں عطا فرمائی تھی۔ اور آپ کو ظاہری لڑکپن کی حالت میں امام بنادیا جس طرح کہ عیسی بن مریم کو پنگھوڑے ہی میں نبی بنا دیا۔

اور آپ کے بارے میں ملت اسلام میں نص (حکم قطعی) نبی ہدایت علیہ السلام پھر امیر المؤمنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کی جانب سے پہلے آچکی تھی۔ نیز ائمہ نے یکے بعد دیگرے آپ کے والد حسن علیہ السلام تک آپ کے بارے میں نص پہنچائی۔ جبکہ آپ کے والد نے آپ کے بارے میں اپنے قابل اعتماد لوگوں اور شیعوں کو نص امامت پہنچا دی تھی۔

"وله قبل قيامه غيبتان: إحداهما أطول من الأخرى كما جاء ت بذلك الأخبار— فاما القصرى منهما منذوقت مولده إلى إنقطاع السفارة بينه وبين شيعته وعدم السفراء بالوفاة— وأما الطولى فهي بعد الأولى وفي آخرها يقوم بالسيف"۔

(المفيد' الإرشاد' ج ٢' ص ٣٢٤' الباب الخامس والثلاثون)—

ترجمہ :- آپ (امام مہدی اثنا عشری) کے قائم الزمان ہونے سے پہلے آپ کی دو پوشیدگیاں ہیں۔ جن میں سے ایک دوسری سے طویل تر ہے۔ جیسا کہ اس کے بارے میں اخبار و روایات آئی ہیں۔ چنانچہ ان میں سے غیبت صغری (مختصر عرصہ کے لئے پوشیدگی) تو آپ کی ولادت کے وقت سے آپ کے اور آپ کے شیعوں کے مابین سفارت (آمدورفت) منقطع ہوجانے نیز ان سفیروں کے وفات پاکر معدوم ہو جانے تک تھی۔ جبکہ طویل پوشیدگی (غیبت کبری) پہلی کے بعد تھی۔ جس کے اختتام پر آپ تلوار لیکر نکل کھڑے ہوں گے۔

کراتے ہوئے فرماتے ہیں :-

"امامیہ شیعہ کا عقیدہ ہے کہ جب ان کے گیارہویں امام سن ۲۶۰ھ میں فوت ہوئے تو ان کا محمد نامی ایک پانچ سالہ بیٹا تھا-وہی مہدی منتظر ہے-جب کہ بعض دوسری روایات کے مطابق مہدی اپنے والد امام حسن عسکری کی وفات کے بعد پیدا ہوئے- حقیقت کچھ بھی ہو' مہدی نے منصب امامت اپنے والد کی وفات کے بعد اور ان کی تصریح کے مطابق پایا- وہ پورے پینسٹھ برس کی مدت تک نگاہوں سے پوشیدہ ہی رہے-اس دوران شیعہ ان نمائندوں کے ذریعے ان سے رابطہ قائم کرتے تھے جنہیں خود امام نے اس مقصد کے لئے مقرر کیا ہوا تھا- یہ نمائندے عثمان بن سعید العمری' ان کے بیٹے محمد بن عثمان اور حسین بن روح' اور آخر میں علی بن محمد السمری تھے- یہ چاروں "النواب الخاص" (خاص نمائندے) کے لقب سے ملقب ہوئے- اور اس مدت کو "غیبت صغری" کا زمانہ کہا جاتا ہے-

سن ۳۲۹ھ میں علی بن محمد السیمری کی وفات سے چند ہی مہینے پیشتر امام کے دستخط کے ساتھ ایک رقعہ انہیں ملا جس میں تحریر تھا :-

"لقد وقعت الغيبة الكبرى فلاظهور إلابعد أن ياذن الله — فمن ادعى رويتي فهوكذاب مفتر"-

غیبت کبری واقع ہوگئی-اب اللہ تعالی کے حکم کے بعد ہی ظہور ہوگا-لہذا جو شخص مجھے دیکھنے کا دعوی کرے تو وہ جھوٹا اور فریب خوردہ ہے-

یہی سال غیبت کبری کا آغاز ہے-اس وقت سے شیعہ کا امام کے ساتھ بلاواسطہ اور بالواسطہ رابطہ منقطع ہے- حتی کہ اگر کوئی اس کا دعوی بھی کرے تو شیعہ امام مہدی کی جانب سے آنے والے آخری خط میں موجود تصریح کے بموجب اسے جھوٹا سمجھتے ہیں-

امامیہ شیعہ کے امام مہدی کے متعلق عقیدہ کا یہ خلاصہ ہے- اور شیعہ ہر سال پندرہ شعبان کو امام مہدی کی ولادت کی مناسبت سے بہت بڑا جشن مناتے ہیں- صرف یہی امام ہیں جن کا شیعہ کے ہاں صرف یوم ولادت منایا جاتا ہے-ورنہ دوسرے ائمہ کا یوم ولادت اور یوم وفات دونوں منائے جاتے ہیں"-

(ڈاکٹر موسی موسوی 'الشیعہ والتصحیح' اردو ترجمہ از ابو مسعود آل امام بعنوان "اصلاح شیعہ"

ص ۱۱۱-۱۱۲، فصل امام مہدی، فروری ۱۹۹۰ء)۔

شیعہ اثناعشریہ کی معتبر کتب میں شامل علامہ طبرسی کی کتاب "الاحتجاج" میں اثناعشریہ کے نویں امام منصوص و معصوم محمد تقی بن علی رضاؒ کا ایک ارشاد نقل کیا گیا ہے جس کے مطابق قیامت کے قریب امام مہدی اس وقت تک ظہور نہیں فرمائیں گے جب تک انہیں پوری دنیا میں تین سو تیرہ مخلص شیعہ میسر نہ آجائیں۔ امام محمد تقیؒ نے بارھویں امام محمد المہدی، قائم بالزمان کے ظہور کے سلسلہ میں فرمایا :-

"هو الذى يخفى على الناس ولادته ويغيب عنهم شخصه– يجتمع إليه من أصحابه عدة أهل بدر ثلاثمائة و ثلاثة عشر رجلاً من أقاصى الأرض– فإذا اجتمعت له هذه العدة من أهل الإخلاص أظهر الله أمره"– (الطبرسى' كتاب الاحتجاج' طبع ايران' ص ۲۲۰)

ترجمہ :- ان (مہدی) کی ولادت لوگوں سے مخفی ہوگی اور ان کی شخصیت لوگوں کی نگاہوں سے غائب رہے گی۔ اور زمین کے دور دراز گوشوں سے ان کے پاس اہل بدر کی تعداد کے برابر تین سو تیرہ افراد جمع ہوں گے۔ پس جب اہل اخلاص میں سے اتنی تعداد ان کے پاس جمع ہو جائے گی تو اللہ ان کے معاملہ کو ظاہر کر دے گا۔ (یعنی ظہور مہدی اثناعشری ہوگا)۔

اثناعشری عقیدہ کے مطابق ظہور مہدی و غلبہ مہدی کے بعد سابقہ گیارہ امام بھی سیدنا علیؓ و حسنؓ و حسینؓ سمیت دوبارہ زندہ کئے جائیں گے۔ (اثناعشری عقیدہ رجعت)۔ اور بالترتیب یکے بعد دیگرے بحیثیت امام و خلیفہ حکومت فرمائیں گے۔ کیونکہ ان کی سابقہ حیات میں ان کا حق امامت و خلافت منصوصہ و معصومہ دیگر حضرات نے غصب کر کے ان کو عملاً حق حکمرانی سے محروم کر دیا تھا۔ لہٰذا اب اس کی تلافی انہیں دوبارہ زندہ کر کے اور خلافت اسلام عطا کر کے کی جائیگی۔ نیز ان کا حق غصب کرنے والے غیر شیعہ ائمہ و خلفاء و دیگر ظالمین و غاصبین دوبارہ زندہ کئے جائیں گے اور اثناعشری امام مہدی کے ذریعے انہیں دنیا میں بھی اپنے کئے کی سزا دی جائے گی۔ شیعہ مجتہد اعظم مجلسی، امام باقر سے اس سلسلہ میں روایت نقل کرتے ہیں کہ :-

"چوں قائم آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیرون آید خدا اورایاری کند بملائکہ و اول کسی کہ بااو بیعت کند محمد باشد وبعد ازاں علی"۔

(باقر مجلسی، حق الیقین، مطبوعہ ایران، ص ۱۳۹)۔

ترجمہ :- جب قائم آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (یعنی امام مہدی) ظاہر ہوں گے تو خدا فرشتوں کے ذریعے ان کی مدد کرے گا- اور سب سے پہلے ان کی بیعت کرنے والے محمدؐ ہوں گے، جن کے بعد علی ان کی بیعت کریں گے۔

امام مہدی و عقیدہ رجعت کے حوالہ سے ایک طویل اثنا عشری روایت حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ امام مہدی ظہور فرمانے کے بعد مکہ سے مدینہ جائیں گے- اور ابو بکر و عمر کی لاشیں قبروں سے نکال کر انہیں زندہ کریں گے اور پھر علی کو خلافت سے محروم کرنے نیز سیدہ فاطمہ سے سابقہ بد سلوکی کی بناء پر انہیں عذاب دیتے ہوئے ان سے قصاص لیں گے۔ انہیں درخت سے لٹکا کر جلا کر راکھ کر دیں گے اور ہواؤں کو حکم دیں گے کہ ان کی راکھ کو دریاؤں پر چھڑک دے- (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ)۔

راوی مفضل امام جعفر صادق سے یہ روایت سنتے ہوئے عرض کرتا ہے کہ کیا یہ ان کا آخری عذاب ہوگا؟ تو آپ نے فرمایا: اے مفضل! ہرگز نہیں :-

"واللہ سید اکبر محمد رسول اللہ و صدیق اکبر امیر المومنین و فاطمہ زہرا و حسن مجتبیٰ و حسین شہید کربلا و جمیع ائمہ ھدیٰ ہمگی زندہ خواہند شد- و ہر کہ ایمان محض خالص داشتہ و ہر کہ کافر محض بودہ ہمگی زندہ خواہند شد- واز برائے جمیع ائمہ و مومناں ایشاں را عذاب خواہند کرد- حتیٰ آنکہ در شبانہ روزے ہزار مرتبہ ایشاں را بکشند وزندہ کنند- پس خدا ہر جاکہ خواہد بود ایشاں را ببرد و معذب گرداند"۔

(باقر مجلسی، حق الیقین، ص ۱۴۵ - دربیان رجعت)

ترجمہ :- خدا کی قسم سید اکبر محمد رسول اللہ اور صدیق اکبر امیر المومنین (علی) و فاطمہ زہرا نیز حسن مجتبیٰ و حسین شہید کربلا، اور تمام ائمہ ہدایت زندہ ہو جائیں گے- اور جو خالص مومن اور خالص کافر ہوں گے، سب زندہ کئے جائیں گے- پس تمام ائمہ و مومنین کے حساب میں ان دونوں (ابو بکر و عمر) کو عذاب دیا جائیگا- یہاں تک کہ دن رات

میں ان کو ہزار مرتبہ مار اور زندہ کیا جائیگا۔اس کے بعد خدا جہاں چاہے گا انہیں لے جائیگا اور عذاب دیتا رہے گا۔

شیعہ اثنا عشریہ کے ان امام۔محمد المھدی کے مقابلے میں دیگر شیعہ فرقے اپنے علیحدہ ائمہ مھدیین پر ایمان رکھتے ہیں۔مثلاً شیعہ نور بخشیہ امام سید محمد الملقب "بہ نور بخش" (۷۹۵-۸۶۹ھ) کو "مہدی آخر الزمان" قرار دیتے ہیں۔ جبکہ اہل سنت جس امام محمد المھدی کے قائل ہیں وہ قرب قیامت پیدا ہو کر امت کی قیادت کرتے ہوئے اسوۂ رسولؐ و صحابہ کرامؓ کے مطابق عالمی غلبہ اسلام و شکست یہود و کفار کا باعث بنیں گے۔

اثنا عشری امام مہدی ہی کے بارے میں جلیل القدر شیعہ محدث ابن بابویہ القمی کی "علل الشرائع" کے حوالہ سے باقر مجلسی امام باقر سے منسوب یہ روایت نقل فرماتے ہیں کہ :-

"چوں قائم ما ظاہر شود عائشہ را زندہ کند تا بر او حد زند و انتقام فاطمہ ما ازو بکشد"۔(باقر مجلسی،حق الیقین ص ۱۳۹)۔

ترجمہ :- جب ہمارے قائم (مہدی) ظہور فرمائیں گے تو عائشہ کو بھی زندہ کریں گے تاکہ ان پر حد جاری کریں اور ہماری فاطمہ کا انتقام ان سے لیں۔ (معاذ اللہ)۔

اثنا عشری امام مہدی کے بارے میں علامہ مجلسی نے "حق الیقین" میں یہ روایت بھی درج فرمائی ہے کہ وہ کفار سے پہلے علماء اہل سنت کا قتل عام کریں گے :-

"وقتیکہ قائم علیہ السلام ظاہر می شود پیش از کفار ابتداء بہ سنیان خواہد کرد با علماء ایشاں وایشاں را خواہد کشت"۔

(باقر مجلسی،حق الیقین،وراجع ایرانی انقلاب مؤلفہ مولانا منظور نعمانی ص ۱۸۰)

ترجمہ :- جب ہمارے قائم علیہ السلام (مہدی) ظہور فرمائیں گے تو کفار سے پہلے اہل سنت سے ابتداء کریں گے۔اور انہیں اور ان کے علماء کو قتل کریں گے۔

قاتل عثمان غنیؓ مالک الاشتر بھی دوبارہ زندہ ہو کر مقربان امام مہدی میں شامل ہوگا :-

"وروى المفضل بن عمر عن أبى عبدالله عليه السلام قال: يخرج

مع القائم علیه السلام من ظهر الکوفة سبعة وعشرون رجلاً – خمسة عشر من قوم موسی علیه السلام الذین کانوا یهدون بالحق وبه یعدلون' وسبعة من أهل الکهف' ویوشع بن نون و سلمان و ابودجانة الأنصاری' والمقداد' ومالك الأشتر' فیکونون بین یدیه أنصاراً و حکاماً"–

(الشیخ المفید' الارشاد' ج ۲' ص ۳٦۱' علامات ظهوره وقیامه علیه السلام' انتشارات علمیه اسلامیه' ۱۳۸۷ھ' ایران)–

ترجمہ :- مفضل بن عمر نے ابو عبداللہ (امام جعفر صادق) علیہ السلام سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا :-

قائم (مہدی) علیہ السلام کے ہمراہ پشت کوفہ سے ستائیس افراد ظاہر ہوں گے- جن میں سے پندرہ قوم موسیٰ علیہ السلام کے وہ لوگ ہوں گے جو ہدایت بالحق اور عدل بالحق کرتے تھے- (الاعراف : ۱۵۹)- اور سات افراد اصحاب کہف میں سے ہوں گے- نیز یوشع بن نون' سلمان (فارسی)' ابودجانہ انصاری' مقداد (بن اسود) اور مالک الاشتر- پس یہ سب ان (مہدی) کے حکام و مددگاران ہوں گے-

اب بارہویں اثنا عشری امام محمد المہدی کے بارے میں امام خمینی کا درج ذیل بیان ملاحظہ ہو :-

"إن الأنبیاء لم یو فقوا فی تنفیذ أغراضهم فیبعث الله شخصاً فی آخرالزمان ینفذ مواضیع الأنبیاء"–

(مختارات من أقوال الامام الخمینی' ج ۲' ص ۱۱۳' المترجم محمد جواد المهری' وزارة الإرشاد الإسلامی طهران' ۱٤۰۲ھ . ق)–

ترجمہ :- انبیاء کو اپنے مقاصد کو عملی جامہ پہنانے کی توفیق نہ دی گئی- پس آخری زمانہ میں اللہ ایک شخص کو بھیجے گا تاکہ وہ انبیاء کے مقاصد کو عملی جامہ پہنائے-

امام خمینی اسی حوالہ سے پندرہ شعبان (شب ولادت مہدی اثنا عشری) ۱۴۰۰ھ کے موقع پر خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

"مہدویت پر اعتقاد"

جو نبی بھی آئے وہ انصاف کے نفاذ کیلئے آئے- ان کا مقصد بھی یہی تھا کہ تمام دنیا میں انصاف کا نفاذ کریں- لیکن وہ کامیاب نہ ہوئے- یہاں تک کہ ختم المرسلین (ص) جو انسان کی اصلاح کیلئے آئے تھے- اور انصاف کا نفاذ کرنے کے لئے آئے تھے' انسان کی تربیت کے لئے آئے تھے' لیکن وہ اپنے زمانے میں کامیاب نہیں ہوئے- وہ آدمی جو اس معنی میں کامیاب ہوگا اور تمام دنیا میں انصاف کو نافذ کرے گا' وہ بھی اس انصاف کو نہیں جسے عام لوگ انصاف سمجھتے ہیں کہ زمین میں انصاف کا معاملہ صرف لوگوں کی فلاح و بہبود کے لئے ہو- بلکہ یہ انصاف انسانیت کے تمام مراتب میں ہو- وہ چیز جس میں انبیاء کامیاب نہیں ہوئے' باوجود اس کے کہ وہ اس خدمت کے لئے آئے تھے' خدائے تبارک و تعالی نے ان (حضرت ولی عصر- ارواحنالہ الفداء) کا ذخیرہ کیا ہے- ان ہی معنی میں جس کی تمام نبیوں کو آرزو تھی' لیکن رکاوٹوں کی وجہ سے وہ ان کو نافذ نہ کرسکے' تمام اولیاء کی یہ آرزو تھی' لیکن وہ بھی نافذ کرنے میں کامیاب نہ ہوسکے' وہ اس بزرگوار کے ہاتھوں نافذ ہوجائے- لہذا اس معنی میں حضرت صاحب- ارواحنالہ الفداء کا جشن میلاد مسلمانوں کے لئے سب سے بڑی عید ہے- صرف مسلمانوں کے لئے ہی نہیں بلکہ انسان کے لئے بھی سب سے بڑی عید ہے"-

(اتحاد و یک جہتی امام خمینی کی نظر میں' مطبوعہ' خانہ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران' ملتان' ص ۱۰-۱۶)-

بارھویں اثنا عشری امام غائب محمد المھدی سمیت تمام اثنا عشری اماموں کے مقام و مرتبہ کے سلسلہ میں شیعی عقیدہ کی مزید ترجمانی امام خمینی کے درج ذیل بیان سے بخوبی ہو جاتی ہے :-

"فان للامام مقاماً محموداً و درجة سامية و خلافة تكوينية تخضع لولايتها جميع ذرات الكون - وإن من ضروريات مذهبنا أن لأئمتنا مقاماً لا يبلغه ملك مقرب ولا نبي مرسل"-

(الخمینی' الحکومة الاسلامیة' ض ٥٢' طبع الحرکة الاسلامیة فی ایران)

ترجمہ :- یقیناً امام کو مقام محمود (قابل تعریف مقام) اعلیٰ مرتبہ اور ایسی تکوینی خلافت حاصل ہے جس کی ولایت سلطنت کے سامنے کائنات کا ذرہ ذرہ سرنگوں ہے- اور ہمارے مذہب کے ضروری عقائد میں سے یہ بھی ہے کہ ہمارے ائمہ کا وہ مقام و مرتبہ ہے جس تک نہ تو کوئی نبی مرسل پہنچ سکتا ہے اور نہ کوئی مقرب فرشتہ-

ائمہ اثناعشرو خاتم الائمہ امام محمد المھدی کے اس اثناعشری مقام و مرتبہ کے تناظر میں بارھویں امام محمد المھدی کے وجود کا غیر اثناعشری شیعہ فرقوں کے علاوہ ان کے چچا جعفر بن علی نقیؒ کی جانب سے بھی انکار نیز ان کے مدمقابل دعوی امامت شیعہ اور اپنے بھائی امام حسن عسکریؒ بن علی نقیؒ کے ترکہ کا وارث بننا تعجب خیز ہے- نیز مہدوی معیار کے مطابق تین سو تیرہ مخلصین شیعہ میسر آنے پر ساڑھے گیارہ سو سال پہلے غائب شدہ مہدی اثناعشری کا قیامت کے قریب ظاہر ہو کر انبیاء و مرسلینؑ کے نامکمل مشن کی تکمیل کرنا اور اس سلسلہ میں ابوبکرؓ و عمرؓ کی لاشیں جلانا' قاتل عثمانؓ' مالک اشتر سمیت قوم موسیٰ واصحاب کہف و شیعان علیؓ کا دوبارہ زندہ ہو کر مہدی اثناعشری کے اعوان و انصار و امراء و حکام قرار پانا' سیدہ عائشہؓ ام المومنین کی لاش پر انتقاماً کوڑے برسانا' اور کفار سے پہلے امت مسلمہ کی نوے فیصد سے زائد اکثریت پر مشتمل "اہل سنت والجماعت" اور ان کے علماء و مشائخ کا قتل عام کر کے کفر و باطل شکنی کی ابتداء فرمانا' وغیرہ ائمہ شیعہ سے منسوب ایسے امور و روایات اثناعشریہ ہیں' جن کو کتب اثناعشریہ سے خارج و مسترد کئے بغیر جو اثناعشری دین و مذہب مستند و متشکل قرار پاتا ہے' اس مذہب کے اولین علمبردار شیعان کوفہ و عراق کو خلافت اسلامیہ پر قبضہ کرنے سے روکنے کیلئے صلح حسنؓ و معاویہؓ کی روشنی میں یزید نے اپنے نسبتاً کمتر مقام و مرتبہ کے باوجود جو اقدامات کئے' غیر جانبدار محققین یہ سوال کرنے میں حق جانب ہیں کہ کیا وہ اقدامات دینی و سیاسی لحاظ سے تحفظ اسلام و عالم اسلام کی خاطر اموی و یزیدی بصیرت و پیش بینی و دور اندیشی کا بین ثبوت قرار نہیں پاتے- جبکہ یزید نے اس احتیاط کو بھی پیش نظر رکھا کہ سیدنا حسینؓ کو صرف شیعان کوفہ تک رسائی سے باز رکھا

جائے۔ بصورت دیگر تصادم مول نہ لیا جائے۔ جیسا کہ چار ماہ سے زائد کے حسینی قیام مکہ کے دوران میں معمول حکومت رہا۔ اور شیعان کوفہ کی یہی دینی و اخلاقی و سیاسی بے اعتباری اس وقت سیدنا حسینؓ پر بھی عیاں ہو گئی' جب سیدنا حسینؓ سے اصرار سفر کوفہ اور بیعت ابن عقیلؓ کے بعد غداری کرتے ہوئے شیعان کوفہ قتل مسلم و بیعت ابن زیاد کا باعث بنے۔ اور سیدنا حسینؓ نے برادران عقیلؓ کے اصرار انتقام پر آگے بڑھنے کے باوجود آخر وقت ابن سعد کو صلح حسنؓ و معاویہؓ کے تناظر میں "دست در دست یزید" سمیت سہ نقاطی حتمی پیشکش فرما کر شیعان کوفہ کے دینی و سیاسی عزائم باطلہ کو خاک میں ملا دیا۔ مگر شمر بن ذی الجوشن کے مشورہ کے مطابق ابن زیاد اس پیشکش کو یزید کے علم میں لائے بغیر بیعت ابن زیاد سے مشروط کر کے سانحہ کربلا کا باعث بنا۔ جس پر یزید کی جانب سے مذمت و لعن ابن زیاد نیز قافلہ پس ماندگان حسینی سے حسن سلوک باتلافی اموال و عزت و احترام اور صحابی رسولؐ نعمان بن بشیرؓ کی قیادت میں مدینہ واپس بھجوانا شیعی روایات میں بھی بصراحت مرقوم ہے۔

اور اس سب کے ہمراہ "اہل سنت والجماعت" (نیز کافی حد تک شیعہ تفضیلیہ وزیدیہ وغیرہ بھی) گیارھویں امام حسن عسکریؒ تک جملہ ائمہ اثناعشریہ کو منفی روایات و معتقدات سے منزہ و مبرا قرار دیکر انہیں غیر منصوص و غیر معصوم راسخ العقیدہ بزرگان امت نیز وابستگان سنت رسولؐ و جماعت صحابہؓ قرار دیکر ان کی تعظیم و تحلیل کو لازم جانتے ہیں۔

جب کہ اثناعشریہ تحریف قرآن و توہین خلفاء و امہاتؓ و صحابہ کرامؓ پر مبنی سینکڑوں منفی روایات کی ان جلیل القدر ہستیوں کی جانب نسبت پر اظہار طمینان و اعتبار فرما کر اثناعشری عقیدہ و مذہب کی منفی و مہلک تصویر کشی کا سامان فراہم کرتے ہیں۔ اور شعوری یا لاشعوری طور پر یزید و بنوامیہ کے شیعان کوفہ و عراق کے خلاف اقدامات کو سند جواز فراہم کرتے ہیں۔

..... کیونکہ غیر جانبدار محققین کے نزدیک جو فرقہ (اثناعشریہ) شورائی امامت و خلافت صحابہ راشدینؓ ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ و حسنؓ و معاویہؓ (۱۱-۶۰ھ) کے

مقابلے میں نبوت ورسالت سے افضل امامت وخلافت منصوصہ ومعصومہ علیؓ (۱۱-۴۰ھ) ثم الحسنؓ (۴۰-۵۰ھ) ثم الحسینؓ (۵۰-۶۱) ثم بقیہ آٹھ ائمہ کرام (۶۱-۲۶۰ھ) ثم الامام المھدی (۲۶۰ھ-تاقیامت) کا عقیدہ اصول دین میں شامل قرار دیتا ہو-اور ابو بکرؓ و عمرؓ وعثمانؓ و معاویہؓ کو غاصبین حق امامت وخلافت علیؓ و حسنؓ وحسینؓ ٹھہراتا ہو' نیز تحریف قرآن وتوہین خلفاءؓ وامہاتؓ وصحابہ کرامؓ کی سینکڑوں منفی اثنا عشری روایات کی اپنے أئمہ کی جانب نسبت کو درست ومستند قرار دیتا ہو' ایسے فرقہ کو بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر عالم اسلام کا منصب امامت وخلافت سنبھالنے سے روکنے کیلئے کسی بھی اموی و عباسی و تاتاری وعثمانی خلیفہ کے لئے علماء وفقہاء وسواد اعظم کی تائید وحمایت حاصل کرنا آسان تر ہو جاتا ہے۔

.... خواہ اس کا ایک اہم محرک ان خلفاء کی نسلی و شخصی اغراض وذاتی مفادات ہی کو قرار دیا جائے-بلکہ سیدنا علیؓ کے بعد صرف اولاد علیؓ میں سے باپ کے بعد بیٹے کی امامت وخلافت منصوصہ ومعصومہ کا شیعی عقیدہ کی رو سے واجب ولازم ہونا غیر جانبدار محققین کے نزدیک خود آل ابی طالب سفیان کے بعد قائم شدہ بنو مروان و بنو عباس کی نسلی خلافتوں کو بھی شیعی نسلی امامت وخلافت کے متوازی منطقی استدلال کی رو سے درست ٹھہرانے کا باعث ہے-أفلا يعقلون؟ أفلا يتدبرون؟-

۲۰- امام عبداللہ بن میمون

۲۱- امام قرمط حمدان

عبداللہ بن سبا و حسن بن صباح کی طرح عبداللہ بن میمون و حمدان (قرمط) بھی ان نمایاں مدعیان تشیع میں سے ہیں، جن کی شخصیت و معتقدات خود بہت سے اہل تشیع کے نزدیک متنازعہ فیہ قرار پانے کے باوجود ان کی جانب اشارہ کئے بغیر کسی شیعی بحث امامت و خلافت و یزید و کربلا کی تکمیل مشکل ہے۔ لہذا شیعہ تفضیلیہ سے سبائیہ و حشیشین و قرامطہ و نصیریہ و دروزیہ تک تمام فرقوں اور ان کے ائمہ و مدعیان کے تذکرہ کی گنجائش نہ پاتے ہوئے عبداللہ بن میمون و قرمط کا تذکرہ بطور مشتے نمونہ از خروارے کیا جارہا ہے۔ چنانچہ شیعہ مؤرخ سید امیر علی لکھتے ہیں :-

"عبداللہ بن میمون کو اس کے دشمن مجوسی النسب کہتے ہیں۔ اور اس کے معتقد اسے حضرت علیؓ کے اخلاف میں شمار کرتے ہیں۔ حقیقت الامر چاہے کچھ بھی ہو، یہ بات بالکل واضح ہے کہ وہ محبان اہل بیت میں سے تھا۔ اس کی تعلیمات سے جو فتنہ انگیز نتائج بلاواسطہ یا بالواسطہ بر آمد ہوئے ہیں، ان کو ملحوظ رکھتے ہوئے ابن خلدون جیسے مؤرخوں کے لئے بھی اس شخص کو اور اس کے عقائد کو بری از تعصب نگاہوں سے دیکھنا نا ممکن تھا۔ ان کا خیال ہے کہ عبداللہ بن میمون انہی غدارانہ طریقوں سے جو اس کے پیشروؤں نے عیسائیت کے خلاف استعمال کئے تھے، قلمرو اسلام کو زیر و زبر کرنے کا خواہشمند تھا"۔

(سید امیر علی، روح اسلام، ص ۴۹۴-۴۹۵، اردو ترجمہ "سپرٹ آف اسلام" از محمد ھادی حسین، اسلامک بک سینٹر دہلی)۔

عبداللہ بن میمون یہودیت و عیسائیت سے واقف تھے۔ اور بالآخر شام میں مقیم ہوئے :-

"عبداللہ ہواز سے بصرہ گیا اور وہاں سے ملک شام میں۔ جہاں اس نے سالمیہ

کے مقام پر سکونت اختیار کرلی"

(امیر علی' روح اسلام' اردو ترجمہ "سپرٹ آف اسلام" ص ۴۹۶)۔

"عبداللہ بن میمون نے شام میں مستقل سکونت اختیار کی۔ جو عیسوی غناسطیت کا مرزبوم تھا۔ وہاں اس نے اپنے نظریوں کے خاکے میں رنگ بھرے اور حمدان کو اپنا ہم عقیدہ بنایا' جو قرمط کے نام سے اسلام کی تاریخ میں رسوا ہے"۔

(امیر علی' سپرٹ آف اسلام' اردو ترجمہ بعنوان "روح اسلام" ص ۴۹۸)۔

حمدان یعنی قرمط شیعہ فرقہ قرامطہ کا بانی ہے۔ اور قرامطہ کی حکومت کافی عرصہ تک دیگر مقامات کے علاوہ صوبہ ملتان جیسے برصغیر کے دور دراز مقامات تک بھی رہی ہے۔ سید امیر علی حمدان کے حوالے سے لکھتے ہیں :-

"حمدان نے (جس کا دوسرا نام' جیسا کہ ہم اوپر کہہ آئے ہیں' قرمط تھا) اپنے پیرومرشد سے علیحدہ ہو کر اپنا ایک نیا فرقہ قائم کیا۔ عبداللہ ابن میمون نے تبلیغی کام میں جبر اور قوت کے استعمال کو پسند نہ کیا تھا۔ قرمط نے اسے اپنے فرقے کا بنیادی رکن بنایا۔ ممکن ہے کہ کائروسیر کی طرح وہ بھی متعصب لوگوں کی زیادتیوں کے ہاتھوں ایسا کرنے پر مجبور ہوا ہو۔ اس نے الحساء اور البحرین میں بغاوت کھڑی کی۔ خلیفہ کی فوجوں کی کمزوری کی بدولت اسے فتح نصیب ہوئی۔ اس پر وہ اپنے پیرووں کی ایک کثیر تعداد جمع کر کے البحرین سے نکل کھڑا ہوا۔ اور کائروسیر کی طرح قتل و غارت کرتا ہوا آگے بڑھتا چلا گیا۔ قرمطیوں کے البحرین اور الحساء میں جو قلعے تھے' ان میں قلعہ بند ہو کر انہوں نے ایک صدی تک خلفائے بغداد کے ساتھ ایک خونیں جنگ جاری رکھی۔ اور مقامات کا تو ذکر ہی کیا' انہوں نے مکہ کو بھی تاخت و تاراج کیا اور عہد ابراہیمی کی یادگار سنگ اسود کو بھی اٹھا کر لے گئے"۔

(سید امیر علی' سپرٹ آف اسلام' اردو ترجمہ بعنوان "روح اسلام" از محمد ہادی حسین' ص ۵۰۰-۵۰۱' اسلامک بک سنٹر دہلی)۔

اسماعیلی مؤلف ڈاکٹر زاہد علی قرامطہ کے سن ۳۱۷ھ کے کارناموں کے سلسلہ میں یہ بھی لکھتے ہیں :-

"اب تک قرامطہ حاجیوں کی قافلے لوٹا کرتے- لیکن ۳۱۷ھ میں عراق سے بھاگ کر مکہ معظمہ پہنچے-اس سال منصور دیلمی حاجیوں کا سردار تھا-یہ ان لوگوں (حاجیوں) کو ساتھ لے کر بغداد سے مکہ روانہ ہوا-مکہ معظمہ میں عین "ترویہ" کے روز قرامطہ نے ان پر حملہ کر کے ان کا مال واسباب لوٹ لیا-ان میں سے کئی آدمیوں کو خود بیت اللہ اور مسجد حرام میں قتل کیا- حجر اسود کو اس کی جگہ سے نکال کر اپنے مستقر "ہجر" کو لے گئے تاکہ اپنے شہر میں حج مقرر کریں-لن مہلب' امیر مکہ نے کئی اشراف کو ساتھ لیکر یہ کوشش کی کہ قرامطہ اپنے کرتوت سے باز آئیں' مگر ان کی کوششیں ناکام ہوئیں-اس کے بعد بیت اللہ کا دروازہ اور محراب اکھاڑے گئے' مقتولوں کے چند لاشے زمزم کے کنویں میں پھینک دیئے گئے اور چند بغیر غسل اور کفن کے مسجد حرام میں دفن کیے گئے-اہل مکہ پر بھی مصیبتیں ڈھائی گئیں-----

ابو طاہر نے سن ۳۳۹ھ میں یہ کہہ کر حجر اسود واپس کیا کہ :-
ہم حکم سے اسے لے گئے تھے اور حکم ہی سے واپس کرتے ہیں-
تقریباً بائیس سال حجر اسود قرامطہ کے پاس رہا"-
(ڈاکٹر زاہد علی' تاریخ فاطمین مصر' ص ۲۴۸)

فرقہ ہائے شیعہ کے حوالہ سے مولانا منظور نعمانی رقمطراز ہیں :-

"شیعوں کے بہت سے فرقے تھے-ان کی تعداد تقریباً ستر تک ذکر کی گئی ہے- ان میں سے اب بھی بہت سے ہیں- حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بارے میں افراط و غلو اور حضرات خلفائے ثلاثہؓ سے بغض و عداوت اور لعن طعن ان سب فرقوں میں قدر مشترک ہے- ان میں سے بعض وہ بھی تھے جن کا عقیدہ تھا کہ حضرت علیؓ ہی انسانی شکل میں خدا ہیں-اور وہ بھی تھے جن کا عقیدہ تھا کہ دراصل اللہ تعالیٰ نے علی بن ابی طالب کو نبی بنانا چاہا تھا اور جبرئیل کو وحی لے کر انہی کے پاس بھیجا تھا' لیکن وہ غلطی سے محمدؐ بن عبداللہ

کے پاس پہنچ گئے"۔

(مولانا محمد منظور نعمانی' خمینی اور شیعہ کے بارے میں علماء کرام کا متفقہ فیصلہ' حصہ دوم' ص ۳۲' طبع پاکستان)۔

چنانچہ مذکورہ سابقہ ائمہ اہل تشیع و فرقہ ہائے شیعہ کے علاوہ بھی کئی دعویداران امامت اور ان کے مستقل بالذات یا ضمنی فرقے وجود میں آئے۔ جن میں سے عبداللہ بن سبا اور حسن بن صباح سے عصر جدید میں نصیریہ و دروزیہ تک مختلف و متنوع افکار امامت اور ان کے متبعین ماضی و حال کے حوالہ سے مذکور و موجود ہیں۔ جبکہ کئی ایک عملاً اپنا وجود کھو بیٹھے ہیں۔ ان سب کا تفصیلی مطالعہ اور ان کے عقائد امامت و خلافت نیز یزید و کربلا کے بارے میں ان سب کے نقطہ ہائے نظر کا جائزہ یہاں ممکن نہیں۔ مثلاً مذکورہ فرقہ عبداللہ بن میمون و قرامطہ نیز شیعہ نصیریہ و دروزیہ وغیرہ جو عصر جدید میں شام و لبنان میں معتدبہ تعداد میں موجود و مؤثر ہیں۔ ("نصیریہ" جو حضرت علیؓ کی الوہیت کا عقیدہ رکھتے ہیں' شام وغیرہ میں "علویہ" کے نام سے بھی اپنی شناخت کرواتے ہیں)۔

اہل تشیع (قرامطہ) کی جانب سے بے حرمتی کعبہ کے پس منظر میں تقابلی مطالعہ کے طور پر لشکر یزید پر بے حرمتی کعبہ کے الزام کے حوالہ سے بھی بعض اشارات ملاحظہ ہوں۔ مثلاً بعض تاریخی روایات کے مطابق یزید کی وفات (۱۴ ربیع الاول ۶۴ھ) سے چند ہفتے پہلے امیر لشکر یزید صحابی رسولؐ ' حصین بن نمیرؓ کی قیادت میں خلافت یزید کے خلاف مکہ میں خروج کنندہ سیدنا عبداللہ بن زبیرؓ کے مقابلے میں لشکر ابن زبیرؓ سے حرم خالی کروانے کے لئے جو لشکر آیا' اس نے کعبہ پر سنگباری کی' جس سے کعبہ کی ایک دیوار شکستہ ہو گئی۔ اس حوالہ سے پہلے بلاذری کی روایت کردہ تعظیم کعبہ منجانب یزید کی یہ روایت ملاحظہ ہو:۔

"أول من كساه (الكعبة المعظمة) الديباج يزيد بن معاوية"۔

(البلاذري' فتوح البلدان' ص ٧٤ و الجامع اللطيف' ص ١٠٥)

ترجمہ:۔ سب سے پہلے جس (خلیفہ) نے اس (کعبہ معظمہ) پر دیبائے خسروی کا غلاف چڑھایا' وہ یزید بن معاویہ تھا۔

اطراف کعبہ میں باہم لڑائی کے حوالہ سے علامہ شبلی نعمانی عرب مسیحی مؤرخ جرجی زیدان کے حجاج بن یوسف کے اقدام بمقابلہ ابن زبیرؓ (۷۳ھ) پر اعتراض کا جواب دیتے ہوئے دیگر دلائل کے علاوہ یہ بھی فرماتے ہیں :-

"ثم إن من مسائل الفقه أن البغاة إذا تحصنوا بالكعبة لايمنع هذا عن قتالهم— ولذلك أمر النبي في وقعة الفتح بقتل أحدهم وهومتعلق بأستار الكعبة— وابن الزبير كان عند أهل الشام من البغاة"—

(شبلی النعمانی' رسالة الانتقاد)

ترجمہ :- پھر مسائل فقہ میں سے یہ بھی ہے کہ اگر باغی کعبہ میں قلعہ بند ہو جائیں تو ان کی یہ پناہ گزینی' ان سے جنگ و قتال میں رکاوٹ نہیں بن سکتی- اور اسی لئے نبیؐ نے فتح مکہ کے موقع پر ایک کافر کے قتل کرنے کا حکم دے دیا تھا جو غلاف کعبہ کے پردے پکڑے ہوئے تھا- اور صورتحال یہ ہے کہ ابن زبیر بھی اہل شام کے نزدیک باغیوں میں سے تھے-

چنانچہ علامہ شبلی نعمانی کے بیان کردہ اس فقہی نقطہ نظر کے مطابق سیدنا عبداللہ بن زبیرؓ و سیدنا حصین بن نمیرؓ کے لشکروں کی باہم سنگباری سے اگر دیوار کعبہ شکستہ ہو گئی تو اسے بے حرمتی کعبہ کے بجائے محصور کعبہ لشکر ابن زبیرؓ و مد مقابل لشکر حصین بن نمیرؓ کی باہم کاروائی کا ایک اتفاقی حادثہ قرار دینا اقرب الی الصواب ہے- جب کہ یزید اس وقت بستر مرگ پر تھا- اور اسی دوران میں (ربیع الاول ۶۴ھ) انتقال کر گیا- پس محاصرہ اٹھالیا گیا- اسی سلسلہ کی ایک روایت کے مطابق لشکر ابن زبیرؓ کی بے احتیاطی سے غلاف کعبہ بھی جل گیا :-

"إن رجلاً من أصحاب ابن الزبير يقال له مسلم أخذ ناراً في خيفة على رأس رمح في يوم ريح فطارت بشعلة فلحقت بأستار الكعبة فأحرقتها"— (البلاذري' أنساب الأشراف' ص ٥٥)—

ترجمہ :- ابن زبیر کے ساتھیوں میں سے مسلم نامی ایک شخص نے برچھی کی نوک پر ایک انگارہ اٹھایا- اس روز تیز ہوا چل رہی تھی- چنانچہ اس کی چنگاری اڑ کر غلاف کعبہ پر جا پڑی جس کی آگ سے وہ جل گیا-

وفات یزید کی اطلاع پر محاصرہ حرم بحوالہ ابن زبیرؓ اٹھائے جانے پر لشکر یزید واپس شام جاتے ہوئے مدینہ منورہ سے گزرا تو امام علی زین العابدینؒ نے امیر لشکر حصین بن نمیرؒ کا استقبال فرمایا:-

"فاستقبله علي بن الحسين بن علي بن أبي طالب ومعه قت و شعير فسلم على الحصين فقال له علي بن الحسين: هذا لعلف عندنا فاعلف منه دابتك = فأقبل على عليّ عند ذلك بوجهه فأمرله بما كان عنده من علف"-(ابن جرير الطبري تاريخ الطبري ج ٧ ص ١٧)-

ترجمہ :- پس علی بن حسین بن علی بن ابی طالب نے ان (حصین بن نمیرؒ) کا استقبال کیا اور اپنے ساتھ دانہ چارہ بھی لائے-پس انہوں نے حصین کو سلام کیا- پھر علی بن حسین ان سے کہنے لگے کہ یہ ہمارے پاس دانہ چارہ ہے اپنے گھوڑوں کے لئے لے لیجئے- پس حصین، علی (زین العابدین) کی طرف متوجہ ہوئے اور ان سے دانہ چارہ لینے کا حکم دیا-

ان چند اشارات سے امام عبداللہ بن میمون اور ان کے مرید خاص (امام شیعہ قرامطہ) امام حمدان قرمط نیز لشکر یزید کے حوالہ سے بحرمتی کعبہ اور اس سے متصل حث امامت وخلافت ویزید وکربلا کے اصل حقائق کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے-واللہ الموفق-

---

۲۲- شیخ مفید

(م ۴۱۳ھ، بغداد)

شیخ محمد بن محمد النعمان الملقب بالمفید (۳۳۶ھ / ۳۳۸ھ - ۴۱۳ھ) البغدادی ابن بابویہ القمی نیز دیگر جلیل القدر شیعہ محدثین و مجتہدین کے شاگرد اور عالمی شہرت یافتہ شیعہ اثنا عشری علماء و مؤلفین میں ممتاز و منفرد مقام و حیثیت کے حامل ہیں۔ آپ کے شاگردوں میں جلیل القدر شیعہ مجتہد اعظم سید مرتضیٰ علم الھدیٰ (م ۴۳۶ھ) جیسے اکابر شیعہ بھی شامل ہیں۔ اور انہوں نے ہی بغداد میں آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ (مقدمہ مترجم ہاشم رسولی محلاتی بر کتاب الارشاد للشیخ المفید، ایران، ۱۳۸۷ھ، ج ۱، شرح حال مفید، ص سی وھشت)۔ س

شیخ مفید کی بکثرت تصانیف میں "کتاب الارشاد فی معرفة حجج الله علی العباد" انتہائی اہمیت کی حامل ہے۔ جس کا بنیادی موضوع ائمہ اثنا عشر کے احوال و آثار کا بیان ہے۔ اسی سلسلہ میں سیدنا حسینؓ کے تذکرہ میں واقعہ کربلا کے پس منظر و پیش منظر نیز حسینؓ و یزید و ابن عقیل و ابن سعد و ابن زیاد و شمر ذی الجوشن کے اقوال و اعمال کی روایات بیان فرمائی ہیں۔ بعد ازاں یزید کے پاس پس ماندگان قافلہ حسینی کی آمد اور یزید کی جانب سے شہادت حسینؓ پر ابن زیاد کی مذمت نیز پس ماندگان حسینؓ سے حسن سلوک اور بحفاظت مدینہ واپس پہنچانے کی روایات بھی نقل فرمائی ہیں۔ اس جلیل القدر شیعہ عالم و مؤلف کی بیان کردہ روایات و تفصیلات میں سے اختصار کے پیش نظر صرف چند اہم اقتباسات درج کئے جا رہے ہیں تاکہ واقعہ کربلا اور قصہ حسینؓ و یزید کے سلسلہ میں مستند شیعی نقطہ نظر کی معرفت حاصل ہو سکے۔ تاہم مکمل آگاہی کے لئے "کتاب الارشاد" کا پورا مطالعہ ناگزیر ہے۔

شیخ مفید وفات حسنؓ (۵۰ھ) کے بعد سیدنا حسینؓ کے بیعت معاویہؓ قائم رکھنے کے سلسلہ میں کلبی و مدائنی و دیگر اصحاب سیرت کی روایات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے

ہیں کہ انہوں نے روایت کیا ہے :۔

"لمامات الحسن عليه السلام تحركت الشيعة بالعراق وكتبوا إلى الحسين عليه السلام في خلع معاوية و البيعة له – فامتنع عليهم' ونكر أن بينه و بين معاوية عهداً و عقداً لايجوز له نقضه' حتى تمضى المدة –فإذا مات معاوية نظر في ذلك – فلما مات معاوية و ذلك من رجب سنة ستين من الهجرة' كتب يزيد الى الوليد بن عتبة بن أبي سفيان' وكان على المدينة من قبل معاوية ' أن ياخذ الحسين عليه السلام بالبيعة له' ولا يرخص له في التأخر عن ذلك– فأنفذ الوليد الى الحسين عليه السلام في الليل فاستدعاه– فعرف الحسين عليه السلام الذى أراد الخ"–

(الشيخ المفيد' كتاب الارشاد' انتشارات علمية اسلامية' ١٣٨٧ھ 'الجزء الثاني' ص ٢٩ – ٣٠)–

ترجمہ :- جب حسن علیہ السلام کا انتقال ہو گیا تو عراق میں شیعہ متحرک ہو گئے–اور حسین علیہ السلام سے معاویہ کی بیعت توڑ کر حسین کی بیعت کر لینے کے بارے میں خط و کتابت کی– مگر حسین نے یہ بات نہ مانی اور ذکر فرمایا کہ ان کے اور معاویہ کے درمیان عہد و پیمان ہے جسے توڑنا جائز نہیں یہانتک کہ مدت پوری ہو جائے– پس اگر معاویہ کا انتقال ہو گیا تو پھر وہ اس بارے میں غور کریں گے۔

چنانچہ جب رجب سن ساٹھ ہجری کے وسط میں معاویہ فوت ہو گئے تو یزید نے معاویہ کی جانب سے مدینہ کے حاکم ولید بن عتبہ بن ابی سفیان کو لکھ بھیجا کہ وہ حسین علیہ السلام سے اس کی بیعت لیں–اور اس سلسلہ میں ان سے تاخیر کی اجازت نہ دیں– پس ولید نے حسین علیہ السلام کی جانب رات ہی کو قاصد روانہ کر کے ان سے تشریف لانے کی درخواست کی– تو حسین علیہ اسلام نے اس کا ارادہ بھانپ لیا–

بعد ازاں سیدنا حسینؓ نے امیر مدینہ ولید بن عتبہ سے ملاقات میں یہ فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ تم میری جانب سے یوں چھپ کر بیعت یزید پر راضی نہ ہو گے یہانتک کہ میں کھلم کھلا بیعت کروں اور لوگ کو معلوم ہو جائے :–

"انی لا أراك تقنع ببيعتي ليزيد سراً حتى أبا يعه جهراً فيعرف ذلك الناس . فقال له الوليد :- أجل"-(مفيد ' إرشاد' ج ٢' ص ٣٠).

چنانچہ حسین وہاں سے واپس آکر کچھ وقفہ کے بعد اپنے اہل خانہ وانصار کے ہمراہ مکہ کیلئے روانہ ہوگئے- اور عبداللہ بن زبیر نے بھی ایسا ہی کیا- قیام مکہ کی تفصیلات اور پھر لا تعداد خطوط کوفیان موصول ہونے کے بعد مسلم بن عقیل کو کوفہ بھیجنے اور ان کے ہاتھ پر ہزاروں کوفیوں کی بیعت خلافت حسینؓ اور ابن عقیل کی جانب سے حسین کو کوفہ تشریف آوری کا پیغام بھیجنے کی تفصیلات نقل کرنے کے بعد نعمان بن بشیرؓ کی جگہ ابن زیاد کے امیر کوفہ مقرر ہونے اور مسلم بن عقیل و ھانی بن عروہ کے قتل کا تذکرہ کرتے ہوئے شیخ مفید لکھتے ہیں کہ مسلم بن عقیل نے شہادت سے پہلے رشتہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں زاد بھائی عمر بن سعد بن ابی وقاص سے دربار ابن زیاد میں ابن زیاد کی اجازت سے چند باتیں کیں-

(واضح رہے کہ دیگر قرابتوں کے علاوہ 'سعد بن ابی وقاصؓ مادر رسولؐ سیدہ آمنہ کے چچازاد اور رشتہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں تھے- جن کی جنگ احد میں تیر اندازی دیکھ کر خراج تحسین پیش کرتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ یہ میرے ماموں ہیں-ان جیسا کسی کا ماموں ہو تو مجھے دکھلائے-

هذا خالي فليرني امرؤخاله – (مشكاة ' باب مناقب العشرة)—

"فنظر مسلم إلى جلساء عبيدالله وفيهم عمر بن سعد بن أبى وقاص' فقال : ياعمر! إن بيني و بينك قرابة ولي إليك حاجة' وقد يجب لي عليك تجح حاجتي وهي سر—

فامتنع عمر أن يسمع منه فقال عبيدالله : لم تمتنع أن تنظر فى حاجة ابن عمك؟ فقام معه فجلس حيث ينظر اليهما ابن زياد فقال له: إن على بالكوفة ديناً إستدنته منذ قدمت الكوفة سبعمائة درهم— فبع سيفى و ىرعى فاقضها عنى— فاذا قتلت فاستوهب جثتى من ابن زياد فوارها—

وابعث إلى الحسين عليه السلام من يرده' فإني قدكتبت إليه أعلمه أن الناس معه ولا أراه إلا مقبلاً—

فقال عمر لابن زياد: أتدرى أيها الأمير ما قال لى؟ إنه ذكر كذا وكذا— فقال له ابن زياد : إنه لا يخونك الأمين ولكن قديؤتمن الخائن — أما ماله فهولك' ولستانمنعك أن تصنع به ماأحببت— وأما جثته فإنا لانبالى إذا قتلناه ماصنع بها— وأما حسين فإن هولم يردنا لم نرده"—

(الشيخ المفيد' الارشاد' ج ٢ ' ص ٦١ — ٦٢ ' الباب الثالث' مكا لمة مسلم بن عقيل و عبيدالله)—

ترجمہ :- مسلم نے عبید اللہ کے ساتھیوں پر نظر ڈالی تو ان میں عمر بن سعد بن ابی وقاص بھی تھے- پس وہ کہنے لگے :اے عمر! میرے اور تمہارے درمیان رشتہ داری ہے- اور مجھے تم سے ایک کام ہے- تم پر لازم ہے کہ میری حاجت پوری کرو جو کہ خفیہ ہے- تو عمر نے ان کی بات سننے میں پس و پیش کی- جس پر عبید اللہ ان سے کہنے لگا :اپنے چچازاد کی حاجت جاننے میں پس و پیش کیوں کر رہے ہو؟ پس وہ اٹھ کر ان کے ساتھ گئے اور ایسی جگہ بیٹھے جہاں سے ابن زیاد ان دونوں کو دیکھ سکتا تھا- تو مسلم ان سے کہنے لگے : میں جب سے کوفہ آیا ہوں میں نے سات سو درہم قرض لیا ہے جو مجھ پر واجب الادا ہے- پس تم میری تلوار اور زرہ بیچ کر میرا قرض ادا کر دینا- اور جب میں مقتول ہو جاؤں تو میرا جسد ابن زیاد سے حاصل کرنے کی درخواست کرنا- پھر اسے دفن کر دینا- نیز حسین علیہ السلام کی طرف کسی کو بھیج دینا جو انہیں واپس لوٹا دے- کیونکہ میں نے انہیں اس اطلاع پر مبنی خط لکھ بھیجا ہے کہ لوگ ان کے ساتھ ہیں- اور میرا خیال ہے کہ وہ آیا ہی چاہتے ہیں-

پس عمر نے ابن زیاد سے کہا :-اے امیر کیا آپ کو معلوم ہے کہ انہوں نے مجھ سے کیا کہا ہے؟انہوں نے مجھ سے یہ یہ باتیں کہی ہیں- تو ابن زیاد کہنے لگا : امانتدار تجھ سے کبھی خیانت نہ کرے گا- اور کبھی خائن کو بھی امین ماننا پڑتا ہے- (یعنی تو نے مسلم کا راز فاش کر دیا جو امانت میں خیانت ہے)-

جہاںتک ان کے مال کا تعلق ہے تو وہ تیرا ہے- اور تم اس کے ساتھ جو کرنا

چاہو ہم تمہیں اس سے نہیں روکیں گے-اور جہاں تک ان کے جسد کا تعلق ہے تو جب ہم اسے قتل کر دیں گے تو ہمیں اس کی کوئی پرواہ نہیں کہ اس کے ساتھ کیا کیا جائے-اور جہاں تک حسین کا تعلق ہے تو جب تک وہ ہم سے تعرض نہ کریں گے ہم بھی ان کے مدمقابل نہ ہونگے-

سیدنا حسینؓ کے مکہ سے سفر عراق اختیار کرنے کی خبر سن کر ان کے چچازاد اور بہنوئی (شوہر سیدہ زینبؓ) سیدنا عبداللہ بن جعفر طیارؓ نے انہیں روکنے کی کوشش کی :-

"وألحقه عبدالله بن جعفر بابنيه عون و محمد' و كتب على أيديهما إليه كتاباً يقول فيه:-

أمابعد فأني أسألك بالله لما انصرفت حين تنظر فى كتابى فانى -مشفق عليك من الوجه الذى توجهت له أن يكون فيه هلاكك واستيصال أهل بيتك- وإن هلكت اليوم طفئى نور الأرض -فإنك علم المهتدين و رجاء المؤمنين- ولاتعجل بالمسيرفإنى فى أثر كتابى- والسلام-

وصار عبدالله إلى عمرو بن سعيد فسأله أن يكتب للحسين أماناً ويمنيه ليرجع عن وجهه - فكتب إليه عمر و بن سعيد كتاباً يمنيه فيه الصلة و يؤمنه على نفسه- وأنفذه مع أخيه يحيى بن سعيد- فلحقه يحيى و عبدالله بن جعفر بعد نفوذ إبنيه' ودفعا إليه الكتاب و جهدابه فى الرجوع' فقال :-إنى رأيت رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم فى المنام وأمرنى بما أنا ماض له- فقال له:- فماتلك الرؤيا؟ قال :- ماَ حدثت أحداً بها' ولا أنا محدث حتى ألقى ربى عزوجل -

فلما أيس منه عبدالله بن جعفر أمر إبنيه عوناً و محمداً بلزومه والمسير معه والجهاد دونه- ورجع مع يحيى بن سعيد إلى مكة - و توجه الحسين عليه السلام نحوالعراق مغذاً لايلوى عن شئى حتى نزل ذات

عرق"–(الشیخ المفید' الإرشاد' ج ۲' ص ۷۰ – ۷۱)

ترجمہ :- عبداللہ بن جعفر نے اپنے دو بیٹوں عون و محمد کو ان (حسینؑ) کے پیچھے روانہ کیا–اور ان دونوں کے ہاتھ انہیں خط لکھ بھیجا جس میں فرماتے ہیں :-

اَمّا بعد ! میں تمہیں خدا کی قسم دیکر کہتا ہوں کہ جب میرا خط دیکھو تو (سفر کوفہ سے) باز آجاؤ۔ کیونکہ جس راستہ کا تم نے رخ کیا ہے' اس کے بارے میں مجھے خدشہ ہے کہ اس میں تمہاری ہلاکت اور تمہارے اہل خانہ کی بربادی ہے–اور اگر آج تم مارے گئے تو زمین کا نور بجھ جائیگا' کیونکہ تم ہدایت یافتگان کا روشن چراغ اور امید مومنان ہو– سفر (کوفہ) میں جلدی نہ کرنا– کیونکہ میں بھی اپنے خط کے پیچھے پیچھے پہنچا ہی چاہتا ہوں– والسلام–

چنانچہ عبداللہ عمرو بن سعید (امیر مکہ) کے پاس گئے اور اس سے مطالبہ کیا کہ حسین کے لئے امان لکھ دے–اور انہیں امید انعام بھی دلائے تاکہ وہ اپنے راستہ سے واپس آجائیں۔ پس عمرو بن سعید نے انہیں خط لکھا جس میں ان کی جان کی امان کی ضمانت دی اور انعام و اکرام کی بھی امید دلائی–اس نے یہ خط اپنے بھائی یحییٰ بن سعید کو دے کر روانہ کیا– پس یحییٰ نیز عبداللہ بن جعفر اپنے دونوں بیٹوں کے پہنچنے کے بعد ان (حسین) کے پاس پہنچے–اور دونوں نے خط انہیں دیکر واپس لیجانے کی بہت کوشش کی–جس پر وہ کہنے لگے :-

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا ہے۔ اور انہوں نے مجھے جس کام کا حکم دیا میں اسی کے لئے روانہ ہونے والا ہوں– پس انہوں نے پوچھا کہ وہ خواب کیا ہے ؟ تو وہ فرمانے لگے :- میں نے نہ تو اس کے بارے میں کسی کو بتلایا ہے اور نہ ہی بتلاؤں گا– یہانتک کہ اپنے عزت و جلال والے رب سے جاملوں–

پس جب عبداللہ بن جعفر ان سے مایوس ہو گئے تو اپنے دونوں بیٹوں عون و محمد کو ان کے ساتھ وابستہ رہنے' سفر کرنے اور ان کی خاطر جہاد کرنے کا حکم دیا– اور خود یحییٰ بن سعید کے ہمراہ مکہ لوٹ آئے– جبکہ حسین علیہ السلام نے بعجلت و بلا توقف عراق کا رخ کیا– اور ادھر ادھر ہوئے بغیر مسلسل سفر کرتے رہے– یہانتک کہ

"ذات عرق" کے مقام پر جا پہنچے۔

عبداللہ بن سلیمان الاسدی و منذر بن المشمعل الاسدی نے حج سے عراق واپسی پر کوفہ سے آنے والے اپنے ہم قبیلہ ایک شخص سے قتل مسلم و ھانی کی مصدقہ خبر سن کر سیدنا حسینؓ کو اطلاع دی تو بنو عقیل نے انتقام مسلم لینے پر اصرار کیا۔ اور حسین نے ان کی رائے کے مطابق سفر جاری رکھا:۔

"فقلنا له:- أرأيت الراكب الذى استقبلته عشى أمس؟ قال: نعم وقد أردت مسئلته - فقلنا : قد والله استبرئنا لك خبره وكفيناك مسئلته' -وهوامرؤمنا ذوراى وصدق وعقل وانه حدثنا أنه لم يخرج من الكوفة حتى قتل مسلم وهانى ورآهما = يجران فى السوق بأرجلهما- فقال: انا إليه و إ نا إليه راجعون' رحمة الله عليهما' يردد ذلك مراراً- فقلنا له: ننشدك الله في نفسك وأهل بيتك الا انصرفت من مكانك هذا' فانه ليس بك بالكوفة ناصر ولاشيعة- بل نتخوف أن يكونوا عليك - فنظر إلى بنى عقيل فقال: ماترون فقد قتل مسلم؟ فقالوا : والله لا نرجع حتى نصيب ثأرنا أونذوق ماذاق = فأقبل علينا الحسين عليه السلام وقال : لا خير فى العيش بعد هؤلاء - فعلمنا أنه قد عزم رأيه على المسير"-

(الشيخ المفيد' كتاب الارشاد' ج ٢' الباب الثالث' ص ٧٦ -٧٧)-

ترجمہ :- پس ہم نے ان سے عرض کیا کہ کیا آپ نے اس سوار کو دیکھا جس کا کل رات آپ نے استقبال کیا تھا؟ آپ نے فرمایا: ہاں= اور میں اس سے سوال کرنا چاہتا تھا- تو ہم نے عرض کیا کہ ہم آپ کی خاطر اس سے تفتیش کر چکے ہیں- اور اب ہمارے ہوتے ہوئے آپ کو اس سے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں رہی- وہ ہم میں سے ایک عاقل و صادق و صائب الرائے شخص ہے- اس نے ہمیں بتلایا ہے کہ وہ کوفہ سے اس وقت نکلا تھا جب مسلم اور ھانی کو قتل کر دیا گیا- اور اس نے ان دونوں کو اس حال میں دیکھا کہ انہیں

قدموں کے بل بازار میں گھسیٹا جا رہا تھا- پس آپ نے کئی بار دہراتے ہوئے فرمایا :- انا للہ وانا الیہ راجعون- رحمتہ اللہ علیھما- (یقیناً ہم سب اللہ کے لئے ہیں اور اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں- ان دونوں پر خدا کی رحمت ہو)-

چنانچہ ہم نے آپ سے عرض کیا کہ ہم اپ کو آپ کی ذات اور اہل بیت کے بارے میں خدا کی قسم دیکر کہتے ہیں کہ اسی مقام سے لوٹ جائیں- کیونکہ کوفہ میں نہ کوئی آپ کا ناصر و مددگار ہے اور نہ شیعہ و طرفدار- بلکہ ہمیں خدشہ ہے کہ وہ آپ کے بر خلاف جائیں گے- اس پر آپ نے بنو عقیل کی طرف نگاہ ڈالی اور ان سے فرمانے لگے کہ مسلم کو قتل کر دیا گیا ہے- اب تمہاری کیا رائے ہے؟ پس وہ کہنے لگے :- بخدا ہم تو اس وقت تک واپس نہ جائیں گے جب تک اپنا انتقام نہ لے لیں- یا (موت کا) جو ذائقہ اس نے چکھا ہے' ہم بھی نہ چکھ لیں- اس پر حسین علیہ السلام ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمانے لگے :- ان لوگوں کے بعد تو جینے کا کوئی فائدہ نہیں- پس ہم نے جان لیا کہ انہوں نے سفر (کوفہ جاری رکھنے) کا عزم صمیم کر لیا ہے-

بعد ازاں حر بن یزید قادسیہ کی جانب سے سیدنا حسینؓ کے پاس پہنچا اور انہی کے ساتھ رہا- نماز ظہر وعصر دونوں لشکروں نے امامت حسینؓ میں ادا کی- نماز کے بعد حسینؓ نے حمد و ثناء کے بعد خطبہ میں واپس مکہ چلے جانے کی پیشکش بھی فرمائی مگر حر نے اس کی اجازت نہ دی- پس آپ نے اپنے اہل بیت رسولؐ اور زیادہ حقدار ولایت امر ہونے کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا :-

"أما بعد- أيها الناس! فإنكم إن تتقوا الله و تعرفوا الحق لأهله تكن أرضى لله عنكم ونحن أهل بيت محمد وأولى بولاية هذا الأمر عليكم من هؤلاء المدعين ما ليس لهم والسائرين فيكم بالجور و العدوان - وإن أبيتم إلا كراهية لنا والجهل بحقنا وكان رأيكم الآن غير ماأتتني به كتبكم وقدمت به على رسلكم انصرفت عنكم- فقال له الحر: أنا والله ما أدري ماهذه الكتب والرسل التي تذكر؟ فقال الحسين عليه السلام لبعض

أصحابه: ياعقبة بن سمعان! أحزج الخرجين الذين فيهما كتبهم إلى — فأخرج خرجين مملوئين صحفاً فنثرت بين يديه— فقال له الحر: إنا لسنا من هؤلاء الذين كتبوا إليك ' وقد أمرنا إذا نحن لقيناك ألا نفارقك حتى نقدمك الكوفة على عبيدالله— فقال له الحسين عليه السلام: ألموت أدنى إليك من ذلك— ثم قال لأصحابه : قوموا فاركبوا— فركبوا وانتظروا حتى ركب نسائهم ' فقال لأصحابه: إنصرفوا — فلما ذهبوا لينصرفوأحال القوم بينهم و بين الانصراف"—

(الشيخ المفيد' الارشاد' ج ۲' الباب الثالث' ص۸۱)

ترجمہ :- اما بعد- لوگو! اگر تم اللہ سے ڈرو اور حقداروں کا حق پہچانو تو اللہ تم سے بہت راضی رہے گا- ہم لوگ اہل بیت محمد ہیں-اور تم پر اولوالامر بننے کے ان لوگوں سے زیادہ حقدار ہیں جو ایسی چیز کا دعوی کر رہے ہیں جو ان کے لئے نہیں-نیز جو لوگ تمہارے ساتھ ظلم و عداوت کا معاملہ کرتے ہیں-لیکن اگر تم ہمیں ناپسند کرتے ہوئے اور ہمارے حق سے بے خبری دکھاتے ہوئے اس بات سے انکار کرتے ہو اور اب تمہاری رائے اس رائے کے برخلاف ہو چکی ہے جس کا تم نے اظہار مجھے لکھے گئے خطوط میں کیا' اور جس کے مطابق تمہارے قاصدین میرے پاس آتے رہے' تو میں تمہارے ہاں سے واپس چلا جاتا ہوں-اس پر حر کہنے لگا :- خدا مجھے نہیں معلوم کہ آپ کن خطوط و قاصدین کی بات کر رہے ہیں ؟ اس پر حسین علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں میں سے ایک سے فرمایا :- اے عقبہ بن سمعان! دونوں تھیلے نکال لاؤ جن میں ان کے میری جانب تحریر شدہ خطوط ہیں-پس وہ خطوں سے بھرے ہوئے دو بڑے بڑے تھیلے (پورے) لایا اور انہیں اس (حر) کے سامنے بکھیر دیا-اس پر حر کہنے لگا : ہم ان لوگوں میں شامل نہیں جنہوں نے آپ کو خط لکھے تھے-ہمیں تو حکم دیا گیا ہے کہ اگر آپ سے آمنا سامنا ہو جائے تو اس وقت تک آپ سے علیحدہ نہ ہوں جب تک آپ کو کوفہ میں عبیداللہ کے پاس نہ پہنچا دیں-پس حسین علیہ السلام اس سے فرمانے لگے :- تیری اس آرزو کی نسبت موت تجھ سے قریب تر ہے- پھر آپ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا : اٹھو اور سوار ہو جاؤ- پس وہ لوگ سوار ہو گئے اور انتظار

کرنے لگے۔ یہانتک کہ ان کی عورتیں بھی سواریوں پر بیٹھ گئیں۔ پس آپ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا:۔ واپس چلو۔ مگر جب وہ واپس مڑنے لگے تو یہ لوگ ان کے اور واپسی کے درمیان رکاوٹ بن گئے۔

اگرچہ بعد ازاں حر لشکر حسینی سے جاملا تھا مگر اس وقت ابن زیاد کے حکم کے مطابق وہی حسینؑ کی حرمین کو واپسی کی راہ میں رکاوٹ بنا۔ بہر حال کربلا کی مختلف تفصیلات نقل کرتے ہوئے شیخ مفید سیدنا حسینؑ کی عمر بن سعدؓ سے ملاقات اور ابن سعد کے ابن زیاد کو دست در دست یزید سمیت سہ نقاطی حسینی پیشکش لکھ بھیجنے کے حوالہ سے روایت کرتے ہیں :۔

"ولما رأى الحسين عليه السلام نزول العساكر مع عمر بن سعد لعنه الله بنينوى و مددهم لقتاله عليه السلام أنفذ إلى عمر بن سعد أني أريد أن ألقاك و أجتمع معك؟ فاجتمعا ليلاً فتناجيا طويلاً –ثم رجع عمر بن سعد إلى مكانه وكتب إلى عبيدالله بن زياد عليه اللعنة:–

أمابعد: فإن الله قد أطفى النائرة و جمع الكلمة وأصلح أمر الأمة. هذا حسين قدأعطاني عهداً أن يرجع إلى المكان الذي هومنه أتى

أويسير إلى ثغر من ثغور المسلمين فيكون رجلاً من المسلمين له مالهم وعليه ما عليهم

أويأتي أمير المؤمنين يزيدفيضع يده في يده فيرى فيما بينه و بينه وفي هذا لك رضى وللأمة صلاح–

فلما قرء عبيدالله الكتاب قال: هذا كتاب ناصح مشفق على قومه–فقام إليه شمر بن ذي الجوشن لعنه الله فقال:– أتقبل هذا منه وقدنزل بأرضك وإلى جنبك؟ والله لئن رحل من بلادك ولم يضع يده في يدك ليكونن أولى بالقوة ولتكونن أولى بالضعف والعجز– فلاتعطه هذه المنزلة فإنها من الوهن ولكن لينزل على حكمك هو و أصحابه – فإن

عاقبت فأنت أولى بالعقوبة' وإن عفوت كان ذلك لك– فقال له ابن زياد: نعم مارأيت' الراى رأيك –أخرج بهذاالكتاب إلى عمر بن سعد فليعرض على الحسين وأصحابه النزول على حكمى– فان فعلوا فليبعث بهم إلى سلماً' وإن هم أبوا فليقاتلهم – فإن فعل فاسمع له وأطع– وإن أبى أن يقاتلهم فأنت أميرالجيش واضرب عنقه وابعث إلى براسه–

وكتب إلى عمر بن سعد:=

إنى لم أبعثك إلى الحسين عليه السلام لتكف عنه' ولا لتطاوله' ولا لتمنيه السلامة والبقاء' ولا لتعتذرعنه 'ولا لتكون له عندى شافعاً– أنظر! فإن نزل الحسين وأصحابه على حكمى واستسلمو'افابعث بهم إلى سلماً وإن أبوا'فازحف إليهم حتى تقتلهم"=

(الشيخ المفيد' الارشاد' ج ۲' الباب الثالث' ۸۹ – ۹۰)

ترجمہ:- جب حسین علیہ السلام نے عمر بن سعد لعنہ اللہ کے ہمراہ لشکروں کا پڑاؤ اور ان (حسین) سے لڑائی کیلئے کمک دیکھی' تو عمر بن سعد کو پیغام بھیجا کہ میں تمہارے ساتھ ملاقات واجتماع کا خواہشمند ہوں- پس دونوں رات کے وقت اکٹھے ہوئے اور بہت دیر تک سرگوشیاں کرتے رہے- پھر عمر بن سعد اپنی قیام گاہ کی طرف واپس آیا اور عبید اللہ بن زیاد علیہ اللعنہ کو لکھا:-

اما بعد:- یقیناً اللہ نے آگ بجھا دی اور اختلاف ختم کر دیا ہے- نیز امت کا معاملہ درست فرمادیا ہے- حسین نے مجھ سے عہدو پیشکش کی ہے کہ وہ جس مقام سے آئے ہیں' اسی کی طرف لوٹ جائیں- یا سرحدوں میں سے کسی سرحد کی طرف چلے جائیں اور وہاں کے مسلمانوں میں سے ایک آدمی کی حیثیت سے رہیں- جو حق ان مسلمانوں کا ہوگا وہی ان کا بھی ہو اور جو کچھ ان لوگوں پر ذمہ داری ہوگی' وہی ان (حسین) کی بھی ہوگی-

یا یہ کہ وہ امیرالمؤمنین یزید کے پاس چلے جائیں اور اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دیدیں پس وہ (یزید) اپنے اور ان کے مابین اپنی رائے کے مطابق فیصلہ کر دیں-

اور اس (عہد) میں تیرے لئے رضامندی اور امت کی بھلائی (کی صورت) موجود ہے-

پس جب عبید اللہ نے خط پڑھا تو کہنے لگا :- یہ ایک ایسے شخص کا خط ہے جو اپنے لوگوں کے لئے شفیق اور ان کی بھلائی چاہنے والا ہے- اس پر شمر بن ذی الجوشن لعنہ اللہ کھڑا ہوا اور کہنے لگا :- کیا تو اس سے یہ بات قبول کرلے گا جب کہ وہ تیری سرزمین اور تیرے پہلو میں قیام پذیر ہو چکا ہے ؟ خدا اگر وہ تیرے علاقہ سے کوچ کر گیا اور اس نے اپنا ہاتھ تیرے ہاتھ پر نہ رکھا تو یقیناً وہ زیادہ قوی اور مضبوط ہوتا چلا جائے گا- اور تو بے بس و کمزور تر ہوتا جائے گا- پس اس کو یہ مقام عطا نہ کر کیونکہ یہ تیری کمزوری کی علامت ہے- بلکہ اسے اور اس کے ساتھیوں کو (یزید کی بجائے) تیرا فیصلہ قبول کرنا چاہئے- پس اگر تو انہیں سزا دے تو تجھے ایسا کرنے کا بہت زیادہ حق ہے اور اگر تو معاف کر دے تو یہ بھی تیرا اختیار ہے- چنانچہ ابن زیاد اس (شمر) سے کہنے لگا :- تو نے کیا خوب سوچا ہے- تمہاری رائے ہی صحیح رائے ہے- یہ خط لے کر عمر بن سعد کے پاس جاؤ کہ :- حسین اور اس کے ساتھیوں کے سامنے میرا فیصلہ قبول کرنے کی بات رکھو- اگر وہ یہ بات مان لیں تو انہیں سلامتی کے ساتھ میرے پاس بھیج دو- اور اگر وہ لوگ انکار کر دیں تو ان سے جنگ کرو- پس اگر وہ (ابن سعد) ایسا ہی کرے، تو اس کی سمع وطاعت کرنا- اور اگر وہ ان لوگوں کے ساتھ جنگ کرنے سے انکار کر دے تو تم امیر لشکر ہو گے- اس (ابن سعد) کی گردن مار دینا اور اس کا سر مجھے بھجوا دینا- چنانچہ اس (ابن زیاد) نے عمر بن سعد کی طرف خط لکھا کہ :- میں نے تجھے حسین (علیہ السلام) کی طرف اس لئے نہیں بھیجا تھا کہ ان سے ہاتھ روکے رکھو- اور نہ اس لئے کہ انہیں مہلت دیئے جاؤ- اور نہ اس لئے کہ انہیں زندگی اور سلامتی کی امید دلاؤ- اور نہ اس لئے کہ ان کی جانب سے عذر خواہی کرو- اور نہ اس لئے کہ میرے پاس ان کے سفارشی بن کر آؤ- دیکھو ! اگر حسین اور اس کے ساتھی میرے حکم و فیصلہ کو تسلیم کر لیں تو انہیں سلامتی کے ساتھ میرے پاس بھجوا دو- اور اگر انکار کر دیں تو ان پر حملہ کر دو تاکہ ان سب کو قتل کر سکو-

چنانچہ عمر بن سعد نے خط پڑھ کر شمر کو ملامت کرتے ہوئے کہا :-

"ما لك؟ ويلك! لا قرب الله دارك وقبح الله ما قدمت به علي- والله إني لأظنك أنك نهيته أن يقبل عما كتبت به إليه وأفسدت علينا أمراً

كنا قد رجونا أن يصلح؟ لا يستسلم والله حسين إن نفس أبيه لبين جنبيه"–(الشيخ المفيد الارشاد ج ٢ الباب الثالث ص ٩١)

ترجمہ :- تجھے کیا ہو گیا ہے؟ تیرا ستیاناس! خدا تجھے گھر سے دور رکھے–اور تیرا برا چاہے اس کی وجہ سے جو تو میرے پاس لایا ہے– خدا! میرا گمان ہے کہ جو کچھ میں نے اس (ابن زیاد) کو لکھ بھیجا تھا' اسے قبول کرنے سے تو نے ہی اسے منع کیا ہے–اور جس معاملہ کو ہم نے درست کرنا چاہا تھا' تو نے ہی اس کو بگاڑا ہے– خدا حسین کبھی (ابن زیاد کے سامنے) سر تسلیم خم نہیں کرے گا–کیونکہ اس کے (بہادر) باپ کا دل اس کے دونوں پہلوؤں کے درمیان (دھڑکتا) ہے–

اسی دوران شمر نے اپنے بھانجوں (فرزندان علیؑ وام البنین) کو حسینؑ سے علیحدہ کرنے کے لئے امان کی پیشکش کی :–

"ونهض عمر بن سعد إلى الحسين عليه السلام عشية يوم الخميس لتسع مضين من المحرم– وجاء شمر حتى وقف على أصحاب الحسين عليه السلام فقال : أين بنو أختنا؟ فخرج إليه العباس و جعفر وعبدالله و عثمان بنو على بن أبيطالب عليه السلام فقالوا: ماتريد؟ فقال: أنتم يا بنى أختى آمنون – فقالت له الفتية : لعنك الله ولعن أمانك أتؤمننا وابن رسول الله لا أمان له؟"–

(الشيخ المفيد الإرشاد ج ٢ الباب الثالث ص ٩١)

ترجمہ :- عمر بن سعد جمعرات نو محرم گزر جانے کے بعد والی رات حسین علیہ السلام سے لڑائی کی تیاری کرنے لگا–اور شمر سامنے آیا–یہاں تک کہ وہ رفقائے حسین علیہ السلام کے پاس جا کھڑا ہوا–اور کہنے لگا :- ہماری بہن کے بیٹے کہاں ہیں؟ پس علی بن ابی طالب علیہ السلام کے فرزند عباس و جعفر و عبداللہ و عثمان اس کی طرف بڑھے اور کہنے لگے : کیا چاہتے ہو؟ وہ کہنے لگا : میرے بھانجو! تمہارے لئے امان ہے–اس پر وہ نوجوان بولے : تجھ پر اور تیری امان پر خدا کی لعنت ہو–کیا تو ہمیں امان دے رہا ہے جبکہ فرزند پیغمبر خدا کے لئے کوئی امان نہیں؟

یوم عاشور رفقائے حسینؑ کی شہادت کے بعد شہادت حسینؑ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے شیخ مفید روایت کرتے ہیں :-

"فقال حميد بن مسلم:- فوالله مارأيت مكثوراً قط قد قتل ولده وأهل بيته وأصحابه أربط جاشاً ولا أمضى جناناً منه عليه السلام- إن كانت الرجالة لتشد عليه فيشد عليها بسيفه فينكشف عن يمينه و عن شماله انكشاف المعزى إذا شد فيها الذئب- فلما رأى ذلك شمر بن ذي الجوشن' استدعى الفرسان فصاروا في ظهور الرجالة وأمرالرماة أن يرموه فرشقوه بالسهام حتى صار كالقنفذ فأحجم عنهم فوقفوا بازائه-

وخرجت أخته زينب إلى باب الفسطاط' فنادت عمر بن سعد بن أبي وقاص : ويلك يا عمر! أيقتل أبو عبدالله وأنت تنظر؟ فلم يجبه بشئى- فنادت: ويحكم أما فيكم مسلم؟ فلم يجبها أحد بشئى=

ونادى شمر بن ذي الجوشن الفرسان والرجالة فقال: ويحكم ما تنتظرون بالرجل ثكلتكم أمهاتكم؟ فحملواعليه من كل جانب- فضربه زرعة بن شريك على كتفه اليسرى فقلعها- وضربه آخر منهم على عاتقه فكبا منها لوجهه- وطعنه سنان بن أنس النخعي بالرمح فصرعه- و بدر اليه خولي بن يزيد الأصبحي فنزل ليجتز رأسه فارعد- فقال له شمر: فت الله في عضدك مالك ترعد؟

ونزل شمر إليه فذبحه = ثم رفع رأسه إلى خولي بن يزيد فقال: إحمله إلى الأمير عمر بن سعد= ثم أقبلوا على سلب الحسين عليه السلام- فأخذ قميصه اسحاق بن الحياة الحضرمي' وأخذ سراويله أبجر بن كعب' وأخذ عمامته أختس بن مرثد' وأخذ سيفه رجل من بني دارم= وانتهبوا رحله وابله وأثقاله وسلبوا نسائه"-

(الشيخ المفيد' كتاب الارشاد' ج ۲' الباب الثالث' ص ۱۱٦ - ۱۱۷)

ترجمہ :- حمید بن مسلم کا کہنا ہے کہ خدا میں نے کبھی کسی مغلوب و مجبور کو جس

کی اولاد اور اہل خانہ ورفقاء مقتول ہو چکے ہوں' آپ علیہ السلام سے زیادہ صابر و مستقیم نہیں پایا۔ اگر پیادہ سپاہی آپ پر حملہ آور ہوتے تو آپ بھی اپنی تلوار سے ان پر حملہ کرتے اور اپنے دائیں بائیں سے انھیں منتشر کر دیتے۔ بالکل اسی طرح جس بھیڑوں کا گلہ خود پر بھیڑیئے کے حملے کے وقت تتر بتر ہو جاتا ہے۔ پس جب شمر بن ذی الجوشن نے یہ صورتحال دیکھی تو اس نے گھڑ سواروں کو بلایا۔ چنانچہ وہ پیدل سپاہیوں کے عقب میں کھڑے ہو گئے۔ نیز اس نے تیر اندازوں کو آپ پر تیر چلانے کا حکم دیا۔ چنانچہ انہوں نے آپ پر تیروں کی بارش کر دی یہاں تک کہ آپ قنفذ (خار پشت' کانٹوں والی سیہ) کی طرح ہو گئے۔ اور آپ نے لڑنا بند کر دیا۔ پس وہ لوگ آپ کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ اس وقت زینب باہر نکل کر خیمہ کے دروازہ پر آئیں اور عمر بن سعد بن ابی وقاص کو پکار کر کہنے لگیں :- اے عمر! کیا ابو عبداللہ قتل کر دیئے جائیں گے اور تم دیکھتے رہ جاؤ گے؟ مگر عمر نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس پر وہ پکارنے لگیں۔ تمہارا ناس ہو ! کیا تم میں کوئی مسلمان نہیں ہے؟ مگر کسی نے ان کو کچھ جواب نہ دیا۔

شمر بن ذی الجوشن نے پیادوں اور سواروں کو پکار کر کہا : تمہارا ستیاناس! تم اس شخص حسین کے بارے میں کس بات کا انتظار کر رہے ہو؟ پس ان لوگوں نے آپ پر ہر جانب سے یورش کر دی۔ چنانچہ زرعہ بن شریک نے آپ کے بائیں بازو پر وار کر کے اسے کاٹ ڈالا۔ نیز ان میں سے ایک دوسرے شخص نے آپ کے کندھے پر وار کیا جس کی وجہ سے آپ اوندھے منہ گر پڑے۔ اور سنان بن انس نخعی نے آپ پر نیزے کا وار کر کے آپ کو قتل کر ڈالا۔ پھر خولی بن یزید أصبحی آپ کی طرف تیزی سے بڑھ کر گھوڑے سے اترا تاکہ آپ کا سر کاٹ لے۔ مگر کانپنے لگا۔ اس پر شمر اس سے کہنے لگا :- خدا تیرا بازو کاٹ ڈالے تو کانپ کیوں رہا ہے؟

اب شمر اتر کر آپ کے پاس آیا اور آپ کو ذبح کر ڈالا۔ پھر آپ کا سر اٹھا کر خولی بن یزید کو دیتے ہوئے کہنے لگا :- اسے اٹھا کر امیر عمر بن سعد کے پاس لیجاؤ۔ پھر ان لوگوں نے حسین علیہ السلام کو لوٹنا شروع کیا۔ پس آپ کی قمیض اسحاق بن حیاۃ حضرمی نے لے لی۔ آپ کی شلوار ابجر بن کعب لے گیا۔ آپ کا عمامہ اخنس بن مرثد نے لے لیا۔ اور آپ کی

تلوار بنی دارم کے ایک شخص نے اٹھالی- پھر آپ کے گھوڑے' اونٹ اور سازو سامان کو لوٹ لیا- اور آپ کی عورتوں سے بھی سب کچھ چھین لیا-

بقول حمید بن مسلم جب خواتین حسینی کا سامان لوٹا گیا تو انہوں نے عمر بن سعد سے شکایت کی :-

"وجاء عمر بن سعد فصاح النساء فی وجهه وبکین- فقال لأصحابه:- لا یدخل أحد منکم بیوت هؤ لاء النسوة' ولا تتعرضوا لهذا الغلام المریض- وسألته النسوة لیسترجع ما أخذ منهن لیتسترن به- فقال:-من أخذ من متا عهن شیئاً فلیرده علیهن- فوالله ما رد أحد منهم شیئاً-فوکل بالفسطاط و بیوت النساء وعلی بن الحسین علیه السلام جماعة ممن کانوا معه' وقال: احفظوهم لئلایخرج منهم أحد' ولا تسیئون إلیهم - ثم عاد إلی مضربه"-

(الشیخ المفید' کتاب الارشاد' ج ۲' الباب الثالث' ص ۱۱۷)

ترجمہ :- عمر بن سعد آیا تو خواتین اس کے سامنے رونے اور چلانے لگیں- پس اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا :-تم میں سے کوئی ان عورتوں کی قیام گاہوں میں داخل نہ ہو- اور نہ اس بیمار لڑکے سے کوئی تعرض کرو- نیز ان خواتین نے اس سے مطالبہ کیا کہ جو کچھ ان سے چھین لیا گیا ہے' وہ انہیں واپس دلائے تاکہ وہ پردہ کر سکیں-چنانچہ اس (ابن سعد) نے حکم دیا کہ :-جس جس نے ان کے سامان میں سے کوئی چیز اٹھائی ہو وہ ان کو واپس کردے- (راوی کا بیان ہے) مگر بخدا! ان میں سے کسی نے اس کی آواز پر کان نہ دھرا اور نہ ہی کوئی چیز واپس کی-پس اس (ابن سعد) نے خواتین (حسینی) کی قیام گاہوں اور خیموں نیز علی بن حسین علیہ السلام پر اپنے ہمراہیوں کی جماعت میں سے کچھ لوگ مقرر کئے-اور ان سے کہنے لگا :-ان کی حفاظت کرو- تاکہ نہ تو ان میں سے کوئی باہر جائے اور نہ کوئی ان کو تنگ کرپائے-اس کے بعد وہ (ابن سعد) اپنے خیمہ میں واپس چلا گیا-

جب پس ماندگان قافلہ حسینی یزید کے پاس پہنچے تو یزید نے ابن زیاد کی برسرِ عام مذمت کی :-

"ثم دعی بالنساء والصبیان' فأجلسوا بین یدیه- فرأی هیئة قبیحة' فقال : قبح الله ابن مرجانة' لوکانت بینه و بینکم قرابة ورحم' ما فعل هذا بکم ولا بعث بکم علی هذه الحالة- فقالت فاطمة بنت الحسین علیه السلام: فلما جلسنا بین یدی یزید' رق لنا"-

(الشیخ المفید' کتاب الارشاد' ج ۲' الباب الثالث' ص ۱۲۵)

ترجمہ :- پھر عورتوں اور بچوں کو بلایا گیا- پس انہیں اس (یزید) کے سامنے بٹھا دیا گیا- اس نے ان کی بری حالت دیکھی تو کہنے لگا : ابن مرجانہ (ابن زیاد) کا برا ہو اگر اس کے اور تمہارے مابین قرابت ورشتہ داری ہوتی تو وہ تمہارے ساتھ ایسا سلوک نہ کرتا اور نہ تمہیں اس حالت میں میرے پاس بھیجتا- پس فاطمہ بنت حسین علیہ السلام نے بیان کیا ہے کہ جب ہم یزید کے سامنے بیٹھے تو ہمیں دیکھ کر اس پر رقت طاری ہو گئی-

بعد ازاں ان محترم خواتین و علی زین العابدین کو یزید کے گھر سے متصل ایک گھر میں ٹھہرایا گیا- اور کچھ دنوں بعد احترام و حفاظت سے مدینہ پہنچا دیا گیا :-

"ثم أمر بالنسوة أن ینزلن فی دار علیحدة معهن أخوهن علی بن الحسین علیه السلام- فأفرد لهم دار تتصل بدار یزید - فأقاموا أیاماً- ثم ندب النعمان بن بشیر و قال له: تجهز لتخرج بهؤلاء النسوة إلی المدینة-ولما أراد أن یجهزهم دعی علی بن الحسین علیهما السلام فاستخلی به- ثم قال : لعن الله ابن مرجانة ! أم والله لوأنی صاحب أبیك ما سئلنی خصلة أبداً إلاأعطیته إیاها' ولدفعت الحتف عنه بکل ما استطعت' ولکن الله قضی مارأیت - کاتبنی من المدینة وإنه إلی کل حاجة تکون لك- و تقدم بکسوته وکسوة أهله- وأنفذمعهم فی جملة النعمان بن بشیر رسولاً إلیه أن یسیر بهم فی اللیل' ویکونوا أمامه حیث لا یفوتون طرفه- فإذانزلوا انتحی عنهم وتفرق هو وأصحابه حولهم

کھیئة الحراس لهم ' وینزل منهم بحیث أراد إنسان من جماعتهم وضوء وقضاء حاجة لم یحتشم — فسارمعهم فی جملة النعمان ' ولم یزل ینازلهم فی الطریق و یرفق بهم کما وصاه یزید ' ویرعاهم حتی دخلوا المدینة"—

(الشیخ المفید' کتاب الإرشاد' ج ۲' الباب الثالث' ص ۱۲۷)

ترجمہ :- پھر اس (یزید) نے خواتین کو ایک علیحدہ گھر میں ان کے بھائی علی بن حسین علیہما السلام کے ہمراہ ٹھہرانے کا حکم دیا- پس ان کے لئے یزید کے گھر سے متصل ایک گھر خالی کیا گیا- چنانچہ وہ لوگ کچھ روز وہاں مقیم رہے- پھر اس نے نعمان بن بشیر کو بلایا اور ان سے کہنے لگا :- ان خواتین کے ہمراہ مدینہ جانے کی تیاری کیجئے-

اور جب یزید نے ان لوگوں کو (مدینہ کیلئے) تیار کرنے کا ارادہ کیا تو علی بن حسین علیہما السلام کو بلا کر ان سے علیحدگی میں کہنے لگا :- ابن مرجانہ (ابن زیادؓ) پر خدا کی لعنت ہو- خدا کی قسم اگر میں تمہارے والد کے پاس ہوتا تو وہ مجھ سے جس چیز کا بھی مطالبہ کرتے' میں انہیں عطا کرتا- اور اپنی پوری قوت صرف کر کے ان کا دفاع کرتے ہوئے موت کو ان سے پرے دھکیلتا- مگر خدا نے یہی مقدر کر رکھا تھا جو تم دیکھ آئے ہو- تم مدینہ سے میرے ساتھ خط و کتابت کرتے رہنا اور جس چیز کی ضرورت ہو' لکھ دیا کرنا- میں مہیا کروں گا- پھر اس نے ان کے اور ان کے اہل بیت کے لئے (کربلا میں لوٹے گئے سامان کے بدلے میں) سامان و لباس پیش کئے- نیز اس نے نعمان بن بشیر کے ہمراہ افراد بھیجے اور حکم دیا کہ ان لوگوں کے ہمراہ رات کے وقت سفر کریں- اور وہ لوگ آپ کے سامنے اس طرح رہیں کہ آپ ان کی نظروں سے اوجھل نہ ہونے پائیں- جب وہ پڑاؤ ڈالا کریں تو آپ ان سے علیحدہ ہو جایا کریں- اور اپنے ساتھیوں کے ہمراہ پہریداروں کی صورت میں بکھر جایا کریں- اور ان لوگوں سے ہٹ کر اس طرح پڑاؤ ڈالا کریں کہ ان (اہل بیت) میں سے کوئی وضو یا قضائے حاجت کا خواہاں ہو تو شرم و بے پردگی محسوس نہ کرے-

پس یہ فرستادگان نعمان کی معیت میں ان لوگوں کے ہمراہ سفر کرتے رہے- اور رستے میں مختلف مقامات پر ان کے ہمراہ پڑاؤ ڈالتے رہے- نیز ان کے ساتھ نرمی سے پیش آتے ہوئے ان کی دیکھ بھال کرتے رہے- جیسا کہ یزید نے انہیں تلقین کی تھی-

یہانتک کہ مدینہ میں داخل ہو گئے۔

شیخ مفید نے حسین و ابوبکر و عثمان و جعفر و عباس و عبداللہ فرزندان علیؑ سمیت اٹھارہ ہاشمی شہدائے کربلا کے نام درج کیے ہیں :-

أسماء من قتل مع الحسين عليه السلام
من أهل بيته بطف كربلا .وهم سبعة عشر نفساً —
والحسين بن على عليهما السلام ثامن عشرمنهم:—

العباس و عبدالله و جعفر وعثمان ' بنوا أمير المؤ منين' عليه وعليهم السلام' أمهم أم النبين—

عبدالله 'وابوبكر إبنا أميرالمؤمنين عليه السلام—

أمهما ليلى بنت مسعود الثقفية'

وعلى و عبدالله' ابنا الحسين بن على عليهما السلام'

والقاسم و أبوبكر و عبدالله' بنوا الحسن بن على عليهما السلام'

ومحمد و عون' ابنا عبدالله بن جعفر بن أبى طالب'

رضى الله عنهم' أجمعين'

وعبدالله وجعفر وعبدالرحمن' بنو عقيل بن أبى طالب'

رضى الله عنهم،

ومحمد بن أبى سعيد بن عقيل بن أبيطالب '

رحمة الله عليهم أجمعين —

فهؤلاء سبعة عشر نفساً من بنى هاشم ' رضوان الله عليهم أجمعين' إخوة الحسين عليه و عليهم السلام' و بنوا أخيه وبنوا عميه

جعفر و عقیل– و هم کلهم مدفون مما یلی رجلی الحسین علیه السلام فی مشهده' حفر لهم حفیرة وألقوا فیها جمیعاً وسوی علیهم التراب' إلا العباس بن علی علیهما السلام فإنه دفن فی موضع مقتله علی المسناة بطریق الغاضریة وقبره ظاهر"–

(الشیخ المفید' کتاب الارشاد ج ۲' الباب الثالث' ص ۱۲۹ – ۱۳۰' باترجمه و شرح فارسی از آقای حاج سید هاشم رسولی محلاتی' انتشارات علمیه اسلامیه' ایران' ۱۳۸۷ھ)–

اہل بیت حسین علیہ السلام میں سے ان کے ہمراہ کربلا میں شہید ہونے والوں کے نام جو کل سترہ افراد ہیں۔ ان کے ساتھ اٹھارویں حسین بن علی علیہما السلام ہیں۔

عباس و عبداللہ و جعفر و عثمان– فرزندان امیر المومنین (علی) علیہ السلام۔
ان کی والدہ ام البنین ہیں۔
اور عبداللہ وابوبکر' فرزندان امیر المؤمنین (علی) علیہ السلام۔
ان دونوں کی والدہ لیلیٰ بنت مسعود ثقفیہ ہیں۔
نیز علی و عبداللہ– فرزندان حسین بن علی علیہما السلام۔
اور قاسم وابوبکر و عبداللہ– فرزندان حسن بن علی علیہما السلام۔
نیز عون و محمد فرزندان عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہم اجمعین۔
اور عبداللہ و جعفر و عبدالرحمٰن– فرزندان عقیل بن ابیطالب رضی اللہ عنہم۔
نیز محمد بن ابی سعید بن عقیل بن ابی طالب– رحمتہ اللہ علیہم اجمعین۔
پس یہ سترہ افراد بنی ہاشم میں سے ہیں– رضوان اللہ علیہم اجمعین۔
یہ سب برادران حسین' علیہ و علیہم السلام نیز آپ کے بھائی اور دونوں چچاؤں جعفر و عقیل کی

اولاد ہیں۔ اور یہ سب کے سب حسین علیہ السلام کے مشہد (مزار) میں ان کے قدموں کے قریب مدفون ہیں۔ ان سب کے لئے ایک ہی گڑھا کھودا گیا تھا۔ جس میں سب کو پھینک کر اوپر مٹی ڈال دی گئی۔

البتہ عباس بن علی علیہما السلام کو ان کے مقام شہادت پر کہ وہ شتر مسناۃ پر در راہ غاضریہ مقتول ہوئے تھے، دفن کیا گیا۔ اور وہاں ان کی قبر موجود ہے۔

شیخ مفید سے منقول ان چند اقتباسات نیز اس باب کی گزشتہ سابقہ تفصیلات سے چوتھی صدی ہجری کے اختتام تک مثبت و مربوط انداز میں اہم شیعی روایات و مصادر کی روشنی میں مسئلہ امامت و خلافت و یزید و کربلا کے حقائق کا علمی و تحقیقی و تنقیدی و تاریخی لحاظ سے بخوبی ادراک و اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اور جذباتیت و سطحیت نیز افراط و تفریط و مبالغہ آرائی پر مبنی غیر حقیقی و غیر منطقی مظاہر و بیانات کا علی وجہ البصیرۃ تدارک کیا جا سکتا ہے۔

و باللہ التوفیق وھو المستعان وإنه علی کل شئی قدیر۔

خلاصہ مباحث باب دوم
فکر شیعی میں یزید
امام باقرؒ تا شیخ مفید

فکر شیعی میں یزید-امام باقر تا شیخ مفید- (دوسری تا چوتھی صدی ہجری) کے سلسلہ میں شیعی عقیدہ امامت و خلافت منصوصہ و معصومہ و یزید و کربلا کے حوالہ سے مذکورہ سابقہ تمام تفصیلات و اشارات کا خلاصہ و نتیجہ یہ ہے کہ چوتھی صدی ہجری کے اختتام تک جو سلسلہ ہائے امامت و فرقہ ہائے شیعہ معرض وجود میں آئے' نیز چند ایک جو اسی تسلسل میں بعد ازاں ظہور پذیر ہوئے (نورخشیہ وغیرہ) ان میں شیعی عقیدہ امامت و خلافت منصوصہ و معصومہ کی تاویل و تشریح نیز شورائی امامت و خلافت ابوبکر و عمر و عثمان و معاویہ رضی اللہ عنہم اور یزید و کربلا کے بارے میں باہم اختلافات پائے جاتے ہیں- جن کی موجودگی میں کسی مشترکہ و جملہ ائمہ و فرقہ ہائے شیعہ کے لئے یکساں طور پر قابل تسلیم اساس تشیع نیز متفقہ موقف اہل تشیع بسلسلہ امامت و خروج و یزید و کربلا کی تلاش و دریافت امر محال بلکہ کم و بیش خارج از امکان ہے-

اعتقادی و تاریخی اختلافات ائمہ و امامت و یزید و کربلا کے حامل ان جملہ فرقہ ہائے اہل تشیع کی تمام تر انفرادی و اجتماعی اہمیت کے باوجود خود کیسانیہ و زیدیہ و اسماعیلیہ و اثنا عشریہ جیسے قدیم و معتبر و نمایاں تر شیعہ فرقوں کے اعتقادی و تاریخی مواقف باہم اس قدر مختلف و متنوع و متضاد ہیں کہ شیعی عقیدہ امامت کی حیثیت منصوصہ و معصومہ اور اصول دین میں شمولیت نیز خلفاء ثلاثہؓ و معاویہؓ کے علاوہ یزید و کربلا و شرائط خروج کے حوالہ سے کسی ایک موقف پر اجماع و اتفاق نظری و عملی مفقود و معدوم و ناقابل یقین قرار پاتا ہے- اور اس سلسلہ کا نظریہ و معرکہ خود شیعی عقیدہ امامت و اختلافات ائمہ کی رو سے مسئلہ نص و عصمت اور معرکہ حق و باطل کے بجائے افضل و غیر افضل' قریشی و غیر قریشی' ہاشمی علوی

وغیر علوی اور فاطمی وغیر فاطمی امام وخلیفہ کی ترجیح و عدم ترجیح واعتماد وعدم اعتماد کی بحث قرار پاتا ہے۔اور یہی اقرب الی الصواب واقرب الی الاتفاق بین طوائف الشیعہ دکھائی دیتا ہے۔

اور یہی صورتحال بیعت یزید (ابن الحنفیہؒ عمر بن علیؒ ابن جعفرؓ ابن عباسؓ وغیرھم) اور عدم بیعت یزید (حسینؓ وابن زبیرؓ) نیز اقدام خروج حسینؓ باصرار شیعان کوفہ بعد تصدیق ابن عقیلؒ، پھر غداری کوفیان کے بعد "دست در دست یزید" سمیت صلح و مصالحت کی سہ نقاطی حسینی پیشکش کی بھی قرار پاتی ہے۔ نیز یہی نوعیت ابن زیاد و شمر ذی الجوشن کی شرط بیعت ابن زیاد کی بناء پر سانحہ کربلا واقع ہونے کے بعد یزید کی مذمت ابن زیاد و قافلہ پس ماندگان حسینی کی مدینہ واپسی سے واقعہ حرہ ووفات یزید تک ائمہ اہل بیت علیؓ (ابن الحنفیہؒ وعمر بن علیؒ وعلی زین العابدینؒ و محمد الباقرؒ وغیرہ) کی بیعت یزید پر ثابت قدمی اور باغیان یزید کا ساتھ نہ دینے کی قرار دی جا سکتی ہے۔ (جو اثنا عشریہ کے نزدیک باتقیہ مگر زیدیہ وغیرہ کے نزدیک بلا تقیہ اور ہر دو کے نزدیک عملاً بہر حال موجود ہے)۔

اس حوالہ سے تفاصیل شخصیت وخلافت یزید نیز کربلا و حرہ وغیرہ کے سلسلہ سے بکثرت مبالغہ آرائیوں کے باوجود خود ائمہ و راویان اہل تشیع حتیٰ کہ اثنا عشریہ کے بیان کی رو سے چوتھی صدی ہجری کے اختتام تک حقائق امامت وخلافت و کربلا نیز سیرت و تعامل یزید بسلسلہ اسیران کربلا کا صحیح ادراک اہل عقل و دین واصحاب عدل وبصیرت بخوبی کر سکتے ہیں۔اور اسی حقیقت پسندانہ ومنطقی طرز فکر کا فروغ چوتھی صدی ہجری کے اختتام تک مباحث امامت وخلافت ویزید و کربلا کا خلاصہ ونتیجہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

جس پر آئندہ صدیوں کے افکار وتصانیف بحوالہ امامت وخلافت ویزید و کربلا کے ہزار سالہ دور (پانچویں تا پندرھویں صدی ہجری) کا اعتماد وانحصار ہے۔

باب سوئم

فکر شیعی میں یزید
سید مرتضٰی تا عصر جدید

(پانچویں تا پندرھویں صدی ہجری)

۴۔ فکر شیعی میں یزید۔ سید مرتضیٰ تا عصر جدید

پانچویں صدی ہجری کے آغاز تک فکر شیعی، علیؓ و حسینؓ سے علی بن حسینؓ تک

قرن اول، نیز امام باقرؒ تا شیخ مفید قرن دوم و سوئم و چہارم میں ارتقاء و تنوع کے متعدد مراحل سے گزر چکی تھی۔ اور مختلف و متنوع مستقل بالذات فرقوں نیز ان کے منفرد فکری و تاریخی معتقدات و رجحانات کی صورت میں منظر عام پر آچکی تھی۔ جن میں تفضیلیہ، کیسانیہ، زیدیہ، اسماعیلیہ، سے اثنا عشریہ، نصیریہ، قرامطہ اور دروزیہ تک شیعہ کتب تاریخ و مذہب میں بھی مذکور و معروف ہیں۔ اور ان فرقوں کے افکار و رجحانات و روایات و مواقف بھی بالعموم علماء و محققین سے مخفی نہیں۔

پانچویں صدی ہجری میں اثنا عشری کتب اربعہ میں سے آخری دو کتب

احادیث معصومین ("التھذیب" و "الاستبصار") کے مؤلف شیخ محمد بن حسن الطوسی (م ۴۶۰ھ) کے معاصر اور شیخ مفید (م ۴۱۳ھ) کے تلمیذ خاص، اثنا عشری مجتہد اعظم سید مرتضیٰ علم الھدیٰ (م ۴۳۶ھ) سے عصر جدید تک فکر شیعی کا ایک ہزار سالہ دور بطور مجموعی گزشتہ صدیوں کے افکار و روایات و تصانیف ہی سے ماخوذ ہے۔ اور امامت و خلافت و یزید و کربلا کے حوالے سے چند نادر الوجود امکانی مستثنیات کی گنجائش رکھتے ہوئے بھی بطور مجموعی کوئی نئے فکری و تاریخی حقائق اس ہزار سالہ دور میں منکشف نہیں ہو پائے۔

تاہم اس فکری و تاریخی تکرار و تسلسل افکار ماضیہ کے پس منظر و پیش منظر میں مختلف زمان و مکان کے اسالیب و مقتضیات کے مطابق گزشتہ شیعی افکار و روایات کی از سر نو تحقیق و تقدیم نیز تصنیف و تالیف کا سلسلہ پانچویں صدی سے عصر جدید تک جاری و ساری ہے۔ اور اس ہزار سالہ طویل دور کے محتویات و مشتملات کا کماحقہ احاطہ کسی ایک تصنیف میں کرنا خارج از امکان ہے۔ لہٰذا حتی الامکان اختصار و جامعیت کو پیش نظر رکھتے

ہوئے اس باب میں مختلف زمان و مکان سے تعلق رکھنے والے چند اہم نمائندگان تشیع کے حوالہ سے فکر شیعی میں یزید و کربلا کے خصوصی تناظر میں بعض ضروری معلومات جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ تاکہ مزید تحقیقات و تفصیلات و تنقیدات کی بنیاد فراہم ہو سکے۔
و باللہ التوفیق۔

١- شیعہ مجتہد اعظم شریف مرتضیٰ علم الھدیٰ (م ٤٣٦ھ)

اثنا عشری مجتہد اعظم سید شریف مرتضیٰ علم الہدیٰ (م ٤٣٦ھ) عالمی شہرت یافتہ اکابر و مصنفین اہل تشیع میں سے ہیں جن کی معرکتہ الاراء تصنیف "الشافی" کو امامت کے موضوع پر بہترین کتب میں شمار کرتے ہوئے امام خمینی فرماتے ہیں:-

"کتاب شافی سید مرتضی علم الهدی متوفی در سال (٤٣٦) که بهترین کتب و مشهور ترین مصنفات درین باب است۔"

(روح اللہ خمینی، کشف اسرار، ص ٢٠٣، مطبوعہ ١٥ ربیع الثانی، ١٣٦٣ھ، ایران)

ترجمہ: سید مرتضیٰ علم الہدیٰ متوفی سن (٤٣٦) کی کتاب "الشافی" اس موضوع (امامت) کے سلسلہ کی کتب و تصانیف میں سے بہترین و مشہور ترین ہے۔

مجتہد العصر علامہ سید علی نقی نقوی (نقن میاں لکھنؤ والے) سید مرتضیٰ کی بعض آراء سے اختلاف کے باوجود ان کے بارے میں فرماتے ہیں:-

"لاشک أن السید من فحول علماء الطائفة و من مفاخر العصابة الجعفرية-" (علی نقی النقوی، السبطان فی موقفیهما، ص ٨٤، مطبوعه، اظهار سنز، لاہور)

ترجمہ: بے شک سید (شریف مرتضیٰ) شیعہ فرقہ کے ممتاز ترین علماء اور جعفری (اثنا عشری) جماعت کے قابل فخر قائدین میں سے ہیں۔

یہی سید شریف مرتضیٰ (م ٤٣٦ھ) تقریباً ایک ہزار سال پہلے ایک سوال کے

جواب میں کہ سیدنا حسین نے اپنے آپ کو ہلاکت میں کیوں ڈالا؟ فرماتے ہیں:۔

"و قدهم أبوعبدالله عليه السلام لما عرف مقتل مسلم و أشير عليه بالعود فوثب اليه بنوعقيل فقالوا: والله لانقصرف حتى ندرک ثارنا أونذوق ماذاق أخونا۔ فقال عليه السلام: لاخيرفي العيش بعد هؤلاء۔

ثم لحق الحر بن يزيد و من معه من الرجال الذين ألقنهم ابن زياد و منعه من الانصراف و سامه أن يقدم على ابن زياد نازلاً على حكمه فامتنع۔

ولمارأى أن لاسبيل الى العود ولا الى دخول الكوفة سلک طريق الشام سائراً نحو يزيد بن معاوية لعلمه عليه السلام انه على مابه أراف من ابن زياد و أصحابه۔ فسار حتى قدم عليه ابن سعد فى العسكر العظيم وكان من امره ماقد ذكر و سطر۔

فكيف يقال انه ألقى بيده الى التهلكة و تدروى أنه عليه السلام قال لعمر بن سعد:۔

اختاروا منى:۔ اما الرجوع الى المكان الذى اتيت منه،

أو أن اضع يدى فى يد يزيد فهو ابن عمى يرى فى رأيه،

و اما أن تسيرونى الى ثغر من ثغور المسلمين فأ كون رجلا من أهله لى ما لهم و على ما عليهم۔

وأن عمر كتب الى عبيدالله بن زياد بما سأل فابى عليه و كتب بالناجزة و تمثل بالبيت المعروف:۔

الان اذ علقت مخالبنا به- یرجو النجاة ولات حین مناص-"

(علی نقی النقوی، السبطان فی موقفیهما، ص ۱۰۳-۱۰۲، مطبوعہ اظہار سنز، لاہور بحوالہ تنزیہ الأنبیاء لشریف مرتضی، ص ۱۷۹-۱۸۲، و تلخیص الشافی لأبی جعفر الطوسی (م ۴۶۰ھ) جلد ۴، ص ۱۸۲-۱۸۸ باختلاف یسیر)-

ترجمہ:- اور ابو عبد اللہ علیہ السلام کو جب قتل مسلم کا علم ہوا تو مشورہ کے مطابق انہوں نے واپسی کا ارادہ فرمایا مگر بنو عقیل اچھل کر سامنے آ گئے اور کہنے لگے:- بخدا ہم اس وقت تک واپس نہیں جائیں گے جب تک اپنا انتقام نہ لے لیں یا جو (موت کا ذائقہ) ہمارے بھائی نے چکھا ہے ہم بھی نہ چکھ لیں- اس پر آپ (حسین) علیہ السلام نے فرمایا:- ان لوگوں کے بعد زندہ رہنے کا کوئی فائدہ نہیں-

پھر حر بن یزید ان لوگوں کے ہمراہ آپ کے پیچھے پہنچ گیا جنہیں ابن زیاد نے مقرر کیا تھا اور آپ کو واپس جانے سے روک دیا- اور آپ سے ابن زیاد کے پاس جا کر اس کا فیصلہ ماننے کا مطالبہ کیا- مگر آپ نے یہ بات قبول نہ فرمائی-

پس جب آپ نے دیکھا کہ نہ تو واپسی کا کوئی راستہ ہے اور نہ کوفہ میں داخل ہونے کی کوئی سبیل، تو آپ نے یزید بن معاویہ کی جانب شام کا راستہ اختیار فرمایا کیونکہ آپ علیہ السلام کو علم تھا کہ وہ آپ کے لئے ابن زیاد اور اس کے ساتھیوں کی نسبت زیادہ رحمدل و مہربان ہو گا- مگر اس موقع پر ابن سعد ایک بڑے لشکر کے ساتھ آ پہنچا اور اس کا معاملہ وہی رہا جیسا کہ پہلے تحریر و بیان میں آ چکا ہے-

پس یہ بات کیسے کہی جا سکتی ہے کہ آپ (حسین) نے خود کو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں ڈالا جب کہ روایت کیا گیا ہے کہ آپ علیہ السلام نے عمر بن سعد سے فرمایا:

"میری کوئی ایک بات مان لو:-

یا تو جس مقام سے میں آیا ہوں وہاں واپس چلا جاؤں-

یا میں اپنا ہاتھ یزید کے ہاتھ میں دیدوں- وہ میرا چچازاد ہے میرے بارے میں جو رائے مناسب سمجھے گا اختیار کر لے گا-

یا مجھے مسلمانوں کے سرحدی علاقوں میں سے کسی سرحد کی طرف بھیج دو تاکہ میں وہاں کے لوگوں میں سے ایک بن جاؤں- جو ان کا حق ہے میرا بھی ہو اور جو ان کی

(جہاد کی) ذمہ داری ہے وہی میری بھی ہو۔

روایت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ عمر نے عبیداللہ بن زیاد کو جو کچھ آپ نے مطالبہ فرمایا تھا، تحریری طور پر بھیج دیا۔ مگر اس نے انکار کر دیا اور لڑائی کا حکم لکھ بھیجا نیز اس مشہور شعر کا حوالہ دیا:- اب جبکہ وہ ہمارے پنجوں کی گرفت میں ہے تو وہ بچ نکلنا چاہتا ہے جب کہ کوئی جائے پناہ نہیں رہی۔

اسی سلسلہ کلام میں مزید لکھتے ہیں:-

"فلما رأى اقدام القوم و أن الدين منبوذ وراء ظهورهم و علم ان دخل تحت حكم ابن زياد تعجل الذل و العار و آل الأمر بعد الى القتل التجأ الى المحاربة والمدافعة لنفسه وكان من احدى الحسنيين اما الظفر واما الشهادة والمنية الكريمة-"

(علی نقی، السبطان فی موقفیهما، ص ۱۰۵، بحواله تنزیه الأنبیاء و تلخیص الشافی)-

ترجمہ: پس جب حسین نے دیکھا کہ دین کو پس پشت ڈال دیا گیا ہے اور لشکر پیش قدمی کر رہا ہے اور یہ بھی جان لیا کہ اگر وہ ابن زیاد کی حاکمیت تلے آ گئے تو بہت جلد ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا اور پھر معاملہ قتل (حسین) تک جا پہنچے گا تو انہوں نے لڑائی اور اپنی جان کے دفاع کی راہ اختیار کی۔ جس میں دو میں سے ایک بھلائی مضمر تھی یا تو فتح و نصرت یا باعزت موت و شہادت۔

مزید برآں سیدنا ابن عباسؓ و ابن عمرؓ و ابن جعفرؓ و ابن حنفیہؒ وغیرہ کے سیدنا حسینؓ کو اہل کوفہ کی سابقہ غداریوں کے حوالہ سے کوفہ جانے سے منع کرنے اور سیدنا حسین کا خیال اس کے برعکس ہونے کے اختلاف رائے کے حوالہ سے فرماتے ہیں:-

"وأما مخالفة ظنه لظن جميع من اشار عليه من النصحاء كابن عباس وغيره فالظنون قد تغلب بحسب الا مارات، و قد تقوى عندواحد و تضعف عندآخر-

ولعل ابن عباس لم يقف على ماكوتب به عليه السلام من الكوفة و ما تردد في ذلك من المكاتبات والمراسلات والعهود والمواثيق- وهذه امور تختلف احوال الناس فيها ولا يمكن الاشارة الى جملها دون تفصيلها-" (السبطان فی موقفیهما، ص ۱۰۵ بحواله سابقه تنزیه الانبیاء و تلخیص الشافی)۔

اور جہاں تک ان (حسین) کا خیال و رائے ابن عباس و دیگر تمام ناصحین کی

زائے کے برعکس ہونے کا تعلق ہے تو آراء وظنون کا غلبہ علامات وشواہد کے مطابق ہوتا ہے۔ جو کسی کے نزدیک قوی اور کسی کے نزدیک کمزور قرار پاتے ہیں۔

اور ہو سکتا ہے ابن عباس کی نظر سے وہ تمام تحریریں نہ گزری ہوں جو کہ کوفہ سے آپ علیہ السلام کو بھیجی گئیں نیز ان تمام مکتوبات ومراسلات اور عہود ومواثیق کا انہیں (تفصیلی) علم نہ ہوا ہو جو اس سلسلہ میں وارد ہوئے۔ اور یہ وہ امور ہیں جن میں مختلف لوگوں کی صورتحال مختلف ہوتی ہے۔ جس کی طرف تفصیل میں جائے بغیر محض اجمالی ومجموعی لحاظ سے اشارہ کرنا ممکن نہیں۔

سیدنا حسنؓ کے سیدنا معاویہؓ سے صلح کر لینے اور سیدنا حسینؓ کے پہلے خروج اور آخر میں صلح کی پیشکش کی بظاہر متضاد صورتوں میں مطابقت دکھاتے ہوئے سید شریف مرتضی لکھتے ہیں:-

"وأما الجمع بين فعله و فعل أخيه الحسن فواضح لأن أخاه عليه السلام سلم كفاً للفتنه و خوفاً على نفسه وأهله و شيعته و احساساً بالغدر من أصحابه-

والحسين لما قوى فى ظنه النصرة ممن كاتبوه و وثق له فرأى من أسباب قوة نصارالحق و ضعف نصار الباطل ما وجب معه عليه الطلب و الخروج-

فلما انعكس ذلک وظهرت امارات الغدر فيه و سوء الاتفاق رام الصلح والمكافة والتسليم كما فعل إخوه عليه السلام فمنع من ذلک وحيل بينه وبينه-

فالحالان متفقان الا أن التسليم والمكافة عند ظهور اسباب الخوف لم يقبل منه عليه السلام ولم يجب الى الموادعة و طلب نفسه فمنع منها بجهد حتى مضى الى جنة الله ورضوانه-"

(راجع تنزيه الأنبياء لشريف مرتضى، ص ۱۲۹-۱۸۲، و تلخيص الشافى لأبى جعفر الطوسى، ج ۴، ص ۱۸۲-۱۸۸ باختلاف يسير، بحواله السبطان فى موقفيهما للسيد على نقى النقوى، اظهار سنز، لاہور، ص ۱۰۶-۱۰۴)-

ترجمہ:- اور جہاں تک ان (حسین) کے اور ان کے بھائی حسن کے طرز عمل کے مابین مطابقت کا تعلق ہے تو وہ واضح ہے۔ کیونکہ ان کے بھائی (حسن) علیہ السلام نے

فتنہ کی روک تھام، اپنی ذات، اہل و عیال اور اپنے شیعوں کے معاملے میں خوف (فتنہ) اور اپنے ساتھیوں کی جانب سے غداری کے احساس کی بناء پر صلح فرمائی۔

اور حسین کو جب ان لوگوں کی جانب سے جنہوں نے انہیں خط لکھے تھے اور عہد و پیمان باندھے تھے، تائید و نصرت کے گمان کو تقویت ملی تو انہیں انصار حق کی قوت اور باطل کے مددگاروں کی کمزوری کے ایسے اسباب نظر آئے جن کی بناء پر خروج وطلب خلافت لازم ٹھہرے۔

مگر جب معاملہ برعکس ہو گیا اور غداری و بدقسمتی کی علامات ظاہر ہونے لگیں تو انہوں نے صلح ومفاہمت و تسلیم کا ارادہ فرمالیا۔ مگر انہیں اس سے روک دیا گیا اور ان کے اور ان کے ارادہ کے درمیان رکاوٹ کھڑی کر دی گئی۔

پس دونوں حالتیں ایک دوسرے کے ساتھ مطابقت رکھتی ہیں مگر فرق یہ ہے کہ حسین علیہ السلام سے اسباب خوف ظاہر ہونے پر صلح و طاعت کو قبول نہیں کیا گیا اور شخصی مطالبہ و مصالحت کی پیشکش کو پورا نہیں ہونے دیا گیا بلکہ سختی سے روک دیا گیا۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کی جنت و رضوان میں جا پہنچے۔

امام سید محمد نور بخشؒ

(م ۸۶۹ھ رے ' ایران)

امام سید محمد نور بخشؒ (۷۹۵-۸۶۹ھ) شیعہ فرقہ "نور بخشیہ" کے بانی ہیں۔ شیعہ نور بخشیہ کے عقیدہ کے مطابق آپ امام صاحب الزمان اور مہدی موعود ہیں۔ آپ کا شجرہ نسب سترہ واسطوں سے امام موسیٰ کاظم بن جعفر صادقؒ تک جا پہنچتا ہے۔ آپ کا تعلق بلاد فارس اور نویں صدی ہجری سے ہے۔ شیعہ اثنا عشریہ کے بارھویں امام غائب محمد المہدی (۲۵۵ھ تا ۱۴۰۰ھ ومابعد) کے متوازی دعوی امامت اور مہدی موعود و صاحب الزمان ہونے نیز شیعی بحث امامت و خلافت منصوصہ و معصومہ اور ساتویں اثنا عشری امام موسیٰ الکاظم کی اولاد ہونے کی بناء پر آپ کی ذات بابرکات گزشتہ و آئندہ صدیوں سے مربوط و منسلک قرار پاتی ہے۔ اور کوئی بحث امامت و خلافت تشیع بھی آپ کے تذکرہ کے بغیر پایہ تکمیل کو نہیں پہنچ پاتی۔

الامام المہدی سید محمد نور بخش کے شیعی سلسلہ امامت کے حامل شیعہ نور بخشیہ بطور مجموعی لاکھوں کی تعداد میں گلگت و بلتستان ولداخ سمیت کشمیر و ایران وغیرہ میں مختلف مقامات پر موجود چلے آرہے ہیں۔ اور شیعہ اثنا عشریہ جعفریہ نیز دیگر شیعہ فرقوں سے علیحدہ ایک مستقل بالذات شیعہ فرقہ ہیں۔ بالعموم صحابہ کرامؓ کے بارے میں منفی کلمات سے اجتناب کرنے والے اور ان کی عزت و احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے نسبتاً محتاط رویہ اختیار کرنے والے دکھائی دیتے ہیں۔ ان کی رسوم عزاداری بھی شیعہ اثنا عشریہ سے علیحدہ اور انفرادیت کی حامل ہیں۔ نیز مختلف فقہی مسائل میں بھی شیعہ زیدیہ کی طرح اثنا عشریہ سے اختلاف رکھتے ہیں۔ اور ان کے برعکس ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنے کو (شیعہ زیدیہ کی طرح) درست قرار دیتے ہیں۔ بلکہ ہاتھ کھول کر نماز پڑھنے کی ترجیح کلی کے بھی قائل نہیں۔

عربی' فارسی' اردو' اور انگریزی زبانوں کے ماہر' نامور استاذ و محقق و مصنف' پروفیسر ڈاکٹر مولوی محمد شفیعؒ (سابق پرنسپل "اورینٹل کالج' لاہور) نے سن ۱۹۲۵ء وما

بعدہ میں "اورینٹل کالج میگزین" کے مختلف شماروں میں الامام المھدی سید محمد نور بخش ؒ اور فرقہ نوربخشیہ کے بارے میں کئی محققانہ مقالات تحریر فرمائے۔ ان مقالات کے علمی و تحقیقی معیار کی برتری کے پیش نظر ان سے ضروری اقتباسات قدرے تفصیلی انداز میں نقل کئے جارہے ہیں۔ تاکہ سید محمد نور بخش ؒ اور ان کے فرقہ شیعہ نور بخشیہ کا حتی الامکان مستند تعارف کرلیا جاسکے :-

سید محمد نور بخش کے حالات زندگی

جزیرہ نمائے عرب کے مشرق میں خلیج فارس کے مغربی ساحل پر الاحساء ایک علاقہ ہے اور اس کے صدر مقام کا بھی یہی نام ہے۔ سید موصوف کا خاندان یہیں کا رہنے والا تھا۔ اور ان کے دادا عبداللہ کا مولد بھی یہی مقام ہے۔ گو اُن کے والد محمد بن عبداللہ قطیف میں پیدا ہوئے۔

سید موصوف کا نسب سترہ واسطہ سے حضرت امام موسیٰ کاظم تک پہنچتا ہے۔ شوستری نے ایک نہایت قابل ذکر بات اُن کے خاندان کے متعلق یہ بتائی ہے کہ اُن کے اجداد میں سے ہمیشہ کوئی نہ کوئی شخص صاحب حال رہا ہے خواہ وہ مجذوب تھا یا سالک۔ یعنی اعصاب کے اعتبار سے یہ گھرانا نہایت ذکی الحس تھا۔ غرض اُن کے والد محمد عبداللہ نے طریق تجرد و انقطاع اختیار کیا اور امام رضاؑ کے روضہ کی زیارت کے لئے خراساں گئے۔ وہاں سے قاین میں جو صوبہ قہستان کا مشہور قصبہ ہے وارد ہو کر توطن اور تاہل اختیار کیا۔ یہاں سید محمد ۷۹۵ھ میں پیدا ہوئے۔ سات برس کی عمر میں قرآن حفظ کیا اور تھوڑے سے عرصہ میں علوم میں تبحر پیدا کیا۔ ان کے کمالات علمیہ کا ذکر تو آئے گا یہاں ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ میر موصوف نے خواجہ اسحٰق ختلانی مرید سید علی ہمدانی سے بیعت کی اور تھوڑے ہی عرصے میں اپنی قابلیت اور استعداد ذاتی کی بدولت فقر و سلوک کی منازل کامیابی کے ساتھ طے کیں۔ پیر نے اپنے ایک خواب کے موجب اُن کو نور بخش کا لقب دیا

اور سید علی ہمدانی کا آخری خرقہ خود پہنا کر مسندِ ارشاد پر بٹھایا- اور خانقاہ اور تمام سالکوں کے کاروبار اُن کے حوالے کیے- بلکہ خود اپنے مرید سے بیعت بھی کی اور اپنے مریدوں کو بھی یہی ترغیب دی- یہ وہ زمانہ ہے جبکہ شاہرخ بن تیمور اپنے باپ کی وسیع سلطنت کے ایک حصے پر کئی برس سے قابض ہو چکا ہے - بظاہر گمان ہوتا ہے کہ خواجہ اسحق نے شاہرخ کی قوت کا غلط اندازہ کر کے ختلان کے دشوار گزار کوہستانی علاقے میں اپنی حکومت جمانے کا منصوبہ گانٹھا تھا۔ اور میر موصوف کو علو نسب اور ہمت جوان کی بنا پر اس تحریک کی کامیابی کے لئے موزوں تر سمجھ کر اپنی جگہ مرکز میں بٹھا دیا تھا۔ میر موصوف معاملہ کو سمجھتے تھے۔ انہوں نے عذر کیا اور کہا کہ تیاری ابھی مکمل نہیں ہوئی۔ اور شاہرخ میرزا ایران و توران وہند اور عرب و عجم پر مسلط ہے۔ ایسے بادشاہ کے ساتھ بغیر مکمل تیاری کے مقابلہ نہیں ہو سکتا۔ یہ محقق ہے کہ ہماری حکومت مقدرات الٰہی سے ہے۔ پھر جلدی کون سی ہے ؟ جو مناسب ہے ظہور میں آکر رہیگا- مگر خواجہ صاحب کب ماننے والے تھے۔ انہوں نے جواب دیا کہ خروج کا وقت یہی ہے - اور رہا تیاری کا مسئلہ تو انبیاء نے خروج کے وقت کون سی ظاہری تیاری کی تھی۔

مختصر یہ کہ سن ۸۲۶ھ میں ان حضرات نے ختلان کے ایک قلعہ میں علم بغاوت بلند کیا اور لوگوں کو میر موصوف سے بیعت کی دعوت دی- شاہرخ کی طرف سے سلطان بایزید اس علاقہ کا حاکم تھا۔ اس کو بھی خواجہ میر کے داعیہ کی اطلاع پہنچی۔ اس نے فوراً ان دونوں کو باقی سر کردوں سمیت گرفتار کر کے روانہ ہرات کیا اور تمام واقعہ کی تفصیل سے میرزا شاہرخ کو اطلاع دی- وہاں سے حکم ہوا کہ قیدی جہاں قاصد کو ملیں وہیں قتل کر دیئے جائیں۔ کہتے ہیں کہ میرزا معاً درد شکم میں مبتلا ہوا اور مولانا حکیم الدین طبیب کی سفارش سے میر کو حکم قتل سے مستثنیٰ کر دیا گیا- اور ان کو پاجولاں ہرات میں لانے کا حکم صادر ہوا- تب کہیں میرزا کا درد شکم بند ہوا- خواجہ اور ان کے رفقاء اس وقت تک بلخ میں پہنچ چکے تھے۔ ان کو وہیں ہلاک کر دیا گیا- میر جب ہرات پہنچے تو ان کا عذر یہ تھا کہ ان کے ہاتھ سے کسی مسلمان کو گزند نہیں پہنچا۔ نہ ان کی طرف سے ایک تیر کسی کی جانب

پھینکا گیا۔ لیکن یہ عذر کون سنتا تھا۔ ان کو حصار اختیار الدین میں بھیج دیا گیا اور اٹھارہ دن تک سیاہ چاہ میں مقید رہے۔ پھر حکم ہوا کہ ان کو پا بجولاں شیراز لے جائیں۔ اور خود میرزا کے چند متعلقین کو یہ خدمت سپرد ہوئی۔

یہاں سے میر کی زندگی کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے۔ اس اسیری سے قریباً بیس پچیس برس بعد تک میر قید میں رہے یا ان کو مشروط طور پر آزادی ملی۔ اور اس سارے عرصہ میں وہ شاہرخ کے ہاتھوں گرفتار بلا رہے۔

شیراز سے میر کو بہبہان میں پہنچایا گیا۔ اور وہاں کچھ عرصہ تک قید میں رہنے کے بعد ابراہیم سلطان والی شیراز کے حکم سے ان کو رہائی ملی۔

رہائی پا کر میر شوستر اور بصرہ کی راہ سے حلہ پہنچے۔ پھر بغداد سے ہوتے ہوئے کروستان میں داخل ہوئے۔ یہاں ان کو بے حد کامیابی ہوئی۔ بختیاری اور دیگر قبائل کے ایک جم غفیر کو انہوں نے مرید کر لیا۔ بلکہ ان لوگوں نے مدت تک خطبہ اور سکہ ان کے نام پر جاری کیا۔ یہاں سے میر نے گیلان میں بھی قدم جمانے کی کوشش کی۔ شاہرخ اس وقت آذربائیجان میں تھا۔ جب اس کو میر کی کردستانی کارروائیوں کی خبر ملی تو اس نے ان کو دوبارہ گرفتار کروا کر اردوی اعظم میں منگوایا۔ اور سخت عتاب و تہدید کی۔ حتی کہ ان کے قتل پر آمادہ ہوا۔ اس پر میر جان بچا کر بھاگے اور تین شب تک برفانی پہاڑوں میں سرگرداں پھر کر خلخال میں پہنچے۔ مگر حاکم خلخال نے ان کو گرفتار کر لیا اور یہ دوبارہ میرزا کے پاس پہنچا دیئے گئے۔ غرض ان کو پھر سیاہ چاہ میں ڈال دیا گیا۔ اور اب کے ۵۳ دن تک یہ اس حال میں رہے۔ اس کے بعد پھر پابہ زنجیر ان کو روانہ ہرات کر دیا گیا۔ اور جمعہ کے دن میرزا نے ان کو مجبور کیا کہ منبر پر چڑھ کر دعوی خلافت سے تبرا کریں۔ میر بیچارے لاچار منبر پر چڑھے اور کہا:۔ "میری طرف بعض باتیں منسوب کی گئی ہیں۔ اگر میں نے کہی ہیں تو اور اگر نہیں کہی ہیں تو:۔ ربنا ظلمنا أنفسنا وإن لم تغفرلنا
وترحمنا لنكونن من الخاسرين"۔

غرض یکم جمادی الاول سن ۸۴۰ھ کو بند ان کے پاؤں سے اتار اگیا اور علوم رسمی

کے درس کی اجازت ملی- لیکن یہ بھی حکم ملا کہ سیاہ دستار نہ پہنیں اور لوگوں کا اجتماع اپنے پاس نہ ہونے دیں- تھوڑا ہی عرصہ گذرا تھا کہ میرزا شاہرخ کو پھر ان سے اندیشہ پیدا ہوا اور تیسری مرتبہ ان کو گرفتار کروا کر عین رمضان میں پاجولاں روانہ تبریز کیا- اور حکم دیا کہ والئے تبریز ان کو روم پہنچادے- جب یہ تبریز پہنچے تو ان کو پھر رہائی دی گئی- مگر بجائے روم کے یہ شیروان کو چل دیئے اور وہاں سے گیلان میں جا کر مقیم ہو گئے-

بظاہر یہیں سے وہ خط میرزا شاہرخ کو لکھا گیا جو "نسخہ جامعہ مراسلات اولوالالباب" تالیف ابوالعلی حیدر میں "یکے از سادات بمیرزا شاہرخ" کے عنوان سے درج ہے- سیاق عبارت سے ظاہر ہے کہ نویسندہ خود سید محمد نور بخش ہے- اس میں لکھتے ہیں :-

و مدت بیست سال است که آن بادشاه در ایذاء این مظهر سعی بلیغ می نماید - وسه نوبت مقید گردانیده است - و دو نوبت درچاه داشته و هزار فرسخ تقریباً باشد اقلیم باقلیم گردانیده- و الحالة هذه که آخیر عمر ویست و نوبت بادشاهی نزدیک است که منقضیٰ شود هنوز در اندیشه آنست که این مظهر را باز بدست آورده مقید گرداند- و این حال نزد مکاشفان محال است ازبهر آنکه سه قید بینایان دیده بودند و دانایان دانسته .....

یہ اندازہ میر کا صحیح نکلا- کیونکہ سن ۸۵۰ھ میں شاہرخ فوت ہوا اور میر کو ایک عرصہ دراز کے بعد پھر فارغ البالی سے زندگی بسر کرنے کا موقعہ ملا- شاہرخ کی وفات کے بعد آل تیمور سخت کشمکش میں مبتلا ہو گئی اور میر سے معترض ہونے کی فرصت کسی کو نہ رہی- وہ علاقہ رے میں آکر مقیم ہو گئے- ایک گاؤں بسایا' باغ لگایا اور بے کھٹکے اپنا سلسلہ جاری کیا- اور یہیں سن ۸۶۹ھ میں ۷۳ برس کی عمر پاکر داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور اپنے ہی باغ میں دفن ہوئے"-

(ڈاکٹر مولوی محمد شفیع' فرقہ نور بخشی' مقالہ مطبوعہ سہ ماہی "اورینٹل کالج میگزین لاہور" فروری ۱۹۲۵ء' ص ۴-۹' حالات زندگی بحوالہ "مجالس المؤمنین" تالیف

قاضی نوراللہ شوستری طبع طہران ۱۲۹۹ھ)۔

"خلفائے سید محمد نوربخش"

امین احمد رازی نے "ہفت اقلیم" میں ان کے دو بیٹوں کا ذکر کیا ہے جن میں سے سید جعفر بڑے تھے اور شاہ قاسم چھوٹے۔ سلطان حسین مرزا کے عہد میں دونوں بھائی خراسان گئے۔ اور ہر چند سید جعفر کو ہرات میں ٹھہرے رہنے کی ترغیب دی گئی وہ راضی نہ ہوئے اور عربستان میں جاکر باقی زندگی عبادت حق میں گذار دی۔ شاہ قاسم اپنے باپ کے بعد ان کے خلیفہ مقرر ہوئے۔ اور سلسلہ نوربخشیہ کے مرجع بنے۔ شوستری کے قول کے مطابق سلطان حسین نے خود ان کو بلوایا تھا اور بہت ارادت ان سے پیدا کی تھی۔ گو بظاہر علوم رسمی میں ان کو دستگاہ نہ تھی۔ بعض شہزادوں خصوصاً میرزا کیجیک نے ان سے بیعت بھی کی۔ کیجیک کے انتقال کے بعد یہ رے میں واپس آئے۔ جہاں ان کے پاس نہایت اچھی جائیداد ضیاع اور مزارع کی صورت میں موجود تھی۔ اس زمانہ کے قریب آل صفویہ کا عروج ہوا۔ کیونکہ شاہ اسمٰعیل نے سن ۹۰۷ھ میں تخت ایران سنبھالا اور شاہ قاسم الطاف شاہی کے مرجع بنے۔ بلکہ اکثر سادات سے زیادہ جاگیر ان کو عطا ہوئی۔ ۹۸۱ھ میں یعنی شاہ اسماعیل سے ۸۱ برس بعد ان کا انتقال ہوا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قیام ہرات کے زمانہ میں یہ بالکل نوعمر ہوں گے۔

شاہ قاسم کے بیٹے شاہ بہاؤالدولہ نے بھی پہلے سلطان حسین کے دربار میں عزت پائی اور پھر شاہ اسماعیل کے ہاں۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ جو عروج شاہ قاسم کے پوتے اور جانشین شاہ قوام الدین محمد نے پایا، وہ شاید سید نوربخش کی اولاد میں سے اور کسی کو نصیب نہیں ہوا۔ مرید ان کے بے شمار تھے اور صفویوں کی کامیابی کو دیکھ کر شاید ان کو بھی حکومت کی ہوس پیدا ہو گئی تھی۔ کیونکہ امین احمد کہتا ہے کہ انہوں نے ایک قلعہ بھی بنوالیا تھا۔ آخر ایک شاعر کو انہوں نے قتل کروا دیا۔ اور شاہ طہماسپ (سن ۹۳۰ھ تا سن ۹۸۴ھ) نے جو غائبانہ ان سے متوہم ہو رہا تھا، اس موقع پر ان کو گرفتار کروا کر قزوین

میں مقید کر دیا۔اور یہ اسی حال میں فوت ہوئے۔

لیکن خلفائے نور بخشیہ میں شاید سب سے شاندار شخصیت شیخ شمس الدین محمد جیلانی لاھجی المتخلص بہ اسیری شارح "گلشن راز" کی تھی۔ جن کو شوستری "افضل و اکمل خلفائے حضرت سید محمد نور بخش" کے الفاظ سے یاد کرتا ہے۔ سید مذکور نے پیر کی تلاش اور سید موصوف سے بیعت کرنے کا حال نہایت تفصیل سے نظم کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک نور بخشی مبلغ کی کوشش سے ان کو سید نور بخش کی طرف رجوع ہوا اور یکم رجب ۸۴۷ھ کو یہ اصفہان سے گیلان کو چلے جہاں ان دنوں میں سید مذکور مقیم تھے۔ راستے میں ان کو اور لوگ بھی ملے جو اسی مقصد سے گیلان کو جا رہے تھے۔ گیلان پہنچ کر یہ مریدوں میں داخل ہوئے۔ اور سولہ برس تک مختلف طریقوں سے شیخ کی خدمت میں مصروف رہے۔ اور ان کی وفات کے بعد شیراز میں آئے۔ ایک خانقاہ بنوائی جس کا نام "نوریہ" رکھا۔ اس میں خلوت خانے بنوائے اور مریدوں سمیت اربعینات اور اسی قسم کے مشاغل میں وقت بسر کرنے لگے۔ سلاطین وقت نے نفیس رقبے نوریہ پر وقف کئے۔ اور شیخ اور ان کی اولاد کو متولی قرار دیا۔ بالآخر شیخ کی قبر بھی اسی خانقاہ میں بنی۔

(ڈاکٹر مولوی محمد شفیع "فرقہ نور بخشی" مقالہ مطبوعہ "اورینٹل کالج میگزین" لاہور، فروری ۱۹۲۵ء، ص ۹-۱۱)۔

تصانیف الامام المھدی سید محمد نور بخشؒ

ڈاکٹر مولوی محمد شفیع نے الامام المھدی سید محمد نور بخشؒ سے منسوب متعدد تصانیف کا بھی ذکر فرمایا ہے۔ جن میں عربی زبان میں "کتاب الاعتقادیہ" (۹۶ صفحات پر مشتمل، طبع لاہور، سن ۱۳۴۲ھ) اور "سلسلۃ الذہب" - اخبار الاولیاء - ڈھائی سو سے زائد صفحات پر مشتمل، مطبوعہ مطبع احمدی، دہلی، ۱۲۷۰ھ) سر فہرست ہیں۔

(اورینٹل کالج میگزین، مئی ۱۹۲۵ء، مقالہ مولوی محمد شفیع بعنوان " فرقہ نور بخشی۔ نور بخشی عقائد" ص ۲۴-۲۵)۔

نیز بحوالہ حاجی خلیفہ (کشف الظنون، نسخہ قسطنطنیہ) "دیوان نور بخشی" (فارسی)

کا بھی تذکرہ فرمایا ہے۔(اورینٹل کالج میگزین، مئی ۱۹۲۵ء، ص ۶۷)۔

مگر الامام المھدی سید محمد نور بخشؒ (۷۹۵-۸۶۹ھ) کی سب سے زیادہ معروف عربی تصنیف "سراج الاسلام" (فقہ امامیہ نور بخش) بتلائی جاتی ہے۔اس کے بارے میں ڈاکٹر مولوی محمد شفیع کا بیان ملاحظہ ہو:-

"سراج الاسلام"

یہ ۱۵ ابواب کی ضخیم کتاب ۶۲۰ صفحہ پر "مطبع اعجاز حیدری" متھرا، میں سن ۱۳۳۲ھ میں بدیں عنوان چھپی ہے:-

" کتاب لا جواب فقه إماميه نور بخش معروف به سراج الاسلام "-

عربی متن مع ترجمہ فارسی بین السطور درج کر کے ساتھ ساتھ فارسی شرح دی ہے۔لہذا حال کی موجودہ روایت کے مطابق یہ کتاب وہی "فقہ احوط" ہے جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔اس کی تمہید میں "رسالہ اعتقادیہ" کی طرح مصنف نے اپنے لڑکے کو مخاطب کیا ہے۔اور یہ عبارت لکھی ہے:-

إن الله أمرنی أن أرفع الإختلاف من بين هذه الأمة أولاً فی الفروع و أبين الشريعة المحمدية كما كانت فی زمانه من غير زيادة و نقصان — و ثانياً فی الأصول من بين الأمم و كافة أهل العالم —

(اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اس امت کے درمیان سے پہلے فروع دین اختلاف کو ختم کروں اور شریعت محمدیہ کو بلا کم و بیش اسی طرح واضح کروں جس طرح وہ آپؐ کے زمانہ میں تھی۔اور ثانیاً اصول دین میں بھی تمام قوموں اور تمام اہل جہان کے مابین اختلاف کو ختم کردوں)۔

(ڈاکٹر مولوی محمد شفیع "فرقہ نور بخشی۔نور بخشی عقائد" مقالہ مطبوعہ "اورینٹل کالج میگزین، لاہور، مئی ۱۹۲۵ء، حصہ اول، ص ۶۵۔نیز عربی اقتباس کا اردو ترجمہ اصل عبارت مولوی محمد شفیع میں موجود نہیں۔اس کا آخر میں قوسین کے درمیان اضافہ

غیر عربی دان قارئین کی سہولت کے لئے کیا گیا ہے)۔

غالباً فروع دین میں اختلاف کو ختم کرنے اور شریعت محمدیہ کو اصل شکل میں واضح کرنے کے سلسلہ ہی میں دیگر اقدامات کے علاوہ نوربخشیہ کی فقہی تصنیف "کتاب فقہ امامیہ نوربخش معروف بہ سراج الاسلام" ص ۹۵ میں نماز میں ہاتھوں کی پوزیشن کے بارے میں مرقوم ہے :۔

"وأما أدب اليدين حال القيام يجوز إرسالهما ويجوز عقدهما — والأولى فى الصيف إرسالهما وفى الشتاء عقدهما"—

(فقه اماميه نوربخش "سراج الاسلام" ص ۹۵ — نیز ملاحظہ ہو مقالہ ڈاکٹر مولوی محمد شفیع ' بعنوان "فرقہ نوربخشی ۔ نوربخشی عقائد" مطبوعہ اورینٹل کالج میگزین 'مئی ۱۹۲۵' ص ۵۹ 'حاشیہ ۱)۔

ترجمہ :۔ جہاں تک قیام نماز کی حالت میں ہاتھوں کے آداب کا تعلق ہے ' تو دونوں ہاتھوں کا کھلا رکھنا بھی جائز ہے اور دونوں ہاتھ باندھ لینا بھی درست ہے ۔اور بہتر یہ ہے کہ موسم گرما میں دونوں ہاتھ کھول کر اور سردیوں میں ہاتھ باندھ کر نماز پڑھی جائے۔

ڈاکٹر مولوی محمد شفیعؒ نے الامام المھدی سید محمد نوربخش کے فارسی دیوان کے حوالہ سے جو عمدہ و مفصل ادبی و صوفیانہ کلام نقل فرمایا ہے ۔اس کے آغاز میں درج ذیل عنوان قابل توجہ ہے :۔

"غزلیات حضرت امام العالم و غوث الاعظم
امیر سید محمدؒ الملقب بہ نور بخش۔

خلد الله ظلال امامته و خلافته على كافة المسلمين أجمعين"—

(ڈاکٹر مولوی محمد شفیع 'ضمیمہ غزلیات (ص ۱۔۳۰) مطبوعہ اورینٹل کالج میگزین ' لاہور ' اگست ۱۹۲۹ء ' حصہ اول ' ص ۱)۔

" نوربخشی عقائد" کے بارے میں ڈاکٹر مولوی محمد شفیع تفصیلاً یہ بھی

تحریر فرماتے ہیں۔

"نوربخشی عقائد"

نوربخشی عقائد کے تین دور قرار دیئے جاسکتے ہیں۔ دور اول میں ان عقائد کی وہ صورت تھی جن کے لئے میرے نزدیک بانی فرقہ ذمہ دار تھا۔ دوسرے دور میں صفویہ کے عروج کی وجہ سے بظاہر ان میں بعض نمایاں تبدیلیاں ہوئیں۔ تیسرے دور میں ان عقائد نے وہ صورت اختیار کی جو کشمیر میں ان کے رواج پذیر ہونے سے پیدا ہوئی۔

جیسا کہ اشارتاً پہلے ذکر آچکا ہے سید محمد نوربخش نے دعوی کیا تھا کہ وہ "مہدی صاحب الزمان" اور "خاتم الولایہ" ہیں۔ وہ خود کو گاہے "مظہر موعود" اور اکثر "مظہر جامع" کہتے ہیں۔ ان کے خطوط اور اشعار میں ان دعاوی کا ذکر بار بار آیا ہے اور ان کے خلیفہ اسیری کے کلام سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

ان دعاوی کے متعلق انہوں نے بعض تصریحات دو خطوں میں کی ہیں۔ جو "نسخہ جامعہ مراسلات اولوا الالباب" میں محفوظ ہیں ۔

ایک میں لکھتے ہیں کہ :- اشرف فضائل و کمالات میں سے کوئی بات ایسی نہیں جو خدا نے ان کو نہ دی ہو۔ نسب میں وہ قریشی، ہاشمی، علوی، فاطمی، حسینی، کاظمی ہیں۔ علوم ادبی میں فرید فضلائے زمان، علوم شرعی میں وحید مجتہدان جہان۔ علوم ریاضی میں افلاطون موجود ہوتا تو ان سے استفادہ کرتا۔ علوم شریفہ جعفریہ (جفر وغیرہ میں) وہ علی مرتضیٰ صلوۃ اللہ علیہ کے تابع ہیں۔ سیمیا کیمیا وغیرہ میں، اگر وہ عار نہ سمجھیں تو بوعلی سینا ہیں۔ مکاشفات فلکی، مشاہدات ملکوتی، مغیبات جبروتی اور تجلیات لاہوتی میں وہ کامل ہیں۔ اطوار اذکار سبعہ لسانی اور نفسی، اور قلبی اور سری، اور روحی اور حقی، اور غیب الغیوب میں وہ واصل اور متواصل ہیں۔ معرفت حقائق اشیاء اور مشرب توحید میں آسمان کے تلے نہ ان سا ہے، نہ ہوا، نہ ہوگا۔

پھر اہل عالم کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ :- اے اہل زمانہ! امام اولیا کی ہمزمانی پر فخر کرو۔ اور اے اہل ملک! نتیجہ سلطان آل عبا کی نصرت میں دوسروں پر سبقت کرو۔

اور اے اہل علم! تیہ تقلید سے نکل کر سرچشمہ تحقیق کے پاس آؤ۔ اور اے معرفت والو! علم یقین کو ڈھونڈو۔ اور اے خواص! صدق و اخلاص میں سعی کرو۔ اور اے عوام! لباس تقوی پہنو۔ آخر میں کہتے ہیں کہ اگر بمقتضائے "من مات ولم يعرف إمام زمانه مات ميتة جاهلية" وقت مقتضی اظہار نہ ہوتا' تو وہ اپنا حال مخفی رکھتے۔ مگر اظہار واجب ہوا تاکہ اہل عالم کے خلاف حجت ہو سکے۔

دوسرے خط میں (جو بظاہر انہی کی تحریر ہے اور) جو شاہرخ کے نام لکھا گیا تھا کہتے ہیں کہ :- بموجب "قل لا اسئلكم عليه أجراً إلا المودة في القربى" محبت اولاد مصطفیٰ اہل جہاں پر واجب و لازم ہے۔ اور اس زمانے میں باجماع اہل بصیرت و بصارت خاندان نبوت و ولایت کا کوئی فرد اگر شریعت و طریقت و حقیقت حضرت رسالت پناہی پر ہے' تو وہ محمد نور بخش ہے۔ حدیث :- "اشرف امتی حملة القران" ۔ حدیث :- "العلماء ورثة الانبياء" ۔ حدیث :- "الشيخ في قومه كالنبي في أمته" ۔ ان سب کا اطلاق ان پر ہوتا ہے۔ جہان بھر میں اگر کوئی سید ہے جو فنون علم شرعی و ادبی و حکمی میں متبحر ہے اور مکاشفات و مشاہدات و معاینات و تجلیات آثاری و احکامی و صفاتی و ذاتی اور حقائق توحید و معرفت و تصوف میں منفرد ہے۔ اور پچاس مرید صاحب حال رکھتا ہے جو ریاضت اور مجاہدت' اور خدمت اور عزلت میں تربیت یافتہ اور صاحب تجلی اور محقق ہیں' تو ایسا سید' سید نور بخش ہے۔ اور مرشدان صمدانی اور علماء ربانی کے نزدیک ایسے صاحب کمال کے ساتھ محبت اور ارادت رکھنا اور اس کی ملازمت اور اطاعت کرنا' پادشاہان اسلام پر واجب ہے۔ اور اکثر علماء اسلام بلکہ خواص و عوام جانتے ہیں کہ "اس کاتب حروف" کے علاوہ اور کوئی دنیا بھر میں ان صفات کی جامعیت کے ساتھ موصوف نہیں ہے"۔

(ڈاکٹر مولوی محمد شفیع' مقالہ "فرقہ نور بخشی۔ نور بخشی عقائد" مطبوعہ اورینٹل کالج میگزین' لاہور' مئی ۱۹۲۵ء' ص ۴۹-۵۱)۔

الامام المهدی سید محمد نور بخش کے فرزند شاہ قاسم بھی صاحب علم و فضل و کمال تھے۔

"اما شاہ قاسم پسر سید محمد نور بخش است کہ در زمان شاہ مغفور میرزا شاہرخ دعوی مہدویت کردہ بود و طبقۂ نوربخشیہ باو منسوب اند۔

وایں شاہ قاسم بسیار فاضل و خوش طبع و شیریں کلمات بودہ۔ واز انواع علوم بہرہ داشتہ۔ طب و رمل نیکوی دانستہ۔ و سلاطین روزگار بصحبت او رغبت تمام داشتہ اند"۔

(ڈاکٹر مولوی محمد شفیع 'فرقہ نوربخشی کے حالات پر مزید روشنی' مقالہ مطبوعہ "اورینٹل کالج میگزین" لاہور 'حصہ اول' (اگست ۱۹۲۹ء) ص ۸ 'اقتباس از "نفائس المآثر' نسخہ پروفیسر سراج الدین آذر)۔

ترجمہ :- شاہ قاسم سید محمد نور بخش کے فرزند ہیں۔ جنہوں نے مرحوم شاہ میرزا شاہرخ کے زمانہ میں امام مہدی ہونے کا دعوی کیا تھا۔ اور فرقہ "نوربخشیہ" ان سے منسوب ہے۔

یہ شاہ قاسم بڑے فاضل 'خوش طبع اور شیریں کلام تھے۔ مختلف علوم سے واقف تھے۔ طب و رمل خوب جانتے تھے۔ اور سلاطین زمانہ ان کی صحبت میں رہنے کی شدید خواہش رکھتے تھے۔

ڈاکٹر مولوی محمد شفیع عصر جدید میں "شیعہ نوربخشیہ" کی صورتحال کے بارے میں رقمطراز ہیں :-

"ہمارے زمانہ میں اس فرقہ کی حالت"

بڈلف نے سن ۱۸۸۰ء کے قریب اس فرقے کے متعلق جو کچھ لکھا ہے (۱) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سنی اور شیعہ عقائد کی آمیزش جو نوربخشی عقائد کو لداخ میں شائع کرنے کے وقت لازم ہوئی 'اس کے اثرات ہمارے زمانے تک موجود ہیں۔ چنانچہ صاحب موصوف فرماتے ہیں :-

" موسم سرما میں نوربخشی سنیوں کی طرح ہاتھ باندھ کر نماز پڑھتے ہیں۔ مگر گرمیوں میں شیعوں کی طرح ہاتھ کھلے چھوڑتے ہیں۔ وہ سنیوں کی طرح نماز باجماعت

پڑھتے ہیں۔ اور فریضہ جمعہ ادا کرتے ہیں۔ مگر وضو کرتے وقت شیعوں کی طرح پاؤں دھونے کی بجائے مسح پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔

وہ رسول اللہ کے بعد علی کا مرتبہ سمجھتے ہیں- اور محرم میں شہدائے کربلا کے لئے عزاداری کرتے ہیں۔ لیکن رسوم محرم کی وجہ سے ہی ان میں اور شیعہ میں زیادہ تر فساد ہوتا ہے۔ کیونکہ نور بخشی کہتے کہ عزاداری مساجد میں ہونی چاہئے اور شیعہ اس کو روا نہیں رکھ سکتے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وقتاً فوقتاً ان دونوں فرقوں میں فساد ہو جاتا ہے۔ نور بخشی اذان میں "علی ولی اللہ" کہتے ہیں"۔

(ڈاکٹر مولوی محمد شفیع" فرقہ نور بخشی-نور بخشی عقائد" مقالہ مطبوعہ " اورینٹل کالج میگزین" مئی ۱۹۲۵ء ' ص ۵۸-۵۹' وحاشیہ ا' ص ۵۸' بحوالہ " اقوام ھندو کش" ص ۱۲۵)-

" رپورٹ مردم شماری (بابت ۱۹۱۱ء) میں یہ بھی لکھا ہے کہ اس فرقہ کی تعداد روز بروز کم ہو رہی ہے۔ ان میں سے بہت سے لوگوں نے مذہب تشیع اختیار کر لیا ہے۔ اور بعض اہل حدیث میں شامل ہو گئے ہیں۔ اس لئے کہ سنیوں سے یہ بہت باتوں میں ملتے ہیں۔ مثلاً یہ متعہ کو نہیں مانتے- نماز باجماعت ہاتھ باندھ کر پڑھتے ہیں۔ غسل اور وضو سنیوں کے طریق پر کرتے ہیں۔ خلفائے ثلاثہ کی خلافت کے بھی قائل ہیں۔ اور تجہیز و تکفین بھی سنیوں کی طرح کرتے ہیں۔

ان کی آبادی اب علاقہ چوربٹ 'خپلو' کرس' پرکوتہ اور چند دیہات تحصیل کرگل تک محدود رہ گئی ہے"۔

(ڈاکٹر مولوی محمد شفیع' فرقہ نور بخشی' نور بخشی عقائد' مقالہ مطبوعہ "اورینٹل کالج میگزین' حصہ اول' مئی ۱۹۲۵ء' ص ۶۰)۔

ڈاکٹر مولوی محمد شفیع' اکتوبر ۱۹۲۴ء میں خپلو سے اپنے ایک مکرم دوست کے ارسال کردہ مراسلہ بسلسلہ احوال نور بخشیہ سے اقتباس نقل کرتے ہوئے رقمطراز ہیں :-

"اعتقاد نور بخشیہ یہ ہے کہ نماز پنجگانہ اور جمعہ باجماعت پڑھتے ہیں۔ ہاتھ کھول کر یا باندھ کر پڑھنا دونوں جائز ہیں۔پاؤں اگر ناپاک ہوں تو دھونا ورنہ مسح کرنا جائز ہے۔رفع یدین کرتے ہیں-اور دعا قنوت جماعت میں بعد فاتحہ اور کسی سورہ کے ضرور پڑھا کرتے ہیں- اور وضو کرتے وقت بعض ادعیہ پڑھتے ہیں۔اور صبح کے وقت اکٹھے ہو کر اوراد التحیہ پڑھتے ہیں۔اور بعد اختتام نماز جمعہ بعض جگہوں میں تو مرثیہ پڑھتے ہیں اور کہیں کہیں ذکر کلمہ طیب کرتے ہیں"-

(ڈاکٹر مولوی محمد شفیع "فرقہ نور بخشی-نور بخشی عقائد "مطبوعہ "اورینٹل کالج میگزین" لاہور، مئی ۱۹۲۵ء، حصہ اول، ص ۶۱-۶۲-اقتباس از مراسلہ دوست مکرم از خپلو، بلتستان)۔

"چنانچہ علاوہ محرم کے ہر جمعرات کو بعد نماز عشاء مرثیہ خوانی ہوتی ہے۔بعض لوگوں کے ہاں گھروں پر، اور بعض جگہ مسجدوں میں- صحابہ کبار اور ازواج مطہرات کو یہ نہ اچھا سمجھتے ہیں اور نہ برا کہتے ہیں۔اور شیعوں کو، خواہ وہ کچھ بھی کہیں، یہ برا نہیں سمجھتے، اور منع نہیں کرتے۔اسی طرح اصل مذہب کے مطابق گو ان کو نکاح کرنا چاہیے، مگر بعض اوقات متعہ کو بھی جائز سمجھتے ہیں۔اور ہر بات میں "یا علی مدد" کہتے ہیں-اور ائمہ عظام کی بہت تعظیم کرتے ہیں اور اذان میں :-حی علی خیر العمل-اور- محمد و علی خیر البشر-کہتے ہیں"(۱)۔

(ڈاکٹر مولوی محمد شفیع'فرقہ نور بخشی-نور بخشی عقائد' مطبوعہ " اورینٹل کالج میگزین" لاہور، مئی ۱۹۲۵ء، ص ۶۲'اقتباس از مراسلہ بنام مولوی محمد شفیع'از خپلو' بلتستان'مورخہ اکتوبر ۱۹۲۴ء-وحاشیہ ۱'ص ۶۲ بحوالہ " سراج الاسلام' ص ۵۳)۔

الامام المھدی سید محمد نور بخش(۷۹۵-۸۶۹ھ' ایران) کے احوال و آثار نیز فرقہ نور بخشیہ کے معتقدات و عبادات کے بارے میں ان قدرے تفصیلی بیانات و اقتباسات سے بارہویں اثنا عشری امام غائب محمد المھدی بن حسن العسکریؒ(امامت از ۲۶۰ھ تا قیامت) کے متوازی و مدمقابل شیعی نور بخشی سلسلہ امامت و خلافت و مہدویت کا بخوبی ادراک کیا

جاسکتا ہے۔

چنانچہ جس طرح بارہویں اثنا عشری امام مہدی کے وجود و غیبت کا ان کے چچا' برادر امام حسن عسکریؒ' جناب جعفر بن علی نقیؒ نے انکار کیا' نیز کیسانیہ و زیدیہ و اسماعیلیہ وغیرہ مختلف شیعہ فرقوں نے اثنا عشری مہدی کے علاوہ دیگر کئی اثنا عشری ائمہ متاخرین کے احترام کے باوجود ان کی امامت منصوصہ و معصومہ کو تسلیم نہ کیا' اسی تسلسل میں صفوی دور حکومت (ابتداء ۹۰۷ھ ' ۱۵۰۲ء) سے پہلے نویں صدی ہجری میں الامام المہدی سید محمد نور بخش کاظمی جعفری حسینی (م ۸۶۹ھ' رے خراسان) نے غائب الوجود اثنا عشری امام مہدی کے مقابلے میں حاضر الوجود امام مہدی ہونے کا دعویٰ فرمایا۔ اور انہیں اپنے علمی و دینی و نسبی و روحانی مقام و مرتبہ کی بناء پر قبول عام حاصل ہوا۔

اور جس طرح سیدنا حسینؓ نے شیعان کوفہ کے اصرار کے بعد پیغام مسلم بن عقیلؒ ملنے پر بعد کے حالات کوفہ سے بے خبری کی حالت میں سفر کوفہ و ارادہ خروج بمقابلہ خلافت یزید فرمایا' اور پھر شیعان کوفہ کی غداری و بیعت ابن زیاد کے بعد اقدام خروج واپس لینے کی رائے رکھتے ہوئے برادران مسلم کے جوش انتقام کی بناء پر " لا خیر فی العیش بعد ھؤلاء " (ان لوگوں کے بغیر تو زندگی کا کوئی مزہ نہیں) کہتے ہوئے آگے بڑھے۔ اور جب آگے چل کر برادران مسلم کو بھی حسینؓ کی طرح' مگر قدرے تاخیر سے' انتقام مسلم کے لئے حالات کی ناسازگاری کا اندازہ ہو گیا' تو آخر وقت میں سیدنا حسینؓ نے اقدام خروج واپس لیتے ہوئے ابن سعد کو یزید سے مصالحت و مذاکرات (دست در دست یزید) سمیت سہ نقاطی حسینی پیشکش فرما دی۔ جسے ابن زیاد نے شمر بن ذی الجوشن کے مشورہ سے یزید کو اطلاع دیئے بغیر پہلے " دست در دست ابن زیاد " کی شرط سے مشروط کر دیا۔ اور سانحہ کربلا کا باعث بنا۔

اسی اسوہ حسینی کے تتبع میں الامام المہدی سید محمد نور بخش نے خروج کے لئے حالات کو مناسب نہ جانتے ہوئے بھی شیخ اسحاق ختلی کے اصرار پر میرزا شاہرخ کے خلاف خروج فرمایا۔ اور شاہی فوجوں کے ہاتھوں مغلوبیت تیز دور ابتلاء کے بعد اپنے دعویٰ امامت و خلافت و مہدویت کی حقانیت کو جانتے ہوئے بھی بتقاضائے احوال و مصالح' شاہ وقت

سے مصالحت و مفاہمت اختیار فرمائی - اور بعد ازاں آپ کے فرزند شاہ قاسم (م ۹۱۹ھ) بھی آپ کے دعوی امامت و خلافت و مہدویت پر ایمان رکھنے کے باوجود مختلف امراء و شاہان کے ہاں اپنے علم و فضل و عالی نسبی کی بناء پر مرغوب و محبوب و قابل تعظیم رہے۔

سید محمد نور بخش کا شیعی دعوی امامت و خلافت و مہدویت کے باوجود بتقاضائے احوال یہ مصالحانہ طرز عمل سیدنا عبداللہ بن جعفر طیارؓ (شوہر سیدہ زینبؓ) برادر حسنینؓ محمد ابن الحنفیہؒ اور علی بن حسینؒ (زین العابدین) کے اس طرز عمل سے بھی مطابقت رکھتا ہے جس کے مطابق واقعہ کربلا (۶۱ھ) کے بعد واقعہ حرہ (اواخر ۶۳ھ میں اہل مدینہ کے ایک طبقہ کی یزید مخالف بغاوت) کے موقع پر ابن جعفرؓ، ابن الحنفیہؒ اور علی زین العابدینؒ نے دیگر اہل بیت سمیت خروج کو مناسب نہ جانتے ہوئے بیعت یزید کو برقرار رکھا- اور باغیان مدینہ و نمائندگان ابن زبیرؓ کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔

اسی طرح احترام خلفاء ثلاثہؓ و ازواج مطہراتؓ و صحابہ کرامؓ کے سلسلہ میں بھی شیعہ نور بخشیہ کا نسبتاً مثبت و محتاط طرز فکر و عمل (ان سے منسوب بعض منفی اخبار و روایات کے باوجود) بطور مجموعی شیعہ اثنا عشریہ کے بجائے امام زید بن علی زین العابدینؒ (م ۱۲۲ھ، کوفہ) کے فرقہ زیدیہ کے بطور مجموعی مثبت طرز فکر و عمل سے کئی لحاظ سے مماثلت و مطابقت رکھتا ہے- و إن فی ذلك لآیات لأولی الالباب۔

۳- علامہ باقر مجلسی

(م ۱۱۱۱ھ' ایران)

شیعہ اثنا عشریہ کے مجتہد اعظم' کثیر التصانیف مؤلف اور "بحار الانوار" نامی ضخیم و مقبول دائرۃ المعارف کے مصنف علامہ باقر مجلسی (۱۰۳۷ھ - ۱۱۱۱ھ) دنیائے شیعیت میں کسی تعارف کے محتاج نہیں :-

"مجلسی جو ۱۰۳۷ھ میں پیدا ہوا اور ۱۱۱۱ھ میں وفات پائی' صفویوں میں سے شاہ سلیمان اور شاہ حسین کا ہمعصر تھا- اور اسے شیخ الاسلام کا مرتبہ دیا گیا- اور صفوی سلطنت کے بہترین زمانے میں حکمرانی کرنے والے بادشاہوں کے حکم سے ایران کے دینی امور اس کے سپرد کیے گئے"-

(ڈاکٹر موسیٰ موسوی' الشیعہ والتصحیح' اردو ترجمہ بعنوان" اصلاح شیعہ" از ابو مسعود آل امام' باب" غلو" ص ۱۵۶' فروری ۱۹۹۰ء)-

(ڈاکٹر موسوی' مجلسی کی "بحار الانوار" کا تعارف کرواتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"بہتر ہے کہ ہم (خاص طور پر) " بحار الانوار" نامی بڑے انسائیکلوپیڈیا کا ذکر کریں- جسے عربی میں بیس سے بھی زیادہ جلدوں میں ملا باقر مجلسی نے ترتیب دیا ہے- حقیقت یہ ہے کہ مذکورہ انسائیکلوپیڈیا فائدہ اور نقصان ہر دو اعتبار سے تمام دوائر معارف سے بڑھ کر ہے- یہ کتاب جہاں اپنے صفحات میں وہ عظیم علمی ورثہ لئے ہوئے ہے جو علماء و محققین کا مددگار ہے' تو ساتھ ہی ایسے مضر اقوال اور رکیک موضوعات ہیں کہ جنہوں نے شیعہ اور امت اسلامیہ کی وحدت کو شدید ترین و عظیم ترین نقصان پہنچایا ہے- مؤلف کو بھی اعتراف ہے کہ اس نے کتاب کا نام " بحار" (سمندر) اس لئے رکھا ہے کہ جس طرح سمندر میں موتی بھی ہوتے ہیں اور سنگریزے بھی' اسی طرح ان کی کتاب بھی سمندر کی طرح مفید و مضر مواد پر مشتمل ہے- لیکن افسوسناک حقیقت ہے کہ کتاب "البحار" میں موجود سنگریزوں نے امت اسلامیہ کی وحدت اور شیعہ کو شیعہ کی تاریخ میں لکھی گئی ہر کتاب سے

زیادہ نقصان پہنچایا ہے۔

مؤلف نے اپنے دائرۃ المعارف کا بڑا حصہ شیعہ کے اماموں کے معجزات بیان کرنے کے لئے خاص کیا ہے۔ یہ دائرۃ المعارف ائمہ شیعہ کی طرف منسوب معجزات و کرامات پر مشتمل غالیانہ افکار سے بھرا ہوا ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ یہ حکایات بچوں کو بہلانے کے کام ہی آسکتی ہیں۔

اس انسائیکلوپیڈیا کا دوسرا تباہ کن پہلو طعن و تشنیع کو خلفاء پر مرکوز کر دینا ہے۔ جو بسا اوقات تو ناقابل برداشت صورت اختیار کر لیتی ہے۔ یہی وہ بات ہے جس نے مذموم فرقہ پرستی کے تاجروں کو شیعہ اور اہل سنت کے درمیان دشمنی کو ہوا دینے کے لئے مناسب موقع بہم پہنچایا ہے۔ اور شیعہ کے خلاف لکھی جانے والی کتابیں مجلسی کی کتابوں کو براہ راست نشانہ بناتی ہیں۔

مجلسی نے فارسی زبان میں بھی کتابیں لکھی ہیں جو اپنے مضامین کے اعتبار سے اس کے عربی دائرۃ المعارف سے کم نہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مجلسی کا عہد' شیعہ مذہب اور علماء مذہب کی تائید' "بحار الانوار" انسائیکلوپیڈیا کی تالیف کے اہم ترین اسباب میں سے تھا۔ یہی وہ کتاب تھی جو ایران میں میں رہنے والے شیعہ اور ان کے پڑوس میں رہنے والی عظیم مسلم اکثریت کے درمیان ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اختلاف پیدا کرنے کی ضامن تھی۔ جس پر خلافت اسلامیہ امیر المؤمنین کے نام سے حاکم تھی"۔

(ڈاکٹر موسیٰ موسوی' الشیعه والتصحیح' اردو ترجمہ بعنوان "اصلاح شیعہ" ص ۱۵۵-۱۵۶)۔

ڈاکٹر موسیٰ موسوی مزید رقمطراز ہیں :-

"تیس سال سے زیادہ عرصہ پیشتر جب ایران میں ایک اشاعتی ادارہ نے "بحار الانوار" نامی دائرۃ المعاف کو سو جلد میں از سر نو طبع کرنا چاہا تو اس وقت کے شیعہ فرقہ کے زعیم اعلیٰ امام طباطبائی بروجردی نے حکم دیا کہ اس کتاب کی تہذیب و تنقیح کی جائے اور اسے خلفاء راشدین کی تنقیص پر مشتمل تمام قصص و روایات سے پاک کر دیا جائے۔ لیکن ناشر فرقہ پرستی کے بڑے تاجروں میں سے تھا۔ اس نے مشتبہ گروہوں کے تعاون سے

اس دائرۃ المعارف میں وارد ترتیب کو نظر انداز کرتے ہوئے وہ اجزاء طبع کرنے شروع کیے جو ان قصوں اور ضرر رساں روایات پر مشتمل نہ تھے۔ اور ضرر رساں جلدوں کی طباعت امام بروجردی کی وفات کے بعد مکمل ہوئی۔ اور انہیں اسلامی کتب خانوں میں پیش کر دیا گیا تاکہ مسلمانوں کے درمیان نفرت و عناد کی آگ کے لئے تازہ ایندھن کا کام دیں۔ مجھے بعد میں بتایا گیا کہ یہی کتاب دوبارہ لبنان میں ایسی جماعت کے تعاون سے طبع ہوئی جس کا ان استعماری اداروں سے گہرا تعلق تھا جو ہمیشہ سے "پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو" کی سیاست پر کاربند رہے ہیں"۔

(ڈاکٹر موسیٰ موسوی' الشیعہ التصحیح اردو ترجمہ "اصلاح شیعہ" ص ۱۵۶)

امام خمینی شیعان ایران کو باقر مجلسی کی کتب پڑھنے کی تلقین کرتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

"کتاب ہای فارسی را کہ مرحوم مجلسی برای مردم پارسی زبان نوشتہ' بخوانید تا خود را بتلابیک ہچو رسوائی بیخردانہ نکنید"۔

(امام خمینی' کشف اسرار' ص ۱۵۲' طبع ایران' ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۶۳ھ)

ترجمہ :۔ مرحوم مجلسی نے فارسی زبان بولنے والے لوگوں کے لئے جو فارسی کتابیں لکھی ہیں' ان کا مطالعہ کرو' تاکہ اپنے آپ کو اس قسم کی (مذہبی جہالت کی) احمقانہ رسوائی میں مبتلا کرنے سے بچ سکو۔

مولانا منظور نعمانی ملا باقر مجلسی کے تعارف میں رقمطراز ہیں :۔

"ملا باقر مجلسی جو دسویں گیارہویں صدی کے بہت بڑے شیعہ محدث' مجتہد اور مصنف ہیں اور علمائے شیعہ ان کو "خاتم المحدثین" کہتے اور لکھتے ہیں' اور ان کی تصانیف شیعوں میں (جہاں تک ہمارا اندازہ ہے) غالباً دوسرے تمام مصنفوں سے زیادہ مقبول ہیں (اور جیسا کہ پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے' جناب آیت اللہ روح اللہ خمینی نے بھی ان کی تصنیفات کی تعریف کی ہے' اور ان کے مطالعہ کا مشورہ دیا ہے)۔ اور افسوس ہے کہ ان کے تعارف میں یہ بھی ذکر کرنا ضروری ہے کہ یہ ملا صاحب شیعوں کے بڑے مجتہد اور بڑے محدث ہونے کے باوجود انتہائی درجہ کے بدزبان ہیں۔ اپنی کتابوں میں جب حضرت عمر

رضی اللہ عنہ کا ذکر کرتے ہیں تو لکھتے ہیں کہ :-

عمر بن الخطاب علیه اللعنة والعذاب –(معاذ الله)–

(مولانا محمد منظور نعمانی، ایرانی انقلاب، امام خمینی اور شیعیت، ص ۱۹۷، مطبوعہ لاہور)

باقر مجلسی نے اپنی تمام تر انتہا پسندی اور منفی روایات نقل کرنے کے باوجود نہ صرف شیعان کوفہ کی مذمت میں سیدہ ام کلثوم و زینب و فاطمہ بنت حسین و علی زین العابدین رضی اللہ عنہم کے خطبات اپنی مختلف تصانیف میں نقل کئے ہیں۔ (جیسا کہ باب اول میں ذکر کیا جا چکا ہے۔ حوالہ "حیات القلوب" وغیرہ) بلکہ شیعان کوفہ کی غداری و بیعت یزید و ابن زیاد کے بعد سیدنا حسینؓ کی "دست در دست یزید" کی پیشکش سمیت سہ نقاطی شرائط کا بھی اپنے مخصوص انداز میں ذکر فرمایا ہے۔ (بحار الانوار، ج ۱۰، ص ۴۴۶، مطبوعہ ایران، ۱۳۵۵ھ) جسے ابن زیاد نے شمر بن ذی الجوشن کے مشورہ کے مطابق "دست در دست ابن زیاد" کی شرط سے مشروط کر کے سیدنا حسینؓ و عمر بن سعد بن ابی وقاصؓ کی مساعی مصالحت و مفاہمت کو ناکام بنا دیا۔

قافلہ پس ماندگان حسینی کے دمشق میں دربار یزید میں پہنچنے پر یزید کے قتل حسینؓ و واقعہ کربلا پر اظہار افسوس اور ابن زیاد پر لعنت بھیجنے کی روایات کے ساتھ ساتھ مختلف منفی روایات نقل کرتے ہوئے مجلسی یہ بھی بیان فرماتے ہیں کہ یزید نے انہیں باعزت و احترام و تلافی اموال مغصوبہ، حفاظت دمشق سے مدینہ واپس بھجوا دیا۔ اور اس سے پہلے انہیں شام ہی میں عزت و احترام کے ساتھ مقیم رہنے کی پیشکش کی۔ مگر انہوں نے مدینہ واپسی پر اصرار کیا۔ چنانچہ صحابی رسول نعمان بن بشیرؓ کی نگرانی میں انہیں محافظین کے ہمراہ مدینہ پہنچا دیا گیا۔ (راجع: روایت مجلسی در منتہی الآمال، عباس قمی، ج ۱، ص ۴۴۲ وغیرہ، مطبوعہ سازمان انتشارات جاویدان، ایران، ۱۳۸۸ھ)۔

ملا باقر مجلسی کی بارھویں اثنا عشری امام محمد المھدی (غیبت ۳۲۹ھ) کے حوالہ سے بعض روایات کا مختصر تذکرہ اس حوالہ سے ناگزیر ہے کہ اہل عدل و انصاف غور کر سکیں کہ شیعی اثنا عشری روایات میں مسئلہ صرف مذمت یزید کا نہیں۔ نیز یزید کا شیعان کوفہ کو مغلوب رکھنا، جبکہ مکہ میں سیدنا حسینؓ سے چار ماہ تک تعرض نہ کرنا،

اس بات کی دلیل ہے کہ یزید کو سیدنا حسینؓ کے بجائے شیعان کوفہ سے دینی و سیاسی لحاظ سے خطرہ تھا- جو منفی روایات بحوالہ اثنا عشری امام مہدی کے بھی براہ راست وبالواسطہ راویان ہیں- اور اگر یہ شیعہ روافض عصر یزیدی میں غالب آجاتے تو اسی وقت سیدنا ابو بکر و عمر و عائشہ رضی اللہ عنہم سمیت جملہ زندہ و فوت شدہ ازواجؓ و اصحابؓ رسولؐ کی توہین و تذلیل نیز وابستگان سنت رسولؐ و جماعت صحابہؓ کو صفحہ ہستی سے مٹانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھتے :-

۱- باقر مجلسی نے اپنی کتاب "حق الیقین" میں امام باقر سے منسوب کر کے روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے فرمایا :-

"چوں قائم آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیرون آید' خدا او را یاری کند بملائکہ' واول کسی کہ با او بیعت کند محمد باشد و بعد از اں علیؓ "- (باقر مجلسی' حق الیقین' ص ۱۳۹)-

ترجمہ :- جب قائم آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (یعنی اثنا عشری مہدی) ظاہر ہوں گے تو خدا فرشتوں کے ذریعے ان کی مدد کرے گا- اور سب سے پہلے ان سے بیعت کرنے والے محمدؐ ہوں گے- اور آپ کے بعد علی ان سے بیعت کریں گے-

۲- اسی "حق الیقین" میں باقر مجلسی نے ابن بابویہ کی "علل الشرائع" کے حوالہ سے امام باقر سے منسوب یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ :-

"چوں قائم ما ظاہر شود' عائشہ را زندہ کند تا بر او حد بزند وانتقام فاطمہ را از و بکشد"- (باقر مجلسی' حق الیقین' ص ۱۳۹)-

ترجمہ :- جب ہمارے قائم (مہدی) ظاہر ہوں گے تو عائشہ کو زندہ کر کے ان پر حد جاری کریں گے اور ہماری فاطمہ کا انتقام ان سے لیں گے-

۳- اسی "حق الیقین" میں باقر مجلسی کی ایک اور روایت یوں درج ہے :-

"وقتیکہ قائم علیہ السلام ظاہر شود' پیش از کفار ابتدا بہ سنیان خواہد کرد' با علماء ایشاں' و ایشاں را خواہد کشت"-

(باقر مجلسی، حق الیقین، وایرانی انقلاب، ص ۱۸۰)

ترجمہ:- جس وقت قائم (مہدی) علیہ السلام ظاہر ہوں گے تو وہ کفار سے پہلے اہل سنت سے ابتدا کریں گے اور ان کے علماء کو تیز انہیں بھی قتل کر دیں گے۔

عقیدہ رجعت (دنیا ہی میں ائمہ شیعہ و دشمنان ائمہ کا دوبارہ زندہ کیا جانا) کے حوالہ سے اثنا عشری امام مہدی کے بارے میں باقر مجلسی کی ایک طویل روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ امام مہدی ظاہر ہو کر مکہ سے مدینہ جائیں گے۔ ابوبکر و عمر کی لاشیں قبروں سے نکال کر انہیں زندہ کریں گے اور علی کو خلافت سے محروم کرنے نیز سیدہ فاطمہ وغیرہ سے بد سلوکی پر انہیں عذاب دیں گے۔ انہیں جلا کر راکھ کر دیں گے اور ہواؤں کو حکم دیں گے کہ ان کی راکھ دریاؤں پر بکھیر دے۔ (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ)۔

راوی مفضل امام جعفر صادق سے عرض کرتا ہے کہ کیا یہ ان کا آخری عذاب ہوگا؟ تو آپ نے فرمایا:- اے مفضل ہرگز نہیں:-

"واللہ سید اکبر محمد رسول اللہ و صدیق اکبر امیر المؤمنین و فاطمہ زہرا و حسن مجتبی و حسین شہید کربلا و جمیع ائمہ ہدی ہمگی زندہ خواہند شد۔ وہر کہ ایمان محض خالص داشتہ وہر کہ کافر محض بودہ، ہمگی زندہ خواہند شد۔ واز برائے جمیع ائمہ و مومنان، ایشاں را عذاب خواہند کرد۔ حتی کہ آنکہ در شبانہ روزے ہزار مرتبہ ایشاں را بکشند وزندہ کنند۔ پس خدا ہر جا کہ خواہد، ایشاں را ببرد و معذب گرداند"۔

(باقر مجلسی، حق الیقین، ص ۱۴۵، دربیان رجعت)

ترجمہ:- خدا کی قسم سید اکبر محمد رسول اللہ اور صدیق اکبر امیر المؤمنین (علی) و فاطمہ زہرا اور حسن مجتبی و حسین شہید کربلا سمیت تمام ائمہ ہدایت زندہ ہوں گے۔ اور جو خالص مومن اور خالص کافر ہوں گے، سب زندہ کئے جائیں گے۔ اور تمام ائمہ نیز ان کے مومنین کے حساب میں ان دونوں (ابوبکر و عمر) کو عذاب دیا جائے گا۔ یہاں تک کہ دن رات میں ان کو ہزار مرتبہ مار ڈالا جائے گا اور زندہ کیا جائیگا۔ اس کے بعد خدا جہاں چاہے گا ان کو لے جائے گا اور عذاب دیتا رہے گا۔

معلومات کے لئے یہ بھی واضح رہے کہ امام باقرؒ و جعفر صادقؒ جن کی طرف راویان شیعہ نے مذکورہ و دیگر منفی روایات منسوب کی ہیں ان میں سے امام باقر کی زوجہ فاطمہ (ام فروہ) قاسم بن محمد بن ابی بکرؓ اور اسماء بنت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کی بیٹی ہیں۔ اور سیدہ عائشہؓ ام المومنین ان (ام فروہ) کے والد اور والدہ دونوں کی پھوپھی ہیں۔ جبکہ جعفر الصادق انہی ام فروہ کے فرزند ہیں۔ اور عمر فاروقؓ شیعی روایات کے مطابق بھی ام کلثوم بنت علیؓ کے شوہر تھے۔

بہر حال ابوبکر و عمر وعائشہ رضی اللہ عنہم سے علیؓ و حسینؓ و باقرؒ و جعفر صادقؒ تک ان قرابتوں کے تناظر میں مجلسی وغیرہ کی بیان کردہ منفی روایات عداوت شدیدہ فیما بینھم نیز اثنا عشری عقیدہ رجعت کی حقیقت و نوعیت اور یزید و کربلا کے حقائق و داستان طرازیوں کو علیحدہ کرنے میں بڑی مدد لی جاسکتی ہے۔ واللہ الموفق۔

۴- میرزا محمد تقی سپہر کاشانی

(م ۱۲۹۷ھ/ ۱۸۷۹ء)

یزید مخالف پروپیگنڈہ میں لشکر ابن زیاد کی جانب سے کربلا میں لشکر حسینی پر بندش آب کی روایات کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ ان روایات کی صحت و عدم صحت سے قطع نظر عالمی شہرت یافتہ اثنا عشری شیعہ مورخ مؤلف "ناسخ التواریخ" کا درج ذیل بیان قابل توجہ ہے، جس کے مطابق سیدنا حسینؓ نے لشکر حسینی پر فرات کا پانی بند کئے جانے کے بعد فراہمی آب کے لئے درج ذیل اقدام و تدبیر فرمائی:-

"آنحضرت تبرے بر گرفت و از بیرون خیمه زنان نوزده گام بجانب قبله برفت- آنگاه زمین را با تیر لختے حفر کرد. ناگاه آبے زلال و گوارا بجوشیده- اصحاب آنحضرت بنوشیدند و مشکها پر آب کردند-" (سپہر کاشانی، ناسخ التواریخ، طبع ایران، ۱۳۰۹ھ، جلد ٦، از کتاب دوئم، ص ۲۳۵)

ترجمہ:- آنحضرت (حسینؓ) نے ایک کدال اٹھائی اور عورتوں کے خیمے سے باہر کی طرف انیس قدم قبلہ کی جانب چلے اور زمین کو تھوڑا سا کھودا تو اچانک آب شفاف و گوارا زور سے نکل پڑا۔ آپ کے ساتھیوں نے نوش فرمایا اور مشکیں بھی بھر لیں۔

اول داماد رسول سیدنا ابو العاصؓ بن ربیع الاموی القرشی جو سیدہ زینبؓ بنت رسول ﷺ کے شوہر اور سیدہ خدیجۃ الکبری کے بھانجے تھے، شعب ابی طالب میں محصور بنی ہاشم کے لئے اپنے گندم اور کھجور سے لدے اونٹ باہر سے ہنکا کر پابندیوں کے باجود ان کے خوردو نوش کا سامان فراہم کرتے رہے تھے۔ جس پر خوش ہو کر سپہر کاشانی کی نقل کردہ روایت کے مطابق بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

"ابو العاص نے ہماری دامادی کا حق ادا کر دیا۔"

(سپہر کاشانی، ناسخ التواریخ، ج ۲، ص ۵۱۸)

۲- محاصرہ قسطنطنیہ کے دوران میں سیدنا ابو ایوب انصاری کا انتقال ہوا اور یزید نے وصیت کے مطابق نماز جنازہ کے بعد قسطنطنیہ کی فصیل کے قریب تدفین شروع کی تو قیصر روم نے قلعہ کے اندر سے سوال کیا کہ یہ کیا کر رہے ہو۔ یزید نے جواب دیا۔

"صاحب نبينا وقد سئالنا ان نقدمه فى بلادك و نحن منفذون وصيته او تلحق ارواحنا بالله." (ابن عبدربه، العقدالفريد، ج۲، ص ۱۲۳)۔

ترجمہ: یہ ہمارے نبی ؐ کے صحابی ہیں اور انہوں نے ہمیں وصیت فرمائی ہے کہ ہم انہیں تمہارے ملک میں آگے تک لے جا کر دفن کریں۔ ہم ان کی وصیت نافذ کر کے رہیں گے چاہے اس کام میں ہماری ارواح پرواز کر کے خدا سے جا ملیں۔

اس پر قیصر روم نے مسلمانوں کا محاصرہ ختم ہو جانے کے بعد سیدنا ابو ایوبؓ کا جسد مبارک قبر سے باہر نکال پھینکنے کی دھمکی دی جس کے جواب میں امیر لشکر یزید نے "ناسخ التواریخ" کے شیعہ مؤلف کے مطابق قیصر کو مخاطب کر کے کہا:۔

"يا اهل قسطنطينية! هذا رجل من اكابر اصحاب محمد نبينا، وقد دفناه حيث ترون والله لئن تعرضم له لأهدمن كل كنسية فى ارض الاسلام ولا يضرب ناقوس بارض العرب ابداً "۔

(محمد تقی سپهر کاشانی، ناسخ التواریخ، جلد دوم، کتاب دوم، ص ٦٦)۔

ترجمہ:- اے اہل قسطنطنیہ یہ ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اکابر صحابہ میں سے ایک ہستی ہیں۔ ہم نے انہیں اس جگہ دفن کیا ہے جو تمہیں نظر آ رہی ہے۔ خدا کی قسم اگر تم نے ان کی قبر کی بے حرمتی کی تو میں عالم اسلام کے تمام گرجے منہدم کروا دوں گا اور سرزمین عرب میں تاقیامت گرجوں کی گھنٹیاں نہ بج پائیں گی"۔

اس پر قیصر نے معذرت کی اور قبر کی حفاظت کا وعدہ کیا۔

۵- نواب محسن الملکؒ

(م ۱۹۰۷ء ' علیگڑھ)

نواب محسن الملک سید مہدی علی (۱۸۳۷-۱۹۰۷ء ' سر سید احمد خان (۱۸۱۷-۱۸۹۸ء) کے ہمعصر اور ایک اعلی و معزز خانوادہ شیعہ اثنا عشریہ کے چشم و چراغ تھے- آپ کی قومی و دینی خدمات کا دائرہ بڑا وسیع ہے- بر صغیر کے مسلمانوں کے لئے جداگانہ انتخاب کا مطالبہ منوانے میں پیش پیش مسلم رہنماؤں میں آپ کا نام بھی شامل بلکہ سر فہرست ہے- تحریک پاکستان کے ممتاز رہنما راجہ غضنفر علی کی یادداشت و معلومات نیز دیگر مستند تاریخی مواد پر مبنی اپنی وقیع و ضخیم تصنیف میں سید نور احمد لکھتے ہیں :- "سر سید احمد سن ۱۸۹۸ء میں وفات پا گئے- لیکن ان کے قائم کردہ ادارے "علی گڑھ کالج" اور "محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس" زندہ رہے- اور مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کی تحریک کی قیادت کرتے رہے- سید امیر علی سن ۱۹۰۴ء میں ججی کے عہدے سے ریٹائر ہو کر پھر مسلمانوں کی سیاست میں حصہ لینے لگے- اور اس تاریخی وفد میں بھی شریک تھے جس نے یکم اکتوبر ۱۹۰۶ء کو شملہ میں وائسرائے لارڈ منٹو کے سامنے پیش ہو کر پہلی مرتبہ لیجسلیٹو کونسلوں میں مسلمانوں کے لئے جداگانہ انتخاب کا مطالبہ کیا تھا- یہ مطالبہ بین طور پر "دو قوموں" کی حقیقت کے احساس پر مبنی تھا-

اس وفد کے متعلق ایک روایت یہ مشہور ہوئی کہ جداگانہ انتخاب کے مطالبے کا خیال خود لارڈ منٹو نے اپنے پرائیویٹ سیکرٹری کی معرفت جو علی گڑھ کالج کے پرنسپل آرچ بولڈ کا ذاتی دوست تھا' نواب محسن الملک کے ذہن میں ڈالا تھا- اصل واقعہ غالباً یہ تھا کہ نواب محسن الملک نے آرچ بولڈ کی معرفت ان آئینی اصلاحات کے بارے میں سرکاری حلقوں سے صحیح معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی تھی جن کی آمد آمد کی خبریں اس زمانے

میں مشہور ہورہی تھیں۔ آرچ بیولڈ اور وائسرائے کے پرائیویٹ سیکرٹری کی ذاتی ملاقات کی بناپر بعض لوگوں نے ایک افسانہ گھڑ لیا۔ بہر حال اہم نکتہ یہ نہیں کہ ان دو انگریزوں کے درمیان کیا بات چیت ہوئی۔ اہم نکتہ یہ ہے کہ جو اصلاحات آنے والی تھیں' ان کے پیش نظر ستر (۷۰) سرکردہ مسلمانوں کا اجتماع' جس میں اس زمانے کے بہترین دماغ شامل تھے' اس نکتے پر متفق تھا کہ لیجسلیٹو کونسلوں کی مجوزہ ساخت میں اگر مسلمانوں کے علیحدہ ووٹ سے منتخب ہونے والے نمائندوں کے لیے نشستیں مخصوص نہ کی گئیں تو ان کی صحیح نمائندگی کا انتظام نہ ہو سکے گا۔ پھر جداگانہ نیابت کا مطالبہ باآسانی منظور بھی نہ ہوا۔ وائسرائے کی سفارش اس کے حق میں تھی۔ لیکن وزیر ہند لارڈ مارلے بہت دیر تک اس بات پر ضد کرتے رہے کہ مسلمانوں کے لئے چند نشستیں (مخلوط نشستوں کے علاوہ) بے شک مخصوص کر دی جائیں لیکن ان نشستوں کو بھی غیر مخصوص نشستوں کی طرح مخلوط حلقہ ہائے انتخاب کے ووٹ سے پر کیا جائے"۔

(سید نور احمد' مارشل لاء' سے مارشل لا تک' پس منظر' ص ۴-۵' دین محمدی پریس' لاہور طبع دوم' فروری ۱۹۶۶ء)۔

نواب محسن الملک برصغیر کے عظیم المرتبت مسلم رہنماؤں میں اس لحاظ سے منفرد و ممتاز مقام کے حامل ہیں کہ انہوں نے عقیدہ شیعہ اثنا عشریہ سے اپنی ذاتی و خاندانی وابستگی کے بعد نوے فیصد سے زائد مسلم اکثریت کے متفقہ و مشترکہ عقیدہ اہل سنت والجماعت کو برحق محسوس کیا تو بلا خوف لومتہ لائم علی الاعلان اسے اختیار کر لیا۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ اثنا عشری اعتراضات بسلسلہ قصہ فدک نیز دیگر فقہی و اعتقادی مسائل میں مسلک شیعہ کی کمزوری و بے اعتدالی ثابت کرنے کے لئے دیگر گوناگوں مصروفیات کے ہمراہ تصنیف و تالیف کا علمی و دینی فریضہ بھی انجام دیا۔ اس سلسلہ میں آپ کی تصنیف "آیات بینات" لاجواب و نادر المثال ہے۔ مولانا منظور نعمانی مسئلہ فدک کے سلسلہ میں موقف اہل تشیع کی تغلیط کرتے ہوئے "آیات بینات" پڑھنے کی تلقین فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں:۔

"اس مسئلہ کی پوری بحث نواب محسن الملک مرحوم کی "آیات بینات" میں دیکھی

جاسکتی ہے"۔

(منظور نعمانی' ایرانی انقلاب' امام خمینی اور شیعیت' مکتبہ مدنیہ' لاہور ص ٦٢)۔

نواب محسن الملک کا موضوع زیر بحث "فکر شیعی میں یزید" کے زیر عنوان تذکرہ اس لحاظ سے مناسبت رکھتا ہے کہ برصغیر کی اس مشہور و معروف علمی و دینی نیز قومی و سیاسی شخصیت کا ذاتی و خاندانی تعلق ایک اعلیٰ و معزز شیعی اثنا عشری خانوادہ سے تھا۔ مگر انہوں نے تمام دنیاوی مصالح و مفادات کو نظر انداز کرتے ہوئے :۔"الحكمة ضالة المؤمن أنى وجدها إلتقطها" (حکمت مومن کی گمشدہ میراث ہے جہاں پائے اٹھا لیتا ہے) کے مطابق تحول فکری و اعتقادی کا اعلان فرمادیا۔ اور جب شیعی اثنا عشری عقیدہ کے بجائے چودہ سو سال سے امت کی نوے فیصد سے زائد اکثریت کے متفقہ و مشترکہ عقیدہ "اہل سنت والجماعت" کو علی وجہ البصیرۃ برحق جان لیا تو ترک و تردید تشیع میں اسی جرأت حسنی و حسینی کا تتبع فرمایا جس کے مطابق سیدنا حسنؓ نے اپنے شیعان و لشکریان کی کثیر تعداد کی مخالفت مول لیتے ہوئے ان کے ہاتھوں شدید زخمی ہونے کے باوجود امت کے وسیع تر مفاد میں سیدنا معاویہؓ سے صلح و بیعت خلافت فرمائی۔ نیز جس کے مطابق سیدنا حسینؓ نے شیعان کوفہ کے اصرار پر اقدام خروج کے بعد شیعان کوفہ کی غداری و بیعت یزید و ابن زیاد کے بعد "دست در دست یزید" کی پیشکش اسی جرأت حسینی کے ساتھ فرمائی جس جرأت کے ساتھ آپ نے اقدام خروج فرمایا تھا۔ اور خروج و پیشکش صلح ہر دو اقدامات کے وقت صرف حق ہی کو پیش نظر رکھا اور قبول فرمایا۔ والحق أحق أن يتبع –چنانچہ نواب محسن الملک جیسے حق پرستوں کا طرز فکر و عمل اسوہ حسنی و حسینی کے عین مطابق قرار پاتا ہے۔

وذلك فضل الله يؤتيه من يشاء والله ذو الفضل العظيم–

۶۔ جسٹس سید امیر علی (م ۱۹۱۹ء، لندن)

عالمی شہرت یافتہ اثنا عشری شیعہ مورخ اسلام (مولف سپرٹ آف اسلام و ہسٹری آف سارا سانز۔ وغیرہ) جسٹس سید امیر علی (۱۸۴۹-۱۹۱۹ء) سیدنا حسین کی مشہور و معروف تین شرطوں کے حوالہ سے لکھتے ہیں:-

"حضرت حسین نے فوج یزیدی کے سردار کے سامنے تین باعزت شرائط پیش کیں:- پہلی یہ کہ انہیں مدینے واپس جانے دیا جائے۔

دوسری یہ کہ ترکوں کے خلاف لڑنے کے لئے سرحد کی کسی چوکی پر بھیج دیا جائے۔

تیسری یہ کہ انہیں صحیح سالم یزید کے سامنے پیش کیا جائے۔"

(امیر علی، سپرٹ آف اسلام اردو ترجمہ "روح اسلام" از محمد حادی حسین، ص ۴۵۸، اسلاک بک سنٹر، دھلی)

مذکورہ شرائط کے مطابق یزید سے مصالحت کی تجویز کو سیدنا حسینؓ کے شایان شان قرار دیتے ہوئے جسٹس امیر علی فرماتے ہیں:-

"صاحب روضۃ الصفا یہ شرائط بیان کرنے کے بعد لکھتا ہے کہ خدام حسین میں سے ایک شخص نے جو مقتل کربلا سے اتفاقاً بچ نکلا اس دعوے کو غلط بتایا کہ امام حسینؓ نے اموی سردار کے سامنے کسی قسم کی شرائط صلح پیش کر کے اپنے آپ کو دشمن کے سامنے ذلیل نہیں کیا۔ لیکن میرے نزدیک صلح کی تجویز سے حضرت حسینؓ کی سیرت عالیہ کی کسی طرح کسر شان نہیں ہوتی۔"

(سید امیر علی، روح اسلام اردو ترجمہ سپرٹ آف اسلام، اسلاک بک سنٹر دھلی، ص ۴۵۸، حاشیہ ۱)

شیعان کوفہ کی من حیثیت الجماعت بیعت یزید کے بعد یزید سے مصالحت کی حسینی پیشکش کے تناظر میں یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ اہل تشیع کے مختلف فرقے اور اکابر، امامت و خلافت سیدنا ابوبکر و عمر و عثمان و معاویہ رضی اللہ عنہم نیز امامت و خلافت یزید کے سلسلہ میں ابتداء ہی سے متفرق و متضاد مواقف کے حامل رہے ہیں اور باہم برسرپیکار بھی چلے آتے ہیں۔ اس افسوسناک صورتحال کی تفصیل بیان کرتے ہوئے سید امیر علی شیعہ فرقوں کے بارے میں لکھتے ہیں:-

"توقع کی جاسکتی تھی کہ شیعوں پر جو مشکلیں پڑیں وہ انہیں متحد رکھیں گی لیکن اگرچہ سب شیعوں کا اس پر اتفاق تھا کہ منصب خلافت سلسلہ نبوی تک محدود ہے، ان میں سے بعض خاندان نبوی کے مسلم بزرگوں سے رو گرداں ہو کر عمداً یا میلاناً اس خاندان کے دوسرے افراد سے وابستہ ہو گئے۔ مسلم امام اور ان کے متبعین تو گوشہ اعتکاف میں جاگزیں رہے اور اہل بیت ایک طرف تو دشمنوں سے برسرپیکار رہے اور دوسری طرف خانہ جنگیوں میں مشغول رہے۔ وہ وعظ بھی دیتے رہے، مباحثے اور مناظرے بھی کرتے رہے اور تکلیفیں بھی سہتے رہے۔

شہرستانی نے شیعوں کو پانچ فرقوں میں تقسیم کیا ہے، یعنی زیدیہ، اسماعیلیہ، اثنا عشریہ یا امامیہ، کیسانیہ اور غالیہ یا غلاۃ۔ لیکن فی الواقعہ، جیسا کہ ہم بعد میں واضح کریں گے، ان فرقوں میں اور بالخصوص ان شاخوں میں جن میں وہ منقسم ہو گئے، حضرت علیؓ سے ایک مبالغہ آمیز محبت کے سوا خالص تشیع کی کوئی بات نہیں پائی جاتی۔ اس کے برعکس وہ فی الاصل غیر اسلامی ہیں۔" (امیر علی، روح اسلام اردو، اسلامک بک سنٹر، دہلی، ص ۳۸۲)

شیعہ فرقہ زیدیہ کے بارے میں سید امیر علی رقمطراز ہیں:-

"زیدیوں کی بابت شہرستانی کہتا ہے کہ وہ زید بن علی زین العابدین ابن حسینؓ

کے پیرو ہیں۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ امامت حضرت علیؓ سے شروع ہو کر پہلے امام حسنؓ کو پھر امام حسینؓ کو، پھر علی ثانی امام زین العابدین کو ملی۔ زین العابدین کے بعد وہ محمد الباقر کو نہیں ملی جیسا کہ اثنا عشریہ بلکہ مسلمانوں کی اکثریت (؟) کا عقیدہ ہے، بلکہ زید کو۔ خلافت کے بارے میں زیدی بڑی حد تک اہل سنت سے مشابہ ہیں۔ ان کے خیال میں عوام کو یہ حق ہے کہ وہ خانوادہ نبوی میں سے کسی کو اپنا روحانی پیشوا انتخاب کریں۔ چنانچہ انہوں نے انتخاب کے اصول کو اور اس اصول امامت کو کہ امامت اہل بیت نبوی تک محدود ہے جمع کر دیا ہے۔

ان کا یہ بھی خیال ہے کہ افضل کی موجودگی میں مفضول کا انتخاب جائز ہے۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ اگرچہ حضرت علیؓ صحابہ رسول میں سے برگزیدہ تھے اور حق وراثت کی بناء پر بھی امامت کے مستحق تھے، لیکن ملکی مصلحتوں کے پیش نظر اور ان شورشوں کو فرو کرنے کی خاطر جو آنحضرت کے وصال پر برپا ہوئیں۔ ایک زیادہ پختہ عمر کے آدمی کا منصب خلافت پر مامور ہونا ضروری تھا تاکہ وہ لوگوں کو اطمینان دلا سکے اور ان کے اختلافات کو رفع کر سکے۔

علاوہ بریں حضرت علیؓ حفاظت دین کی خاطر جس جہاد میں مشغول رہے تھے اس کی وجہ سے ان لوگوں کے سینوں میں جنہوں نے مسلمانوں سے لڑائیاں لڑی تھیں اور جنہیں مسخر ہوئے زیادہ مدت نہ گزری تھی، حضرت علی کے خلاف شدید جذبہ انتقام تھا۔ اس امر کا احتمال تھا کہ یہ لوگ حضرت علی کی صولت کے آگے بھی آسانی سے نہ جھکتے۔ یہی دلیل وہ حضرت عمرؓ کے انتخاب کے جواز میں پیش کرتے ہیں۔"

(سید امیر علی، روح اسلام، ص ۳۸۲-۳۸۳ بحوالہ شہرستانی، الملل والنحل، حصہ اول، ص ۱۱۵)۔

سیدنا ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ نیز سیدنا معاویہؓ و یزید کی امامت و خلافت کے سلسلہ میں مختلف شیعہ فرقوں اور اکابر اہل تشیع کا موقف مختلف و متضاد ہے۔ جس کی تفصیل کا مطالعہ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ شیعہ عقیدہ امامت نہ تو نص الہی پر مبنی ہے نہ نص نبوی پر۔ بلکہ احوال و ظروف کے حوالہ سے مختلف و متفرق و باہم متصادم آراء و اقدامات پر مبنی ہے۔ چنانچہ اس حوالہ سے زیدیہ و اسماعیلیہ و دیگر شیعہ فرقوں کے بارے میں "روح اسلام" کے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:-

"زیدیوں کا ایک اور عقیدہ اتنا اہم ہے کہ اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ وہ اس کے قائل ہیں کہ پرہیزگاری، صداقت، علمی فضیلت اور معصومیت کے جن اوصاف کا خالص شیعوں کے نزدیک امام میں موجود ہونا ضروری ہے ان کے علاوہ اس میں شجاعت اور اپنا حق بزور شمشیر منوانے کی صلاحیت کا ہونا بھی ضروری ہے۔

امام محمد الباقرؑ نے جو اپنے باپ حضرت علی ثانی کے جانشین بنے، قوت کے استعمال کو مذموم قرار دیا۔ امام زید اس معاملے میں ان سے مختلف الرائے تھے۔ چنانچہ انہوں نے ہشام بن عبدالملک اموی کے خلاف بغاوت کی اور ناکام رہ کر جوار کوفہ میں شہید ہوئے۔ ان کے جانشین ان کے بیٹے یحیی بنے۔ جنہوں نے باپ کے نقشِ قدم پر چل کر امام جعفر الصادق کے مشورے کے خلاف اپنا دعوی اسلحہ بندانہ طاقت سے منوانے کی کوشش کی اور خراسان میں ایک لشکر جمع کر لیا۔ لیکن انہیں شکست ہوئی اور وہ ھشام کے ایک سردار فوج کے ہاتھوں شہید ہوئے۔"

(سید امیر علی، روح اسلام، اسلامک بک سنٹر، دہلی، ص ۳۸۴-۳۸۵)۔

اسی سلسلہ میں سید امیر علی مزید رقمطراز ہیں:۔

"امام یحیی کی وفات پر زیدیوں کے عقیدہ کے مطابق امامت ان کے خاندان کے ایک اور فرد کو ملی یعنی محمد بن عبداللہ (النفس الزکیہ) کو جنہوں نے مہدی کا لقب اختیار کیا اور خلیفہ عباسی، منصور کے خلاف حجاز میں علم بغاوت بلند کیا۔ انہوں نے مدینے میں منصور کے بھتیجے عیسی کے ہاتھوں زک اٹھائی اور شہادت پائی۔ ان کے بعد ان کے بھائی ابراہیم امام بنے۔ انہوں نے بھی عباسیوں سے جنگ آزمائی کر کے جام شہادت پیا۔ ان کے تیسرے بھائی عیسی نے بھی اپنا دعوی بزور شمشیر منوانا چاہا لیکن گرفتار ہوئے اور منصور کے حکم پر عمر بھر کی قید میں ڈال دیئے گئے۔

یہ واقعات بیان کرنے کے بعد شہرستانی لکھتا ہے:۔

"ان پر جو افتاد پڑی، اس کی پیش گوئی جعفر صادق نے کی تھی، جنہوں نے کہا تھا کہ دنیاوی اقتدار ان کے خاندان کا حصہ نہ تھا۔ بلکہ امامت کا عباسیوں کے ہاتھوں میں ایک کھلونا بننا مقدر تھا۔" (امیر علی، روح اسلام، اسلامک بک سنٹر، دہلی، ص ۳۸۴)۔

اھل تشیع کے سلسلہ امامت و خلافت میں اختلاف در اختلاف کے حوالہ سے شیعہ

زیدیہ کے بعد اسماعیلیہ کے بارے میں سید امیر علی لکھتے ہیں:-

"اسماعیلیہ جنہیں کبھی کبھی سابعون بھی کہا جاتا ہے، امام جعفر صادق کے بیٹے اسماعیل سے منسوب ہیں جنھوں نے اپنے باپ کی زندگی میں وفات پائی۔ ان لوگوں کا عقیدہ ہے کہ امام جعفر صادق کی وفات پر امامت اسماعیل کے بیٹے محمد المکتوم کے حصے میں آئی، نہ کہ جعفر کے بیٹے موسی الکاظم کے حصے میں جیسا کہ اثنا عشریہ اور عموماً دوسرے مسلمانوں (؟) کا عقیدہ ہے۔ اسماعیلیوں کے خیال کے مطابق محمد المکتوم کے جانشین جعفر المصدق تھے جن کے بیٹے محمد الحبیب آخری امام مکتوم تھے۔

امام محمد الحبیب کے بیٹے ابو محمد عبداللہ نے فاطمی خاندان کی بناء ڈالی جس نے تین صدیوں تک شمالی افریقہ پر حکومت کی۔"

(سید امیر علی، روح اسلام، ص ۳۸۵، ۳۸۶، اسلامک بک سنٹر، دھلی)

سابعون کی تشریح کرتے ہوئے سید امیر علی لکھتے ہیں:-

"یہ اس لئے کہ یہ لوگ صرف سات اماموں کو تسلیم کرتے ہیں۔ یعنی (۱) حضرت علی (۲) حضرت حسن (۳) حضرت حسین (۴) حضرت علی ثانی (۵) حضرت محمد الباقر (۶) حضرت جعفر الصادق اور (۷) حضرت اسماعیل۔"

(سید امیر علی روح اسلام، حاشیہ ۲، ص ۳۸۵)

محمد المکتوم (یعنی پوشیدہ) کی تشریح کرتے ہوئے حاشیہ میں لکھتے ہیں:-

"مقریزی کے بیان کے مطابق یہ لقب انہیں اس لئے دیا گیا کہ انہیں عباسیوں کے پنجہ ستم سے بچانے کی خاطر ان کے پیروؤں نے چھپائے رکھا۔ امام اسماعیل، امام جعفر صادق کے سب سے بڑے لڑکے تھے نہایت نرم خو اور دل آویز طور طریقوں کے آدمی۔ مقریزی کہتا ہے کہ یمن، قطامہ اور افریقی صوبوں میں ان کے معتقد بڑی تعداد میں تھے۔

شہرستانی سے روایت ہے کہ امام اسماعیل کی والدہ کی زندگی میں امام جعفر نے دوسری شادی نہیں کی۔ جیسے کہ رسول خدا نے حضرت خدیجہؓ اور حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ کی زندگی میں نہیں کی۔"

(سید امیر علی، روح اسلام، اسلامک بک سنٹر، دہلی، حاشیہ ۳، ص ۳۸۵ و بقیہ بر ص ۳۸۶)۔

برادر حسنینؓ امام محمد بن علی (ابن الحنفیہ) ابن ابی طالب الھاشمی القرشی کو سیدنا علیؓ و حسنؓ و حسینؓ کے بعد علی زین العابدینؒ کے بجائے چوتھا امام تسلیم کرنے والے شیعہ فرقہ کیسانیہ کا ذکر سید امیر علی نے منفی و مختصر انداز میں فرمایا ہے۔ واضح رہے کہ ابن الحنفیہ نے سیدنا ابن عباسؓ و ابن عمرؓ و ابن جعفرؓ وغیرہ کی طرح نہ صرف ابتداء ہی میں بیعت یزید کرلی تھی اور اسے وفات یزید تک برقرار رکھا، بلکہ یزید کی پابندی نماز و سنت نیز فقہی معلومات و کار خیر میں سرگرمی کی شہادت بھی دی۔ چنانچہ سید امیر علی مختصراً تحریر فرماتے ہیں:۔

"کیسانیہ اور ھاشمیہ دونوں نوعیت میں سیاسی تھے۔ لیکن ان پر مجوسیت کا رنگ چڑھا ہوا تھا۔ یہ دونوں فرقے اب معدوم ہو چکے ہیں اس لئے ان کا مزید ذکر غیر ضروری ہے۔" (سید امیر علی، روح اسلام، ص ۵۱۰)۔

اہل تشیع کے ایک ذیلی فرقہ قرامطہ کی کارکردگی کے بارے میں جو عبداللہ بن میمون کے ایک مرید حمدان (قرمط) نے اپنے پیر و مرشد سے علیحدہ ہو کر بنایا۔ امیر علی لکھتے ہیں:۔

"انہوں نے مکہ کو بھی تاخت و تاراج کیا اور عہد ابراہیمی کی یادگار سنگ اسود کو بھی اٹھا کر لے گئے۔" (سید امیر علی، روح اسلام، ص ۵۰۰-۵۰۱)۔

چنانچہ لشکر یزید پر حصار ابن زبیر کے دوران منجنیقوں سے کعبہ کی ایک دیوار شکستہ کردینے کا الزام لگانے والے اہل تشیع ہی کے ایک فرقہ نے مکہ کو تاراج کرکے حجر اسود اکھاڑ کر اپنے محفوظ علاقہ میں پہنچا دیا اور کئی برس تک مجبوراً اس کے بغیر ہی حجاج کو فریضہ حج ادا کرنا پڑا۔

7- نواب امداد امام- (م ۱۹۳۴ء، ہند)

امت کی غالب اکثریت اہل سنت کے عقائد کی رو سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی امام و خلیفہ نہ انبیاء کی طرح منصوص من اللہ ہے، نہ معصوم عن الخطأ، نہ مفترض الطاعہ ہے اور نہ افضل من الأنبیاء- جبکہ شیعہ عقیدہ کی رو سے تمام ائمہ بھی انبیاء و مرسلین کی طرح منصوص من اللہ، معصوم عن الخطا، مفترض الطاعہ بلکہ افضل من الانبیاء السابقین ہیں- جو کہ در حقیقت عقائد اہل سنت کی رو سے انکار ختم نبوت ہے- اس حوالہ سے حسینؓ و یزید کی امامت و خلافت کو واضح کرتے ہوئے اثنا عشری شیعہ عالم اور اردو کے نقاد و مصنف، پدر سر علی امام، نواب سید امداد امام اثر (ولادت ۱۷، اگست ۱۸۴۹ء، سالار پور، پٹنہ، و وفات ۱۹۳۴ء) لکھتے ہیں:-

"اہل سنت کے عقائد کی رو سے جناب امام حسین نہ خلیفہ رسول تھے نہ امام وقت اور نہ معصوم، آپ کی جنگ آزمائی یزید کے مقابلہ میں خروج تھی-"

نواب امداد امام، شیعہ عقیدہ کے مطابق مزید فرماتے ہیں:-

"خلیفہ منجانب الناس اور خلیفہ منجانب اللہ کی کھلی مثال یزید اور جناب امام حسین ہیں- بلاشبہ دونوں ایک دوسرے کے ہم عصر خلیفہ تھے- گو ایک کو خلافت منجانب الناس اور دوسرے کو منجانب اللہ حاصل تھی- یزید شرط خلافت کے ساتھ خلیفہ قرار پایا تھا، اسی لئے اس کی خلافت منجانب الناس تھی- جناب امام حسینؓ رسول اللہ کے خلیفہ عصمت کی بنیاد پر تھے، اس لئے آپ کی خلافت منجانب اللہ تھی-" (مصباح الظلم، ص ۲۲۴)

سیدنا عبداللہ بن عمرؓ کی مثال دیتے ہوئے مزید لکھتے ہیں:-

"حضرت عبداللہ بن عمر بھی یزید کو خلیفہ برحق جانتے تھے- اگر آپ نہ جانتے تو آپ نہ خود یزید کے ہاتھ پر بیعت فرماتے اور نہ لوگوں سے یزید کے ہاتھ پر بیعت کراتے- اتنے بڑے خلیفہ اور خود بھی مرد دانا اور فہیم ہو کر ایک فعل لغو کے مرتکب نہیں ہو سکتے- یقیناً آپ حضرت یزید کی خلافت کو ایک باقاعدہ خلافت سمجھتے تھے- اور کیوں نہ باقاعدہ سمجھتے جب یزید کی خلافت حقہ میں شروط خلافت کی رو سے عذر نہیں کیا جا سکتا ہے-" (نواب امداد امام، مصباح الظلم وایضاح البہم، مطبوعہ اسٹیٹ پریس، رامپور، ص ۱۲۷)

۸- شیخ عباس قمی

(م ۱۳۵۹ھ / ۱۹۴۰ء ' ایران)

ایران کے معروف شیعہ عالم و مؤلف ثقۃ المحدثین شیخ عباس قمی نے اپنی مشہور فارسی تصنیف "منتھی الآمال دراحوالات نبی والآل" میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم 'سیدہ فاطمہؓ اور ائمہ اثنا عشر کی سیرت واحوال درج کیے ہیں۔ اسی سلسلہ کلام میں سیدنا حسینؓ کے احوال میں واقعہ کربلا اور قصہ حسینؓ و یزید کا بھی تفصیلی تذکرہ فرمایا ہے۔ آپ کی بیان کردہ تفصیلات میں سے بعض اہم اقتباسات درج کیے جا رہے ہیں۔ جن میں کئی مقامات پر شیخ عباس قمی نے یزید و ابن سعد وغیرہ کے خلاف شدت اختیار کرتے ہوئے "ملعون" اور "علیھما اللعنۃ" کے کلمات بھی استعمال کیے ہیں۔ مگر اس انتہاپسندی کے باوجود ابن زیاد و شمر کے برعکس یزید و ابنؔ سعد کے سیدنا حسینؓ و اہل بیت علیؓ کے ساتھ نرم و مثبت رویہ و حسن سلوک کی نشاندہی خود انہی کی بیان کردہ روایات سے ہو جاتی ہے :-

"عمر قرۃ بن قیس حنظلی را برای رسالت روانہ کرد۔ چوں قرہ نزدیک شد' حضرت بااصحاب خود فرمود کہ ایں مرد را می شناسید؟ حبیب بن مظاہر عرض کرد : بلی! مردیست از قبیلہ حنظلہ وبا ماخویش است۔ و مردیست موسوم بحسن رائی و من گمان نمی کردم کہ او داخل لشکر عمر سعد شود۔ پس آمرد آمد خدمت آنحضرت و سلام کرد و تبلیغ رسالت خود نمود۔ حضرت درجواب فرمود کہ آمدن من بدینجا برای آنست کہ اہل دیار شما نامہ ہای بسیار بمن نوشتند و بمبالغہ بسیار مرا طلبیدند۔ پس اگر از آمدن من کراہت دارید برمیگردم و میروم۔

پس حبیب رو کرد بقرہ وگفت :- وای برتو ای قرہ! از ایں امام بحق روی میگردانی و بسوی ظالمان میروی۔ بیا یاری کن ایں امام را کہ ببرکت پدران او ہدایت یافتہ ای۔ آں بی سعادت گفت : پیام ابن سعد را ببرم و بعد از آں با خود فکری میکنم تا ببینم چہ

صلاح است۔

پس برگشت بسوی پسر سعد و جواب امام را نقل کرد۔ عمر گفت: امیدوارم که خدا مرا از محاربہ و مقاتلہ با او نجات دہد۔ پس۔ نامہ ای بابن زیاد نوشت و حقیقت حال را در آں درج کردہ برای ابن زیاد فرستاد۔ حسان بن فائد عبسی گفتہ کہ من در نزد پسر زیاد حاضر بودم کہ ایں نامہ بدو رسید۔ چوں نامہ را باز کرد و خواندہ گفت:۔

الآن إذ علقت مخالبنا به - يرجو النجاة ولات حين مناص ع

یعنی الحال کہ چنگالہای ما ... بند شدہ در صدد نجات خود بر آمدہ، حال آنکہ ملجا و مناصی از برای رہائی او نیست۔

پس در جواب عمر نوشت کہ نامۂ تو رسید و بمضمون آں رسیدم۔ پس الحال بہ حسین عرض کن کہ او و اصحابش برای یزید بیعت کنند تا من ہم ببینم رأی خود را در باب او ہرچہ قرار خواہد گرفت۔ والسلام۔

پس چوں جواب نامہ بعمر رسید، آنچہ عبیداللہ نوشتہ بود بحضرت عرض نکرد۔ زیرا کہ میدانست آنحضرت بہ بیعت یزید راضی نخواہد شد۔

ابن زیاد پس از ایں نامہ، نامۂ دیگری نوشت برای عمر سعد کہ:۔

یا ابن سعد! حائل شو میان حسین و اصحاب او و میان آب فرات و کار را بر ایشان تنگ کن۔ و مگذار کہ یکقطرہ آب بچشند، چنانکہ حائل شدند میان عثمان (1) بن عفان تقی زکی و آب در روزی کہ او را محصور کردند۔

پس چوں ایں نامہ بہ پسر سعد رسید، ہماں وقت عمر بن حجاج را با پانصد سوار بر شریعہ موکل گردانید۔ و آنحضرت را از آب منع کردند۔ و ایں واقعہ سہ روز قبل از شہادت آنحضرت واقع شد"۔

(عباس قمی، منتہی الآمال در احوالات نبی والآل، ج ۱، ص ۳۳۵، ایران، سازمان چاپ و انتشارات جاویدان، ۱۳۸۸-۱۳۸۹ھ)۔

ترجمہ:۔ عمر نے قرہ بن قیس حنظلی کو پیغام رسانی کے لئے روانہ کیا۔ جب قرہ قریب آیا تو حضرت (حسینؓ) نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ اس آدمی کو پہچانتے ہو؟

حبیب بن مظاہر نے عرض کیا:- جی ہاں یہ قبیلہ حنظلہ کا آدمی ہے اور ہمارا رشتہ دار ہے- نیز یہ شخص حسن رائے سے موسوم ہے- اور میرا خیال نہیں تھا کہ وہ عمر بن سعد کے لشکر میں داخل ہو گا- پس اس شخص نے آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام کیا اور پیغام پہنچایا- حضرت نے جواب میں فرمایا کہ میرا اس جگہ آنا اس وجہ سے ہے کہ تمہارے شہر کے لوگوں نے مجھے بکثرت خطوط لکھے اور بڑے اصرار سے مجھے طلب کیا- پس اگر تم لوگ میرے آنے کو ناپسند کرتے ہو تو میں واپس چلا جاتا ہوں-

پس حبیب نے قرہ کی طرف رخ پھیرا اور فرمایا:- اے قرہ! تجھ پر افسوس ہے کہ تو اس امام برحق سے روگردانی کر رہا ہے اور ظالموں کی طرف جا رہا ہے؟ آ تو اس امام کی مدد کر و جس کے اجداد کی برکت سے تم نے ہدایت پائی ہے- وہ بدنصیب کہنے لگا:- ابھی تو ابن سعد کیلئے پیغام لے جا رہا ہوں- اس کے بعد اپنے بارے میں غور کروں گا تاکہ دیکھ سکوں کہ درست کیا ہے؟ پس وہ ابن سعد کی طرف واپس چلا گیا اور امام کا جواب پہنچا دیا- عمر کہنے لگا: مجھے امید ہے کہ خدا مجھے ان (حسینؑ) کے ساتھ جنگ و قتال سے نجات دیدے گا-

پس اس نے ابن زیاد کے نام ایک خط لکھا اور اس میں حقیقت حال درج کر کے ابن زیاد کو بھجوا دیا- حسان بن فائد عبسی نے بیان کیا کہ میں ابن زیاد کے پاس موجود تھا جب یہ خط اس تک پہنچا- جب اس نے خط کھولا اور پڑھا تو کہنے لگا (شعر):-

اب جب کہ ہمارے پنجے اس (کے جسم) میں گاڑے جا چکے ہیں- وہ نجات چاہتا ہے حالانکہ اب کوئی جائے پناہ نہیں-

چنانچہ اس نے عمر کے جواب میں لکھا کہ تمہارا خط ملا اور میں اس کے مضمون سے آگاہ ہوا- اب تم حسین کے سامنے یہ بات رکھو کہ وہ اور ان کے ساتھی یزید کی بیعت کر لیں- تاکہ پھر میں بھی دیکھوں کہ ان کے بارے میں میری رائے کیا قرار پاتی ہے- والسلام-

پس جب خط کا جواب عمر تک پہنچا تو جو کچھ عبید اللہ نے لکھا تھا' اس نے حضرت (حسینؑ) کے سامنے عرض نہ کیا- کیونکہ وہ جانتا تھا کہ آنحضرت یزید کی بیعت پر

راضی نہ ہوں گے۔

ابن زیاد نے اس خط کے بعد ایک اور خط عمر سعد کو لکھا کہ :۔

اے ابن سعد! حسین نیز ان کے ساتھیوں اور آب فرات کے درمیان حائل ہو جاؤ۔ اور ان پر معاملہ تنگ کردو۔ انہیں ایک قطرہ بھی پینے کی اجازت نہ دو۔ بالکل اسی طرح جس طرح متقی وپاکیزہ عثمان (ا) بن عفان اور پانی کے درمیان یہ لوگ اس روز حائل ہوگئے تھے جب انہوں نے آپ کا محاصرہ کیا تھا۔

چنانچہ جب یہ خط ابن سعد کو پہنچا تو اس نے اسی وقت پانچ سو سواروں کو عمرو بن حجاج کی قیادت میں گھاٹ پر متعین کردیا۔ اور انہوں نے آنحضرت کو پانی لینے سے روک دیا۔ یہ واقعہ آنحضرت کی شہادت سے تین روز پہلے پیش آیا۔

شیعہ عالم عباس قمی، ابن زیاد کی جانب سے ابن سعد کے نام خط میں مذکور اس حکم پر کہ آب فرات اور حسینؓ واصحاب حسین کے درمیان اسی طرح رکاوٹ بن جاؤ جس طرح لوگ محاصرہ عثمانؓ کے روز ان کے اور پانی کے درمیان حائل ہوگئے تھے، تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔ (حاشیہ ا ص ۳۴۵، ج ۱، منتہی الآمال)۔

"مکشوف باد کہ عثمان بن عفان را مصریان در مدینہ محاصرہ کردند و منع آب از وی نمودند۔ خبر بامیر المؤمنین علیہ السلام کہ رسید، آنجناب متغیر شدند واز برای او آب فرستادند۔ وشرح قضیہ او در تواریخ مسطور است۔ لکن بنی امیہ این وقعہ را دست آویز دیرینہ خود قرار دادند و ہمر دم اظہار روا شتند کہ عثمان کشتہ شدہ بحال تشنگی باید تلافی نمود۔ وبگمان مردم دادند کہ شورش مردم بر عثمان بہ صوابدید حضرت امیر علیہ السلام بودہ۔ ودر این باب اہل فتنہ وبغی ونواصب خونریزیہا از مسلمانان کردند تا وقعہ کربلا رسید۔

اول حکم کہ ابن زیاد نمود، منع آب از عترت پیغمبر شد۔ واز زمانی کہ حکم منع آب شد، عمر بن سعد در صدد اجرای این حکم برآمد، وبہمراہان ولشکر خود سپرد کہ نگذارید اصحاب امام حسین از شریعہ فرات آب بردارند۔ اگرچہ شط فرات طویل وعریض بود، لکن اصحاب حضرت در محاصرہ بودند۔ ومکرر ابن زیاد در منع آب تاکید کرد۔ عمر بن سعد، عمرو بن حجاج زبیدی را با پانصد سوار مأمور کرد کہ مواظب شرائع فرات باشند۔ وتشنگی سخت شد در اصحاب

حضرت-

واز "مناقب" نقل شدہ کہ سہ شبانہ روز ممنوع بودند-گاہی چشمہ حفر کردند و آں جماعت ہی حیا پر کردند-گاہی چاہ کندند برای استعمال آب غیر شرب-وگاہی شبانگاہ حضرت ابو الفضل علیہ السلام تشریف برد و آبی آورد-

و در روایت "امالی" از حضرت سجاد علیہ السلام مرویست کہ در شب عاشوراء جناب علی اکبر علیہ السلام باپنجاہ نفر رفت در شریعہ و آب آورد- وحضرت سید الشہداء علیہ السلام باصحاب فرمود:-

برخیزید واز ایں آب بیاشامید-وایں آخر توشہ شماست از دنیا- وضو بگیرید و غسل کنید و جامہ ہای خود را بشوئید تا کفن باشد برای شما-

واز صبح عاشوراء دیگر میسر نشد آبی بحرم رسول خدا برسد-و معلوم است کہ ہوای گرمسیر دریک ساعت تشنگی چہ اندازہ کار سخت میشود-و قدر معلوم از تواریخ واخبار آنست کہ کشتہ شدند ذریہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ بالب تشنہ- پس چقدر شایستہ باشد کہ دوستان آنحضرت در وقت آشامیدن آب یادی از تشنگی سید مظلومان نمایند-

واز "مصباح" کفعمی منقول است کہ ہنگامیکہ جناب سکینہ در مقتل پدر بزرگوار خود آمد، جسد آنحضرت را در آغوش گرفت، واز کثرت گریستن مدہوش شد، وایں شعر از پدر بزرگوار خود در عالم اغماء شنید:-

شیعتی مالإن شربتم ری عذب فاذکرونی

أو سمعتم بغریب أو شہید فاندبونی

وظاہر ایں است بقیہ اشعاری کہ بایں ردیف اہل مراثی میخوانند، از ملحقات شعراء باشد نہ از خود حضرت- ونیکو ارداف نمودہ اند"-

(عباس قمی، منتہی الآمال، ج ۱، حاشیہ ۱، ص ۳۳۵ و بقیہ حاشیہ بر صفحہ ۳۳۶ و ۳۳۷، ایران، سازمان چاپ و انتشارات جاویدان، ۱۳۸۸ھ)-

ترجمہ:- واضح رہے کہ مدینہ میں مصریوں نے عثمان بن عفان کا محاصرہ کرلیا تھا اور ان کا پانی بند کر دیا تھا-جب امیر المومنین علیہ السلام کو اطلاع ملی تو آپ کا رنگ

متغیر ہو گیا اور آپ نے ان کے لئے پانی بھجوایا- ان کے قضیہ کی تفصیل تاریخوں میں لکھی ہوئی ہے-

لیکن بنی امیہ اس واقعہ کو اپنا بہانہ دیرینہ قرار دیتے ہوئے لوگوں پر اس بات کا اظہار کرتے رہے کہ عثمان کو تشنگی کی حالت میں قتل کیا گیا جس کی تلافی لازم ہے- نیز لوگوں کو یہ باور کراتے رہے کہ عثمان کے خلاف لوگوں کی شورش کو حضرت امیر علیہ السلام کی تائید حاصل تھی- اور اس سلسلہ میں اہل فتنہ و بغاوت نیز ناصبیوں نے مسلمانوں کے ساتھ خونریز لڑائیاں لڑیں یہانتک کہ بالآخر واقعہ کربلا رونما ہوا-

پہلا حکم جو ابن زیاد نے دیا' وہ عترت پیغمبر سے پانی روک لینے کا تھا- اور اس وقت سے کہ بندش آب کا حکم صادر ہوا' عمر بن سعد اس حکم پر عملدرآمد کے لئے نکل کھڑا ہوا- اور اپنے ساتھیوں اور لشکریوں کے سپرد یہ کام کیا کہ امام حسین کے رفقاء کو فرات کے گھاٹ سے پانی نہ لینے دیں- اگرچہ دریائے فرات کا علاقہ طویل و عریض تھا لیکن حضرت کے ساتھی محاصرہ کی حالت میں تھے- دوسری بات یہ کہ عمر بن سعد نے عمرو بن حجاج زبیدی کو پانچ سو سواروں کے ہمراہ اس کام پر مامور کیا تھا کہ فرات کے گھاٹوں کی نگرانی کریں- چنانچہ حضرت کے ساتھیوں کی پیاس شدت اختیار کر گئی-

اور "مناقب" سے منقول ہے کہ تین دن رات تک ان کے لئے پانی بند رکھا گیا- پس کبھی وہ چشمہ کھودتے اور وہ بے شرم گروہ اسے مٹی سے بھر دیتا- کبھی وہ لوگ پینے کے علاوہ دیگر ضروریات میں پانی استعمال کرنے کے لئے گڑھے کھودتے- اور کبھی رات کے وقت ابوالفضل علیہ السلام تشریف لیجا کر پانی لے آتے-

اور "امالی" کی روایت میں حضرت سجاد علیہ السلام سے مروی ہے کہ عاشورا کی رات جناب علی اکبر علیہ السلام پچاس افراد کے ساتھ گھاٹ پر گئے اور پانی لے آئے- حضرت سید الشہداء علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا :-

اٹھو اور اس پانی کو پی لو- یہ تمہارا اس دنیا سے آخری زاد راہ ہے- نیز وضو اور غسل کرو اور اپنے کپڑے بھی دھو لو تاکہ وہ تمہارے لئے کفن کا کام دیں-

اور عاشورا کی صبح سے مزید پانی میسر نہ تھا کہ حرم رسول خدا تک پہنچ پائے-

جبکہ یہ بات معلوم ہے کہ گرم آب و ہوا میں ایک گھنٹہ کی پیاس بھی کتنی شدت اختیار کر جاتی ہے۔ اور اخبار و تواریخ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کی اولاد تشنہ لب مقتول ہوئی۔ پس کس قدر مناسب ہوگا کہ آنحضرت (حسینؑ) کے چاہنے والے پانی پیتے وقت اس سردار مظلومان کی پیاس کو یاد کر لیا کریں۔

اور کفعمی کی "مصباح" سے منقول ہے کہ اس وقت جبکہ سکینہ اپنے والد بزرگوار کے مقتل میں آئیں اور آنحضرت کے جسد کو اپنی آغوش میں لیکر شدت گریہ سے بے ہوش ہوگئیں، تو بے ہوشی کے عالم میں انہوں نے اپنے والد بزرگوار کو یہ شعر پڑھتے سنا:۔

اے میرے شیعو! جب تم میٹھے پانی سے سیراب ہوا کرو تو مجھے یاد رکھو۔
اور جب کسی غریب الدیار یا شہید کے بارے میں سنو تو میرا نوحہ و بین کیا کرو۔

بظاہر اس ردیف میں دیگر اشعار جو اہل مرثیہ پڑھتے ہیں، شعراء کے الحاقی اشعار ہیں، نہ کہ خود حضرت (حسینؑ) کے۔ بہر حال یہ ردیفیں بڑی عمدہ نظر آتی ہیں۔

اسی سلسلہ کلام میں عباس قمی روایت کرتے ہیں کہ جس روز عمر سعد کربلا پہنچا تھا، ابن زیاد نے اس کیلئے مزید لشکر روانہ کر دیا۔ حتی کہ بروایت سید چھ محرم تک بیس ہزار سوار اس کے گرد جمع ہوگئے۔ اور بعض دیگر روایات کے مطابق لشکر مسلسل آتے رہے حتی کہ بتدریج تیس ہزار سوار عمر کے پاس جمع ہوگئے۔ اور ابن زیاد نے ابن سعد کو لکھا کہ لشکر کے سلسلہ میں میں نے تمہارے لئے عذر کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی۔ مردانگی دکھاؤ اور جو کچھ واقع ہو، اس کی صبح و شام مجھے اطلاع کرو:۔

"پس چوں حضرت آمدن لشکر را برای مقاتلہ با او دید بسوی ابن سعد پیامی فرستاد کہ من با تو مطلبی دارم، میخواہم ترا بہ بینم۔ پس شبانگاہ یکدیگر را ملاقات نمودہ و گفتگوی بسیار باہم نمودند۔ پس عمر بسوی لشکر خویش برگشت و نامہ بہ عبید اللہ بن زیاد نوشت کہ:

ای امیر! خداوند آتش برافروخته نزاع ما را حسین خاموش کرد و امر امت را اصلاح کرد- اینک حسین (علیہ السلام) با من عہد کردہ کہ :-

برگردد بسوی مکانی کہ آمدہ-

یا برود در یکی از سرحدات منزل کند' و حکم او مثل یکی از سائر مسلمانان باشد در خیر وشر-

یا آنکہ برود در نزد امیر یزید' دست خود را در دست او نہد تا او ہر چہ خواہد بکند-

والبتہ در ایں مطلب رضایت تو و صلاحیت امت است-

مؤلف گوید :- اہل سیر و تواریخ از عقبہ بن سمعان غلام رباب زوجہ امام حسین علیہ السلام نقل کردہ اند کہ گفت : من با امام حسین علیہ السلام بودم از مدینہ تا مکہ' و از مکہ تا عراق' و از او مفارقت نکردم تا وقتی کہ بدرجہ شہادت رسید- و ہر فرمائش کہ در ہر جا فرمود' اگر چہ یک کلمہ باشد' خواہ در مدینہ یا در مکہ' یا در راہ عراق یا روز شہادت' تمام را حاضر بودم و شنیدم- ایں کلمہ را کہ مردم میگویند آنحضرت فرمود :- دست خود را در دست یزید بن معاویہ گزارد' نفرمود-

فقیر گوید :- پس ظاہر آنست کہ ایں کلمہ عمر سعد از پیش خود در نامہ درج کردہ تا شاید اصلاح شود و کار بمقاتلہ نرسد' چہ آنکہ عمر سعد از ابتداء او جنگ با آنحضرت را کراہت داشت و مایل نبود-

و بالجملہ چوں نامہ بعبید اللہ رسید و خواند' گفت :- ایں نامہ شخص ناصح و مہربان است با قوم خود' و باید قبول کرد- شمر ملعون برخاست و گفت :- ای امیر! آیا ایں مطلب را از حسین قبول میکنی؟ خدا سوگند کہ اگر او خود را بدست تو ندہد و در پی کار خود رود' امر او قوت خواہد گرفت' و ترا ضعف فرو خواہد گرفت- اگر خلاف کند دفع او را دیگر نتوانی کرد- لکن الحال چنگ تو گرفتار است- و آنچہ رائیت در باب او قرار گیرد' از پیش میرود- پس امر کن کہ در مقام اطاعت و حکم تو در آید- پس آنچہ خواہی' از عقوبت یا عفو' در حق او و اصحابش بعمل آور-

ابن زیاد حرف او را پسندید و گفت :- نامہ ای مینویسم در ایں باب بعمر بن سعد' و با تو

آنرا' روانہ میکنم-وبایدابن سعد آنرا بر حسین واصحابش عرض نماید- اگر قبول اطاعت من نمودند'ایشاں راسالماً بنزد من بفرستد- واگرنہ 'با ایشاں کارزار کند- واگر پسر سعد از کارزار با حسین اباء نماید'تو امیر لشکر بباش'و گردن عمر رابزن'و سرش رابرای من روانہ کن-پس نامہ نوشت باین مضمون :-

ای پسر سعد ! من ترا نفرستادم کہ با حسین رفق ومدارا کنی-ودر جنگ او مسامحہ و مماطلہ نمائی- وگفتم سلامت وبقای اورا متمنی ومترجی باشی-ونخواستم گناہ اورا عذر خواہی کردی'د از برای او بنزد من شفاعت کنی-نگران باش ! اگر حسین واصحاب اودر مقام اطاعت وانقیاد حکم من بباشند'پس ایشانرابسلامت برای من روانہ نما-واگراباء وامتناع نمایند'بالشکر خود ایشانرااحاطہ کن-وباایشاں مقاتلت نماتاکشتہ شوند------"-

(عباس قمی' منتھی الآمال' ج ا' ص ۴۳۶-۴۳۷)

ترجمہ :- پس جب حضرت (حسینؓ) نے اپنے خلاف لڑائی کے لئے لشکر آتے دیکھا تو ابن سعد کی طرف پیغام بھیجا کہ مجھے تجھ سے کام ہے اور میں تم سے ملنا چاہتاہوں-پس رات کے وقت انہوں نے باہم ملاقات کی اور آپس میں بہت زیادہ گفتگو کی- چنانچہ عمر اپنے لشکر کی جانب لوٹ گیااور اس نے عبیداللہ بن زیاد کو خط لکھا کہ :-

اے امیر! خدا نے حسین کے ساتھ ہمارے نزاع کی بھڑکتی آگ کو بجھادیا ہے-اور امت کے معاملہ کو درست کردیاہے-بات یہ ہے کہ حسین (علیہ السلام) نے مجھ سے عہد وپیشکش کی ہے کہ :-

یاتو جس مقام سے وہ آئے ہیں' اس کی طرف واپس چلے جائیں-

یاکسی سرحدی علاقہ کی طرف جاکر وہاں مقیم ہو جائیں اور وہاں ان کا معاملہ بھی خیر وشر میں دیگر تمام مسلمانوں میں سے ایک (عام آدمی) کی طرح ہو-

یا وہ امیر یزید کے پاس چلے جائیں اور اپناہاتھ ان کے ہاتھ پر رکھ دیں تاکہ وہ (یزید) جیساچاہیں کرلیں-

اور اس بات میں آپ کی رضامندی اور امت کی بھلائی (کی صورت) ہے-

مؤلف کہتاہے :-اہل تاریخ وسیر نے امام حسین علیہ السلام کی زوجہ 'رباب کے

غلام عقبہ بن سمعان سے روایت کر کے نقل کیا ہے- اس نے بیان کیا کہ میں مدینہ سے مکہ' اور مکہ سے عراق تک امام حسینؑ علیہ السلام کے ساتھ تھا- اور میں اس وقت تک ان سے جدا نہیں ہوا جب وہ درجہ شہادت پا گئے- اور ہر فرمان جو انہوں نے کسی مقام پر ارشاد فرمایا خواہ وہ ایک جملہ ہی کیوں نہ ہو- اور خواہ مدینہ میں یا مکہ میں' یا عراق میں' یا اپنی شہادت کے روز ارشاد فرمایا' میں سب موقعوں پر موجود تھا- اور میں نے اسے اپنے کانوں سے سنا- لیکن یہ جملہ انہوں نے نہیں فرمایا جس کا ذکر لوگ کرتے ہیں کہ آنحضرت نے فرمایا کہ :- وہ اپنا ہاتھ یزید بن معاویہ کے ہاتھ میں دے دیں-

فقیر (عباس قمی) کہتا ہے :- پس بظاہر یہ لگتا ہے کہ یہ جملہ عمر سعد نے اپنی طرف سے خط میں درج کر دیا تاکہ شاید اصلاح ہو جائے اور معاملہ لڑائی تک نہ پہنچے- کیونکہ عمر سعد ابتدا ہی سے آنحضرت سے جنگ کو ناپسند کرتا تھا- اور اس کی طرف مائل نہ تھا- وبالجملہ یہ خط عبیداللہ کے پاس پہنچا اور اس نے پڑھا تو کہنے لگا :- یہ ایک ایسے شخص کا خط ہے جو اپنی قوم پر مہربان اور ان کا خیر خواہ ہے- اور اسے قبول کر لینا چاہئے- مگر شمر ملعون اٹھا اور کہنے لگا : اے امیر ! کیا آپ اس بات کو حسین سے قبول کر رہے ہیں ؟ خدا کی قسم اگر انہوں نے خود کو آپ کے ہاتھ میں نہ دیا اور اپنے کام کے لئے خود ہی روانہ ہو گئے تو ان کا معاملہ قوت پکڑے گا اور آپ کو کمزور تر کر دے گا- اگر وہ اس کے برخلاف کریں گے تو آپ ان کو پرے نہ دھکیل پائیں گے- لیکن ابھی وہ آپ کے چنگل میں گرفتار ہیں- جو کچھ آپ کی رائے ان کے بارے میں قرار پائے گی' وہ پایہ تکمیل کو پہنچے گی- پس انہیں حکم دیجئے کہ وہ آپ کی اطاعت وفیصلہ کے تحت آ جائیں- پھر آپ ان کے اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں سزا یا معافی کا جو بھی فیصلہ کریں' اس پر عمل فرمالیں-

ابن زیاد نے اس کی بات کو پسند کیا اور کہنے لگا کہ میں اس سلسلہ میں عمر بن سعد کو خط لکھتا ہوں اور اسے تمہارے ہاتھ روانہ کرتا ہوں- ابن سعد کو چاہئے کہ اسے حسین اور ان کے ساتھیوں کے سامنے پیش کر دے- اگر وہ لوگ میری اطاعت قبول کر لیں تو انہیں سلامتی کے ساتھ میرے پاس بھیج دے- اور اگر انکار کر دیں تو ان کے ساتھ جنگ کرے-

اگر ابن سعد حسین سے لڑائی میں پس وپیش کرے تو تم امیر لشکر بن ہو جانا اور عمر کی گردن مار کر اس کا سر میرے لئے روانہ کر دینا- پس اس نے اس مضمون کا خط لکھا :-

ابن سعد! میں نے تجھے اس لئے نہیں بھیجا تھا کہ حسین کے ساتھ نرمی و مدارات کرو- اور ان سے جنگ میں چشم پوشی و مہلت دہی سے کام لو- نہ میں نے یہ کہا تھا کہ ان کی بقاء و سلامتی کی تمنا و آرزو کرو- اور نہ یہ چاہا تھا کہ تم ان کے گناہ کی عذر خواہی کرو اور میرے پاس ان کی سفارش کرو- دیکھو! اگر حسین اور ان کے ساتھی میری اطاعت و فیصلہ تسلیم کرنے پر آمادہ ہوں تو انہیں حفاظت کے ساتھ میری طرف روانہ کر دو- اور اگر امتناع و انکار کریں تو اپنے لشکر کے ساتھ ان کو گھیر لو اور ان سے اس وقت تک جنگ کرو جب تک وہ مقتول نہ ہو جائیں-

عقبہ بن سمعان کی یہ روایت کہ حسینؓ نے "دست در دست یزید" کی پیشکش نہیں کی متعدد شیعی روایات کے منافی ہے- جبکہ شیعی روایات میں بھی بالتکرار مذکور ہے کہ سانحہ کربلا سے پہلے حسینؓ و عمر بن سعد نے رات کے وقت تنہائی میں طویل ملاقاتیں کی جن میں کوئی تیسرا موجود نہ تھا- (فتناجیا طویلاً)- اور اس کے بعد عمر بن سعد نے ابن زیاد کو دست در دست یزید کی حسینی پیشکش سمیت مذکورہ تین شرائط لکھ بھیجیں- مزید براں عمر بن سعد کا اپنی طرف سے اتنی بڑی بات لکھ بھیجنا اپنی موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا- اور جس شخص کو ری کی گورنری کے لالچ میں حسینؓ سے (مجبوراً ہی سہی) جنگ پر آمادہ دکھایا جا رہا ہے- اسی کو حسینؓ کی جان بچانے کی خاطر اپنی جان خطرہ میں ڈالنے کا علمبردار دکھلانا چہ معنی دارد؟ یہ سہ نقاطی حسینی پیشکش نقل کرنے کے بعد اثنا عشری مؤرخ جسٹس سید امیر علی یوں تبصرہ فرماتے ہیں :-

"صاحب روضۃ الصفا" یہ شرائط بیان کرنے کے بعد لکھتا ہے کہ خدام حسینؓ میں سے ایک شخص نے جو مقتل کربلا سے اتفاقاً بچ نکلا- اس دعوے کو غلط بتایا کہ امام حسین نے اموی سردار کے سامنے کسی قسم کی شرائط صلح پیش کیں-

ممکن ہے کہ اس خادم نے یہ انکار یہ ظاہر کرنے کی خاطر کیا ہو کہ امام حسین نے صلح کی تجویز پیش کر کے اپنے آپ کو دشمن کے سامنے ذلیل نہیں کیا- لیکن

میرے نزدیک صلح کی تجویز سے حضرت حسین کی سیرت عالیہ کی کسی طرح کسر شان نہیں ہوتی"۔

(سید امیر علی، سپرٹ آف اسلام، اردو ترجمہ بعنوان: روح اسلام، ص حاشیہ ص ۴۵۸، اسلامک بک سنٹر دہلی)۔

عباس قمی دربار یزید میں قافلہ حسینی کی آمد کی مختلف روایات نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"بالجملہ چوں سرہای مبارک را بر یزید وارد کردند، اہلبیت علیہم السلام را نیز در آوردند در حالیکہ ایشانرا بیک رشتہ بستہ بودند و حضرت علی بن الحسین علیہ السلام در غل جامعہ بود- وچوں یزید ایشان را باآن ہیئت دید گفت:- خدا قبیح وزشت کند پسر مرجانہ را، اگر بین شما و او قرابت و خویشی بود، ملاحظہ شماہا رامی نمود، وایں نحو بدرفتاری باشمانمی نمود- وبایں ہیئت وحال شما را برای من روانہ نمیکرد۔

وبروایت ابن نما از حضرت سجاد علیہ السلام، دوازدہ تن ذکور بودند کہ در زنجیر وغل بودند- چوں نزد یزید ایستادند حضرت سید سجاد علیہ السلام رو کرد بیزید و فرمود:- آیا رخصت میدہی مرا تا سخنی گویم؟ گفت: بگو ولکن ہذیان مگو- فرمود: من در موقفی بیباشم کہ سزاوار نیست از مانند من کسی کہ ہذیان سخن گوید- آنگاہ فرمود:- ای یزید! ترا بخدا سوگند میدہم چہ گمان می بری با رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ اگر مارا بدین حال ملاحظہ فرماید- پس جناب فاطمہ دختر حضرت سید الشہداء علیہ السلام فرمود:- ای یزید! دختران رسول خدا راکسی اسیر میکند؟ اہل مجلس واہل خانہ یزید از استماع ایں کلمات گریستند چندانکہ صداہای گریہ و شیون بلند شد- پس یزید حکم کرد کہ ریسمانہا را بریدند وغل ہا را برداشتند"۔

(عباس قمی، منتھی الآمال، ج ۱، ص ۴۲۹)۔

ترجمہ:- خلاصہ یہ کہ جب سرہائے مبارک کو یزید کے پاس لے گئے تو اہل بیت علیہم السلام کو بھی اندر لائے، اس حالت میں کہ انہیں ایک ہی رسی سے باندھا ہوا تھا۔ جبکہ علی بن حسین علیہ السلام بیڑیوں میں جکڑے ہوئے تھے- یزید نے جب انہیں اس بری حالت میں دیکھا تو کہنے لگا:- خدا ابن مرجانہ (ابن زیاد) کا ستیاناس کرے- اگر

تمہارے اور اس کے درمیان قرابت ورشتہ داری ہوتی تو وہ تمہارا خیال رکھتا اور تم سے ایسا براسلوک نہ کرتا۔ نہ تمہیں اس ہیئت وحالت میں میری طرف روانہ کرتا۔

اور ابن نما کی روایت کے مطابق "از حضرت سجاد علیہ السلام" بارہ مرد حضرات زنجیروں اور بیڑیوں میں جکڑے ہوئے تھے۔ جب وہ یزید کے پاس کھڑے ہوئے تو حضرت سید سجاد علیہ السلام نے یزید کی طرف رخ کیا اور فرمایا:۔ کیا تو مجھے اجازت دیتا ہے کہ کچھ بات کروں؟ وہ بولا:۔ کہو، مگر فضول بات نہ کرنا۔ آپ نے فرمایا:۔ میں ایسے مقام پر کھڑا ہوں کہ میرے جیسے کسی شخص کو بھی یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ فضول بات کرے۔ تب آپ نے فرمایا:۔ اے یزید! میں تجھے خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ تمہارا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کے بارے میں کیا خیال ہے کہ اگر وہ ہمیں اس حال میں دیکھ لیں؟ پس فاطمہ بنت حضرت سید الشہداء علیہ السلام فرمانے لگیں:۔ اے یزید! خدا کے رسول کی بیٹیوں کو بھی کوئی قیدی بناتا ہے؟ اہل مجلس اور یزید کے اہل خانہ ان کلمات کو سن کر اس طرح دھاڑیں مار کر رونے لگے کہ ان کے رونے اور چلانے کی آوازیں بلند ہو گئیں۔ پس یزید نے حکم دیا کہ ان کے بندھن کاٹ دیئے جائیں اور زنجیریں کھول دی جائیں۔

اس کے بعد چند دیگر مختلف النوع روایات نقل کرنے کے بعد عباس قمی لکھتے ہیں:۔

"شیخ مفید فرمود:۔ پس یزید امر کرد تا اہل بیت را با علی بن الحسین علیہم السلام در خانہ علیحدہ کہ متصل خانہ خودش بود' جای دادند۔

وبقولی:۔ ایشاں را در موضع خرابی حبس کردند کہ نہ دافع گرما بود و نہ حافظ سرما۔ چنانکہ صورتہای مبارکشاں پوست انداخت۔ و دراین مدتیکہ در شام بودند نوحہ و زاری بر حضرت امام حسین علیہ السلام میکردند۔ وروایت شدہ کہ دراین ایام در ارض بیت المقدس ہر سنگی کہ از زمین برمیداشتند از زیرش خون تازہ میجوشید۔

وجمعی نقل کردہ اند کہ یزید امر کرد سر مطہر امام حسین علیہ السلام را بر در قصر شوم او نصب کردند۔ واہلبیت را امر کرد کہ داخل خانہ او شوند۔ چوں مخدرات اہلبیت عصمت

وجلالت علیہم السلام داخل خانہ آں لعین شدند زنان آل ابوسفیان زیورہای خودرا کندند و لباس ماتم پوشیدند' و صدا بگریہ ونوحہ بلند کردند۔ وسہ روز ماتم داشتند۔ وہند دختر عبداللہ بن عامر کہ در آں وقت زن یزید بود' و پیشتر در حبالہ حضرت امام حسین علیہ السلام بود' پردہ را درید واز خانہ بیرون دوید و بمجلس آن لعین آمد در وقتی کہ مجمع عام بود' گفت :- ای یزید! سر مبارک فرزند فاطمہ دختر رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ بر در خانہ من نصب کردہ ای- یزید بر جست وجامہ بر سر او افکند و اورا برگردانید- وگفت :- ای ہند! نوحہ وزاری کن بر فرزند رسولخدا و بزرگ قریش کہ پسر زیاد لعین در امر او تعجیل کرد- ومن بکشتن او راضی نبودم"-

(عباس قمی' منتھی الآمال' ج ا' ص ۴۳۴ ایران' ۸۹-۱۳۸۸ھ)

ترجمہ :- شیخ مفیدؒ نے فرمایا :- پس یزید نے اہل بیت کو علی بن حسین علیہ السلام کے ہمراہ یزید کے گھر سے متصل ایک علیحدہ گھر میں ٹھہرانے کا حکم دیا-

اور بقول دیگر :- انہیں ایک ویران مقام میں بند کر دیا گیا کہ جو نہ تو گرمی سے بچاتا تھا اور نہ سردی سے محفوظ رکھتا تھا- چنانچہ ان کے مبارک چہروں کی ہڈیاں نکل آئیں۔

اور اس عرصہ میں جب کہ وہ لوگ شام میں تھے 'امام حسین علیہ السلام پر نوحہ وزاری کرتے رہے- اور روایت ہوا ہے کہ ان دونوں میں ارض بیت المقدس میں ہر پتھر جو لوگ زمین سے اٹھاتے 'اس کے نیچے سے تازہ خون ابل پڑتا-

ایک جماعت نے نقل کیا ہے کہ یزید نے امام حسین علیہ السلام کے سر مطہر کو اپنے منحوس محل کے دروازہ پر نصب کرنے کا حکم دیا- اور اہل بیت کو حکم دیا کہ اس کے گھر میں داخل ہو جائیں- جب مخدرات اہل بیت عصمت وجلالت علیہم السلام اس لعین کے گھر میں داخل ہوئیں تو آل ابی سفیان کی عورتوں نے اپنے زیورات توڑ توڑ کر اتار پھینکے- لباس ماتم پہن لیا- اور زور زور سے رونے اور بین کرنے لگیں- انہوں نے تین دن تک ماتم بپا رکھا-

عبداللہ بن عامر کی بیٹی ھند نے' جو اس وقت یزید کی بیوی تھی اور اس سے

پہلے حضرت امام حسین علیہ السلام کے حبالہ عقد میں رہ چکی تھی' پردہ پھاڑ دیا اور گھر سے باہر دوڑتی ہوئی اس لعین کے دربار میں آ پہنچی جبکہ وہاں مجمع عام تھا۔اور کہنے لگی :-اے یزید فرزند فاطمہ بنت رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ کا سر مبارک تونے میرے گھر میں نصب کر دیا ہے ؟ یزید نے جست لگائی' اس کے سر پر کپڑا ڈالا اور اسے واپس لیجا کر کہنے لگا :- اے ہند! فرزند رسول خدا و بزرگ قریش پر نوحہ وزاری کر' کہ جن کے معاملے میں ملعون ابن زیاد نے عجلت کی۔حالانکہ میں ان کے قتل پر راضی نہ تھا۔

ایک روایت کے مطابق سیدہ زینب کی سوتیلی بیٹی سیدہ ام محمد بنت عبداللہ بن جعفر طیار یزید کی بیوی تھیں۔ چنانچہ عباس قمی کی ایک روایت کے مطابق یزید کے گھر میں ایک ہاشمی خاتون بھی تھی :-

"پس صدای زن ہاشمیہ کہ درخانہ یزید بود' بنوحہ وندبہ بلند شد ومیگفت :-

یا حبیباه! یا سید أهلبیتاه! یا بن محمداه!

ای فریادرس بیوہ زنان وپناہ یتیمان' ای کشتہ تیغ اولاد زناکاران!

بار دگر حاضران کہ آں ندبہ را شنیدند گریستند"۔

(عباس قمی' منتہی الآمال' ج ا' ص ۴۳۰' سازمان انتشارات جاویدان' ایران' ۱۳۸۸ھ)۔

ترجمہ :- پس اس ہاشمی خاتون کی صدائے نوحہ وبین بلند ہوئی جو یزید کے گھر میں تھیں۔اور وہ پکارنے لگیں :-ہائے میرے پیارے! ہائے سردار اہل بیت! ہائے فرزند محمدؐ! اے بیوہ عورتوں کی فریادرسی کرنے والے اور یتیموں کو پناہ دینے والے! اے مقتول تیغ اولاد زناکاران!۔ حاضرین نے جب یہ نوحہ و بین سنا تو دوبارہ رونے لگے۔

یزید کی اہل بیتؑ کو بحفاظت مدینہ پہنچانے کی روایات بھی مجلسی ودیگر حضرات سے نقل کرتے ہوئے عباس قمی رقمطراز ہیں :-

"وعلامہ مجلسی ودیگران نقل کردہ اند کہ یزید اہلبیت رسالت را طلبید وایشانرا میان ماندن در شام با حرمت و کرامت وبرگشتن بسوی مدینہ با صحت و سلامت مخیّر گردانید۔ گفتند :- اول میخواہیم مارا رخصت دہی کہ ماتم و تعزیہ آں امام مظلوم قیام نمائیم۔گفت :-

آنچه خواہید بخید-خانه ای برای ایشان مقرر کرد-وایشاں جامه ہای سیاه پوشیدند-وہر که درشام بود از قریش و بنی ہاشم در ماتم وزاری و تعزیت و سوگواری باایشان موافقت کردند- وتاہفت روز بر آنجناب ندبه ونوحه وزاری کردند-

و در روز ہشتم ایشان راطلبید' نوازش و عذر خواہی نمود' وتکلیف ماندن شام کرد-چوں قبول نکردند محملہای مزین برای ایشاں ترتیب داده واموال برای خرج ایشان حاضر کرد وگفت :اینہا عوض آنچه بشماواقع شده-جناب ام کلثوم سلام اللہ علیہا فرمود :-

ای یزید! چه بسیار کم حیائی' برادران واہلبیت مرا کشته ای که جمیع دنیا برای یکموی ایشان نمیشود ومیگوئی ایں ہا عوض آنچه من کرده ام-

پس نعمان بن بشیر راکه از اصحاب رسولخدا صلی اللہ علیه وآله بود' طلب کرد و گفت :- تجہیز سفر کن واسباب سفر از ہرچه لازم است 'برای ایں زنہا مہیا کن- واز اہل شام مردی راکه باامانت و دیانت و صلاح و سداد موسوم باشد باجمعی از لشکر جہت حفظ و حراست اہلبیت وملازمت خدمت ایشان برگمار' وایشانرا بجانب مدینه حرکت ده-

پس بروایت شیخ مفید' یزید حضرت سید سجاد علیه السلام راطلبید در مجلس خلوتی و گفت :- خداوند لعنت کند پسر مرجانه را- خدا قسم اگر من در نزد پدرت حاضر بودم آنچه از من طلب مینمود عطامیکردم' وبہرچه ممکن بود مرگ را از او دفع میدادم' ونمیگذاشتم که کشته شود-لکن قضای خدا باید جاری شود- اکنون از برای آوردن حاجت تو حاضرم- ہرچه خواہی از مدینه برای من بنویس تاحاجت ترا برآورم-

پس امر کرد که آنحضرت را جامه دادند واہلبیت را کسوه پوشانیدند- وبانعمان بن بشیر رسولی روانه کرد ووصیت کرد که شب ایشانرا کوچ دہند-ودرہمه جااہلبیت از پیش روی روان باشند ولشکر در عقب باشند باندازه که اہل بیت از نظر نیفتند- ودر منازل از ایشان دور شوند' ودر اطراف ایشان متفرق شوند بمنزله نگاہبانان- واگر در بین راه یکی از ایشان را وضوئی یاحاجتی باشد 'برای رفع حاجت پیاده شود' ہمگان باز ایستند 'تاحاجت خودرا بپردازد و برنشیند- وچناں کار کنند که خدمتگاران وحارسان کنند تاگاہی که وارد مدینه شوند-

پس آنمرد بوصیت یزید عمل نمود واہل بیت عصمت علیہم السلام رابه آرامی و

مدارا کوچ میداد، واز ہر جہت مراعات ایشاں ہمنود تا بمدینہ رسانید۔

و قرمانی در "اخبار الدول" نقل کردہ کہ نعمان بن بشیر با سی نفر اہلبیت را حرکت داد و ند بہمان طریق کہ یزید دستور دادہ بود تا بمدینہ رسیدند۔ پس فاطمہ بنت امیر المؤمنین علیہ السلام خواہرش جناب زینب سلام اللہ علیہا گفت کہ ایں مرد بما احسان کرد، آیا میل دارید کہ ما در عوض احسان او چیزی باوبدہیم۔ جناب زینب سلام اللہ علیہا فرمود کہ ما چیزی نداریم باو عطا کنیم جز حلی خود۔ پس بیرون کردند دست بر نجن و دو بازو بندی کہ باایشان بود و برای نعمان فرستادند، عذر خواہی از کمی آن نمودند۔ او رد کرد جمیع را و گفت :۔ اگر اینکار را من برای دنیا کردہ بودم، ہمیں ہا مراکافی بود و بدان خوشنود بودم، ولکن واللہ من احسان نکردم بشما مگر برای خدا و قرابت شما با حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ"۔

(عباس قمی، منتہی الآمال، ج ا، ص ۴۴۲۔ ۴۴۳، ایران، سازمان انتشارات جاویدان، ۸۹۔۱۳۸۸ھ)۔

ترجمہ :۔ علامہ مجلسی اور دیگر حضرات نے نقل کیا ہے کہ یزید نے اہل بیت رسالت کو طلب کیا اور انہیں شام میں عزت و حرمت کے ساتھ رہنے یا صحت و سلامتی کے ساتھ مدینہ واپس چلے جانے کے مابین اختیار دیا۔ انہوں نے کہا کہ پہلے تو ہم چاہتے ہیں کہ ہمیں اجازت دو کہ ہم اس امام مظلوم کا ماتم و عزاداری برپا کریں۔ اس نے کہا :۔ جو کچھ تم چاہتے ہو، کرلو۔ اور ان کے لئے ایک مکان مخصوص کردیا۔ انہوں نے سیاہ لباس پہن لئے اور شام میں قریش و بنی ہاشم میں سے جو کوئی بھی موجود تھا ان سب نے بھی ماتم وزاری و تعزیت و سوگواری میں ان کی موافقت کی۔ حتی کہ سات روز تک وہ لوگ آنجناب پر نوحہ وزاری اور بین کرتے رہے۔ آٹھویں روز اس (یزید) نے انہیں طلب کیا، معذرت و خوشامد کی اور شام ہی میں رہ جانے کی درخواست کی۔ مگر جب انہوں نے اس بات کو قبول نہ کیا تو ان کے لئے آراستہ پیراستہ پالکیوں والے اونٹ تیار کئے۔ ان لوگوں کے اخراجات کے لئے اموال حاضر کئے، اور کہنے لگا :۔ جو کچھ تم پر گزری ہے، یہ اس کے بدلے میں ہے۔ جناب ام کلثوم سلام اللہ علیہا نے فرمایا :۔ اے یزید کتنی شرم کی بات ہے کہ تو نے میرے ایسے بھائیوں اور اہل خانہ کو مار ڈالا ہے کہ پوری دنیا بھی

قدر و قیمت میں ان کے بال برابر نہیں۔ اور تو کہتا ہے یہ اس کا معاوضہ ہے جو میں نے کیا ہے ؟

پس اس نے نعمان بن بشیر کو طلب کیا جو کہ اصحاب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ میں سے تھے۔ اور ان سے کہنے لگا :- سفر کی تیاری کیجئے۔ اور جو کچھ بھی ضروری سامان سفر ہے ان خواتین کیلئے مہیا کیجئے۔ نیز اہل شام میں سے کسی شخص کو جو امانت و دیانت و نیکی و رہاست روی میں معروف ہو ایک دستہ لشکر کے ہمراہ اہل بیت کی نگرانی و حفاظت و ملازمت خدمت کے لئے مقرر کر کے ان لوگوں کو مدینہ کی جانب روانہ کیجئے۔

پس شیخ مفید کی روایت کے مطابق یزید نے حضرت سجاد (علی زین العابدین) علیہ السلام کو علیحدگی میں طلب کیا اور کہنے لگا :- خدا ابن مرجانہ (ابن زیاد) پر لعنت کرے۔ اگر میں آپ کے والد کے پاس موجود ہوتا تو وہ مجھ سے جو کچھ بھی طلب فرماتے میں عطا کر دیتا۔ اور جس طرح بھی ممکن ہوتا میں موت کو ان سے پرے دھکیلتا۔ اور ان کو مقتول نہ ہونے دیتا۔ لیکن قضائے خداوندی کو روکا نہیں جا سکتا۔ اب میں آپ کی حاجت براری کے لئے حاضر ہوں۔ آپ کو جس چیز کی بھی ضرورت ہو مدینہ سے مجھے لکھ بھیجئے تاکہ میں آپ کی حاجت پوری کر سکوں۔ پس اس نے آنحضرت اور اہل بیت کے لئے لباس و پوشاک فراہم کرنے کا حکم دیا۔

نیز اس نے نعمان بن بشیر کے لئے قاصد روانہ کر کے انھیں تلقین کی کہ ان لوگوں کو رات کو سفر کرائیں۔ ہر جگہ اہل بیت آگے رہیں اور دستہ لشکر ان کے عقب میں ہو اس انداز کے ساتھ کہ اہل بیت ان کی نظروں سے اوجھل نہ ہونے پائیں۔ نیز پڑاؤ کے مقامات پر ان لوگوں سے دور رہیں اور ان کے اطراف میں نگہبانوں کے طور پر منتشر ہو جایا کریں۔ اور اگر راستہ میں ان میں سے کوئی وضو کرنا چاہے یا اس کو حاجت درپیش ہو اور وہ رفع حاجت کے لئے پیدل چلے تو تمام ساتھی رک جائیں یہانتک کہ وہ بلا جھجک اپنی ضرورت پوری کر لے۔ اور ان لوگوں کے مدینہ میں داخل ہونے تک ان کے ساتھ اس طرح پیش آئیں جس طرح خدمتگار و محافظ پیش آتے ہیں۔

پس اس مرد خدا نے یزید کی وصیت پر عمل کیا۔ اور اہل بیت علیہم السلام کو

خاطر و مدارات کرتے ہوئے بڑے آرام سے سفر کا آغاز کرایا-اور ان کا ہر ہر طریقے سے خیال رکھا- یہانتک کہ انہیں مدینہ پہنچا دیا-

اور قرمانی نے "اخبار الدول" میں نقل کیا ہے کہ نعمان بن بشیر نے تیس افراد کے ہمراہ اہلبیت کو اسی انداز میں سفر کا آغاز کرایا' جس کا یزید نے حکم دیا تھا- یہانتک کہ وہ لوگ مدینہ پہنچ گئے- پس فاطمہ بنت امیر المؤمنین (علی) علیہ السلام اپنی ہمشیرہ جناب زینب سلام اللہ علیہا سے کہنے لگیں کہ :- اس مرد خدا نے ہم پر احسان کیا ہے- آپ کی کیا رائے ہے کہ ہم انہیں اس کے بدلے میں کوئی چیز عطا کریں ؟ جناب زینب سلام اللہ علیہا نے فرمایا :- ہمارے پاس اپنے زیورات کے علاوہ کوئی ایسی خاص چیز نہیں جو ہم انہیں عطا کر سکیں- پس انہوں نے دستی زیور اور دو بازو بند جو ان کے پاس تھے' باہر نکالے اور نعمان کے لئے بھجوائے -اور ساتھ ہی ان کے ناکافی ہونے پر معذرت بھی کی -انہوں نے یہ تمام زیورات واپس کر دیئے اور کہنے لگے :- اگر میں نے یہ کام دنیا کی خاطر کیا ہوتا تو میرے لئے یہ بھی کافی تھے اور میں ان ہی پر راضی رہتا- مگر خدا کی قسم میں نے آپ لوگوں سے حسن سلوک محض خدا کی خاطر اور آپ لوگوں کی رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ سے قرابت کی خاطر کیا ہے-

شیخ عباس قمی کے روایت کردہ ان چند اقتباسات سے یزید و کربلا و بندش آب کے حوالہ سے صدیوں پر محیط شیعی روایات کی نوعیت اور یزید کی شخصیت و سیرت کے بارے میں بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے- وقال تعالیٰ :اعدلوا ھو اقرب للتقوی-

---

۹- قائد اعظم محمد علی جناح ؒ (م ۱۹۴۸ء' کراچی)

۱۰- مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح ؒ (م ۱۹۶۷ء' کراچی)

بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح ؒ اور مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح ؒ مسلمانان برصغیر کے وہ عظیم المرتبت رہنما ہیں جنہوں نے برطانوی حکومت اور ملکی قانون سے تصادم مول لئے بغیر حتی الامکان پر امن پالیسی اختیار کرتے ہوئے تحریک پاکستان کو جمہوری انداز میں کامیابی سے ہمکنار کیا- آپ کی عظیم الشان سیاسی و اجتماعی خدمات کا ایک اہم پہلو فرقہ واریت سے پاک فکری واعتقادی طرز عمل اور اتحاد بین المسلمین کی علمبرداری ہے- تاہم یہ بات بالعموم مشہور و معروف ہے کہ آپ ایک گجراتی الاصل شیعی اسماعیلی خاندان سے تعلق رکھتے تھے- اور بعض روایات کے مطابق آپ شیعی اثنا عشری عقیدہ سے بھی متعلق رہے- جبکہ بعد ازاں آپ نے شیعیت کے بجائے صرف اور صرف "اسلام" اور "مسلمان" کو اپنی پہچان قرار دیتے ہوئے خود کو سواد اعظم اور جمور المسلمین سے ہم آہنگ کر لیا- آپ کے اثنا عشری ہونے کی ایک روایت اس وقت کی ہے جبکہ آپ ۱۹۲۴ء میں انڈی پنڈنٹ پارٹی کے سربراہ اور رکن اسمبلی کی حیثیت سے مرکزی اسمبلی کے اجلاس میں شریک تھے :-

"ایک دن مسٹر جناح فارغ ہوئے تو انہیں پیغام ملا کہ مسز جناح لانی میں چائے کے لئے ان کا انتظار کر رہی ہیں- وہ تشریف لائے- دونوں میاں بیوی اور راجہ غضنفر علی چائے پی رہے تھے کہ سر چمن لال سیتلواد بھی وہاں آگئے- وہ جناح کے خاصے بے تکلف دوست تھے- آتے ہی بیگم جناح سے کہنے لگے :-"مسز جناح اگر آپ اجازت دیں تو میں آپ کی محفل میں مخل ہو جاؤں ؟"- یہ کہہ کر وہ بھی چائے میں شریک ہو گئے اور پھر مسٹر جناح سے کہنے لگے :-"جناح میں ایک بات معلوم کرنا چاہتا ہوں- اس بات پر ایک جگہ بحث ہو رہی تھی اور میں کہہ رہا تھا کہ تم اسماعیلیہ فرقہ سے تعلق رکھتے ہو- کیا میرا

خیال درست ہے؟"۔

بالکل غلط۔ جناح صاحب نے فرمایا :- میں اثنا عشری ہوں جس کا مطلب ہے بارہ اماموں کو ماننے والا۔ اسماعیلیہ فرقہ اس سے بالکل الگ شے ہے۔

بیگم جناح مسکرا کر کہنے لگیں :- چمن! میرے بارے میں کسی غلط فہمی میں نہ پڑنا۔ میں بھی وہی ہوں جو جناح نے ابھی تمہیں بتایا ہے"۔

(سید نور احمد 'مارشل لاء سے مارشل لا تک' ص ۵۳' دین محمدی پریس لاہور، طبع دوم فروری ۱۹۶۶ء)۔

خاندانی اسماعیلی عقیدہ کے بعد اس بیان کی رو سے محمد علی جناح اڑتالیس برس کی عمر میں (۱۸۷۶-۱۹۲۶ء) شیعی اثنا عشری عقیدہ کے حامل تھے۔ اور انکی اہلیہ محترمہ رتی جناح جو کہ بمبئی کے ایک معزز و شریف النفس کروڑپتی پارسی تاجر سر ڈنشاپیٹٹ کی اکلوتی اولاد تھیں اور شادی سے پہلے اسلام قبول کر چکی تھیں' مسٹر جناح کو اپنا اعتقادی رہنما بھی تسلیم کر چکی تھیں۔

یہ بھی روایت کیا جاتا ہے کہ محمد علی جناح کی ایک ہمشیرہ کے لئے برادری سے جو رشتہ آیا وہ اہل سنت خاندان سے تھا۔ اور اس بناء پر آپ کے والد مسٹر جیناپونجا جو بروایت شیعی اسماعیلی مذہب سے تعلق رکھتے تھے' رشتہ قبول کرنے میں متامل و متذبذب تھے۔ جب محمد علی جناح کو یہ علم ہوا تو انہوں نے اپنے والد سے رابطہ قائم کر کے انہیں بالاصرار اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ اس رشتہ کو قبول کر لیں اور محض اختلاف فرقہ کی بناء پر رد نہ فرمائیں۔ چنانچہ مسٹر جیناپونجا نے اپنے بیٹے کے دلائل کو تسلیم کرتے ہوئے یہ رشتہ قبول کر لیا۔

قائداعظم محمد علی جناحؒ کی سب سے چھوٹی ہمشیرہ' مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح مذہبی و سیاسی ہر لحاظ سے اپنے بھائی کی ہم خیال و تائید کنندہ تھیں۔ اور جراحت اسنان (ڈینٹل سرجری) کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے باوجود انہوں نے محمد علی جناح کی اہلیہ رتی جناح کی جواں مرگی کے بعد اپنی ذاتی اور پیشہ ورانہ زندگی محمد علی جناح اور ان کے مسلم مشن کے لئے قربان کر دی۔ اور آخر دم تک ان کے ہمراہ رہیں۔ حتیٰ کہ ۱۱ ستمبر ۱۹۴۸ء کو

انکی وفات کے وقت بھی محترمہ فاطمہ جناح ہی ان کے ہمراہ تھیں۔اور قائداعظم نے وفات کے وقت: "فاطی خدا حافظ!" کہہ کر عزیز از جان ہمشیرہ وحیات مستعار سے بیک وقت رخصت چاہی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

قائداعظم کے اکثریتی جمہوری طرز فکر و عمل کی عکاسی اس امر سے بھی بخوبی ہو جاتی ہے کہ انہوں نے سنی و اسماعیلی و اثنا عشری ہر قسم کے خاندانی اثرات و عزیز و اقارب کی موجودگی میں اپنے آپ کو کسی فرقہ سے منسوب کئے بغیر نہ صرف تادم آخر سنی اکثریت کے عقیدہ و فقہ کے مطابق ارکان اسلام کی عوامی سطح پر پابندی فرمائی اور قرآن مجید کے انگریزی ترجمہ کے ساتھ ساتھ عمر دی گریٹ (انگریزی ترجمہ "الفاروق" مؤلفہ شبلی نعمانی) کو بطور خاص پسند فرمایا، بلکہ جب ان کی وفات پر اہل تشیع نے بعض حوالوں سے ان کے عقیدہ و مسلک کو اپنی طرف منسوب کرتے ہوئے شیعہ امام سے نماز جنازہ پڑھوانے کی کوشش کی تو مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح نے قائداعظم کی وصیت کے مطابق جلیل القدر سنی حنفی عالم دین اور قائداعظم کے دست راست مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کو امامت نماز جنازہ کی تلقین فرمائی۔چنانچہ انہوں نے ہی نمازہ جنازہ کی امامت فرمائی۔اور یہ امر بھی قائداعظمؒ کے بوقت وفات غیر اثنا عشری ہونے کا واضح ثبوت قرار دیا جاتا ہے۔

(واضح رہے کہ مولانا عبدالشکور فاروقی لکھنوی کے مرتب کردہ فتوی تکفیر اثنا عشریہ بربنائے عقیدہ تحریف قرآن پر دیگر اکابر دیوبند کے علاوہ مولانا شبیر احمد عثمانی کے بھی دستخط تھے۔ اور اس کی تائید حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی (م ۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۳ء) نے بھی فرمائی تھی۔اور اس فتوی کی رو سے کفر اثنا عشریہ کی بنا پر ان کے ساتھ نکاح اور ان کی نماز جنازہ پڑھنا یا ان کو جنازہ میں شریک کرنا ناجائز قرار دیا گیا تھا۔ ملاحظہ ہو:۔ متفقہ فیصلہ مرتبہ منظور نعمانی، حصہ اول، ضمیمہ، ص ۱۷۰-۱۷۱، مطبوعہ پاکستان)۔

یہ بھی معروف روایات و واقعات ہیں کہ کوئٹہ کی کسی اثنا عشری انجمن نے قائداعظم کو اپنے اجلاس میں شرکت کی دعوت دی مگر انہوں نے کسی فرقہ وارانہ تنظیم کے اجلاس میں شرکت نہ کرنے کے موقف کی بناء پر معذرت فرمائی۔اسی طرح بمبئی میں

شیعہ اسماعیلیہ کی طرف سے اسماعیلیوں کے لئے ایک ادارہ (دارالکفالت) قائم کیا گیا اور قائداعظم کو افتتاح کی دعوت دی گئی' تو قائداعظم نے اس شرط پر افتتاح کرنا منظور فرمایا کہ اس ادارہ کو صرف اسماعیلیوں کے لئے مخصوص نہیں رکھا جائے گا بلکہ یہ تمام مسلمانوں کے لئے وقف ہوگا۔

نیز روایت ہے کہ قائداعظم کی وفات کے بعد تقسیم جائیداد کے تنازعہ میں جب بعض رشتہ داروں نے شیعہ فقہ و قانون کے مطابق جائیداد تقسیم کرانے کی کوشش کی تو مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح نے باقاعدہ قانونی تحریری بیان جاری فرمایا کہ نہ تو قائداعظم شیعہ فرقہ سے تعلق رکھتے تھے اور نہ ہی وہ خود شیعہ ہیں۔

اس قسم کی روایات وبیانات کے بعد جن کی تعداد کثیر ہے اور بطور مجموعی ان کی تردید و تکذیب ممکن نہیں' قائداعظم کا ۱۹۲۴ء میں خود کو اثناعشری شیعہ قرار دینا یا دیگر روایات کی رو سے اسماعیلی قرار پانا اگر تسلیم بھی کر لیا جائے تو وہ قصہ ماضی ہے۔ جسے ناقابل تردید حقائق و شواہد کی رو سے حرف آخر قرار نہیں دیا جاسکتا۔

اور یہ سب اس فکری و سیاسی ارتقاء کا حصہ ہے جس سے گزرتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناحؒ "ہندو مسلم اتحاد" کے مقصد حیات پر نظر ثانی کرتے ہوئے "دو قومی نظریہ" کے علمبردار بنے۔ اور شیعیت کے بجائے فرقہ واریت سے پاک اس وسیع تر اسلامی عقیدہ کے حامل بنے جس میں قرآن مجید' سنت رسولؐ اور پوری جماعت صحابہؓ و اہل بیتؓ رضی اللہ عنہم واجب الاحترام و واجب الاتباع ہے۔ اور جس میں ان سب کے بارے میں منفی افکار و روایات نیز اجماع امت سے اختلاف و تصادم کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔ اور محترمہ فاطمہ جناح بھی دینی و سیاسی لحاظ سے انہی عقائد و افکار کی حامل تھیں۔ نیز خود اہل تشیع کے لئے بھی اسوہ قائداعظم و مادر ملت یہی ہے کہ اگر وہ ان ہر دو عظیم المرتبت ہستیوں کو اپنا ہم مسلک قرار دلوانے پر مصر و بضد ہیں تو پھر قرآن و سنت اور صحابہؓ و اہل بیتؓ (ازواج مطہراتؓ و بنات رسولؐ) رضی اللہ عنہم اجمعین کے بارہ میں تمام منفی عقائد و افکار سے نجات پاتے ہوئے فکری و اعتقادی لحاظ سے قائداعظمؒ و مادر ملتؒ جیسا وسیع تر اور فرقہ واریت سے پاک طرز فکر و عمل اختیار کریں۔ تاکہ دنیا و آخرت میں

فوزوفلاح سے ہمکنار ہو سکیں۔

"فکرِ شیعی میں یزید" کے موضوع زیرِ بحث کی مناسبت سے قائداعظمؒ کے بارے میں یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ انہوں نے سیدنا ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ کے شورائی انتخاب کے بعد ان سے سیدنا علیؓ کے پر خلوص تعاون و تفاہم اور صلح حسنؓ و معاویہؓ کے تناظر میں سیدنا حسینؓ کے اقدام خروج باصرار شیعان کوفہ نیز شیعان کوفہ کی غداری و بیعت یزید و ابن زیاد کے بعد یزید سے صلح و مذاکرات کی حسینی پیشکش کو تاریخی و سیاسی لحاظ سے پیش نظر رکھا۔ نیز جس طرح سیدنا حسینؓ نے ابن زیاد جیسے کم مرتبہ شخص کے بجائے اصل مقتدر و مدمقابل خلیفہ یزید کے ساتھ مذاکرات پر اصرار کیا اسی طرح قائداعظم نے مذاکرات میں حفظ مراتب کو ہمیشہ ملحوظ رکھا۔ اور ساتھ ہی فریق مخالف (مسلم و غیر مسلم) کے خلاف طعن و تبرا نیز ذاتیات پر مبنی طرز عمل اختیار کرنے سے اجتناب فرمایا۔ سیدنا حسینؓ کا اقدام خروج جمہور شیعان کوفہ کی بیعت حسینی پر مبنی تھا۔ مگر انہوں نے اس بیعت کو فسخ کر کے بیعت یزید و ابن زیاد کر لی تو سیدنا حسینؓ نے بھی جمہور شیعان کوفہ کے نئے طرز عمل کی روشنی میں اقدام خروج واپس لے لیا۔ اور قائداعظم بھی اسی اصول جمہوریت (اکثریت) پر قائم تھے۔ ان کا آخری فیصلہ ۱۹۴۶ء کے انتخابات میں مسلمانان برصغیر کے اکثریتی (جمہوری) فیصلہ کا منتظر تھا۔ مگر شیعان کوفہ کی سیدنا حسینؓ سے من حیث الجماعت غداری کے برعکس جمہور مسلمانان برصغیر نے حکومت وقت اور ہندو اکثریت کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے قائداعظم و مادر ملت و پاکستان کے حق میں فیصلہ دیا۔ اور "غدار کوفہ" کے بعد "وفادار پاکستان" معرض وجود میں آیا۔ وان فی ذلک لآیات لأولی الالباب۔

۱۱- سید شاکر حسین نقوی امروہوی

یزید دشمنی کی بنا پر واقعات کربلا کے حوالہ سے زبان زدعام مبالغہ آمیز بہتان تراشیوں میں کس حد تک صداقت ہے؟ اس سلسلہ میں انصاف پسند شیعہ مؤرخین بھی اس بات کے قائل ہیں کہ بہت سی تفصیلات مبالغہ آرائی یا کم علمی پر مبنی ہیں۔ چنانچہ اثنا عشری شیعہ مصنف جناب شاکر حسین نقوی امروہوی اپنی مشہور کتاب "مجاہد اعظم" میں رقمطراز ہیں:-

"صدہا باتیں طبعزاد تراشی گئیں۔ واقعات کی تدوین عرصہ دراز کے بعد ہوئی۔ رفتہ رفتہ اختلافات کی اس قدر کثرت ہو گئی کہ سچ سے جھوٹ کو جھوٹ کو سچ سے علیحدہ کرنا مشکل ہو گیا۔ ابو مخنف لوط بن یحییٰ ازدی کربلا میں خود موجود نہ تھے، اس لئے یہ سب واقعات انہوں نے بھی سماعی لکھے ہیں۔ لہذا مقتل ابو مخنف پر بھی پورا وثوق نہیں۔ پھ لطف یہ کہ "مقتل ابو مخنف" کے متعدد نسخے پائے جاتے ہیں۔ جو ایک دوسرے سے مختلف البیان ہیں اور ان سے صاف پتہ چلتا ہے کہ خود ابو مخنف واقعات کے جامع نہیں بلکہ کسی اور ہی شخص نے ان کے بیان کردہ سماعی واقعات کو قلمبند کر دیا ہے۔ مختصر یہ کہ شہادت امام حسین کے متعلق عام واقعات ابتداء سے انتہا تک اس قدر اختلافات سے پر ہیں۔ کہ اگر ان کو فرداً فرداً بیان کیا جائے تو کئی ضخیم دفتر فراہم ہو جائیں۔

اکثر واقعات مثلاً اہل بیت پر تین شبانہ روز پانی کا بند رہنا، فوج مخالف کا لاکھوں

کی تعداد میں ہونا، جناب زینب کے صاحبزادوں کا نو دس برس کی عمر میں شہادت پانا، فاطمہ کبریٰ کا عقد روز عاشورہ قاسم ابن حسن کے ساتھ ہونا، عباس علمدار کا اس قدر جسیم اور بلند قامت ہونا کہ باوجود سواری اسپ ورکابہ آپ کے پاؤں زمین تک پہونچتے تھے۔ جناب سید الشہداء کی شہادت کے موقع پر آپ کی خواہر گرامی جناب زینب بنت امیرالمومنین کا سروپا برہنہ خیمہ سے نکل کر مجمع عام میں چلا آنا، شمر کا سینہ مطہر پر بیٹھ کر سر تن سے جدا کرنا، آپ کی لاش مقدس سے کپڑوں تک کا اتار لینا، نعش مطہر کو لکد کوب سم اسپاں کیا جانا، سرادقات اہل بیت کی غارتگری اور نبی زادیوں کی چادریں تک چھین لینا۔ شمر کا سکینہ بنت حسین کے منہ پر طمانچہ مارنا، سکینہ کی عمر تین سال کی ہونا، روانگی اہل بیت کے وقت جناب زینب کی پشت پر درے لگائے جانا، اہل بیت رسالت کو بے مقنع وچادر ننگے اونٹوں پر سوار کرنا، سید الساجدین کو طوق وزنجیر پہنا کر ساربانی کی خدمت دیا جانا، علاوہ کوفہ و دمشق کے اثناء راہ میں جا بجا اہل حرم کو نہایت ذلت و خواری سے تشہیر کرنا، محبس دمشق میں عرصہ دراز تک نبی زادیوں کا قید رہنا، ہندہ زوجہ یزید کا قید خانہ میں آنا، یا اس کا اہل بیت کی روبکاری کے وقت محل سرائے شاہی سے سر دربار نکل آنا، سکینہ کا قید خانہ ہی میں رحلت پانا، سید الساجدین کا سرہائے شہداء لیکر اربعین (۲۰ صفر) کو کربلا واپس آ جانا اور چالیسویں روز لاشہائے شہداء کو سپرد خاک کرنا، وغیرہ وغیرہ نہایت مشہور و زبان زد خاص و عام ہیں۔ حالانکہ ان میں سے بعض سر سے سے غلط، بعض مشکوک، بعض ضعیف، بعض مبالغہ آمیز اور بعض من گھڑت ہیں۔"

(سید شاکر حسین نقوی امروہوی، مجاہد اعظم، ص ۱۷۷-۱۷۸)۔

جناب شاکر حسین نقوی کے بقول رسوم ماتم و عزاداری کی باقاعدہ ابتداء واقعہ کربلا کے تقریباً دو سو سال بعد بغداد میں کی گئی اور اہل تاریخ سے یہ بات بھی مخفی نہیں کہ اس کی بنیاد ڈالنے والے معز الدولہ دیلمی کو جب سیدہ ام کلثوم بنت علیؓ کے سیدنا فاروق اعظمؓ سے نکاح کا علم ہوا تو وہ عقائد باطلہ سے تائب ہوا اور حیرت سے کہتا تھا کہ :-

ما سمعت بهذا قط- یہ بات تو میں نے کبھی سنی ہی نہ تھی۔ (ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج ۱۱، ص ۲۶۲)-

"سلطنت بغداد کے ضعف پر دیلمی خاندان (بویہ) کو عروج ہوا تو ۳۵۱ھ میں معز الدولہ دیلمی کے حکم سے بغداد میں حسین مظلوم کا علانیہ ماتم منایا گیا- اور یہ پہلا موقع تھا کہ اس طرح بہ تغیر نوعیت آزادانہ مجلس عزا قائم ہوئی- یہ رسم بغداد میں کئی برس جاری رہی-" (سید شاکر حسین نقوی، امروہوی، مجاہد اعظم، ص ۳۳۲)-

۱۲- سر سلطان محمد شاہ آغا خان (م ۱۹۵۷ء جینیوا)

شیعہ اسماعیلیہ کے حاضر امام، ہز رائل ہائی نس سر سلطان محمد شاہ آغا خان سوئم (۱۸۷۸ء - ۱۹۵۷ء، وفات جینیوا و تدفین اسوان، مصر بمطابق وصیت) اتحاد امت کے عظیم داعی تھے۔ آپ عربی، فارسی، انگریزی اور فرانسیسی زبانوں کے ماہر، ایک عالمی شہرت یافتہ مفکر و عالم اور مذہبی و سیاسی رہنما تھے۔ جو صدر "آل انڈیا مسلم لیگ" (۱۹۰۷ - ۱۹۱۲ء) نیز صدر "جمعیت اقوام" (۱۹۳۷ء) جیسے عظیم الشان مناصب پر فائز رہے۔ خلافت راشدہ و بنو امیہ کے حوالہ سے آپ کے افکار بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ چنانچہ خلافت سیدنا ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ کے سلسلہ میں فرماتے ہیں:-

"خلیفہ سوئم کی شہادت کے وقت تک کامل اتحاد رہا، کوئی اختلاف نہ تھا۔ حضرت علیؓ خلفاء ثلاثہ سے پورا تعاون کرتے رہے۔ خلافت کا کوئی سوال نہیں اٹھایا۔ جب انہوں نے ہی نہیں اٹھایا تو ہم بھی کیوں اٹھائیں۔ جب وہ ان کا احترام کرتے تھے تو ہم کیوں نہ کریں۔" (فرمان سر آغا خان بعنوان "اسماعیلی اور پہلے تین خلفاء" بحوالہ اسلامک ریویو کرنگ، "دی گریٹ امیہ" مطبوعہ پاکستان پرنٹنگ پریس، کراچی)۔

فروری ۱۹۵۱ء میں سر آغا خان نے جو تقریر بعنوان: اسلامی مملکتوں کی تاریخ، ان کا عروج و زوال و مستقبل کی توقعات۔ فرمائی تھی، اس میں اس امر کا اظہار کرتے ہوئے کہ بیشتر اسلامی کتب تاریخ، بنی امیہ کے مخالف اثرات کے تحت لکھی گئیں، فرمایا تھا:-

"یقین جانئے صحیح اسلام جامد نہیں بلکہ متحرک و فعال تھا اور ہے۔ امویوں کے شاندار عہد میں وہ فعال و متحرک، سیدھا سادا، خالص و بے میل رہا اور اس کی بنیادیں کشادہ اور گہری رہیں۔ اتنی کشادہ اور گہری کہ آئندہ کی تمام کمزوریوں کے باوجود، منگولوں کی خطرناک تاخت و تاراج کے، اور اس کے بعد اس سے بھی زیادہ خطرناک یورپ دشمنی کے باوجود وہ قائم و برقرار رہا۔

آپ اپنے مورخین سے مطالبہ کیجئے اور اپنے مفکرین سے کہئے کہ وہ اس شاندار صد سالہ اموی دور پر اپنی توجہ مرکوز کریں۔ اور اس کے سیدھے سادے عقیدے، کشادہ ذھنیت نیز قانونی اور متکلمانہ جکڑ بندیوں سے آزاد و فعال خصوصیت کو بطور مثال کے سامنے رکھیں۔" (اردو ترجمہ، فرمان آغا خان، بحوالہ محمود احمد عباسی، خلافت معاویہ و یزید، کراچی جون ۱۹۶۲ء)

ص ۴۹، اقتباس از "عرضِ مؤلف" بر اشاعت اول جولائی ۱۹۵۹ء)۔

سر آغا خان نے اپنی خداداد بصیرت کی بناء پر قیام پاکستان کے بعد نہ صرف لسانی تعصبات کے خاتمہ اور اسلام و عالم اسلام سے مضبوط رشتہ استوار کرنے کی خاطر عربی کو پاکستان کی سرکاری و قومی زبان قرار دینے کی تحریک برپا فرمائی۔ بلکہ اسلامی تاریخ کا بے لاگ تجزیہ کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا:-

"دنیائے اسلام کی صدیوں کی تباہی اور بربادی کے بعد پاکستان بحیثیت سب سے پہلی عظیم ترین اسلامی مملکت کے عالم وجود میں آیا ہے۔ اس لئے یہ موزوں ترین وقت ہے کہ اسلامی تاریخ کے اس عظیم الشان دور یعنی بنی امیہ کے درخشاں دور صد سالہ کی سچی تاریخ لکھی جائے۔ اور پاکستانی پبلک کے سامنے پیش کی جائے۔ جن کو اپنے ماضی کے سچے اور بے لاگ تناظر و تبصرے کی شدید حاجت ہے۔"

(پیش لفظ نوشتہ سر آغاخان، مندرجہ تالیف محمد اے حارث "دی گریٹ امیہ" مطبوعہ کراچی)۔

ہز رائل ہائی نس سر سلطان محمد شاہ آغا خان کا بحیثیت حاضر امام شیعہ اسماعیلیہ وہ تاریخی فرمان بھی سنہرے حروف میں لکھنے کے قابل ہے جس میں انہوں نے دنیا بھر کے کروڑوں اسماعیلیوں میں اسلامی عقائد راسخ کرنے کی خاطر اپنے پیرووں سے خطاب کرتے ہوئے سن ۱۹۳۴ء میں فرمایا:-

"شہادت دو کہ اللہ ایک ہے۔ (اشہد أن لا الہ الا اللہ-)

شہادت دو کہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔ اشہد أن محمداً رسول اللہ-)

قرآن اللہ کی کتاب ہے۔ کعبہ سب کا قبلہ ہے۔

تم مسلمان ہو اور مسلمانوں کے ساتھ تمہیں رہنا چاہیئے۔

مسلمانوں کو سلام "السلام علیکم" کہہ کر کرو، اپنے بچوں کے نام اسلامی رکھو۔

مسجدوں میں مسلمانوں کے ساتھ باجماعت نماز ادا کرو۔ روزے پابندی سے رکھو، اپنی شادیاں اسلامی قانون نکاح کے مطابق کرو۔

تمام مسلمانوں کے ساتھ بھائیوں جیسا سلوک روا رکھو۔" (فرمان سر آغا خان، مطبوعہ انگریزی اخبار "سٹار" الہ آباد، ۱۲ مارچ ۱۹۳۴ء، نیز ملاحظہ ہو تالیف شورش کاشمیری "تحریک ختم نبوت" ۱۸۹۱ء سے ۱۹۷۴ء تک، لاہور، چٹان پرنٹنگ پریس، ص)۔

۱۱۳- شیعہ عالم، شہید عبدالکریم قاسم الخلیل (قسطنطنیہ)

قاضی ابوبکر ابن العربی (م ۵۴۶ھ) کی مشہور تصنیف "العواصم من القواصم" کے مرتب اور عصر جدید کے مشہور عرب محقق و دانشور محب الدین الخطیب نے "دارالعلوم" قسطنطنیہ، میں اپنی طالب علمی کے زمانہ کا ایک واقعہ درج کیا ہے کہ یہ عثمانی سلطان عبدالحمید خان ثانی کا زمانہ خلافت تھا۔ ایک مرتبہ مجلس طلبہ میں "سیرت و خلافت معاویہؓ" موضوع بحث تھا۔ میرے ایک ہمدرس نے جو مسلکاً شیعہ تھے، اس بحث میں حصہ لیا اور اپنی تقریر کے دوران میں باعلان کہا کہ یزید بن معاویہؓ پاک سیرت خلیفہ تھے:-

"وقف صديقى الشهيد المعيد عبدالكريم قاسم الخليل و كان شيعياً فقال: أنتم تسمون سلطاننا خليفة و أنا اخوكم الشيعى أعلن أن يزيد بن معاوية كان بسيرته الطيبة أحق بالخلافة وأصدق عملاً بالشرع المحمدى من خليفتنا فكيف بأبيه معاوية-" (العواصم من القواصم للقاضى ابى بكر ابن العربى، مرتبة محب الدين الخطيب، مطبوعة القاهرہ، باہتمام لجنة الشباب المسلم" حاشية ص ۲۰۸)-

ترجمہ:- پھر میرے دوست شہید عبدالکریم قاسم الخلیل کھڑے ہوئے جو کہ شیعہ تھے۔ پس وہ کہنے لگے:-

آپ لوگ ہمارے سلطان (عبدالحمید ثانی) کو خلیفہ کا نام دیتے ہیں۔ جبکہ میں آپ کا شیعہ بھائی یہ اعلان کرتا ہوں کہ یزید بن معاویہؓ اپنی پاکیزہ سیرت کے اعتبار سے ان کی نسبت خلافت کے زیادہ حقدار تھے۔ اور شرع محمدی پر عمل کے لحاظ سے ہمارے ان خلیفہ (عبدالحمید) سے زیادہ صادق تھے۔ پس ان کے والد معاویہؓ کا مقام تو ان سے کہیں بلند تر ہے۔

۱۴- مولانا مظہر علی اظہر

(م ۱۹۷۴ء' لاہور)

برصغیر کے معروف شیعہ عالم و مصنف مولانا مظہر علی اظہر ایڈووکیٹ ' کل ہند "مجلس احرار اسلام" کے ایک اہم رہنما اور امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے رفیق خاص تھے- آپ لکھنو (یوپی) کی مشہور تحریک مدح صحابہؓ کے روح رواں اور خلفاء ثلاثہؓ سمیت جملہ صحابہ کرامؓ کی تعظیم و تجلیل کے علمبردار تھے- آپ کے والد جناب محمد عبداللہ ضلع سیالکوٹ سے تعلق رکھتے تھے :-

"مولانا مظہر علی اظہر ۱۸۹۵ء میں بٹالہ ضلع گورداسپور میں پیدا ہوئے- آپ کا خاندان کنجروڑ' تحصیل شکر گڑھ' ضلع سیالکوٹ سے نقل مکانی کر کے بٹالے میں آباد ہو گیا تھا- آپ نے ایم بی ہائی سکول ' بٹالہ سے میٹرک کا امتحان پاس کیا- اسلامیہ کالج' لاہور سے گریجوایشن کی- لاء کالج سے ایل ایل بی کی سند لی- ۱۹۱۸ء میں وکالت شروع کی- ۱۹۱۹ء میں رولٹ ایکٹ کے خلاف پورے ملک میں احتجاج ہوا-(۱)

آپ کو گرفتار کر لیا گیا- آخر ۸ جولائی ۱۹۱۹ء کو آپ رہا ہوئے-

۸ جنوری ۱۹۲۸ء سے آپ نے لاہور ہائی کورٹ میں وکالت شروع کر دی- دسمبر ۱۹۲۹ء میں "مجلس احرار" کی بنیاد رکھی گئی تو آپ کو اس کا پہلا جنرل سیکرٹری مقرر کیا گیا-(۲)

۳ اکتوبر ۱۹۳۱ء کو آپ نے تحریک سول نافرمانی کا آغاز کیا- اور ۱۱۳ مجاہدین پر مشتمل قافلے کے رہنما کی حیثیت سے سچیت گڑھ کے راستے ریاست کشمیر میں داخل ہونے کے لئے روانہ ہوئے- لیکن وہاں پہنچنے سے پہلے ہی گرفتار ہو گئے-(۳)

"تبرا ایجی ٹیشن" میں آپ نے "تحریک مدح صحابہ" میں حصہ لیا- اس تحریک میں ان کے صاحبزادے قیصر مصطفیٰ ایڈووکیٹ بھی شریک تھے"-

(سید حسین عارف نقوی' تذکرہ علماء امامیہ پاکستان' ص ۳۸۷-۳۸۸' ناشر: مرکز

تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد، ۱۴۰۴ھ / ۱۹۸۴م۔

حاشیہ ا، ص ۳۸۷ بحوالہ اختر راہی، تذکرہ علماء پنجاب، ج ۲، ص ۷۴۳،

وحاشیہ ۲-۳، ص ۳۸۷ بحوالہ جانباز مرزا، کاروان احرار، ج ا، ص ۱۳۹-۱۴۰،

وص ۱۹۸)۔

"آخر عمر میں آپ سیاست سے مکمل طور پر علیحدہ ہو گئے تھے اور خالصتاً مذہبی تبلیغ کی طرف متوجہ تھے۔ آپ ایک کامیاب مقرر اور بہترین مصنف تھے۔ آپ نے حسب ذیل کتابیں لکھیں :۔

۱۔ تحریک مدح صحابہ۔

۲۔ ہمارے فرقہ وارانہ فیصلے کا استدراج۔

۳۔ ستیارتھ پرکاش اور مرزا غلام احمد۔

۴۔ مسٹر جناح اور تحریک شہید گنج۔

۵۔ جدوجہد آزادی میں احرار کا حصہ (۱)"۔

(حسین عارف نقوی، تذکرہ علماء امامیہ پاکستان، ص ۳۸۸-۳۸۹،

وحاشیہ (۱) ص ۳۸۹ بحوالہ اختر راہی، تذکرہ علماء پنجاب، ج ۲، ص ۷۴۳)۔

"کہا جاتا ہے کہ اس زمانے میں جبکہ آپ جیل میں تھے، قرآن پاک حفظ کیا تھا۔

آپ کے صاحبزادے جناب خاقان بابر، لاہور کے مشہور وکیل ہیں۔ ۲ نومبر ۱۹۷۴ء میں آپ واصل بحق ہوئے۔ آپ کے جنازے میں مختلف مکاتب فکر کے لوگوں نے شرکت کی۔ شیعوں کی طرف سے آپ کی نماز جنازہ مفتی جعفر حسین مدظلہ اور سنیوں کی طرف سے مولانا عبید اللہ انور مدظلہ نے پڑھائی"۔

(حسین عارف نقوی، تذکرہ علماء امامیہ پاکستان، ص ۳۸۹۔

وحاشیہ ۲ بحوالہ ماہنامہ "پیام عمل" لاہور دسمبر ۱۹۷۴ء، ص ۳۹) ۔

مولانا مظہر علی اظہر نے اپنی ڈیڑھ سو سے زائد صفحات (۱۶۵) پر مشتمل معروف

تصنیف "تحریک مدح صحابہ" میں لکھنو (یوپی) کی مشہور "تحریک مدح صحابہؓ" بمقابلہ "تبرا ایجی ٹیشن" کے تاریخی پس منظر اور اس سلسلہ میں ۱۹۳۶ء میں "مجلس احرار اسلام" کی وسیع تر "تحریک مدح صحابہؓ" کا جائزہ لیا ہے-نیز شیعہ سنی کشمکش اور "تبرا ایجی ٹیشن" و "تحریک مدح صحابہؓ" کے ماضی، حال اور مستقبل کا فکری و سیاسی تجزیہ پیش فرمایا ہے- یہ کتاب ۱۹۳۹ء تک کے احوال کا احاطہ کرتی ہے-اختصار کے پیش نظر اس کے محض ابواب کے نام درج ذیل ہیں جن سے کتاب کی افادیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے- اگرچہ فاضل مصنف کی ہر بات سے اتفاق لازم نہیں :-

باب اول - تمہید

باب دوم - تقسیم ایران-لکھنو مین شیعہ سنی اختلاف-

باب سوم- شیعوں نے کیا قیمت ادا کی-

باب چہارم- تحریک مدح صحابہ کا نیا دور-

باب پنجم - مسلم لیگ اور مدح صحابہ-

باب ششم - شیعوں کی ضد کے اسباب-

باب ہفتم - احرار کا اتمام حجت-

باب ہشتم - السپ کمیٹی کی رپورٹ اور بدلتی ہوئی حکومتیں-

باب نہم - شیعوں کی طرف سے تحریک تبرا کا اجراء-

باب دہم - تحریک تبرا کا نتیجہ-

باب یازدھم- خاتمہ کلام-

باب دوازدھم- خال کی اسلامی سیاست اور تحریک تبرا-

باب سیزدھم- خاکساری فتنہ-

جنرل سیکریٹری "مجلس احرار" مولانا مظہر علی اظہر نے "مجلس احرار اسلام" کی جانب سے "تحریک مدح صحابہؓ" کی تائید و اعانت پر اعتراض کو رد کرنے کے لئے اپنی سیاسی حریف جماعت "مسلم لیگ" کی جانب سے بھی مدح صحابہؓ پر پابندی کی بناء پر یوپی

حکومت کی مذمت کا حوالہ دیا ہے۔اس سلسلہ میں نوابزادہ لیاقت علی خان کی یوپی کونسل میں تقریر اور ایوان میں اس کے تائید کنندگان کا حوالہ دیتے ہوئے مولانا رقمطراز ہیں :۔

"میں اس ایوان کو مطلع کرنا چاہتا ہوں کہ یہ اصحاب جن کی تعریف کرنا جرم قرار دیا گیا ہے' اسلام کے زبردست محسنوں میں سے تھے۔اور انہیں کی ذات سے دنیا میں اسلام کی روشنی پھیلی۔اور نہ صرف یہ کہ رسول اللہ کے خاص دوستوں اور جان نثاروں میں سے تھے بلکہ ان کے قریبی اعزہ بھی تھے۔حضرات ابوبکرؓ و عمرؓ رسول اللہ کے خسر تھے۔اور حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ داماد ان کے تھے۔مسلمان ان تمام حضرات کی عزت کرتے ہیں۔اور کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ ان اصحاب کے ماننے والوں کو ان کے بزرگوں کی تعریف سے روک دے۔اور میری سمجھ میں نہیں آتا' جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ سنیوں کو اپنے بزرگوں اور اسلام کے محسنوں کی تعریف سے روک دیا جائے' وہ آخر کس وجہ سے ایسی خواہش کرتے ہیں۔ سنی کسی کو گالی نہیں دیتے' پھر بگڑنے کی کیا وجہ ہے ؟"۔

(مظہر علی اظہر' تحریک مدح صحابہ' باب پنجم' مسلم لیگ اور مدح صحابہ' ص ۷۵-۷۶' مکتبہ اردو' لاہور' ۱۹۳۹ء /ما بعد)۔

۱۹۳۹ء میں مہاتما گاندھی کے پاس شیعہ وفد کے مطالبہ کے حوالہ سے کہ ۱۲ ربیع الاول کے جلوس میں اہل سنت کو لکھنو میں مدح صحابہؓ سے روکنے کے لئے یوپی کی کانگرسی حکومت کو حکم دیں' مولانا لکھتے ہیں کہ مہاتما گاندھی تو خود پونے دو سال پہلے کانگرسی وزراء کو حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کی مثالیں دے چکے تھے۔

(بحوالہ اعلان مہاتما گاندھی بنام کانگرسی وزراء' مطبوعہ اخبار " احسان " ۲۶ جولائی ۱۹۳۷ء)۔

"میں ابوبکرؓ اور عمرؓ کی مثالیں بیان کرتا ہوں۔راما اور کرشنا زمانہ قبل تاریخ کے نام ہیں۔ ممکن ہے میں ان ناموں کو نظیرانہ استعمال کر سکوں۔تاریخ سیواجی اور پرتاپ کے

حالات بتاتی ہے۔ جو انتہائی سادگی کے ساتھ رہا کرتے تھے۔

لیکن ممکن ہے اس بارے میں اختلاف رائے ہو کہ جب انھیں قوت و اقتدار ملا تو انھوں نے کیا کیا۔ مگر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے بارے میں کوئی اختلاف رائے نہیں ہے۔

دنیا کی ساری دولت ان کے قدموں میں پڑی ہوئی تھی۔ مگر یہ دشوار ہوگا کہ ان کی مشقت کوش زندگی کے مقابلے میں کوئی تاریخی نظیر پیش کی جاسکے۔ حضرت عمرؓ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ آپ کے مددگار دور کے صوبوں میں سوائے موٹے کپڑوں اور کھردرے فرش کے کچھ استعمال کر سکیں گے۔

مہاتما گاندھی کے اس اعلان کے شائع ہونے کے پونے دو سال بعد میرے شیعہ بھائی مہاتما جی کے پاس وفد لیکر یہ کہنے گئے کہ آپ کی لکھنؤ کی حکومت نے یہ بہت ظلم شیعوں پر کر دیا ہے کہ ان حضرات کی مدح کی سال بھر میں ایک دن اجازت دیدی ہے۔ گو باقی سال بھر ان کی مدح کرنا ہماری پاس خاطر سے یا ہماری فساد پسندی کے خوف سے جرم ہی قرار دیا ہے۔ اس لئے آپ یو پی کی حکومت سے کہیں کہ ایسا ظلم عظیم نہ کرے۔ ورنہ ہم عمر بھر ان حضرات کی توہین کرتے ہوئے جیل خانوں کو بھرتے رہیں گے "۔

(مظہر علی اظہر، تحریک مدح صحابہ ص ۷-۱۱۸، مکتبہ اردو، لاہور)

مولانا مظہر علی اظہر 'مسئلہ خلافت کے حوالہ سے تفصیلاً بیان فرماتے ہیں :-

"سنی بھائیوں کو سمجھانا اور ہندوستان میں بہتر فضا پیدا کرنا میرے سنی بھائیوں کا کام ہے۔ لیکن ان سے کوئی بات کہنے کے بجائے شیعہ بھائیوں سے مدح صحابہ کے سلسلہ میں خطاب کر کے اپنے فرض منصبی سے سبکدوش ہونا چاہتا ہوں۔ تاکہ میرے لئے دینی اور دنیاوی سرخروئی کا سامان ہو۔

مسئلہ خلافت

مجھے معلوم ہے کہ بعض طبیعتیں ایسی ہونگی جنہیں میری بات کسی قدر ناگوار

ہو گی۔ لیکن میں کیا کروں کہ میرے سامنے ان ہی بزرگوں کا اسوہ حسنہ ہے جن کے نام پر اور جن کی محبت میں سرشار ہو کر میرے شیعہ بھائی مدح صحابہ پر اعتراض کرتے ہیں۔اور کسی ایسے جلوس کا نکلنا جس میں مدح صحابہ پڑھی جائے' قبول نہیں کرتے۔ مسئلہ خلافت میں باہمی اختلاف آج سے نہیں۔ لیکن جب مدینہ منورہ میں وصال جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد مسئلہ خلافت عملی حیثیت سے عالم اسلامی کے سامنے آیا' تو اس تمام اصولی اختلاف اور ذاتی شکایت کے باوجود جو "سقیفہ بنی ساعدہ" میں تخت خلافت کے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے سپرد کیے جانے سے حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کو تھی' آپ نے مدینہ منورہ کی گلیوں میں' مسجد نبوی کے صحن' اور خانہ کعبہ اور مکہ معظمہ کے بازاروں' اور تمام عرب کے میدانوں اور مساجد میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی مدح و ثنا کو قبول کیا۔اور خدمت اسلام کا وہ حقیقی جذبہ ظاہر کیا۔ جس نے اس ابتدائی دور میں خانہ جنگی کو روک کر اسلام کی بنیادوں کو استوار کیا۔ اگر جناب امیر علیہ السلام کا دل گردہ بھی ہماری طرح ہوتا کہ وہ مدح صحابہ کو برداشت نہ کر سکتے' تو وہ صحابہ کو تخت سلطنت پر بیٹھتے اور ان کے نام کا سکہ اور خطبہ عالم اسلامی میں جاری ہوتے کب دیکھ سکتے تھے۔لیکن انہوں نے اصولی اظہار اختلاف کے باوجود کبھی اس امر کو پسند نہیں کیا کہ وہ عالم اسلامی کے شیرازے کو اپنی حق طلبی کے ذریعہ منتشر کریں۔یہ کام بڑے صبر کا کام تھا۔لیکن صبر کرنیوالوں کی پیروی کا دعوے کرتے وقت دامن صبر کو ہاتھ سے چھوڑنا کمال تقلید نہیں۔

بنو امیہ اور بنو عباس

کون نہیں جانتا کہ جناب امیر علیہ السلام کے سامنے بڑی سے بڑی آسائشیں آئیں۔اور ایک وقت وہ بھی آیا جب کہ ایک طرف حضرت عباس ابن عبدالمطلب اور دوسری طرف ابو سفیان نے آپکی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کے حق خلافت کا اظہار و اقرار کیا۔اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے خلاف اپنی تائید و حمایت کا یقین دلایا۔ تاکہ مدینہ کو بنی امیہ اور بنی عباس کے اونٹ اور گھوڑے' سوار اور پیدل بھر دیں۔اور علی اور ابو بکر کے

لشکر بر سر پیکار نظر آئیں- امداد کا یقین دلانے والے یہ دونوں رفیق عرب میں اعلے حیثیت رکھتے تھے-اور ان ہی کی اولاد نے بعد میں دمشق اور بغداد کی خلافتیں قائم کر کے تخت سلطنت کو صدیوں تک بنوامیہ اور بنوعباس کے قبضہ میں رکھا-اور تمام دنیا پر دونوں خاندانوں کا ڈنکا بجایا-اس وقت ایک طرف مانعین زکوۃ سے تصادم تھا-اور دوسری طرف مسیلمہ کذاب اور سجاح کی نبوت باطلہ کی تائید کرنے والے لشکروں سے مقابلہ تھا-اگر جناب امیر بھی موقع کی تلاش میں ہوتے تو خلافت وقت کی مشکلات سے فائدہ اٹھانا اور عباس اور ابو سفیان کی دعوت پر لبیک کہنا کچھ مشکل نہ تھا-

حضرت امیر علیہ السلام کا اسوہ حسنہ

لیکن آپ نے تمام فتنوں کو گہری نیند سلا دیا اور اس دوستی اور ایثار و خلوص کا ثبوت دیا جس کی یاد ہر مسلمان کیلئے تا ابد درس سیاست رہیگی-آپ نے اپنے ہمدردوں سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ :-

"ایها الناس ! شقوا أمواج الفتن بسفن النجاة – و عرجوا عن طريق المنافرة و ضعوا تيجان المفاخرة –هذا ماء اجن ولقمة يغص بها آكلها – ومجتنى الثمرة لغير وقت إيناعها كالزارع بغير أرضه –فان أقل ' يقولوا:حرص على الملك– و إن اسكت يقولوا:جزع من الموت –هيهات بعد اللتيا و التى ' فوالله لإبن أبى طالب آنس بالموت من الطفل بثدى أ مه – بل اندمجت على مكنون علمه لو بحت به لاضطربتم اضطراب الارشية فى الطوى البعيدة"-

اے لوگو! فتنے کے سمندروں کو نجات کی کشتیوں سے چیر جاؤ-باہمی منافرت کے راستہ سے کنارہ کش ہو-اور مفاخرت کے تاج اتار کر پھینک دو-(گویا آپ خود اپنے تاج مفاخرت کو اتار کر پھینک رہے ہیں تاکہ عالم اسلامی باہمی مفاخرت اور فتنہ سے بچ جائے)- یہ کڑوا پانی ہے (جسے پینے کیلئے مجھے کہا جارہا ہے)-اور یہ وہ لقمہ ہے جو کھانے والے کے حلق میں اٹک جاتا ہے-اور جو شخص پھل کی اس وقت تلاش کرے جب اس کے پکنے کا وقت

نہ ہو اسکی مثال اس بونے والے کی ہوتی ہے جو اپنا بیج کسی غیر کی کھیتی میں ڈالے (کہ بیج اور محنت تو اسکی صرف ہو لیکن فائدہ غیر کو پہنچے)۔ پس اگر میں کہوں (کہ سلطنت میرا حق ہے اور مجھے ملنی چاہیئے) تو لوگ کہیں گے کہ علی نے بادشاہت کی حرص کی۔ اور اگر میں خاموش رہوں (اور لڑائی نہ لڑوں) تو کہیں گے کہ علی موت سے ڈر گیا۔ افسوس میرے چھوٹے بڑے معرکے دیکھنے کے بعد اب بھی مجھ پر ڈرنے کا الزام عائد ہوتا ہے۔ مگر اللہ کی قسم! ابو طالب کا فرزند موت سے اس قدر انس رکھتا ہے کہ دودھ پینے والا بچہ اپنی ماں کی چھاتیوں سے اسقدر انس نہیں رکھتا۔ لیکن مجھے اس علم مخفی سے پوری واقفیت ہے۔ جسے اگر میں تم پر ظاہر کروں تو تمہارے دل سینوں میں اس طرح بیقرار نظر آئیں جس طرح گہرے کنوؤں میں ڈولوں کی رسیاں بیقرار نظر آتی ہیں"۔

سیاست حیدری کے اس عدیم النظیر اعلان کے بعد جھگڑے کی گنجائش کہاں ہے۔ اگر اسلامی و ایمانی مصالح اور علم مکنون کے خزانے حضرت علی ابن ابیطالب کو یہی راہ عمل دکھاتے ہیں کہ وہ کامیابی کی امید کے باوجود اپنے تاج مفاخرت کو اتار کر پھینک دیں۔ حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ معرکہ آرا نہ ہوں۔ اور انہیں مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ اور تمام عالم اسلامی میں حکومت کرنے کا موقع دیں۔ جن سے ان کی مدح و ثنا میں ہر طرف لوگوں کی زبانیں کھلیں۔ تو آج لکھنو میں یا کسی اور شہر میں مدح صحابہ پر اعتراض کرنا کسی غلام حیدر کرار کے لئے شایان شان معلوم نہیں ہوتا۔

اسوہ جناب امام حسن علیہ السلام

اسوہ جناب امیر کے ساتھ اگر ہم اسوہ جناب امام حسن علیہ السلام کو دیکھیں تو اور بھی درس عبرت حاصل ہوتا ہے۔ امیر معاویہ نے جناب امیر المومنین علی ابن ابی طالب کے خلاف لڑائیاں لڑی تھیں۔ امام حسن علیہ السلام کے پاس لشکر موجود تھے۔ لڑائیاں لڑائی جا سکتی تھیں۔ اگر آپ لڑائی لڑتے تو دنیا آپ کو حق بجانب کہتی۔ اور آپ پر مخالفانہ نکتہ چینی نہ کی جا سکتی۔ لیکن آپ نے یہی فرمایا کہ میں مسلمانوں کا خون بہتا دیکھنا پسند

نہیں کرتا۔ آپ نے تخت سلطنت سے اس شخص کے حق میں دست برداری دی جس کے طریق کار پر نہ فقط شیعہ بلکہ اکثر سنی بھی نکتہ چینی کرتے ہیں۔ لیکن عالم اسلامی کو کشت و خون سے بچانے کے لئے امام نے بادشاہت سے ہاتھ کھینچا۔ اور اپنے اور اپنے باپ اور خاندان کے مخالف کے ہاتھ میں کار سلطنت کو دیدیا۔ تاکہ بادشاہت کی لڑائی میں اسلامی مفاد کو نقصان نہ پہنچے۔ کیا اس صلح کے بعد امام اور انکے ساتھیوں پر سختیاں اور مصیبتیں نہ آئیں۔ اور کیا امیر معاویہ کی مدح و ثنا سے عالم اسلامی کے منابر اور بازار نہ گونجے؟"۔

(مظہر علی اظہر، تحریک مدح صحابہ، باب ہفتم، ص ۹۷-۱۰۳، مکتبہ اردو، لاہور)۔

مولانا مظہر علی اظہر مزید فرماتے ہیں:-

"اس مقام پر میں یہ بھی عرض کروں کہ ائمہ اہلبیت نے ہمیشہ سلامت روی کا راستہ اختیار کیا اور کبھی ایسے مظاہروں کی اجازت نہ دی جو لکھنو میں تحریک تبرا کے سلسلے میں کئے جا رہے ہیں۔ جناب امیر نے اپنے علم مکنون کے خزانوں سے استفادہ کرتے ہوئے یہی مناسب سمجھا کہ اصحاب رسول اور اہلبیت کے نام پر کشمکش دنیائے اسلام کو خراب نہ کرے۔ اور انھوں نے تمام حالات کو جانتے ہوئے اور حضرات ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ کے عہد کے تمام واقعات سے آگاہ ہوتے ہوئے ہمیشہ ان کے ساتھ زیادہ سے زیادہ حسن سلوک ظاہر کیا۔ اور ان کے امور سلطنت میں ہمیشہ ان کی امداد کی۔ اور جہاں ایران یا کسی اور ملک کے خلاف مہم میں مشکلات کا سامنا ہوا تو بہتر سے بہتر مشورہ دیا اور کامیابی کی راہ دکھائی۔

انھوں نے ان تعصبات کو روکنے کے لئے جو آج لکھنو اور ہندوستان میں شیعہ سنی افتراق کا باعث بن رہے ہیں، یہاں تک کیا کہ اپنے تین صاحبزادوں کے نام ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ رکھے۔ یہ بزرگوار، حسین مظلوم کے ساتھ کربلا کے میدان میں تین روز پیاسے رہ کر امام کے قدموں پر جان نثار کر گئے۔ لیکن آج تک کوئی شیعہ شاعر، ذاکر یا واعظ ایسا نظر نہ آئیگا جو کبھی مجالس عزا میں یا اپنی نظم و نثر میں انکا تذکرہ کرتا ہو۔ تاریخی کتابوں کے اندر ان کا ذکر موجود ہے۔ لیکن ان کے نام کسی مرثیہ گو اور واعظ کی

زبان پر اس لئے نہیں آتے کہ ان کے والد گرامی جناب علی مرتضٰی علیہ السلام نے ان کے نام ابوبکرؓ عمر اور عثمان رکھدیئے۔ اگر پڑھے لکھوں نے تعصب کی یہ انتہا نہ کی ہوتی تو آج ابوبکرؓ عمر اور عثمان کے نام ایسے متنازعہ فیہ نہ ہوتے کہ لکھنو کے پڑھے لکھے شیعہ سید علی ظہیر کی طرح عوام شیعہ پر متعصب اور ناروادار ہونیکا الزام لگا کر اپنی برأت کا اظہار کرتے۔

جناب امیر نے اپنی اولاد کے نام ابوبکرؓ عمر اور عثمان رکھے۔کیا آج لکھنو میں کوئی مجتہد، کوئی رئیس، کوئی واعظ یا کوئی عام شیعہ ہے جو یہ جرأت کر سکے کہ اسوہ جناب امیر کی پیروی کرتے ہوئے اپنی اولاد کے نام بھی ان ناموں پر رکھے۔اگر نہیں تو کیا یہ سمجھا جائے کہ وہ حضرت امیر علیہ السلام کے اس فعل کو غلط اور نا قابل تقلید سمجھتے ہیں۔

ائمہ اہلبیت نے مکارم اخلاق کا ہمیشہ سبق دیا اور اپنے پیروؤں کو بہترین اخلاق کا نمونہ بننے کی ہدایت کی۔لیکن افسوس کہ آج انہیں کے نام پر انکے دین کو علانیہ داغ لگایا جا رہا ہے۔اور پھر اس پر فخر کیا جا رہا ہے۔اور واقف حال لوگ بھی دوسرے انسانوں کے خوف سے صحیح بات زبان پر لانے کی جرأت نہیں کرتے"۔

(مظہر علی اظہر، تحریک مدح صحابہ، باب ہفتم، ص ۱۰۵-۱۰۷، مکتبہ اردو، لاہور)۔

مولانا مظہر علی اظہر کے ان ارشادات سے خلفاء ثلاثہؓ وامیر معاویہؓ سمیت جملہ صحابہ کرامؓ کے بارے میں ان جیسے اکابر شیعہ کے مثبت طرز فکر و عمل کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

نیز اس کے مطابق صلح حسنؓ و معاویہؓ اور پھر شیعان کوفہ کی غداری کے بعد سیدنا حسینؓ کی یزید سے مذاکرات و مصالحت کی پیشکش کو بھی بہتر انداز میں سمجھا جا سکتا ہے۔واللہ الموفق۔

۱۵- مفکر ایران ڈاکٹر علی شریعتی

(م ۱۹۷۷ء لندن)

مفکر ایران ڈاکٹر علی شریعتی (۱۹۳۳-۱۹۷۷ء) ایران کے مشرقی ریگستانی علاقہ کاویر کے ایک گاؤں "مازنان" میں پیدا ہوئے- ان کے والد محمد تقی شریعتی بچپن ہی میں انہیں لیکر مشہد منتقل ہوگئے اور وہاں مذہبی علوم کی تدریس کرنے لگے- عربی' فارسی اور فرانسیسی زبانوں کے ماہر ڈاکٹر علی شریعتی نے ایران میں اپنی تعلیم مکمل کی۔ اور اس کے بعد فرانس میں پانچ سالہ قیام کے دوران میں اپنی مختلف النوع علمی و فکری اور مذہبی وسیاسی مصروفیات کے ساتھ ساتھ علم الاجتماع (Sociology) میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی- نیز الجزائر کی تحریک آزادی کے قائدین سے گہرا تعلق رکھا۔

علی شریعتی کو فرانس سے ایران واپسی پر ۱۹۶۴ء میں گرفتار کرلیا گیا- اور مختلف ۱۰ وسال میں قیدوبند کی صعوبتیں نیز ذہنی وجسمانی اذیتیں برداشت کرتے رہے- قیام ایران کے دوران ہی میں دیگر مدارس وکلیات میں تدریس کے علاوہ کچھ عرصہ مشہد یونیورسٹی کے شعبہ سوشیالوجی میں استاذ رہے- نیز بعد ازاں مختلف تعلیمی اداروں اور تہران میں اپنے قائم کردہ "حسینیہ ارشاد" میں علمی ومذہبی لیکچرز کا وسیع سلسلہ جاری رکھا- آخری مرتبہ رہائی کے بعد آپ مجبوراً ترک وطن کرکے لندن چلے گئے- اور صرف چوالیس برس کی عمر میں ۱۹۷۷ء میں لندن ہی میں انتقال کرگئے -اس سلسلہ میں عمومی روایت یہی ہے کہ شہنشاہی دور کی ایرانی خفیہ پولیس "ساواک" نے انہیں شہید کر ڈالا-

مفکر ایران ڈاکٹر علی شریعتی کی شخصیت وشہادت نیز دوسو سے زائد مقالات و تصانیف نے بعض شیعی مذہبی عناصر کی تنقید و مخالفت کے باوجود لاکھوں جدید تعلیم یافتہ شیعان ایران کو شدید متاثر کرتے ہوئے تجدید فکر شیعی وانقلاب ایران میں عظیم الشان کردار ادا کیا-اور آپ کی اکثر تصانیف و مقالات کی درج ذیل فہرست سے علمی و فکری'

ادبی و سیاسی اور معاشی و معاشرتی حوالوں سے آپ کے افکار و خدمات کی وسعت و تنوع کا مجموعی اندازہ بخوبی کیا جا سکتا ہے:-

تصانیف ومقالات دکتر علی شریعتی

۱- سورہ روم (پیام امید به روشنفکران مسئول)
۲- محمد خاتم پیغمبران-از ہجرت تا وفات-
۳- سیمای محمد
۴- جہاں در آستانہ بعثت-
۵- یک ماہ پابہ پای پیغمبر-
۶- تشیع علوی و تشیع صفوی-
۷- بعثت و وصایت-
۸- فاطمہ فاطمہ است-
۹- قاسطین، مارقین، ناکثین-
۱۰- ما و اقبال-
۱۱- توحید- فلسفہ-اخلاق-
۱۲- نماز-
۱۳- حج-
۱۴- احسان-
۱۵- دین و سرگذشت-
۱۶- تشیع سرخ
۱۷- شیعہ یک حزب تمام-
۱۸- مسئولیت شیعہ بودن-
۱۹- انقلاب شیعی سربدارید-
۲۰- علت تشیع ایرانیان-

۲۱- علی- مکتب وحدت٬ عدالت-

(۲۳سال مبارزہ-۲۵سال سکوت- برای ۵سال حکومت)

۲۲- کتاب علی- کتاب فردا- کتاب ہمیشہ-

۲۳- علی حقیقتی بہ گوشہ اساطیر

۲۴- علی انسان تمام-

۲۵- علی بنیانگزار وحدت-

۲۶- علی یک روح در چند بعد-

۲۷- علی اگر می گفت- آری-

۲۸- قرن ما در جستجوی علی-

۲۹- چہ نیازی بہ علی-

۳۰- پس از پیغمبر-

۳۱- زندگی علی پس از مرگش-

۳۲- حسین وارث آدم-

۳۳- دربارہ شہادت-

۳۴- پس از شہادت-

۳۵- خداحافظ شہر شہادت-

۳۶- پیروزی در شکست

۳۷- پیروزی پس از شکست-

۳۸- حجز در انتظار موعود-

۳۹- نقش انقلابی یاد و یاد آوران-

۴۰- پیروان علی ور نج ھای شان-

۴۱- ابوذر غفاری-

۴۲- سلمان پاک-

۴۳- امام رضا-

۴۴- منحنی زندگی حلاج-
۴۵- سر سید احمد خان-
۴۶- سید ابراہیم سیلانی-
۴۷- ایمان در علم-
۴۸- روح جدید علم-
۴۹- تاریخ علم-
۵۰- در نقد و ادب-
۵۱- ادبیات چیست-شعر چیست؟
۵۲- اشعار (قوی سپید-غریق راہ- در کشور- شمع زنداں)
۵۳- راجع بہ شعر-
۵۴- استانداردہای ثابت در تعلیم وتربیت-
۵۵- من فکر می کنم پس من ہستم-
۵۶- خودسازی انقلابی-
۵۷- بازگشت بہ خویش-
۵۸- بازگشت بہ خویشتن-
۵۹- بازگشت بہ کدام خویشتن-
۶۰- روشنفکران-
۶۱- روشنفکر و مسئولیت او در جامعہ-
۶۲- رسالت روشنفکر برای ساختن جامعہ-
۶۳- سہا ئیسم و پیدائش طبقہ روشنفکر-
۶۴- فانن-
۶۵- مرگ فرانز فانن-
۶۶- المجاہد الجزائر-
۶۷- سال پنجم انقلاب الجزائر-

۶۸- انسان و تاریخ۔

۶۹- تاین بی و تاریخ۔

۷۰- رنسانس و تاریخ اروپا از پایان قرون وسطی تا ۱۶۶۰۔

۷۱- ریشه های اقتصادی-طبقاتی رنسانس۔

۷۲- اقتصاد۔

۷۳- اگر مارکس و باب نبودند۔

۷۴- دایالکتیک پیدائش فرق در اسلام۔

۷۵- درباره صهیونیسم۔

۷۶- تاریخ قرون جدید۔

۷۷- تاریخ و ارزش آن در اسلام۔

۷۸- تاریخ ایران پس از اسلام۔

۷۹- تاریخ کشورهای مجاور (روسیه، عراق، ترکیه، پاکستان)۔

۸۰- دروس تاریخ ادیان۔

۸۱- تاریخ ادیان، تاریخ فلسفه۔

۸۲- دروس فلسفه و معارف اسلام۔

۸۳- تاریخچه تکامل فلسفه۔

۸۴- ایدئولوژی۔

۸۵- امت و امامت در فلسفه تاریخ۔

۸۶- آیا مسلمانان پیش از کریستف کلمب امریکا را کشف کردند؟

۸۷- اسلام در امریکا۔

۸۸- نگاهی به تاریخ فردا۔

۸۹- انسان و جهان۔

۹۰- دروس تاریخ تمدن۔

۹۱- ہجرت و تمدن۔

۹۲- انسان در تمدن جدید۔

۹۳- متمدن و متجدد۔

۹۴- مخروط جامعہ شناسی فرہنگی۔

۹۵- امت و امامت در جامعہ شناسی۔

۹۶- الامۃ فی الاسلام۔

۹۷- سخن رانی مکہ۔

۹۸- انسان و اسلام۔

۹۹- اسلام شناسی۔

۱۰۰- از خود بیگانگی زوالی جامعہ ہای مسلمان۔

۱۰۱- چہ گونہ باید امروز زن روزبودا؟

۱۰۲- انتظار عصر حاضر از زن مسلمان۔

۱۰۳- خدا در خانہ یک کنیز۔

۱۰۴- نسل نو مسلمانان۔

۱۰۵- اومانیسم در قصہ خلقت آدم۔

۱۰۶- علل انحطاط مذہب۔

۱۰۷- البر کامو بہ عنوان شاگرد لوکوس۔

۱۰۸- کنفرانس دکتر واقای Gord' بامقدمہ پدر سیتیت (Setif)۔

۱۰۹- انسان امروز و انسان دیروز۔

۱۱۰- چہار زندان انسان۔

۱۱۱- انسان، اسلام و مکتب ہای مغرب زمین۔

اگرچہ ڈاکٹر علی شریعتی "تشیع علوی" کے نام سے شیعی اثنا عشری عقیدہ کے حامل ہیں اور اسی عقیدہ کی رو سے سیدنا ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ کی شورائی امامت و خلافت کے مقابلے میں سیدنا علیؓ کو امامت و خلافت کا

اولیں منصوص و معصوم حقدار قرار دیتے ہیں، مگر اس کے باوجود ایران کو سولھویں صدی کے آغاز میں پہلی بار شیعہ ریاست قرار دیکر صدیوں تک حکمران رہنے والے صفوی بادشاہوں کی شیعہ حکومتوں کے مقابلے میں سیدنا ابوبکرؓ و عمرؓ حتی کہ سیدنا عثمانؓ و معاویہؓ کے طرز حکومت کو بھی بہتر و برتر قرار دیتے ہیں:-

"سلاطین صفوی و رژیم صفویه که حق ندارد از رژیم حکومت ابوبکر و عمر حتی عثمان و معاویه انتقادکند."

(علی شریعتی، تشیع علوی و تشیع صفوی، ص ۵۰، مطبوعہ دفتر تدوین و تنظیم مجموعہ آثار معلم شہید دکتر علی شریعتی)

ترجمہ:- صفوی بادشاہوں اور حکومتوں کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ ابوبکر و عمر حتی کہ عثمان و معاویہ کے نظام حکومت پر بھی کسی قسم کی تنقید کریں۔

دکتر علی شریعتی سب و شتم کی مذمت میں قرآن کا حوالہ دیتے ہوئے سیدنا علیؓ کے قول کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ انہوں نے بنوامیہ کو بھی سب و شتم کرنے سے منع فرمایا تھا:-

"قرآن صریحاً به شخص پیغمبر دستورمی دهد که حتی مشرکان را دشنام مده:- ولاتسبوا الذین یدعون من دون الله. (۱۰۸/۶) سوره انعام ۱۰۸-

و قرآن ناطق نیز نفرت خود را از بد زبانی و فحاشی که نماینده زشت و پست دشنام دهنده است، نه دشنام گیرنده، رسماً بیان می کند- و از اینکه پیروان او فحاش باشند بیزار است:- انی اکره أن تکونوا سبابین- (من ازاینکه شما فحاش باشید نفرت دارم.) در جنگ با بنی امیه و دربارهٔ آنها می گوید-

(دکتر علی شریعتی، تشیع علوی و تشیع صفوی، ص ۳۹، حاشیه ۱).

ترجمہ:- قرآن نے ذات پیغمبر کو صراحت کے ساتھ حکم دیا ہے کہ مشرکوں کو بھی گالی مت دو: ولا تسبوا الذین یدعون من دون الله- (۱۰۸/۶، سوره انعام ۱۰۸)-

(اور جو لوگ اللہ کے سوا دوسروں کو پکارتے ہیں ان کو بھی سب و شتم مت کرو)۔

اور قرآن ناطق (علیؓ) نے بذات خود بھی بد زبانی و فحش گوئی سے جو کہ گالی

کھانے والے کے بجائے گالی دینے والے کی بری اور پست ذہنیت کی ترجمان ہے، باقاعدہ اپنی نفرت بیان فرمائی ہے۔ اور یہ بھی کہ وہ اس بات سے بیزار ہیں کہ ان کے پیروکار فحش گو بنیں:۔ انی اکرہ أن تکونوا سبابین۔ (میں اس بات سے کہ تم فحش گو بنو، نفرت کرتا ہوں)۔ اور یہ بات وہ (علیؓ) بنی امیہ سے جنگ کے حوالہ سے اور انہی (بنی امیہ) کے بارے میں فرمار ہے ہیں۔

چنانچہ ڈاکٹر علی شریعتی کی اہم ترین تصنیف "تشیع علوی و تشیع صفوی" کے ان مختصر اقتباسات سے بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ان کے نزدیک نہ صرف سیدنا ابوبکر و عمر و عثمان و معاویہ رضی اللہ عنہم کا نظام خلافت صدیوں پر محیط اور اپنی نوعیت کی دنیا بھر میں منفرد شیعی اثنا عشری بادشاہت کے نظام حکومت سے اعلیٰ و ارفع تھا بلکہ سیدنا علیؓ نے بذات خود بنو امیہ کے بارے میں بد کلامی و بیہودہ گوئی سے منع فرمایا ہے۔

شیعہ مفکر ایران ڈاکٹر علی شریعتی جنہوں نے ایران کے لاکھوں جدید تعلیم یافتہ افراد کو متاثر کر کے ان میں مذہبی و ثقافتی انقلاب کی تحریک کو عظیم الشان فروغ دیا۔ اپنی تصنیف "فاطمہ فاطمہ است" میں سیدہ خدیجہ کے بطن سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی چار بیٹیوں اور دو بیٹوں یعنی قاسم (طاہر) اور عبداللہ (طیب) کی ولادت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"ہمه در انتظار اند تا ازیں خانه پسرانی برومند بیروں آیند وبه خاندان عبدالمطلب و خانواده محمد قدرت و اعتبار و استحکام بخشند

فرزند نخستیں دختر بود! زینب۔

اما خانواده در انتظار پسراست۔

دومی دختر بود! رقیه۔

انتظار شدت یافت و نیاز شدید تر۔

سومی: ام کلثوم۔

دوپسر قاسم و عبدالله آمدند، مژده بزرگی بودامااندرخشیده افول کردند. واکنوں دریں خانه سه فرزند است و برسه دختر.

مادر پیر شده است و سنش از شصت میگزرد . و پدر گرچه دخترانش راعزیز می دارد اما باحساسات قومش و نیازوانتظار خویشانش

شریک است۔

آیا خدیجه که باپایان عمر نزدیک شده است فرزندی خواهد آورد؟

امید سخت ضعیف شده است۔

آری شور و امید دریں خانه جان گرفت والتهاب به آخرین نقطه اوج رسید. این آخرین شانس خانواده عبدالمطلب و آخرین امید۔

اما بازهم دختر.

نامش را فاطمه گزاشتند

(دکتر علی شریعتی، فاطمه فاطمه است، ص ۹۸).

ترجمہ: سب لوگ انتظار میں ہیں کہ اس گھرانے سے آبرومند فرزند نمودار ہوں اور خاندان عبدالمطلب اور خانوادہ محمد (ص) کو قوت واستحکام و معتبر مقام عطاء کریں۔

پہلا بچہ پیدا ہوا تو وہ لڑکی تھی۔ زینب

دوسری مرتبہ بھی بیٹی پیدا ہوئی۔ رقیہ

تیسری مرتبہ۔ ام کلثوم۔

دو بیٹے قاسم و عبداللہ پیدا ہوئے جو بہت بڑی خوشخبری تھی، مگر پروان چڑھے بغیر وفات پا گئے اور اب اس گھرانے میں تین بچے ہیں اور تینوں ہی بیٹیاں۔

ماں بوڑھی ہو چکی اور اس کی عمر ساٹھ سال سے آگے بڑھ رہی ہے، اور باپ اگرچہ اپنی بیٹیوں کو عزیز رکھتا ہے، مگر اپنے قبیلے کے احساسات، انتظار اور توجہ میں ان کے ہمراہ شریک ہے۔

آیا خدیجہ جو کہ اپنی اختتام عمر کے قریب پہنچ چکی ہیں، بیٹے کو جنم دے پائیں گی؟ امید بہت کم رہ گئی ہے۔

مگر ہاں اس گھرانے میں پھر ہلچل اور امید کی کرن دکھائی دی ہے۔ اور جوش و خروش اپنے آخری نقطہ عروج تک جا پہنچا ہے۔

یہ خانوادہ عبدالمطلب کے لئے آخری چانس اور آخری امید ہے۔

مگر........ ایک بار پھر لڑکی پیدا ہوئی۔

انہوں نے اس کا نام فاطمہ رکھا۔

اس واضح بیان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی چاروں صاحبزادیوں کے ان کی سگی

بیٹیاں ہونے کے بارے میں امت مسلمہ کے دینی و تاریخی طور پر ثابت شدہ قطعی موقف کو شیعہ علماء و مفکرین کی جانب سے تائید و تقویت حاصل ہوتی ہے۔ جس کے بعد اموی سادات قریش میں آپ کی صاحبزادیوں کی شادیوں کو سوتیلے پن کی ناقابل التفات دلیل سے رد نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی سادات قریش کی اموی و دیگر غیر ہاشمی شاخوں کو بنو ہاشم اور بنو فاطمہ کے کفو سے خارج کیا جا سکتا ہے۔ اور یہ بھی بنو ہاشم و بنو امیہ کے مابین گہری محبت و مودت کی انتہائی اہم مثالیں ہیں۔

ڈاکٹر علی شریعتی کے اس بیان کی تائید میں بعض اہم شیعی حوالہ جات بھی ملاحظہ ہوں:-

۱- "تزوج خدیجة و هو ابن بضع و عشرین سنة- فولدله منها قبل مبعثه القاسم و رقیة و زینب و ام کلثوم- و ولد له بعد المبعث فاطمة علیها السلام-

و روی ایضاً انه لم یولد بعد المبعث الا فاطمة و ان الطیب والطاهر ولدا قبل مبعثه-" (صافی شرح اصول کافی)

ترجمہ:- آپ (ص) نے خدیجہ سے شادی کی جب کہ آپ کی عمر بیس اور تیس برس کے درمیان تھی۔ پس ان کے بطن سے آپ (ص) کی اولاد میں سے بعثت سے پہلے قاسم و رقیہ و زینب و ام کلثوم اور بعثت کے بعد فاطمہ علیہا السلام پیدا ہوئے۔

اور یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ بعثت کے بعد صرف فاطمہ پیدا ہوئیں، جبکہ طیب و طاہر (قاسم و عبداللہ) بعثت سے پہلے پیدا ہوئے۔

۲- ملا باقر مجلسی جیسے انتہاء پسند شیعہ عالم بھی لکھتے ہیں:-

"در حدیث معتبر از امام جعفر صادق منقول است......

خدیجہ او راخدا رحمت کند.......... از من طاہر و مطہر ہم رسانید کہ او عبداللہ بود و قاسم را آوردو رقیہ و فاطمہ و زینب وام کلثوم از و ہم رسید" -(حیات القلوب ج۲ ابواب ۵، ص۸۲)

ترجمہ:- امام جعفر صادق سے مستند حدیث میں نقل کیا گیا ہے۔

خدیجہ پر اللہ کی رحمت ہو.......... انہوں نے میرے طاہر و مطہر بیٹوں قاسم و عبداللہ کو جنم دیا۔ نیز میری رقیہ و فاطمہ و زینب و ام کلثوم بھی ان کے بطن سے پیدا

ہوئیں۔

۳۔ سیدنا علیؓ، سیدنا عثمانؓ، کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن کا فرزند اور داماد رسول ہونا یاد دلاتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

وانت اقرب الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وشیجۃ رحم منھما وقد نلت من صھرہ مالم ینالا۔ (نہج البلاغۃ، مصر، ج۲، ۸۵)

ترجمہ:۔ اور آپ ان کی نسبت خاندانی رشتہ کے لحاظ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب تر ہیں اور آپ کو نبی علیہ السلام کی دامادی کا شرف حاصل ہے جو ان دونوں (ابوبکر و عمر) کو حاصل نہیں۔

واضح رہے کہ سیدنا عثمانؓ کی نانی البیضاء ام حکیم بنت عبدالمطلب، زوجہ کریز بن ربیعہ اموی تھیں۔ لہذا سیدنا عثمان، نبی و علی کی پھوپھی زاد بہن کے بیٹے اور رشتہ میں آپ کے بھانجے تھے۔

شیعہ اثنا عشریہ میں سے بعض علماء و مفکرین نے عقیدہ امامت کے اصول دین و مذہب میں سے ہونے کی تاویلات کرنے کی کوشش کی ہے تاکہ ان پر امت مسلمہ کی غالب اکثریت (اہل سنت) نیز دیگر شیعہ و غیر شیعہ فرقوں کی بطور منکرین امامت ائمہ اثنا عشر تکفیر کا الزام درست ثابت نہ ہوسکے۔ اس سلسلے میں امام کا منصوص من اللہ ہونا اور معصوم عن الخطا ہونا دو بنیادی مسئلے ہیں۔

مفکر ایران ڈاکٹر علی شریعتی جو اثنا عشری جعفری عقیدہ رکھتے ہوئے انقلابی تصریحات پیش کرتے ہیں، حضرت علیؓ سے منسوب خالص تشیع اور شاہ اسماعیل صفوی و دیگر بادشاہوں کے غلط تشیع میں فرق کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"در تشیع علوی

وصایت:۔ یعنی توصیہ پیغمبر، بہ فرمان خدا برائ نشان دادن لائق ترین، ذی حق ترین، بربنای علم و تقوی کہ در خانداں اویند۔

در تشیع صفوی

وصایت:۔ یعنی اصل حکومت انتصابی موروثی و سلسلہ ارثی تنہا بربنای نژاد و قرابت خانوادگی۔

در تشیع علوی

امامت:- یعنی رہبری پاک انقلابی برای ہدایت مردم و بنای درست جامعه و بردن اجتماع بسوی آگاہی و رشد و استقلال رای- و شخصیت ہای که "انسان مافوق" اند و تجسم عینی مذہب اند برای شناختن و پیروی کردن و از آنہا آگاہی و تربیت یافتن-

در تشیع صفوی

امامت:- یعنی اعتقاد به دوازده اسم معصوم مقدس ماوراء الطبیعی و "فوق انسانی" و تنہا وسیله تقرب و توسل و شفاعت- و دوازده فرشته برای پرستش موجوداتی غیبی شبیه به امشاسپندان و خدایان کوچک پیرا مون خدای بزرگ آسمان-

در تشیع علوی

عصمت:- یعنی اعتقاد به پاکی تقوای رہبران فکری و اجتماعی پیشوایان مسئول ایمان، علم و حکومت مردم، یعنی نفی حکومت خائن، نفی پیروی از عالم ناپاک، روحانی نادرست و وابسته به دستگاه ہای خلافت-

در تشیع صفوی

عصمت:- یعنی ذات مخصوص و صفت استثنائی بر خاص موجودات غیبی که از نوع انسان خاکی نیستند- لغزش و خطانمی توانند کرد- و اعتقاد به اینکه آن چہارده تن چنین ذات ہای بودند- یعنی اثبات طبیعی بودن حکومت خائن، قبول عالم ناپاک و روحانی منحرف و وابسته ظلمه، چون این ہاکه معصوم نیستند-

در تشیع علوی

ولایت:- یعنی تنہا دوستی و رہبری و حکومت علی و علی وار را پذیر فتن ولا غیر-

دوستی علی، زیرا او نمونه عالی بندگی خدا است، رہبری اش چون چراغ روشن ہدایت است و رائد راستین قبیله بشریت، و حکومتش چون تاریخ انسان آرزوی عدل و آزادی و برابری او را پنج سال حکومتش دارد، و ملت ہاهمه به آن نیاز مندند-

در تشیع صفوی

ولایت:- یعنی تنہا حب علی داشتن وازبر مسئولیتی مبرابودن- و

بهشت را بخاطر ولایت تضمین کردن، و آتش دوزخ کارگر نیفتادن- و اعتقاد به اینکه ولایت به درد خلق و اداره جامعه نمی در خورد- بلکه به خدا کمک می کند در اداره جهان طبیعت دست اندر کار است-"

(علی شریعتی، تشیع علوی و تشیع صفوی، ص ۲۵۸-۲۵۹)-

ترجمہ:-

علوی تشیع میں وصایت

خدا کے حکم کے مطابق پیغمبر کی وصیت تاکہ علم و تقوی کی بنیاد پر ان کے خاندان میں سے جو سب سے زیادہ حق دار اور لائق ترین ہے اس کی نشان دہی ہو۔

صفوی تشیع میں وصایت

یعنی مقرر شدہ موروثی حکومت اور سلسلہ وراثت کا اصول محض نسل اور خاندانی قرابت کی بنیاد پر۔

علوی تشیع میں امامت

یعنی لوگوں کی ہدایت اور ملت کی صحیح تعمیر اور معاشرہ کو رشد و آگہی و آزادی رائے کی جانب بڑھانے کے لئے پاکیزہ انقلابی رہنمائی و قیادت۔ ایسی شخصیات جو اعلیٰ ترین انسان اور مذہب کی بعینہ ایسی عملی تصویر ہیں جس کی پہچان اور پیروی کی جا سکے اور ان سے آگہی اور تربیت حاصل کی جا سکے۔

صفوی تشیع میں امامت

یعنی بارہ معصوم و مقدس ما بعد الطبیعاتی برتر از انسان ناموں پر اعتقاد رکھنا، جو محض وسیلہ تقرب و توسل و شفاعت ہیں۔ بارہ فرشتے اور غیبی وجود جن کی پرستش کی جا سکے۔ جو (زرتشتی مذہب کے جاوداں مقدس فرشتوں) امشاسپندان اور آسمان کے عظیم خدا کے ارد گرد چھوٹے دیوتاؤں سے مشابہت رکھتے ہیں۔

علوی تشیع میں عصمت

یعنی ایسے فکری و اجتماعی رہنماؤں کے تقوی و پاکیزگی پر اعتقاد رکھنا جو لوگوں کے ایمان و علم و حکمت کے ذمہ دار پیشوا ہیں۔ یعنی خیانت کار حکومت کی نفی، غیر

صالح عالم، غیر صحیح روحانی پیشوا اور دستگاہ خلافت سے وابستہ رہنماؤں کا انکار کرنا۔

صفوی تشیع میں عصمت

یعنی ان غیبی وجودوں کی ذات مخصوص اور استثنائی صفت جو خاکی انسان کی نوع میں سے نہیں اور خطاء ولغزش کر ہی نہیں سکتے، اور اس بات پر اعتقاد رکھنا کہ وہ چودہ تن اس قسم کی ذات ہای والاصفات تھیں۔

یعنی خائن حکومت کے فطری ہونے کا اثبات کرنا، غیر صالح عالم و منحرف روحانی، وابستہ ظالم کو قبول کرنا، اس دلیل کی بنیاد پر کہ یہ معصوم نہیں ہیں (لہذا ان کی خطائیں قابل درگزر ہیں)۔

علوی تشیع میں ولایت

یعنی صرف علی اور طرفدار علی کی دوستی و رہنمائی و حکومت کی پذیرائی کرنا، کسی اور کی نہیں۔ علی کی دوستی کیونکہ وہ بندگی خدا کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔ ان کی رہبری کیونکہ ہدایت کا روشن چراغ، قبیلہ انسانیت کے سچے قائد ہیں۔ اور ان کی حکومت کیونکہ تاریخ انسانیت اس عدل ومساوات و آزادی کی آرزو رکھتی ہے جو ان کی پانچ سالہ حکومت میں تھی، اور تمام قومیں اسی کی نیازمند ہیں۔

صفوی تشیع میں ولایت

یعنی محض علی سے محبت رکھنا اور ہر ذمہ داری و جوابدہی سے مبرا ہو جانا۔ جنت کو محض ان کی ولایت کے حوالے سے حاصل شدہ سمجھنا اور اسی وجہ سے ان پر جہنم کی آگ کا اثرانداز نہ ہونا۔ اور اس بات پر اعتقاد رکھنا کہ ولایت کا خلق خدا کے دکھ درد اور انتظام ریاست و معاشرہ سے کوئی واسطہ نہیں، بلکہ وہ تو خدائی مددگار ہے اور اس جہان طبیعاتی کا انتظام چلانے میں مصروف کار ہے۔

اپنی اسی تصنیف "تشیع علوی و تشیع صفوی" میں علی شریعتی عصمت ائمہ کی وضاحت کرتے ہوئے یہ بھی لکھتے ہیں کہ اگر امام کے معصوم ہونے کا یہ مطلب ہے کہ وہ ارادہ الہیٰ کی بناء پر گناہ کرنے پر قدرت ہی نہیں رکھتے تو یہ کوئی قابل فخر بات نہیں ہے۔ مثلاً دیوار بھی گناہ کرنے پر قدرت نہیں رکھتی اور اس کے گناہ سے پاک ہونے

میں کوئی فخر کی بات نہیں ہے۔ البتہ اگر امام کے معصوم ہونے کا یہ مطلب ہے کہ وہ انسان ہوتے ہوئے اور اختیار گناہ رکھتے ہوئے بھی گناہ نہیں کرتے تو معصومیت کا یہ تصور قابل فخر اور قابل اتباع ہے۔

اگرچہ ڈاکٹر علی شریعتی جیسے جدید اثنا عشری مفکرین نے اثنا عشری عقیدہ امامت و کلمہ شیعہ پر قائم رہتے ہوئے "علی ولی اللہ وصی رسول اللہ و خلیفتہ بلا فصل"۔ کی جدید تشریحات کرنے کی کوشش فرمائی ہے مگر اس کے باوجود وہ بھی روایتی علماء کی طرح عقیدہ امامت منصوصہ و معصومہ پر ایمان رکھنے والے اور ولایت و وصایت علی کے شیعی نظریہ پر کامل اعتقاد کے حامل ہیں۔ اسی طرح دیگر شیعی اصول و فروع میں بھی اثنا عشری عقائد و افکار کو جزو عقیدہ و ایمان قرار دیتے ہیں۔ لہذا ان کی جدید تشریحات بھی شیعہ اثنا عشریہ کے عقائد و افکار و کلمہ شیعہ کو قابل قبول قرار دلوانے سے قاصر ہیں۔ خود ڈاکٹر علی شریعتی بھی اپنے خالص تشیع (تشیع علوی) اور صفوی بادشاہوں کے ناخالص تشیع (تشیع صفوی) کو اصول و فروع کے لحاظ سے ایک ہی تسلیم کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"در هردو تشیع اصول و فروع یکی است، باهم هیچ اختلاف ندارند۔"

(علی شریعتی، تشیع علوی و تشیع صفوی، ص ۵-۲۰، پایه های اعتقادی هر دو مذهب)۔

ترجمہ:- ہر دو تشیع (علوی و صفوی) میں اصول و فروع ایک ہی ہیں، باہم کوئی اختلاف نہیں رکھتے۔

اگرچہ ڈاکٹر علی شریعتی اپنی تمام تر جدید تشریحات و تاویلات کے باوجود شیعی عقیدہ امامت علیؓ آل علیؓ کے قائل ہیں اور خلفاء ثلاثہؓ و بنو امیہ کی خلافت کو امامت منصوصہ و معصومہ کے مقابلے میں شورائیت پر مبنی "غصب شدہ خلافت" قرار دیتے ہیں، مگر اس کے ساتھ ہی وہ تمیز رنگ و بو و ملک و ملت سے ماوراء اسلامی اخوت و مساوات پر مبنی اموی خلافت کے اسلامی تشخص کا بھی اعتراف کرتے ہیں۔ اور ایران کو شیعہ ریاست قرار دینے والے شیعی صفوی دور حکومت (۱۵۰۲-۱۷۳۶ء) کے شیعی۔ ایرانی تشخص کا پس منظر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

۱- ملیت بہ نہضت شعوبی شیعی

"در اواخر عصر بنی امیه و اوائل بنی عباس که "خلافت اسلامی" جای خود را به "حکومت عربی" داد و روح تفاخر عربی و تحقیر ایرانی در دستگاه خلافت اموی احیاء شد، عکس العمل آن باز گشت روح ایرانی به اصالت ملی و تفاخر قومی خود بود که تجلی کامل و روشن آن در نهضتی بنام "نهضت شعوبی" تحقق یافت-

شعوبیه که در آغاز "اهل تسویه" بودند، یعنی شعارشان برابری عرب و عجم بود، و تکیه شان بر آیه از قرآن که:- یایها الناس انا خلقناکم من ذکر و انثی و جعلنا کم شعوباً و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عندالله اتقاکم، کم کم "اهل تفضیل" شدند- یعنی برتری عجم بر عرب- وبا احیای مفاخر تاریخی وارزش های قومی و یاد آوری آنچه اسلام از یادها برده بود، می کوشیدند- تا خلافت را بکوبند، و درآن نهضت جهانگیر و پیش روندهٔ اسلامی که- هر چند در خلافت ظلم- همهٔ ملیت ها و فرهنگ ها را در نهضت اعتقادی و فرهنگ ساز اسلامی مستحیل می ساخت، قومیت ایرانی را جدا کنند و اتصال ریشه های ایران اسلامی را با ایران باستانی تجدید نمایند"-(دکتر علی شریعتی، تشیع علوی و تشیع صفوی، ص ۸۸-۸۹)

ترجمہ:-

قومیت پہ شیعی شعوبی تحریک

عصر بنی امیہ کے آخری اور بنی عباس کے ابتدائی دور میں جب "خلافت اسلامی" نے اپنی جگہ "حکومت عربی" کو دے دی تھی اور عربیت پر فخر نیز ایرانیوں کی تحقیر کی روح دستگاہ خلافت اموی میں دوبارہ زندہ ہو گئی تھی، تو اس کے رد عمل کے طور پر ایرانیت کی روح اپنی اصل قومیت و تفاخر قومی کے ساتھ لوٹ آئی۔ جس کی واضح و مکمل تجلی "شعوبی تحریک" کے نام سے ایک تحریک کے روپ میں نمودار ہوئی۔

"شعوبیہ" جو کہ ابتداء میں "اہل مساوات" تھے یعنی ان کا نعرہ مساوات عرب و عجم تھا اور ان کا انحصار قرآن کی اس آیت پر تھا کہ:- (اے لوگو ہم نے تمہیں ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمہیں شعوب و قبائل بنا دیا تاکہ ایک دوسرے کو پہچانو، یقیناً اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ تقوی والا ہے)- وہ کچھ کچھ "تفضیلی" ہو گئے۔ یعنی عجمیوں کی عربوں پر فضیلت و برتری کے قائل- اور وہ مفاخر

تاریخی و اقدار قومی کے احیاء نیز ان باتوں کی از سر نو یاد دہانی کی کوششیں کرنے لگے، جنہیں اسلام نے ذہنوں سے فراموش کرادیا تھا۔ تاکہ خلافت کی سرکوبی کر سکیں اور اس پیشقدمی کرتی ہوئی عالمگیر اسلامی تحریک سے جس نے، خواہ غیر منصفانہ خلافت کے تحت ہی سہی، تمام قومیتوں اور ثقافتوں کے علیحدہ وجود کو اسلامی ثقافت ساز و اعتقادی تحریک کے تحت محال بنا دیا تھا۔ ایرانی قومیت کو علیحدہ کر دیں، اور اسلامی ایران کی بنیادوں کا رشتہ قدیم ایران کے ساتھ نئے سرے سے جوڑ دیں۔

اسی سلسلہ کلام میں ابتداء میں علی شریعتی صفوی بادشاہوں کے حوالہ سے لکھتے ہیں:-

مونتاژ "مذهب – ملیت"

"هنرمندی و هوشیاری نهضت صفوی این بود که اصولاً بنای حکومت خودش را بردوستون قومی قرار داد:

(۱) مذهب شیعی- (۲) ملیت ایرانی-

یکی تکیه برعواطف و شعائر ویژه شیعی، و یکی ملیت ایرانی و تکیه بر سنت های قومی- این دوتا مرز، ایران را از همه جهت از امت بزرگ اسلامی و از قلمرو بزرگ عثمانی که جامه اسلام برتن کرده بود، و قدرت رقیب صفویه بود، کاملاً جدا می کرد."

(دکتر علی شریعتی، تشیع علوی و تشیع صفوی، ص ۸۸)-

ترجمہ:

ملغوبہ مذہب و قومیت

صفوی تحریک کی چالاکی و فنکاری یہ تھی کہ اس نے اپنے اقتدار کی بنیاد اصولی طور پر دو قومی ستونوں پر استوار کی۔ (۱) شیعہ مذہب۔ (۲) ایرانی قومیت۔

یعنی ایک مذہب شیعی کے شعائر و جذبات پر انحصار۔ اور دوسرے ایرانی قومیت اور قومی روایات پر انحصار۔ ان دوہری حدود و قیود نے ایران کو عظیم ترامت اسلامیہ اور اس عظیم عثمانی سلطنت سے مکمل طور پر جدا کر دیا، جس نے (خلافت) اسلام کا جامہ زیب تن کر رکھا تھا اور جو صفویوں کی مخالف طاقت تھی۔

خلافت یزید میں پیش آمدہ واقعہ کربلا کے حوالہ سے زوجہ حسینؓ، شہزادی شہربانو

کا کردار بطور "مادر مظلوم" اہل تشیع میں مشہور و معروف ہے۔ مگر مفکر ایران ڈاکٹر علی شریعتی نے شہزادی شہربانو کے رشتہ حسینی ہی کا سرے سے انکار کرتے ہوئے مدلل و مفصل انداز میں جو کچھ لکھا ہے، اس سے یزید و کربلا کے حوالہ سے دیگر منفی شیعی روایات و پروپیگنڈہ کے بھی مشکوک و بے بنیاد ہونے کا امکان قوی تر ہو جاتا ہے۔ نیز شیعیت و عجمیت کے اپنے تاریخی تناظر میں لازم و ملزوم ہونے اور سنیت و عربیت سے بغض و عداوت رکھنے کا الزام کافی حد تک پایہ ثبوت کو پہنچ جاتا ہے:-

اما برای آنکه ناسیونالیسم صفوی، همچون ناسیونالیسم شعوبی، در جامعه بی انعکاس و بی ریشه نماند، و با ایمان زنده و وجدان گرم توده در آمیزد، آن را با اسلام- که ایمان مذهبی مردم بود- در آمیخت و حتی به درون خانهٔ پیغمبر آورد- و یک نهضت "شعوبی شیعی" ساخت- تاہم با شعوبیگری "تشیع وحدت" را به تشیع تفرقه بدل سازد و هم باشیعیگری، شعوبیگری را روح و گرما بخشد و تقدس مذهبی دهد- و برای تحقق این برنامهٔ عمیق و هوشیارآرنه اولاً اسلام، شخص پیغمبر و علی، نژاد پرست می شوند و فاشیست- آن هم معتقد به برتری خاک و خون و برگزیدگی نژاد و تبار ایرانی، بویژهٔ طائفهٔ پارس ها (که سلسله ساسانی از آنها است و اختصاصاً تبار ساسانی)- و ثانیاً باتکیه بر یک روایت مشکوک و حتی مضحک- که بیشک شعوبیهٔ قدیم ساخته اند- دختری از خانوادهٔ سلطنت ساسانی باپسری از خانوادهٔ نبوت اسلامی ازدواج می کنند- و ثمرهٔ آن یک نوزاد "پیغمبر- بادشاه" ی که مظهر پیوند "قومیت - مذهب" است، و "امام نخستین" این "تشیع شعوبی" در این "اسلام فاشیست" و"پیغمبر را سیست" و "امامت نژادی"-

بد ینگونه است که پیامبر اسلامی که همهٔ نژاد ها را تنها به تقویٰ منحصر میکند، و با اشرافیت، قومیت و نژاد پرستی و راسیسم دشمنی میورزد، و آن را چنان عمیق و شدید میکوبد که حتی در جامعه های غیر مسلمان مشرق زمین- که با فرهنگ و تمدن و اخلاق اسلامی تماس داشته اند- ریشه کن و بالأقل، بی رمقش مینماید، و حتی به "فاطمه" اش- که تنها واسطة العقد نبوت و امامت است و تنها وارث او، و "پاره ای از تن" او- رسماً وجداً می گوید:- "فاطمه! کارکن که من برای تو هیچ کاری نمیتوانم کرد"، با این ہمه مباهات میکند که:- "وقتی او در

این جا متولد شده است، در جای دیگری ملک عادلی بوده است"- معتقد است که برخی نژاد ها برگزیده خداوندند و در آفرینش از ذات برترند و همه این زمینه سازیها برای تهیهٔ مقدمات عروسی است و آمدن عروس از "مدائن" به "مدینه" و ازدواج فرخنده دختر یزدگرد- آخرین حلقهٔ زنجیر سلطنت- با پسر علی (ع)- اولین حلقه زنجیر امامت-

"از پیغمبر (ص) روایت شده است که گفت:- از میان بندگان خدا، خدارا دو نژاد برتر و برگزیده (خیره) است، از عرب، قریش و از عجم، فارس- (یعنی از ایرانی ها، قوم پارس که ساسانیان از آن اند)"-

و علی بن حسین می گفت :- "من پسر دو برگزیدهٔ برترم"-
چون جدش رسول خدا است و مادرش دختر یزدگرد بادشاه-
و ابوالاسود سروده است:-

و ان غلاماً بین کسری و هاشم
لأکرم من ینطت علیه التمائم

(پسر بچه ای درمیانه خسرو و هاشم، گرامی ترین کسی که او حرزهای چشم زخم بسته اند)-

(دکتر علی شریعتی، تشیع علوی و تشیع صفوی، ص ۹۰-۹۱)-

ترجمہ:- مگر اس مقصد کی خاطر کہ صفوی نیشنلزم بھی شعوبی نیشنلزم کی طرح معاشرہ میں بے انعکاس و بلا اساس نہ رہے اور عوام کے ایمان زندہ و شعور بیدار کے ساتھ گھل مل جائے، اس کو اسلام کے ساتھ جو کہ لوگوں کا مذہبی عقیدہ تھا، خلط ملط کر دیا- حتیٰ کہ اسے پیغمبر کے گھر کے اندر لے آئے- اور ایک "شعوبی شیعی" تحریک گھڑلی- تاکہ شعوبیگری کے ہمراہ "تشیع وحدت" کو "تفرقہ باز شیعیت" میں بدل دے- اور ساتھ ہی شیعیگری کے ذریعے شعوبی گری کو روح و گرمائش بخشے اور اسے ایک مذہبی تقدس عطا کردے-

اس گہرے اور ہوشیارانہ منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اولاً تو اسلام، ذات پیغمبر و علی، نسل پرست و فاشسٹ بنا دیئے جاتے ہیں- اور وہ بھی برتری خاک و خون ایران اور برگزیدگی نسل و نژاد ایرانی بالخصوص گروہ اہل فارس، پر اعتقاد رکھنے والے نسل پرست- (کیونکہ ساسانی سلسلہ نسب بالخصوص ساسانی خاندان ان میں سے ہے-)

اور ثانیاً ایک مشکوک حتیٰ کہ مضحکہ خیز روایت پر انحصار کرتے ہوئے جو بلاشک و شبہ، شعوبیہ قدیم نے گھڑی ہے، سلطنت ساسانی کے خاندان میں سے ایک لڑکی کی شادی خانوادہ نبوت اسلامی کے ایک فرزند سے کرا دیتے ہیں۔ جس کا ثمر ایک نوزاد "پیغمبر - بادشاہ" ہے جو کہ پیوند مذہب و قومیت کا مظہر ہے۔ اور اس نسل پرست (فاشسٹ) اسلام، نسل پرست پیغمبر (راسٹ) اور نسلی سلسلہ امامت میں "شعوبی تشیع" کا امام اول ہے۔

اس طریقہ سے پیغمبر اسلام جو کہ تمام نسلوں کو ایک ہی شمار کرتے ہیں، اور تمام خونی شرافتوں کو خاک میں ملا کر برابر کر دیتے ہیں، اور برتری کو محض تقویٰ پر منحصر قرار دیتے ہیں، اور اشرافیت و قومیت و نسل و نژاد پرستی سے دشمنی کے بیج بوتے ہیں، اور ان کی سرکوبی اس شدید و عمیق طریقے پر کرتے ہیں کہ سرزمین مشرق کے ان غیر مسلم معاشروں میں بھی جو اسلامی اخلاق و تہذیب و تمدن سے متاثر ہوئے، انہیں جڑ سے اکھاڑ دیتے ہیں، یا کم از کم بے جان کر دیتے ہیں، حتیٰ کہ اپنی فاطمہ سے جو کہ سلسلہ نبوت و امامت کا واحد مرکز و محور (واسطة العقد) اور آپ کی تنہا وارث نیز "آپ کے جسم کا ٹکڑا ہیں، پوری سنجیدگی سے رسمی طور پر فرماتے ہیں کہ:- اے فاطمہ! عمل کر، کیونکہ میں تمہارے کچھ کام نہیں آسکوں گا، اس سب کچھ کے باوجود وہ اس بات پر فخر کرتے (دکھائے جا رہے) ہیں کہ اس وقت میں جبکہ وہ اس جگہ (مکہ و عرب) میں پیدا ہوئے تو دوسرے ملک میں ایک عادل بادشاہ (نوشیروان) موجود تھا۔ اور وہ یہ بھی اعتقاد رکھتے (دکھائے جاتے) ہیں کہ خدا کی کچھ برگزیدہ نسلیں ہیں جو اپنی تخلیق میں برتر از ذات ہیں۔ اور یہ ساری منصوبہ بندیاں ایک شادی کی تیاریوں اور ایک دلہن کے "مدائن" سے "مدینہ" آنے نیز آخری حلقہ زنجیر سلطنت (ساسان) یزدگرد کی بیٹی کی اولین حلقہ زنجیر امامت، حضرت علی کے فرزند، سے "پر مسرت و بابرکت شادی" کے ابتدائی اقدامات ہیں۔

پیغمبر (ص) سے روایت ہوا ہے کہ آپ نے فرمایا:- بندگان خدا میں سے خدا کے نزدیک دو برتر و برگزیدہ (خیرہ) نسلیں ہیں۔ از عرب قریش واز عجم، فارس (یعنی ایرانیوں میں سے قوم فارس، جس میں سے ساسانی خاندان ہے)"۔

اور علی بن حسین فرماتے تھے:- میں دو برتر و برگزیدہ ہستیوں کا فرزند ہوں۔
(کیونکہ ان کے جد امجد رسول خدا ہیں اور ان کی والدہ، یزدگرد بادشاہ کی بیٹی ہیں)۔
اور ابوالاسود نے شاعری فرمائی ہے کہ:-

"و ان غلاماً بین کسری و هاشم
لأ کرم من ینطت علیه التمائم"

(وہ لڑکا جو (نسلاً) کسریٰ و ھاشم کے درمیان ہے، وہ ان تمام (لڑکوں) میں سے معزز ترین ہے جن کے گلے میں نظر بد سے بچانے کے لئے تعویذ بندھے ہیں)۔
ڈاکٹر علی شریعتی مذکورہ سابقہ روایات نقل کرنے کے متصلاً بعد درج ذیل عنوان کے تحت مزید فرماتے ہیں:-

"عروس مدائن در مدینه

در همین جا، علامه مجلسی در "بحار الانوار" (ج ۱۱، ص ۴) پس از نقل اخباری راجع به ازدواج امام- که سخت چندش آور است- نقل می کند که مادر امام دختر یزدگرد بود که در زمان عمر، به اسارت، او را به مدینه آوردند و او امام حسین را پسندید، و از او تنها یک پسر بدنیا آمد که همین امام سجاد است-

از طرفی می دانیم که امام در سال ۳۸ متولد شده است، یعنی بیست سال پس از ازدواج مادرش با امام حسین-

در این قصه تصریح شده که شهربانو از اسرای فتح مدائن است و عمر قصد داشت او رابکشد، و حضرت امیر نجاتش داد- و پیدا است که سازندگان این داستان که ایران پرستان بوده اند، خواسته اند علی (ع) را طرفدار ساسانیان جلوه دهند، در برابر عمر که دشمن ساسانیان و شکست دهندهٔ سپاه یزدگرد است- ولی متوجه نشده اند که وقتی می خواهند نشان دهند که امام سجاد نوادهٔ یزدگرد است و مادرش شهربانو، این اشکال پیش می آید که امام حسین باید در سال ۱۸ ازدواج کرده باشد (در سن ۱۵ سالگی) و امام سجاد در سال ۳۸ متولد شده است- و تصریح هم شده که شهربانو جز وی، فرزندی نیاورده است-

علامه مجلسی که متوجه عیب کار شد، راه حلی که برای رفع اشکال به نظرش رسیده این است که می گوید:- "بعید نیست که در این

روایت، کلمهٔ عمر تصحیف کلمهٔ عثمان باشد- یعنی قضیه در زمان عثمان اتفاق افتاده- اما بجای عثمان، عمر نوشته اند-

اگر بتوانیم چنین اشتباهی را باورکنیم، آن اشکال رفع می شود- اما اشکال دیگری شبه به آن پدید می آید- وآن اینکه باز میان شکست یزدگرد و اسیر شدن خانواده اش، بیست سال فاصله می افتد- از طرفی در این قصه کلمهٔ اسرای مدائن هم آمده است- "مدائن" تصحیف شدهٔ چه اسمی است؟

در نام مادر امام که سلامه، حوله، غزاله--- شاه زنان--- است، علامه مجلسی نقل می کند که چون دختر یزدگرد را به مدینه آوردند، تا چشمش به عمر می افتد، از قیافه اش بدش می آید و فحش می دهد- و عمر هم به او فحش می دهد- و می خواهد او را مثل دیگر اسیران بفروشد که امیر المؤمنین (ع) می فرماید:-

جائز نیست دختران ملوک را فروختن هر چند کافر باشند- بامردی از مسلمین او را شوهرده و از بیت المال مردم برایش مهریه برگیر-

دنبالهٔ متن این روایت که به امام صادق منسوب است، (گفتگوی حضرت علی با دختر یزدگرد) چنین است:-

(حضرت علی) فقال: چه نامی داری ایْ کنیزک؟
یعنی ما اسمک یا صبیه!
(دختر یزدگرد) قالت: جهان شاه-
(حضرت علی) فقال: بل شهربانویه-
(دختر یزدگرد) قالت: تلک أختی-
(حضرت علی) قال: راست گفتی- ای صدقت---!

راوی نمی دانسته که بر فرض حضرت امیر با دختر یزدگرد به فارسی هم حرف بزند، با این فارسی که حضرت امیر حرف می زند، دختر یزدگرد نمی فهمد، زیرا حضرت به فارسی دری سخن می گوید که چند قرن بعد از اسلام زبان ایرانیان شد- و قبلاً گویش محلی مردم خراسان بود- و دختر یزدگرد به زبان پهلوی ساسانی حرف می زده- ثانیاً "ای کنیزک!" ترکیب آنچنان فارسی بی است که خاص عصر سازندهٔ روایت است-

از همه جالب تراینکه (در گفتگو دقت کنید) حضرت امیر به فارسی با دختر یزدگرد حرف می زند، و دختر یزدگرد، به عربی جواب می دهد-

و جالب تر توجیه مجلسی است از این که چراوی نامش را جهان شاه می گوید، و حضرت امیر تغییرمی دهد، و می فرماید: نه شهربانویه؟ علامه مجلسی میگوید:- برای اینکه شاه از اسامی خدای تعالی است، چنانکه در خبر آمده است که علت نهی از بازی شطرنج این است که می گوید:- شاه مات شد- یا---- و به خدا قسم که شاه مات نمی شود-"

(دکتر علی شریعتی، تشیع علوی و تشیع صفوی، ص ۹۱-۹۲)-

ترجمہ:- اسی جگہ علامہ مجلسی نے "بحار الأنوار" (ج ۱۱، ص ۴) میں امام (حسینؑ) کی شادی کے بارے میں کچھ روایات نقل کرنے کے بعد جو کہ سخت لرزہ آور ہیں، نقل کیا ہے کہ امام (زین العابدین) کی والدہ، یزد گرد کی بیٹی تھی۔ جسے (خلافت) عمر کے زمانہ میں قیدی بنا کر مدینہ لایا گیا۔ اور اس نے امام حسین کو پسند کر لیا۔ جن سے اس کے ہاں صرف ایک فرزند پیدا ہوا۔ وہ بھی امام سجاد ہیں۔

ایک طرف ہم جانتے ہیں کہ امام سن ۳۸ میں پیدا ہوئے ہیں۔ یعنی اپنی والدہ کی امام حسین سے شادی کے بیس سال بعد۔

اس قصہ میں یہ صراحت کی گئی ہے کہ شہر بانو، فتح مدائن کے اسیروں میں سے تھی۔ عمر نے اسے قتل کرنے کا ارادہ کیا اور حضرت امیر نے اسے نجات دلائی۔ اور ظاہر ہے کہ جن لوگوں نے یہ داستان گھڑی ہے، جو کہ ایران پرست تھے، انہوں نے چاہا ہے کہ علی (ع) کو عمر کے مقابلے میں، جو کہ ساسانیوں کے دشمن اور سپاہ یزد گرد کو شکست دینے والے ہیں، ساسانیوں کے طرفدار کے طور پر ظاہر کریں۔ مگر انہوں نے اس طرف توجہ نہیں فرمائی کہ جس وقت وہ یہ نشاندہی کرنا چاہتے ہیں کہ امام سجاد، نواسہ یزد گرد اور ان کی والدہ شہر بانو ہیں، یہ مشکل پیش آتی ہے کہ (اس حساب سے) چاہیے کہ امام حسینؑ نے سن ۱۸ میں (پندرہ سال کی عمر میں) شادی کی ہو، جبکہ امام سجاد سن ۳۸ھ میں پیدا ہوئے ہیں۔ اور یہ بھی صراحت کی گئی ہے کہ شہربانو نے ان کے علاوہ کسی بچے کو جنم نہیں دیا۔

علامہ مجلسی جنہوں نے اس نقص کی طرف توجہ فرمائی ہے، اس مشکل کو دور کرنے کے لئے ان کی نظر میں راہ حل یہ ہے کہ فرماتے ہیں:- بعید نہیں کہ اس روایت میں لفظ "عمر" لفظ "عثمان" کی تصحیف (لفظی غلطی) ہو۔ یعنی یہ قضیہ (خلافت) عثمان

کے زمانہ میں پیش آیا ہو، اور "عثمان" کے بجائے "عمر" لکھ دیا گیا ہو۔

اگر ہم اس اشتباہ کو تسلیم کر سکیں، تو یہ اشکال تو دور ہو جاتا ہے، مگر ایک اور اشکال اسی کے مشابہ ہو جاتا ہے۔ اور وہ یہ کہ پھر یزد گرد کی شکست اور اس کے خاندان کے قیدی ہو جانے کے درمیان بیس سال کا فاصلہ پڑ جاتا ہے۔ کیونکہ دوسری طرف اس قصہ میں کلمہ "اسرای مدائن" (اسیران مدائن) بھی آیا ہے۔ پس "مدائن" کس نام کی تصحیف (غلط املاء) قرار دی جائے گی؟

در نام مادر امام، کہ سلامہ، حولہ، غزالہ، شاہ زنان---- وغیرہ (بتایا جاتا) ہے، علامہ مجلسی نقل کرتے ہیں کہ جب یزد گرد کی بیٹی کو مدینہ لایا گیا تو جب اس کی نظر عمر پر پڑی تو اسے اپنے علم قیافہ (چہرہ شناسی) کی رو سے وہ برے نظر آئے اور اس نے انہیں گالی دی۔ پس عمر نے بھی اسے گالی دی اور چاہا کہ اسے بھی دیگر قیدیوں کی طرح فروخت کر دیں۔ مگر امیر المؤمنین (علی) فرمانے لگے:- بادشاہوں کی بیٹیوں کو فروخت کرنا جائز نہیں خواہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہوں۔ مسلمان مردوں میں سے اسے شوہر دو اور لوگوں کے بیت المال میں سے اس کے لئے مہر ادا کرو۔

اس روایت کے متن کی ذیل میں، جو کہ امام صادق سے منسوب ہے، (حضرت علی کی دختر یزدگرد سے گفتگو) یوں درج ہے:-

(حضرت علی) پس آپ نے فرمایا: چه نام داری ای کنیزک!
(یعنی ما اسمک یا صبیه؟) او لونڈیا تیرا نام کیا ہے؟
(دختر یزدگرد) کہنے لگی:- جہان شاہ۔
(حضرت علی) فرمانے لگے:- بلکہ تو شہربانو ہے۔
(دختر یزدگرد) کہنے لگی:- تلک اختی (وہ میری بہن ہے)۔
(حضرت علی) فرمایا:- راست گفتی (ای صدقت) تو نے سچ کہا۔

راوی نہیں جانتا کہ بالفرض حضرت امیر، یزدگرد کی بیٹی سے فارسی ہی میں بات کر رہے ہوں، تو بھی یہ فارسی جو کہ حضرت امیر بول رہے ہیں، دختر یزدگرد کے لئے قابل فہم نہیں۔ کیونکہ حضرت "دری فارسی" میں بات کر رہے ہیں جو کہ اسلام کے چند صدیوں بعد ایرانیوں کی زبان بنی۔ اور اس سے پہلے اہل خراسان کی مقامی بولی تھی۔

جبکہ دختر یزدگرد، "ساسانی پہلوی زبان" بولتی تھی۔

ثانیاً یہ کہ "ای کنیزک!" اس فارسی کی ترکیب ہے جو کہ بطور خاص اس روایت کے گھڑنے والے کے زمانہ سے متعلق ہے۔

سب سے زیادہ دلچسپ یہ بات ہے (گفتگو پر غور فرمائیں) کہ حضرت امیر، یزدگرد کی بیٹی سے فارسی میں کلام فرما رہے ہیں اور یزدگرد کی بیٹی، عربی میں جواب دے رہی ہے۔

اور اس سے بھی زیادہ قابل توجہ مجلسی کی یہ توجیہ ہے کہ وہ اپنا نام "جہان شاہ" کیوں بتلاتی ہے اور حضرت امیر اسے بدلتے ہوئے کیوں فرماتے ہیں:۔ نہ شہر بانو یہ۔ (نہیں تو شہر بانو ہے)۔

علامہ مجلسی فرماتے ہیں: اس لئے کہ "شاہ" خدای تعالیٰ کے ناموں میں سے ہے۔ جیسا کہ روایت میں بیان ہوا ہے کہ شطرنج کے کھیل سے منع کرنے کی علت یہ ہے کہ (کھیلنے والا) کہتا ہے:۔ "شاہ مات ہو گیا"۔ یا.........اور خدا کی قسم شاہ مات نہیں ہوتا"۔

ڈاکٹر علی شریعتی کے بقول ایک واعظ محترم نے جب ان کی کتاب "تشیع علوی و تشیع صفوی" کی اشاعت اول کے بعد ایک اجتماع عام میں فرمایا کہ شریعتی نے ازدواج حسینؓ و شہر بانو کی روایات کو مسترد کر کے شیعوں پر کاری ضرب لگائی ہے (بقول شریعتی "ساسانی شیعوں" پر نہ کہ "علوی شیعوں" پر)، تو ایک صاحب علم نے جو کہ شریعتی کی کتاب پڑھ چکے تھے اور واعظ محترم کا ارشاد بھی سن چکے تھے، ان سے فرمایا کہ شریعتی کے علاوہ دیگر علماء و محققین نے بھی اس روایت کو جعلی و بے بنیاد قرار دیا ہے۔ حتیٰ کہ فلاں عالم نے اپنی حال ہی میں شائع شدہ کتاب میں باقاعدہ لکھا ہے کہ یہ روایت بے بنیاد ہے:۔ (رسماً نوشته اند که این روایت بی پایه است)۔

(تشیع علوی و تشیع صفوی ص ۹۱، حاشیه ۱)

تو ان واعظ محترم نے فرمایا: "بله درست است- آں آقا حق دارند، اما....." (تشیع علوی و تشیع صفوی، ص ۹۱، حاشیه ۱)- ہاں یہ درست ہے۔ آنجناب کو یہ حق حاصل ہے مگر۔۔۔ (شریعتی کو حق حاصل نہیں)۔

ایک دوسرے عالم کے حوالہ سے شریعتی کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ انہوں

نے عوام کو اشتعال دلانے کے لئے صفوی دور حکومت (۱۵۰۲ء - ۱۷۳۶ء) سے صدیوں پہلے تدوین شدہ مستند ترین شیعہ کتاب حدیث "الکافی" میں موجود روایت "ازدواج حسین و شہر بانو" کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا:- ای مردم! کتاب "کافی" مربوط به صفویه است؟ کتاب "کافی" معتبر نیست؟ (تشیع علوی، ص ۹۴)
لوگو! کیا "کتاب الکافی" کا تعلق صفوی دور سے ہے؟ کیا کتاب "الکافی" معتبر نہیں؟

اس کے جواب میں شریعتی کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ اگرچہ "الکافی" سمیت شیعہ اثنا عشریہ کی چاروں بنیادی کتب احادیث (کتب اربعہ) معتبر ترین ہیں مگر معتبر ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ اصول روایت و درایت کی روشنی میں ان کی کسی روایت پر تنقید ہی نہیں ہو سکتی۔ یہ دیکھنا ضروری ہے کہ کوئی روایت قرآن و حدیث، اجماع علماء و عقل سلیم سے مطابقت رکھتی ہے یا نہیں؟ راوی و سلسلہ روایت ایک ہے یا زیادہ۔ راوی کذاب و مشکوک ہے یا صادق و معتبر۔ الخ۔ اسی لئے احادیث مختلف عنوانات کی حامل ہوتی ہیں۔ یعنی مسند، مرسل، صحیح، شاذ، نادر، متواتر، غریب وغیرہ

اس کے بعد شریعتی مذکورہ روایت کے بارے میں لکھتے ہیں:-

این روایت از نظر عقلی، با قراین تاریخی، متناقص است- تفاخر، امام به نوادهٔ شاه ساسانی بودن با روح شیعه مغایر است- برتری نژادی قریش و ساسانی یا پارس برهمهٔ انسانها با اسلام متضاد است- متن روایت با هر عقل سلیمی سر جنگ دارد-

از نظر عقلی، غالب اسلام شناسان و ایران شناسان بزرگی که به این گونه روایات ایرانی ماب هم گرایش دارند تا اصالت نهضت اسلام را خدشه دار کنند، باوجود آنرا مجعول دانسته اند، مثل هرمان آته، ادوارد براون و کریستنسن و......

و از نظر علم الرجال و علم الحدیث شیعه نیز این روایت را دونفر نقل کرده اند. یکی: ابراہیم بن اسحاق احمری نهاوندی- دومی: عمرو بن شمر، که از نظر علم الرجال شیعه، دومی کذاب و جعال و صف شده، و اولی از نظر اعتقاد دینی مشکوک و متهم است-

این روایتی است که در کافی آمده-

مهم این که شهربانو میگوید:- من قبل از ورود لشکر مسلمین به

ایران مسلمان شده ام- شبی خواب دیدم که حضرت محمد صلی الله علیه وآله همراه امام حسین آمدند به خانه من (کاخ یزدگرد) و او در خواب مرا برای امام علیه السلام عقد کرد. و شب دیگر حضرت فاطمه آمد و مرا به اسلام خواند و من مسلمان شدم"-

تعجب است، راوی از بس عجله داشته، اول مراسم ازدواج "دختر بادشاه ساسانی" را با "پسر پیغمبر اسلام" می سازد و بعد مراسم مذهبی ورود او را به اسلام-"

(دکتر علی شریعتی، تشیع علوی و تشیع صفوی، ص ۹۵- ۹۶)-

ترجمہ:- یہ روایت عقلی لحاظ سے تاریخی قرائن سے متناقض و متصادم ہے- امام (زین العابدین) کا ساسانی بادشاہ کا نواسہ ہونے پر فخر کرنا، شیعیت کی روح سے مطابقت نہیں رکھتا- قریش و ساسان یا اہل فارس کی تمام انسانوں پر برتری، اسلام سے تضاد رکھتی ہے- روایت کا متن ہر عقل سلیم سے برسر جنگ ہے-

نقل روایت کے لحاظ سے بھی عظیم اسلام شناسوں اور ایران شناسوں کی غالب تعداد نے بھی جو کہ اس قسم کی ایرانی ماب روایات کی طرف میلان رکھتے ہیں، تاکہ عظمت تحریک اسلام کو داغدار کر سکیں، اس سب کے باوجود اس روایت کو جعلی قرار دیا ہے- مثلاً ھربان اتہ، ایڈورڈ براؤن، کریسٹنسن وغیرہ-

نیز شیعہ علم الرجال و علم الحدیث کی رو سے بھی، اس روایت کو صرف دو افراد نے نقل کیا ہے:- ایک ابراہیم بن اسحاق احمری نہاوندی، اور دوسرے عمرو بن شمر- جن میں سے شیعہ علم الرجال کی رو سے دوسرے تو کذاب و جعل ساز بتائے گئے ہیں اور پہلے دینی اعتقاد کے لحاظ سے مشکوک و تہمت یافتہ ہیں-

یہ ہے وہ روایت جو کہ کتاب "الکافی" میں آئی ہے-

اہم بات یہ ہے کہ شہربانو کہتی ہے:-

میں مسلمانوں کا لشکر ایران آنے سے پہلے مسلمان ہوئی ہوں- ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ امام حسین کے ہمراہ میرے گھر (قصر یزدگرد) آئے- اور انہوں نے خواب میں میرا نکاح امام علیہ السلام سے کر دیا- اور دوسری رات حضرت فاطمہ آئیں اور مجھے اسلام سکھلایا اور میں مسلمان ہو گئی-

تعجب ہے! راوی اتنی عجلت میں ہے کہ وہ دختر شاہ ساسان کی فرزند پیغمبر اسلام سے رسومات شادی (کا قصہ) پہلے گھڑتا ہے جبکہ مراسم مذہبی اور اس (شہربانو) کے اسلام میں داخل ہونے کا واقعہ اس کے بعد کا بتلاتا ہے۔

ڈاکٹر علی شریعتی اس روایت کے پس منظر و اغراض و مقاصد پر تبصرہ کرتے ہوئے اس بات کو بطور خاص بیان فرماتے ہیں کہ اس قصہ کی رو سے (خواب میں) پیغمبر اسلام، فتح ایران سے بھی پہلے قصر یزدگرد میں تشریف لا کر امام حسین و شہربانو کی شادی کراتے ہیں اور اس کے بعد اگلی رات حضرت فاطمہ آ کر شہربانو کو مسلمان کرتی ہیں۔ اس طرح اسلام کی حیثیت ثانوی قرار پاتی ہے اور مقصد یہ ہے کہ ایک مسلمان مرد کی ایک مسلمان عورت سے شادی کے بجائے اسے ایک "مرد ھاشمی" کی ایک "دختر ساسانی" سے شادی کی حیثیت سے نمایاں کیا جائے۔ تاکہ "قومیت رفتہ"، "اسلام آمدہ" میں پوشیدہ ہو جائے۔ اور اس کا راستہ یہ ہے کہ "سلطنت ساسانی" کا "نبوت اسلامی" میں پیوند لگا دیا جائے۔ (چه پسر پیغمبر به عنوان یک "مرد هاشمی" تلقی می شود، و باید با "دختر ساسانی" ازدواج کند، نه به عنوان یک مرد مسلمانی با زن مسلمانی")۔(تشیع علوی و تشیع صفوی، ص ۹۹)۔

بہتر حال گزشتہ سے پیوستہ بعض تفصیلات نقل کرتے ہوئے شریعتی بطور خلاصہ و نتیجہ فرماتے ہیں:-

"و چنین امام ثنوی، امام تشیع صفوی، مظهر بقای "ملیت قدیم" در ذات "مذهب جدید" و نمایندهٔ حلول "سلطنت ایرانی" در "امامت اسلامی" و ورود "باز ماندهٔ کسری" به "اهل بیت رسول" و پیوند خویشاوندی و پیوستگی و وحدت میان "عترت" و "ولایت" در شیعه با "وراثت" و "سلطنت" در شعوبیه، و در نتیجه، ایجاد یک نوع "تشیع شعوبی" ترکیبی ثنوی و متضاد، مرکب از پادشاه و پیغمبر، "بین کسری و هاشم"، امام سجاد- و می بینیم که این قصه به همان اندازه که از نظر علمی و تاریخی بسیار سست و ناشیانه جعل شده است، از نظر سیاسی و اجتماعی، و برای تحقق هدفی که "شعوبی گران" در پیوند قومیت در حال زوال، و مذهب در حال رشد و توجیه و تقدیس ارزش های جاهلی بوسیله ارزش های اسلامی و بالاخره تفسیر نژادی گر ایش ایرانیان به اسلام، و

نیز تداوم سلطنت ساسانی، پس از انقراض، چه هوشیارانه و کامل طرح ریزی شده است:-

۱- عمر که منقرض کنندهٔ حکومت ساسانی است در اینجا مقابل علی، مظهر اسلام و سر سلسلهٔ اهل بیت و نخستین امام، قرار می گیرد و محکوم میشود-

۲- انقراض ساسانیان را به عمر نسبت می دهد، نه به اسلام-

۳- خلافت است که با سلطنت ساسانی مخالف است، اما امامت مدافع آن است-

۴- تسنن (عمر) دشمن سلطنت ساسانی (دختر یزدگرد) است و تشیع (علی) دوست آن-

۵- ورود ایران به اسلام پس از فتح مدائن بوسیلهٔ عمر و نتیجه ورود مسلمین به ایران نیست، نتیجه ورود پیغمبر اسلام و دخترش حضرت فاطمه به مدائن و آمدن به کاخ یزدگرد و عقد دخترش و دعوت او به اسلام است-

۶- یزدگرد، آخرین پادشاه ساسانی، که بوسیلهٔ عمر رانده میشود، و از برابر سپاه خلیفه می گریزد، بوسیلهٔ شخص پیغمبر برمی گردد، و وارد اهل بیتش می گردد، و در کنار پیغمبر، یکی از دو سر سلسله ای می گردد که دودمان نبوت را میسازد-

۷- دختر یزدگرد، تنها باز ماندهٔ خاندان سلطنتی ساسانی، به دعوت فاطمه دختر پیغمبر مسلمان می شود، بوسیلهٔ پیغمبر به عقد پسرش می آید، یا بادرمیانی علی از چنگ عمر نجات می یابد، با پیش نهاد او شوہر انتخاب می کند، مهریه اش از بیت المال مسلمین پرداخته میشود، از میان همه جوانان مدینه، وحتی از میان حسن و حسین، حسین را به همسری برمی گزیند- (چون امامت در فرزندان حسین ادامه می یابد)-

می بینیم که جز این راهی نداشته است- زیرا اگر دختر یزدگرد را به همسری شخص پیغمبر انتخاب می کردند، فقط همسری از همسران وی بشمار می رفت، و نسل ساسانی قطع می شد، چون تنها باز ماندهٔ وی فاطمه است- اگر به همسری علی برگزیده می شود، امامت که از بطن فاطمه است، باساسانیان پیوند نمی خورد- اگر حسن را به همسری برمی گزید، فرزندانش امام نبودند، ائمه از صلب حسین اند، این است که امام

حسین داماد ساسانیاں میشود-

در عین حال می بینیم که پیغمبر و علی و فاطمه (چهره های اصلی اهل بیت و شخص پیغمبر)- در این داستان حضور دارند و مستقیماً دست درکارند- (حتی حضرت فاطمه، ۱۸ یا هشت سال پس از وفاتش)-

واما حسین همسران و فرزندان متعدد دارد- امام سجاد است که وارث امامت است و ائمه شیعه پس از او همه از صلب او هستند- این است که دختر یزدگرد، فقط یک فرزند از امام دارد، و آن یکی هم پسر است، وآن پسر هم امام سجاد-

۸- همهٔ فضائل و مناقب ائمه اهل بیت، بین تبار پیغمبر اسلام و تبار یزدگرد ساسانی تقسیم می شود-

۹- تداوم امامت از سجاد تا مهدی موعود (ع) تداوم سلطنت ساسانی را در برمی گیرد-

۱۰- نور محمدی که از نور الهی منشعب شده، با فره ایزدی که در تبار ساسانی است، و از اهورا مزدا سرزده است، بهم می آمیزد-

۱۱- در ولایت ائمه که حکومت حقیقی شان تا پایان خلقت بر زمین و آسمان جاری است، سلطنت ساسانی نیز وجود دارد-

۱۲- خاندان ساسانی که بوسیله عمر از سلطنت عزل می شوند، همچون خاندان عترت که بوسیله او از خلافت محروم می گردند، در وجود امام زمان- که از ذریهٔ پیغمبر و یزدگرد است- تجلی واحد می یابند- و ظهور او درمیان همهٔ مردمی که از خلافت غصب رنج می برند، انتظار کشیده می شود. و بالاخره او فرج می دهد، و انتقام می کشد، و حق غصب شده و حکومت غصب شده را با شمشیر پس می گیرد، و ....

می بینیم که هم در دوره غیبت و هم در آخرالزمان و هم تاقیامت، حکومت حقیقی، حاکم الهی، منجی موعود، امام غائب و بالاخره آنکه روزی به اراده خدا ظهور می کند، و حکومت حق را در جهان بدست میگیرد، پیغمبر زاده اسلام است و شاهزادهٔ ساسان، "بین کسری و هاشم"-

(دکتر علی شریعتی، تشیع علوی و تشیع صفوی، ص ۹۹-۱۰۲)-

ترجمہ:- اور اس طرح ایک دوہرا امام تیار ہوتا ہے جو امام تشیع صفوی اور "قومیت قدیم" کی ذات "مذہب جدید" میں بقاء کا مظہر ہے۔ نیز "سلطنت ایرانی"

کے "امامت اسلامی" میں حلول اور "باقیات کسریٰ" کے "اہل بیت رسول" میں داخلہ کی علامت ہے۔ اور شیعوں کے سلسلہ "عترت" و "ولایت" کے شعوبیہ کے سلسلہ "وراثت" و "سلطنت" کے مابین رشتہ داری، ربط و تعلق اور اتحاد کا پیوند ہے۔ اور اس کے نتیجہ میں ایک قسم کا "تشیع شعوبی" وجود میں آتا ہے جو کہ "نبوت اسلامی" و "سلطنت ساسانی" کا دوغلا و متضاد مجموعہ ہے۔ جس کا مظہر ایک دہرا و حامل تضاد امام ہے۔ "مابین کسریٰ و ھاشم"۔ بادشاہ و پیغمبر کا مرکب۔ یعنی امام سجاد۔

اور ہم دیکھتے ہیں کہ اس قصہ سے، جو کہ علمی و تاریخی لحاظ سے ہر پیمانے سے بہت کمزور اور جعلسازی کی پیداوار ہے، سیاسی و معاشرتی لحاظ سے نیز اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے جس کے لئے "شعوبی گروں" نے زوال پذیر قومیت کا ترقی پذیر مذہب کے ساتھ پیوند لگایا، جاہلی اقدار کو اسلامی اقدار کے توسط سے مقدس و برحق ثابت کیا اور بالاخر ایرانیوں کے اسلام کی طرف میلان کی نسلی تاویل کی، نیز ساسانی سلطنت کو زوال و اختتام کے بعد دوام بخشا، کتنے مکمل و ماہرانہ انداز میں یہ خاکہ تیار ہوا ہے کہ:۔

۱۔ عمر جو کہ ساسانی اقتدار کو ختم کرنے والے ہیں، یہاں امام اول و مظہر اسلام، اہل بیت کے مورث اعلیٰ، علی کے مد مقابل اور مجرم قرار پاتے ہیں۔

۲۔ ساسانیوں کا سقوط و زوال عمر سے منسوب ہو رہا ہے، اسلام سے نہیں۔

۳۔ خلافت، ساسانی سلطنت کی مخالف ہے، جبکہ امامت اس کا دفاع کرنے والی ہے۔

۴۔ تسنن (عمر) ساسانی سلطنت (دختر یزدگرد) کا دشمن اور تشیع (علی) اس کا دوست قرار پاتا ہے۔

۵۔ ایران کا اسلام میں داخل ہونا، عمر کے ذریعے فتح مدائن کے بعد اور مسلمانوں کے ایران وارد ہونے کا نتیجہ نہیں، بلکہ پیغمبر اسلام اور ان کی بیٹی فاطمہ کے مدائن پہنچنے، قصر یزدگرد میں آنے، اس کی بیٹی کے نکاح (حسین) اور اسے اسلام کی دعوت دینے کا نتیجہ ہے۔

۶۔ آخری ساسانی بادشاہ، یزدگرد جو کہ عمر کے ذریعے دھتکار دیا جاتا ہے، اور خلیفہ کی فوج سے مقابلے میں فرار ہو جاتا ہے، پیغمبر کی شخصیت کے توسط سے بچا لیا جاتا ہے۔

اور آپ کے اہل بیت میں داخل ہو جاتا ہے۔ نیز پیغمبر کے پہلو بہ پہلو ان دو سلسلہ ہائے نسب میں سے ایک کا مورث اعلیٰ قرار پاتا ہے جن کے ذریعے خاندان نبوت کی تشکیل ہو رہی ہے۔

۷۔ یزد گرد کی بیٹی جو کہ خاندان سلطنت ساسانی کی واحد باقی ماندہ ہے، پیغمبر کی بیٹی فاطمہ کی دعوت پر مسلمان ہو جاتی ہے۔ پیغمبر کے ذریعے ان کے فرزند کے نکاح میں آتی ہے۔ علی کے واسطے سے عمر کے پنجے سے نجات پاتی ہے۔ ان (علی) کی تجویز پر شوہر کا انتخاب کرتی ہے۔ اس کا حق مہر مسلمانوں کے بیت المال سے ادا کیا جاتا ہے۔ مدینہ کے تمام نوجوانوں حتیٰ کہ حسن و حسین میں سے بھی، حسین کو بطور رفیق حیات چنتی ہے۔ (کیونکہ امامت فرزندان حسین میں دوام پا رہی ہے)۔

ہم دیکھتے ہیں کہ ان (قصہ سازوں) کے لئے اس کے علاوہ کوئی اور راستہ ہی نہیں۔ کیونکہ اگر وہ یزدگرد کی بیٹی کا ذات پیغمبر کی شریک زندگی کے طور پر انتخاب کرتے تو وہ محض آپ کی ازواج میں سے ایک زوجہ قرار پاتی اور ساسانی نسل منقطع ہو جاتی۔ اگر زوجہ علی کے طور پر چنی جاتی، تو امامت، جو کہ بطن فاطمہ سے ہے، کا رشتہ ساسانیوں سے نہیں جڑ پاتا۔ اگر حسن کو بطور شوہر منتخب کرتی تو ان کے فرزند، امام نہ بن پاتے کیونکہ ائمہ صلب حسین سے ہیں۔ اس وجہ سے امام حسین ہی ساسانیوں کے داماد بن پاتے ہیں۔

عین اسی صورتحال میں ہم دیکھتے ہیں کہ پیغمبر و علی و فاطمہ (چہرہ ہائی اصلی اہل بیت و ذات پیغمبر) اس داستان میں موجود ہیں۔ اور براہ راست سرگرم عمل ہیں۔ (حتیٰ کہ حضرت فاطمہ بھی اپنی وفات کے اٹھارہ یا آٹھ برس بعد)۔ نیز حسین کی بھی کئی بیویاں اور فرزند ہیں۔ مگر چونکہ امام سجاد وارث امامت ہیں اور ان کے بعد تمام ائمہ شیعہ انہی کی صلب سے (ہونا) ہیں، اس وجہ سے (قصہ میں) یزدگرد کی بیٹی کا امام سے ایک ہی بچہ ہے، اور وہ بھی لڑکا، اور لڑکا بھی یہی امام سجاد۔

۸۔ ائمہ اہل بیت کے تمام فضائل و مناقب، نسل پیغمبر اسلام اور نسل یزدگرد ساسانی کے درمیان منقسم ہو جاتے ہیں۔

۹۔ سجاد سے مہدی موعود تک امامت کا دوام، سلطنت ساسانی کے دوام و ابدیت

کو اپنے ہمراہ لے جاتا ہے۔

۱۰- نور محمدی جو کہ نور الہیٰ سے نکلا ہے، نور ایزدی کے ساتھ جو کہ نسل ساسانی میں موجود ہے اور (زرتشتی مذہب کے خدا) "اھورمزدا" سے نکلا ہے، باہم مخلوط ہو جاتے ہیں۔

۱۱- ائمہ جن کی برحق حکمرانی انتہائے مخلوق تک زمین و آسمان میں جاری و ساری ہے، ان کی ولایت میں سلطنت ساسانی بھی اپنا وجود قائم رکھتی ہے۔

۱۲- ساسانی خاندان جو کہ عمر کے ذریعے سلطنت سے معزول ہوا ہے اور اسی طرح خاندان عترت جو کہ انہی کے ذریعے خلافت سے محروم ہوا ہے، امام زمانہ کے وجود میں جو کہ پیغمبر و یزدگرد کی اولاد میں سے ہے، مشترکہ طور پر ظاہر ہو جاتے ہیں۔ اور ظہور مہدی ان تمام لوگوں کے لئے جو غاصبانہ خلافت سے رنجیدہ ہوئے، انتظار ختم کرنے کا باعث ہے۔ جو بالآخر نجات دلائیں گے، انتقام لیں گے اور غصب شدہ حق و حکومت کو بزور شمشیر واپس لیں گے اور----

(اس قصہ میں) ہم دیکھتے ہیں کہ زمانہ غیبت میں بھی، اور آخر زمانہ میں بھی، اور تاقیامت بھی حکومت حقیقی، حاکم الہی، منجی موعود، امام غائب اور آخر کار وہ جو کہ ایک دن ارادہ خداوندی سے ظاہر ہوگا اور دنیا میں حکومت حق کو اپنے ہاتھ میں لے گا، پیغمبر زادہ اسلام اور شاہزادہ ساسان ہے۔ "بین کسریٰ وھاشم"=

اصل تشیع کے دیگر فرقوں (زیدیہ، اسماعیلیہ، نوربخشیہ وغیرہ) کے برعکس صرف بارہ اماموں کی امامت منصوصہ و معصومہ پر ایمان رکھنے والے شیعہ فرقہ اثنا عشریہ کی اہم ترین کتاب "احادیث معصومین" (یعنی احادیث پیغمبر و فاطمہ و بارہ ائمہ) "الکافی" میں سینکڑوں روایات تحریف قرآن و امامت منصوصہ و معصومہ افضل من النبوۃ والرسالہ و در مذمت خلفاء و صحابہ بھی موجود ہیں۔ مگر ان سب سے قطع نظر ڈاکٹر علی شریعتی موضوع زیر بحث کی مناسبت سے "کتاب الکافی" میں بھی موجود مذکورہ "حدیث ازدواج حسین و شہربانو" پر مفصل و مدلل تنقید اور اسے روایت و درایت کے لحاظ سے مشکوک و مجعول و بے بنیاد قرار دینے کے بعد اسی سلسلہ کلام میں یہ بھی فرماتے ہیں کہ اس کے علاوہ بھی بعض عجیب و غریب روایات اس معتبر ترین کتاب حدیث میں شامل ہیں۔ جن میں

تعداد ائمہ کے بارے میں ایک عجیب حدیث بھی ہے جس کے مطابق شوہر فاطمہؓ، علیؓ سمیت بارہ اماموں کے بجائے اولاد فاطمہ میں سے بارہ امام بتلائے گئے ہیں۔ بقول شریعتی:-

"این خبر عجیب که در پنج روایت نقل شده و حتی در کتاب معتبر ما یعنی "اصول کافی" بہم راه یافته-" (تشیع علوی و تشیع صفوی، ص ۱۰۲)۔

کتاب "الکافی" میں منقول اس حدیث کو نقل کرتے ہوئے شریعتی لکھتے ہیں:-

"ائمه از بطن فاطمه (ع) دوازده نفرند-

این یک "امام اضافی" در اینجا یک اشتباه لفظی است؟ آیا این نشانه توطئهٔ بزرگ و ریشه داری نیست که می خواسته اند- در زنجیر امامت شیعی، در جمع صاحبان مقام ولایت و اهل بیت عترت و اوصیاء پیغمبر و گروه "اولوالأمر" حقیقی- که اطاعتشان در ردیف اطاعت خدا و رسول در قرآن یاد شده- و بالاخره در شمار پیشوایان حقی که خلفاء حق زمامداری شان را غصب کردند، و خانه نشینان ساختند---- یک جای اضافی در نظر بگیرند- و یک امام زیادی، بر ائمه اهل بیت- که باعلی (ع) دوازده نفرند- میفزاید؟ ولی خوش بختانه نتوانسته اند؟ والله اعلم-"

(دکتر علی شریعتی، تشیع علوی و تشیع صفوی، ص ۱۰۳)-

ترجمہ:- بطن فاطمہؓ سے (پیدا ہونے والے) امام، بارہ افراد ہیں۔

کیا یہ ایک "زائد امام" یہاں ایک لفظی غلطی ہے۔ (کہ روایت میں گیارہ کے بجائے بارہ بیان ہو گیا ہو) یا یہ ایک بہت بڑی اور گہری سازش کی علامت تو نہیں جو ان لوگوں نے کرنا چاہی ہے؟ کہ سلسلہ امامت شیعی، اور مجموعہ صاحبان مقام و ولایت و اہل بیت عترت و اوصیاء پیغمبر و گروہ "اوالوالامر" حقیقی میں جن کی اطاعت کا خدا اور رسول کی اطاعت کے تسلسل میں بعد ازاں قرآن میں ذکر ہوا ہے۔ اور بالآخر برحق پیشواؤں کے شمار کرنے میں، کہ جن کا حق حکمرانی خلفاء نے غصب کیا، اور انہیں خانہ نشین بنا دیا--- ایک اضافی (امام کی) جگہ ذہن میں رکھی ہے اور ائمہ اھل بیت پر ایک "زائد امام" کا اضافہ کرنا چاہا ہے۔ حالانکہ علی (ع) سمیت کل بارہ افراد ہیں۔ مگر (ہماری) خوش قسمتی سے ایسا نہیں کر سکے؟ واللہ اعلم۔ (حقیقت حال اللہ ہی بہتر جانتا ہے)۔

"ازدواج حسینؓ و شہر بانو" کی حدیث و روایت کو عقلاً و نقلاً باطل ثابت کرتے ہوئے صفوی بادشاہوں اور مذہبی پیشواؤں کے زیر قیادت "شیعیت و ایرانی قومیت" کی منصوبہ سازی اور سنی عالم اسلام و امت اسلامیہ سے شیعیت و ملت ایران کا رشتہ منقطع کرنے اور شیعیت و ایرانی قومیت کو لازم و ملزوم قرار دینے کی سازشوں کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر شریعتی یہ دلچسپ حوالہ بھی دیتے ہیں کہ صفوی شیعی دور حکومت میں "غم عاشوراء" اور "جشن نوروز" ساتھ ساتھ بھی منائے جا چکے ہیں اور ایرانی قوم نے اس سلسلہ کے شاہی فرمان پر بلا احتجاج عمل فرمایا:-

"حتی یکسال که "عاشوراء" و "نوروز" در یک روز باهم مصادف می شود (به ببیند، ترکیب "ملیت- مذهب" چقدر قشنگ و ماهرانه ساخته شده بوده که جامعه تحمل کرده و ساده پذیرفته است-) سلطان صفوی دستورمی دهد که آن روز را عاشورا بگیرند، و فردای آنروز نوروز، و مردم هم گرفتند- یعنی یاز دهم محرم را جشن نوروز گرفتند- این دو سمبل شیعی و ایرانی، هرچند باہم متضاد- یکی عزا و یکی عید- باهم همسایه و همساز شدند-"

(دکتر علی شریعتی، تشیع علوی و تشیع صفوی، ص ۱۰۸)

یہاں تک (ہوا) کہ ایک برس جب "عاشورا" اور (ایرانی کیلنڈر کے مطابق) "نوروز" ایک ہی دن میں اکٹھے آ گئے (دیکھئے "قومیت و مذہب" کا مرکب کس خوبصورتی و مہارت سے تیار کیا گیا تھا کہ معاشرے نے برداشت کیا اور سادگی سے قبول کر لیا) تو سلطان صفوی حکم دیتا ہے کہ اس روز "عاشوراء" منالیں اور اس سے اگلے روز "نوروز" منائیں۔ اور لوگوں نے بھی (بلا اعتراض) اسی طرح کیا۔ یعنی گیارہ محرم کو جشن نوروز منایا۔ اور یہ دونوں شیعی و ایرانی سمبل، اگرچہ باہم متضاد ہیں۔ ایک سوگواری (عزا) دوسرا جشن (عید)۔ مگر دونوں باہم موافق و ہمسایہ بن گئے۔

ڈاکٹر علی شریعتی یزید و کربلا کے حوالہ سے رائج شدہ ایرانی رسومات عزاداری کو صفوی دور (۱۵۰۲ء-۱۷۳۶ء) میں یورپی مسیحی رسومات سے نقل شدہ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"وزیر امور روضه خوانی و تعزیه داری رفت به اروپای شرقی (که

درآں ہنگام صفویہ روابط بسیار نزدیک و مرموز ویژہ ای باآنہا داشتند)- و درباره مراسم دینی و تشریفات مذہبی آنجا تحقیق کرد، مطالعه کرد، و بسیاری از آں سنت ها و مراسم جمعی مذہبی و تظاہرات اجتماعی مسیحیت و برگزاری و نقل مصیبت ہای مسیح و حواریوں و شہدائے تاریخ مسیحیت و نیز علائم و شعائر و ابزارها و وسائل خاص ایں مراسم و دکورهای ویژه محافل دینی وکلیسا را اقتباس کرد- وهمه را با ایران آورد و در اینجا بکمک روحانیوں وابسته به رژیم صفوی، آں فرم ها و رسوم را باتشیع و تاریخ تشیع و مصالح ملی و مذہبی ایران تطبیق دادند- و به آں قالب های مسیحی اروپائی محتوائی شیعی ایرانی بخشیدند. بطوریکه ناگہاں در ایران سمبلہا و مراسم و مظاہر کا ملاً تازه ای که هرگز نه در ملیت ایران سابقه داشت ونه دردیں اسلام ونه در مذہب شیعی، بوجود آمد- مراسمی از نوع تعزیه گردانی، شبیه سازی، نعش و علم و کتل و عماری و پرده داری و شمایل کشی و معرکه گیری وقفل بندی و زنجیر زنی و تیغ زنی و موزیک و سنج زنی و تعزیه خوانی و فرم خاص و جدید تشریفاتی، مصیبت خوانی و نوحه سرائی جمعی.... که ہمه شکلش اقتباس از مسیحیت است و هرکس با آں آشنا است، بسادگی تشخیص می دهدکه تقلید است۔"

(دکتر علی شریعتی، تشیع علوی و تشیع صفوی، ص ۱۴۰، باب مسیحیت غربی و تشیع صفوی- فرنگی در کربلا، چاپ دوم، دفتر تدوین و تنظیم مجموعه آثار معلم شهید دکتر علی شریعتی)-

ترجمہ: وزیر امور مرثیہ خوانی و تعزیہ داری مشرقی یورپ گیا (اس دور میں صفوی حکومت کے مشرقی یورپ سے بڑے مخصوص، قریبی اور پراسرار روابط تھے)- وہاں اس نے عیسائیوں کی دینی رسوم اور مذہبی معمولات کے بارے میں تحقیق کی اور ان کا مطالعہ کیا- اس نے عیسائیوں کی بہت سی مذہبی تقریبات، کلیسا کے دینی معمولات اور مسیحی معاشرے کی اکثر رسوم سے استفادہ کیا- مثلاً حضرت مسیح، ان کے حواریوں اور تاریخ مسیحیت کے شہداء کی مظلومیت کا اظہار کرنے کے لئے منعقد کی جانے والی محفلیں اور ان میں استعمال ہونے والے مخصوص نشانات، علامات، نعرے اور آلات ساز و سامان وغیرہ-

یہ تمام رسوم وہ ایران لے آیا، جنہیں صفوی حکومت کے ایجنٹ ملاؤں کی مدد

سے ایران میں نافذ کر دیا گیا۔ ان تمام رسوم کی تشیع، تاریخ تشیع، اور ایران کے قومی مذہبی مصالح پر تطبیق کر دی گئی اور ان یورپی عیسائی معمولات کو شیعی ایرانی رنگ دے دیا گیا۔ یوں ایران میں اچانک ہی کچھ ایسی بالکل نئی علامات، رسوم اور مظاہر کا رواج ہو گیا، جن کا تصور بھی ایرانی قومیت، دین اسلام یا شیعی مذہب میں نہیں تھا۔

تعزیہ پھرانا، نعش، علم، گھوڑے اور پالکی کی شبیہیں نکالنا، زنجیر زنی، تلوار زنی، موسیقی، مرثیہ خوانی اور اس کی مخصوص نئی رسمی شکلیں مثلاً مصائب خوانی اور اجتماعی نوحہ سرائی وغیرہ، مکمل طور پر عیسائیت سے لی گئی ہیں۔ جو بھی ان مسیحی رسوم سے واقف ہے، وہ بڑی آسانی سے اندازہ لگا سکتا ہے کہ یہ تقلید محض ہیں۔

خلافت یزید میں پیش آمدہ واقعہ کربلا کے حوالہ سے رائج انہی رسومات کے بارے میں ڈاکٹر علی شریعتی مزید فرماتے ہیں:۔

"قفل زنی و سینه زنی و تیغ زنی حتی هم اکنون، به ہمیں شکل در لورد (Lourdes) سالیانه در سالروز شهادت مسیح برگزار می شود- و این است که با اینکه از نظر اسلامی این اعمال محکوم است و علمای حقیقی اسلامی نه تنها آنرا تائید نکرده اند بلکه جداً مخالفند، و این نمایشهارا برخلاف موازین علمی شرع می دانند، ولی همو ا ره و هم ساله درین دوسه قرن انجام میشده- واین در عین حال که شگفت انگیز است، روشن کننده این نظر می است که این مراسم ابتکار سیاست بوده است نه روحانیت واقعی- ونشان می دهدکه این تظاهرات پرشور و سازمان یافته و بسیار نیرومند با اینکه صد در صد مذہبی وشیعی است و بنام امام و خاندان پیغمبر و ولایت علی و عشق مذہبی انجام می شود، مورد علمای شیعی نیست- و حتی علماء غالباً در برابر آن ناچار "تقیه" می کرده اند- واز مخالفت علنی و جدی خود داری نموده اند- واین روشن می کند که مصالح سیاسی و قدرت حکومت بوده است که این مراسم و اعمال و شعائر را بر علماء تحصیل کرده است- و گردانندگان آن نیز خود به این امر بیش و کم واقف اند که عالم و فقیه واقعی شیعی آنهارا تائید نمی کند- ولی بنام اینکه "این کار عشق است، کار شرع نیست-" خود را از قید فتوای عالم رهامی کرده اند- چنانکه در پاسخ عالمی که به یکی از همین سر حلقه ها گفته بود: این اعمال باموازین شرع نمی خواند، گفته

بود: آقا! یازده ماه از سال را مابه حرف شما گوش می دهیم واین یک ماه را شما به حرف ما گوش بکنید- این کار مستحب و مکروه و حلال و حرام نیست- جنون محبت علی و عشق حسین است- عاشورا ما را دیوانه می کند- خونمان را جوش می آورد و از مان می خواهد خودمان را آتش بزنیم- دستگاه امام حسین از دستگاه خدا سوا است- اگر خدا مارا به گناه عشق حسین به جهنم هم ببرد با شوق و شکر خودمان رادر آتش می اندازیم، بگذار مارا بسوز.....

این گونه استدلال و احساسات؛ پیدا است که بامنطق عقلی و عقلای اسلام و تشیع علمی ارتباطی ندارد، کاملاً پیدا است که زبان تصوف است و احساسات غلاة و پروردهٔ کار درویشان و شاعران و روضه خوانان و خطباء و مبلغان عوام که همه مستقیم و غیر مستقیم از نهضت صفوی آب می خورند- وکارگزاران و بلند گوها ورادیوهای‌رسمی زمان بوده اند، وبه دربار صفوی بیشتر بسته بودند تا حوزه های علمی-

من فکر می کنم اینکه امروزیک مجتهد، فقیه و عالم بزرگ شیعی منبر رفتن و تبلیغ کردن و در محافل و تکایا و مساجد حرف زدن را برای مقام خود کسرمی داند و سبک تلقی می کند، یادگار همه دوره است که منبرها، تریبون های تبلیغاتی دستگاه حکومت شده بود و منبر های سخنگوهای سیاست، نه علم و روحانیت- این مراسم غالباً بروشنی باسنت ها و حتی احکام شرعی منافات دارد- حرمتی که مسلمان و شیعه برای ائمه و خاندان پیغمبر و بخصوص حرم پیغمبر و امام قائل است، پیدا است- ودر عین حال در شبیه ها یک نره مرد نتراشیده سکینه می شود یا زینب و در صحنه ظاہرمی شود- یا موسیقی که علماء آنهمه باکراهت و حرمت تلقی می کنند، در شبیه و تعزیه حفظ شده است- وپیدا است که از مسیحیت آمده است- شبیه و تعزیه و نعش تقلید کور کورانه از مراسم "میسترهای هفت گانه" (7 Myste'res) و "میراکل" (Miracles) و نمایش نعش عیسی برصلیب- و فرو آوردن و دفن و صعود و دیگر قضایا است-

نوحه های دسته جمعی درست یاد آور "کر"های کلیسا است- و پرده های سیاه که به شکل خاصی برسر تکیه ها وپایه ها و کتیبه ها آویخته می شود و غالباً اشعار جودی و محشتم وغیره برآن نقش شده بی کم و

کاست از پرده های کلیسا در مراسم تقلید شده- و شمایل گردانی و نقش صورت ائمه و دشمنان و حوادث کربلا وغیره که درمیان مردم نمائش داده می شود، پرتره سازی های مسیحی است- حتی اسلوب نقاشی ها همه است- در حالیکه صورت سازی در مذهب ما مکروه است- حتی نوری که بصورت یک هاله گرد سر ائمه و اهل بیت دیده می شود درست تقلیدی است و شاید بافره ایزدی و فروغ یزدانی در ایران باستان توجیه شده است-

"این مراسم و تشریفات رسمی مخصوص عزاداری اجتماعی و رسمی، همه فرم های تقلیدی از عزاداری و مصیبت خوانی و شبیه سازی مسیحیت اروپائی است-"

(دکتر علی شریعتی، تشیع علوی و تشیع صفوی، ص ۱۶۱-۱۶۳)-

ترجمہ: قفل زنی، سینہ زنی، تیغ زنی، زنجیر زنی آج بھی بالکل اسی طرح ہر سال حضرت مسیح کے یوم شہادت پر لورد (Lourdes) کی شکل میں موجود ہے۔ اسلامی نقطہ نظر سے ایسے اعمال ناپسندیدہ ہیں اور حقیقی مسلمان علماء نے نہ صرف یہ کہ ان کی تائید نہیں کی بلکہ سنجیدگی سے مخالفت کی ہے۔ اور ایسے افعال شریعت کے علمی معیارات واقدار کے سراسر خلاف ہیں۔ لیکن گذشتہ دو تین صدیوں سے ہر سال رائج چلے آرہے ہیں۔ یہ امر باعث حیرت ہونے کے ساتھ ساتھ میری اس رائے کی بھی تائید کرتا ہے کہ یہ رسومات مذہبی نہیں بلکہ سیاسی ہیں۔ اسی سے پتہ چلتا ہے کہ یہ پر شور، مرتب و منظم اور انتہائی باثر مظاہرے اگرچہ سو فیصد مذہبی اور شیعی ہیں جو امام خاندان رسالت، ولایت علی اور مذہبی عشق و عقیدت کے نام پر انجام پاتے ہیں، مگر اس کے باوجود انہیں شیعہ علما. کی تائید حاصل نہیں ہے۔ بلکہ اکثر و بیشتر علماء اس سلسلہ میں مجبوراً "تقیہ" کرتے رہے ہیں اور ان رسوم کی سنجیدہ و علانیہ مخالفت سے دامن بچاتے رہے ہیں۔

اس سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ حکومت کی قوت اور اس کی سیاسی مصلحتوں نے یہ مراسم و شعائر علماء پر مسلط کئے ہیں۔ اور ان اعمال کے کرتا دھرتا بھی کم و بیش اس حقیقت سے واقف ہیں کہ کوئی سچا شیعہ عالم و فقیہ ان افعال کی تائید نہیں کرتا۔ لیکن ان لوگوں نے یہ کہہ کر کہ: "یہ کار عشق ہے، کار شریعت نہیں" خود کو علماء کے

فتوی کی قید سے آزاد کرالیا ہے۔

ایک عالم دین نے ایسی ہی ایک محفل کے منتظم سے کہا تھا کہ ان افعال کا اقدار شریعت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس نے جواب دیا کہ آقا! ہم گیارہ ماہ آپ کی باتیں سنتے ہیں، یہ ایک مہینہ آپ ہماری باتیں سنا کیجئے۔ یہ کام مستحب، مکروہ، حلال یا حرام نہیں ہے۔ یہ تو علی و حسین کی محبت کا معاملہ ہے۔ عاشورا ہمیں دیوانہ بنا دیتا ہے۔ ہمارا لہو کھول اٹھتا ہے۔ جی چاہتا ہے خود کو آگ لگا دیں۔ امام حسین کے معاملات خدا کے معاملات سے جدا ہیں۔ اگر خدا ہمیں عشق حسین کے جرم میں جہنم میں بھی ڈال دے تو ہم ذوق و شوق اور شکر کے عالم میں خود آگ میں کود پڑیں گے کہ:۔ چل ہمیں جلا ڈال۔

ظاہر ہے اس طرح کے جذبات اور استدلال کا اسلام اور تشیع کی عقلی و علمی منطق سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ یہ تصوف کی زبان اور غالیوں کے جذبات ہیں، یہ ان عامیانہ درویشوں، شاعروں، تعزیہ خوانوں، خطیبوں اور مبلغوں کی پیداوار ہیں جو بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر صفوی تحریک سے متاثر ہیں۔ یہ اس دور کے سرکاری ترجمان، کارندے، لاؤڈ سپیکر اور ریڈیو تھے جن کا مرکز صفوی دربار تھا نہ کہ دینی مدارس۔

میرا خیال ہے یہ جو آجکل شیعوں کے بڑے بڑے مجتہدین، فقہاء اور علماء منبر پر جانے، تبلیغ کرنے اور محفلوں، تکیوں اور مسجدوں میں وعظ کرنے کو اپنے لئے کسر شان سمجھتے ہیں، یہ بھی اسی دور کی یادگار ہے جب منبر، حکومت کے پروپیگنڈہ سنٹر بن گئے تھے۔ اور واعظین سیاسی مبلغین ہوتے تھے نہ کہ علم و مذہب کے ترجمان۔ ایسی رسمیں اکثر و بیشتر روایات و احکام شریعت کے کھلم کھلا منافی ہیں۔ مسلمان اور شیعہ، ائمہ، خاندان رسالت اور خاص طور پر حرم نبوی و امام کے بارے میں عزت و احترام کے گہرے جذبات رکھتے ہیں۔ مگر اس کے ساتھ ہی تعزیتی ڈراموں میں کوئی ہٹا کٹا، اجڈ گنوار سکینہ یا زینب بن کر سٹیج پر آجاتا ہے۔ اور موسیقی جس کے بارے میں علماء مکروہ و حرام ہونے کی رائے رکھتے ہیں، ان ڈراموں اور تعزیوں میں شامل ہے۔ اور ظاہر ہے کہ عیسائیت سے ماخوذ ہے۔ تعزیتی ڈرامے، عزاخوانی اور نعش کی شبیہ وغیرہ عیسائیت کی سات مسٹریز (7 Myste'res) اور میراکلز (Miracles) کی بھونڈی نقالی ہے

جس میں حضرت عیسیٰ کی نعش صلیب پر دکھائی جاتی ہے پھر اسے اتارا اور دفن کیا جاتا ہے۔ اور پھر وہ عالم بالا کو منتقل ہو جاتے ہیں، وغیرہ وغیرہ۔

اجتماعی نوحہ گری بھی صد فی صد کلیسا کے "کر" کی نقالی ہے۔ وہ سیاہ پردے جو مخصوص انداز میں تکیوں اور عمارات پر لٹکائے جاتے ہیں اور ان پر جودی و محتشم کاشانی وغیرہ کے مرثیوں کے اشعار لکھے ہوئے ہوتے ہیں، یہ بھی سراسر کلیسا کے تعزیتی پردوں کی تقلید ہے۔

شبیہ پھرانا اور ائمہ و دشمنان ائمہ و حوادث کربلا کی تصویریں بنا کر عوام میں ان کی نمائش کرنا، یہ سب بھی دین مسیحی کی رسوم کی نقل ہے۔ جبکہ تصویر سازی ہمارے مذہب میں مکروہ ہے۔ یہاں تک کہ ائمہ اور اہل بیت کی تصویروں میں ان کے سروں کے گرد جو ہالہ نور ہوتا ہے، وہ بھی نقالی ہے۔ یہ ایران قدیم کے زرتشتی مذہب کے ہالہ نور کی یاد دلاتا ہے۔

عزاداری کی یہ تمام مخصوص رسمیں یورپی عیسائیت کی تقلید محض ہیں۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ڈاکٹر علی شریعتی نے اگرچہ اپنے شیعی اثنا عشری عقیدہ کے مطابق وصی پیغمبر کی حیثیت سے سیدنا علیؓ کو سیدنا ابوبکرؓ کے مقابلے میں منصب خلافت کا زیادہ حقدار قرار دیا ہے جن کا حق منصوص غصب کر لیا گیا تھا۔ نیز انہوں نے اپنی مختلف تصانیف و تقاریر میں خلافت و جمل و صفین وغیرہ کے حوالہ سے مختلف خلفاء و صحابہ کرامؓ پر شدید تنقیدی نقطہ نظر سے کلام فرمایا ہے (ملاحظہ ہو تصنیف شریعتی: قاسطین، مارقین ناکثین وغیرہ) مگر خلفاء و صحابہ کرامؓ کے فضائل و مناقب کا مختلف مقامات پر اعتراف بھی کیا ہے۔ چنانچہ اپنی تصنیف "فاطمہ فاطمہ است" میں شورائیت کی بنیاد پر سیدنا علیؓ کے بجائے سیدنا ابوبکرؓ کو امام اول و خلیفہ بلافصل منتخب کر لینے کے حوالہ سے سیدنا علیؓ کے حامیان کی مختصر جماعت کے مقابلہ میں سیدنا ابوبکرؓ اور ان کے حامی صحابہ کرامؓ کی غالب اکثریت کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"ابوبکر است نخستین کسیکه بیرون از خانوادهٔ پیغمبر به او گروید- یارغاراو، همگام بجرتِ او، پدر همسر او ام المؤمنین- کسیکه در بیکسی و غربت پیغمبر به او دست یاری داد و همه ثروت خویش را در راه ایمان به او نابود کرد- و در مدینه چنان تهیدست شد که پیش یهودیان پست و مردم بیگانه و حقیر مدینه کاری کرد- و کسیکه همه مردم بیست وسه سال تمام از نخستین سال بعثت تا مرگ پیغمبر او را همه جا در کنار او دیده اند-

و عمر چهلمین کسیکه در مخفی گاه پیغمبر خانه ارقم بن ابی ارقم به او گروید- وبا پیوستن او و حمزه به جمع اندک وضعیف یاران نخستین پیغمبر مسلمانان نیرو گرفتنه و آشکار شدند- واز آن هنگام همه نیرونی خویش وقف پیشرفت این نهضت کرد- واز نزدیکترین یاران پیا مبر و برجسته ترین مهاجران بود- و مردم او راکه پدر حفصه ام المؤمنین نیز بود از رهبران بزرگ و اصحاب کبار رسول خدامی دانستند-

و عثمان مهاجر ذو هجرتین اسلام است و داماد ذوالنورین پیغمبر- مرد باحشمت و تقدس ماب به دو خانواده قریش- و کسیکه باثروت بسیارش در جمع یاران فقیر پیغمبر در امورخیر کمکهای موثر کرده است درمیان توده مردم به عنوان یکی از اصحاب قدیم و مهاجران بزرگ و دوستان و خویشان نزدیک پیغمبر در او مینگرند-

و درکنارشان ابوعبیده مهاجر بزرگ و پیشگام است-

و خالد بن ولید که در جهاد با دشمنان اسلام قهرمانیها کرد و درموته که سربازی ساده بود، نه شمشیر بر سر رومیان شکست و "سیف الله" لقب داشت-

و عمرو عاص یکی از چهار نابغه معروف عرب که سالها سال به مسلمین پیوسته و در مرزهای شمال به قدرت امپر اطور روم ضرب شست اسلام نشان داده است-

وسعد بن ابی وقاص نخستین کسی که در اسلام تیری به روی دشمن رہا کرده و مسلمانان را از مرحله دفاعی بدر آورده و حالت حمله رابه دشمن اعلام کرده است- و در احد با تیر باران دقیق و زبردستانه اش از جان پیغمبر که سخت به خطر افتاده بود و تنها مانده بود دفاعی کرده بود، که پیغمبر باتعبیر ویژه او راستانش کرد-

و دیگران و دیگران وسپس تائید مهاجران بزرگ و انصار بزرگ و همه سران و سرداران و پیشگامان اسلام و نزد یکترین یاران همگامان پیغمبر-" (دکتر علی شریعتی، فاطمه فاطمه است، ص ۱۴۶-۱۴۴، تهران، سازمان انتشارات حسینیه ارشاد، طبع ثانی، تیر ماه ۱۳۵۶)-

ترجمہ: ابوبکر جو خاندان پیغمبر سے باہر کی پہلی شخصیت ہیں جو آپ پر ایمان لائی- آپ کے یار غار، رفیق ہجرت، آپ کی شریک حیات ام المؤمنین (عائشہ) کے والد- وہ ہستی جس نے پیغمبر کی بے کسی و غریب الوطنی کے زمانہ میں انہیں دوستی کا ہاتھ دیا اور اپنی تمام دولت و ثروت کو آپ پر ایمان لانے کی راہ میں خرچ کر دیا- اور مدینہ میں اتنے تہی دست ہو گئے کہ مدینہ کے یہودیان پست اور مردم بیگانہ و حقیر کے ہاں اجرت پر کام کرتے رہے- وہ شخصیت جسے لوگوں نے بعثت کے اولیں سال سے وفات پیغمبر تک تئیس برس تک ہر مقام پر پیغمبر کے شانہ بشانہ پایا ہے-

اور عمر چالیسویں فرد ہیں جو مخفی گاہ پیغمبر خانہ ارقم بن ابی ارقم میں اسلام سے وابستہ ہوئے- ان کے اور حمزہ کے اصحاب پیغمبر کی ابتدائی مٹھی بھر کمزور جماعت میں شامل ہونے سے مسلمانوں کو قوت ملی اور وہ کھلم کھلا سامنے آ گئے- اس وقت سے عمر نے اپنی تمام تر قوت اس تحریک کی ترقی کے لئے وقف کر دی- اور آپ پیغمبر کے قریب ترین دوستوں اور برجستہ ترین مہاجرین میں سے تھے- نیز ام المؤمنین حفصہ کے والد بھی تھے- چنانچہ لوگ آپ کو رسول خدا کے اصحاب کبار اور رھبران بزرگ میں شمار کرتے تھے-

اور عثمان جنھوں نے اسلام میں دو ہجرتیں فرمائیں اور پیغمبر کے داماد ذوالنورین تھے- قریش کے دو خاندانوں سے تعلق رکھنے والے تقدس مآب و باحشمت- وہ شخصیت جنھوں نے پیغمبر کے غریب صحابہ کی جماعت میں اپنی کثیر دولت کے ذریعے امور خیر میں مؤثر امداد فرمائی- جو لوگوں کی نظر میں پیغمبر کے قدیم صحابہ، بزرگ مہاجرین، دوستوں اور قریبی رشتہ داروں میں سے ایک تھے-

اور خالد بن ولید جنھوں نے دشمنوں سے جہاد میں قہرمانی دکھائی تھی- اور جنگ موتہ میں جبکہ وہ محض ایک عام سپاہی کی حیثیت سے شریک تھے، لڑتے لڑتے رومیوں

کے سروں پر نو تلواریں توڑیں اور "سیف اللہ" کا لقب پایا۔

اور عمرو بن عاص جو عرب کے چار مشہور نابغوں میں سے ایک تھے۔ جنہوں نے سالہا سال اہل اسلام سے وابستہ رہ کر شمالی سرحدوں کی جانب رومی شہنشاہیت پر اسلام کی ضرب کاری لگائی تھی۔

اور سعد بن ابی وقاص۔ اسلام کی وہ پہلی شخصیت جس نے دشمن کے رو برو تیر اندازی کرتے ہوئے مسلمانوں کو دفاعی مرحلہ سے باہر نکالا اور دشمن پر جارحانہ حملہ کا اعلان کیا۔ جنہوں نے غزوہ احد میں تیروں کی تیز اور زبردست بوچھاڑ کے ذریعے پیغمبر کی جان کا اس وقت دفاع کیا جبکہ وہ سخت خطرہ میں تھے اور یکہ و تنہا رہ گئے تھے۔ جس پر پیغمبر نے ان کی جانثاری کی تعریف فرمائی۔

نیز دیگر بے شمار اصحاب جن کو مزید عظیم المرتبت انصار و مہاجرین، قائدین و سرداران اسلام و نزدیک ترین یاران و ہمگامان پیغمبر کی تائید و حمایت حاصل تھی۔

سیدنا عثمانؓ کے "ذوالہجرتین" ہونے کی تشریح کرتے ہوئے شریعتی لکھتے ہیں:۔

"ہجرت به حبشه و سپس ہجرت به مدینه"۔

(علی شریعتی، فاطمه فاطمه است، ص ۱۲۷، حاشیه۱)۔

ترجمہ:۔ حبشہ کو ہجرت اور اس کے بعد مدینہ کو ہجرت۔

سیدنا عثمانؓ کے ذوالنورین (دو نوروں والا) ہونے کی تشریح کرتے ہوئے علی شریعتی لکھتے ہیں:۔

"شوہر رقیه وسپس شوہر ام کلثوم دختران پیغمبر که در آغاز عروس ابولهب بودند۔ وپس از بُعثت بدستور وی پسرانش آنہا را طلاق گفتند، تا ہم به پیغمبر اہانت کرده باشند، وہم او را درفشار روحی و مالی قرار داده باشند۔

وعثمان که جوانے ثروتمند بود، واز دو خانواده اشرافی (از پدر به بنی امیه و از مادر به بنی ہاشم) رقیه را گرفت و با او حبشه ہجرت کرد۔ در مدینه رقیه مرد، وسپس ام کلثوم را گرفت۔لقب "ذوالنورین" از اینجا است"۔ (دکتر علی شریعتی، فاطمه فاطمه است، ص ۱۲۷، حاشیه۲)۔

ترجمہ:- پیغمبر کی بیٹیوں، رقیہ اور بعد ازاں ام کلثوم ؓ کے شوہر- جو پہلے ابولہب کے بیٹوں کی منکوحہ تھیں- اور بعثت کے بعد اس کے حکم پر اس کے بیٹوں نے انہیں طلاق دیدی تھی- تاکہ پیغمبر کی توہین کر سکیں اور انہیں ذہنی و مالی دباؤ میں بھی مبتلا کر دیں-

اور عثمان جو کہ دولتمند جوان تھے، نیز دو معزز خاندانوں (باپ کی طرف سے بنوامیہ اور ماں کی طرف سے بنوھاشم) سے تعلق رکھتے تھے، انہوں نے رقیہ سے شادی کر لی- اور ان کے ہمراہ حبشہ کو ہجرت کر گئے- مدینہ جا کر رقیہ فوت ہو گئیں تو ان کے بعد ام کلثوم سے شادی کر لی- "ذوالنورین" کا لقب اس وجہ سے ہے-

چنانچہ لاکھوں شیعان ایران کے قائد ڈاکٹر علی شریعتی ایک جدید شیعہ مفکر و مؤرخ کی حیثیت سے جدید تشریحات کے ہمراہ شیعی عقیدہ امامت منصوصہ و معصومہ کو اصول دین اسلام کے بجائے محض اصول مذہب تشیع میں سے ایک تسلیم کرتے ہوئے عصر نبوی میں خلفاء ثلاثہؓ وجملہ صحابہ کرامؓ کی عظیم الشان اسلامی خدمات و جہاد کا برملا اعلان و اعتراف کرتے ہیں-

۲- خلافت ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و معاویہؓ کو صدیوں پر محیط ایران کی اولین و اہم ترین شیعی صفوی حکومت (۱۵۰۲-۱۷۳۶ء) کے نظام حکومت سے بدرجہا اعلیٰ و برتر قرار دیتے ہیں-

۳- بنو امیہ کے بارے میں بدزبانی کی ممانعت کا حکم بزبان امام علیؓ سناتے ہیں-

۴- سیدنا معاویہؓ و یزید سے شروع ہونے والی خلافت بنو امیہ (۴۱-۱۳۲ھ) کو عربیت و عجمیت کے تعصبات سے پاک عالمگیر اخوت و مساوات اسلامیہ پر مبنی "اسلامی خلافت" قرار دیتے ہیں جو بنوامیہ کے آخری اور بنو عباس کے ابتدائی زمانہ خلافت میں عجمیوں کی تحقیر پر مبنی عربوں کی قوم پرستانہ حکومت کی شکل اختیار کر گئی- اور رد عمل کے طور پر عجمیوں کی شعوبی تحریک کو مقبول و مؤثر بنانے کا باعث بنی-

۵- خلافت یزید میں پیش آمدہ واقعہ کربلا کے حوالہ سے کربلا کی "مادر مظلوم"

شہزادی شہر بانو کی سیدنا حسینؓ سے شادی کی روایت و دیگر متعلقہ روایات کو عقلی و نقلی دلائل کی رو سے جعلی و من گھڑت ثابت کرتے ہوئے یزید و کربلا کے حوالہ سے دیگر بے بنیاد و مبالغہ آمیز پروپیگنڈہ و روایات کے بھی مشکوک و مجعول ہونے کا جواز فراہم کرتے ہیں۔

۶- حتی کہ عاشوراء محرم و جشن نوروز کے پہلو بہ پہلو منائے جانے کے صفوی شیعی فرمان کا بھی تذکرہ فرما کر اظہار تعجب کرتے ہیں۔ اور شیعی رسومات ماتم و عزاداری کو ایرانی صفوی دور میں یورپی مسیحی رسومات و ثقافت سے در آمد شدہ ثابت فرماتے ہیں۔

مگر اس سب کچھ کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر علی شریعتی شیعی عقیدہ امامت پر سختی سے قائم رہتے ہوئے اپنی تحریروں میں امامت منصوصہ و معصومہ کی تمام تر معتدل و متوازن تشریحات پیش کرنے کی کوششوں کے باوجود امامت علیؓ و آل علیؓ کے مقابلے میں سیدنا ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ کی (بقول شریعتی) شورائیت و اجماع صحابہؓ پر مبنی شرعی امامت و خلافت، نیز خلافت بنو امیہ و عباس کو ائمہ شیعہ اثنا عشریہ کے حق امامت و خلافت پر غاصبانہ قبضہ (خلافت غصب) قرار دیتے ہیں۔ اس کی شریعتی کی جانب سے بیان کردہ محض ایک مثال بطور اشارہ بحوالہ حدیث شیعہ درج ذیل ہے:-

"از امام صادق می پرسند:- علت چه بود که نه علی (ع) در خلافت موفق بود و نه عثمان، در حالیکه ابوبکر و عمر بر دو دریں کار توفیق بدست آوردند؟

امام پاسخی داد که از نظر تحلیل اجتماعی بسیار عمیق است:-
علی یکسره برحق می رفت، و حق صریح و قاطع-
و عثمان یکسره بر باطل می رفت، و باطل صریح و قطعی-
اما شیخین این دوبهم در آمیختند و پیش رفتند"-

(علی شریعتی، قاسطین، ناکثین، مارقین، ص ۸۳، تهران، انتشارات قلم، آبانماه ۱۳۵۸، چاپ دوم)

ترجمہ:- امام (جعفر) صادق سے پوچھا گیا کہ کیا وجہ ہے کہ نہ علیؓ بحیثیت خلیفہ کامیاب رہے نہ عثمان، جبکہ ابوبکر و عمر اس کار خلافت میں پوری طرح کامیاب رہے؟

امام نے ایسا جواب دیا جو معاشرتی تجزیہ کے لحاظ سے بڑی گہرائی کا حامل ہے:-
علی قطعی اور صریح حق کی راہ پر گامزن رہے۔ عثمان قطعی اور صریح باطل کی راہ پر

گامزن رہے۔ جبکہ شیخین (ابوبکر و عمر) نے ان دونوں (حق و باطل) کو ملا جلا کر کام چلایا اور کامیاب رہے۔

ڈاکٹر علی شریعتی کی بیان کردہ یہ شیعی روایت امام جعفر صادقؒ سے منسوب ہے۔ جن کا اپنے بارے میں یہ قول بھی خود شیعہ کتب حدیث میں موجود ہے کہ:- ولدنی ابوبکر مرتین- (ابوبکر نے مجھے دو مرتبہ جنم دیا)۔ کیونکہ امام جعفر کی والدہ سیدہ فاطمہ، جناب قاسم بن محمد بن ابی بکرؓ اور سیدہ اسماء بنت عبدالرحمن بن ابی بکرؓ کی صاحبزادی تھیں۔ لہذا شیعی روایات کی رو سے امام جعفر کا اپنے جد امجد سیدنا ابوبکرؓ پر فخر کرنا اور ساتھ ہی ان کی خلافت کو حق و باطل کا آمیزہ قرار دینا چہ معنی دارد؟

علاوہ ازیں اگر اس قسم کی شیعی روایات و طرز فکر کو درست تسلیم کر لیا جائے تو خود شیعہ اثنا عشریہ کے نزدیک اس کا صاف مطلب یہ قرار پاتا ہے کہ مثالی شرعی امامت و خلافت جناب رسالتمآب کے معتمد و معتبر ترین اصحابؓ اور قریب ترین اھل خاندان کے زیر قیادت بھی قائم و کامیاب نہ ہو سکی۔ (ابوبکرؓ و عمرؓ کے داماد خود جناب رسول اللہ ہیں اور عثمانؓ آپ کے داماد ذوالنورین)۔ حتیٰ کہ شیعہ امام اول سیدنا علیؓ کے دور میں بھی قائم و کامیاب نہیں ہو سکی۔ اس طرز فکر و استدلال کی رو سے گزشتہ چودہ صدیوں میں حتیٰ کہ عصر نبوی سے متصل دور صحابہ کرامؓ و اہل بیت عظامؓ میں بھی مثالی اسلامی خلافت قائم و کامیاب نہیں ہو سکی۔ لہذا اس مبینہ تاریک تاریخی و اعتقادی پس منظر میں غیر جانبدار مفکرین و محققین کے نزدیک مستقبل میں بھی اس کا امکان معدوم تر قرار پاتا ہے۔

مگر اس اقلیتی طرز فکر و استدلال کو قبول کرنا اس لئے بھی ممکن نہیں کہ شیعہ اثنا عشریہ (بارہ امامیہ) کے علاوہ اھل تشیع کے دیگر معروف و مؤثر فرقے (کیسانیہ، زیدیہ، اسماعیلیہ، تفضیلیہ، نوربخشیہ وغیرہ) نہ صرف "بارہ اماموں" میں سے بعض کی امامت منصوصہ و معصومہ ہی کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ (زیدیہ، تفضیلیہ وغیرہ) فضیلت علیؓ کا عقیدہ رکھنے کے باوجود ابوبکرؓ و عمرؓ کی امامت و خلافت کو بالاتفاق اور خلافت عثمانؓ کو بالاختلاف شرعاً درست و برحق تسلیم کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ شیعہ فرقہ کیسانیہ کے امام، برادر حسنینؓ، امام محمد بن علی (ابن الحنفیہؒ) اور ان سے متفق خواص و عوام اھل تشیع

سیدنا ابوبکر و عمر و عثمان و علی و معاویہ رضی اللہ عنہم کے بعد یزید بن معاویہؓ کی امامت و خلافت کو بھی شرعاً درست اور یزید کو سیرت طیبہ کا حامل تسلیم کرتے ہیں۔ و ان فی ذلک لایات لأولی الألباب۔

ڈاکٹر علی شریعتی نے شیعی روایات کے حوالہ سے بیان فرمایا ہے کہ ایک طرف تو ان روایات میں شیعہ اماموں کا تعارف یوں کروایا جاتا ہے کہ وہ والی کائنات، تمام انبیاء سے افضل، مقام عصمت کے حامل اور مظہر علم نبوت ہیں:۔

(امام شیعه که بر کائنات ولایت دارند، و بر همه انبیاء فضیلت، و دارای مقام عصمت اند، و مظهر علم نبوت– تشیع علوی و تشیع صفوی، ص ۱۶۱)

دوسری طرف انہی ائمہ شیعہ کو اموی و عباسی خلفاء کا مطیع و فرمانبردار روایت کر کے ان کی تنقیص کی جاتی ہے۔

اس سلسلہ میں شریعتی "امام در زمین در رابطه با خلیفه" کے زیر عنوان علامہ باقر مجلسی (م ۱۱۱۱ھ) کے شیعہ احادیث و روایات پر مشتمل عظیم و ضخیم دائرة المعارف "بحار الانوار" سے "امام بندہ یزید" کے ذیلی عنوان کے تحت روایت نقل کرتے ہیں:۔

"امام بندہ یزید"

"یزید سفر حج میں مدینہ پہنچا تو ایک قریشی مرد کو مخاطب کر کے کہنے لگا: کیا تو اقرار کرتا ہے کہ تو میرا غلام ہے، اگر چاہوں تو تجھے اپنی غلامی میں رکھوں اور چاہوں تو فروخت کردوں؟

اس مرد قریش نے یزید کو جواب دیا:- اے یزید! خدا کی قسم تو قریش میں سے حسب نسب کے لحاظ سے مجھ سے بڑھ کر نہیں، نہ ہی زمانہ جاہلیت و اسلام میں تیرے والد میرے والد سے برتر ہیں، اور نہ تو دین کے لحاظ سے مجھ سے بہتر و برتر ہے۔ پس جو تو مجھ سے چاہ رہا ہے، میں اس کا کیونکر اقرار کروں؟

یزید کہتا ہے:- اگر تو نے اقرار نہ کیا تو میں تجھے مار ڈالوں گا۔

وہ شخص کہتا ہے:- مجھے قتل کرنا حسین بن علی، ابن رسول اللہ کے قتل سے

زیادہ اہم نہیں ہو گا۔ پس یزید اس شخص کو مار ڈالتا ہے۔"

(ڈاکٹر علی شریعتی، تشیع علوی و تشیع صفوی، ص ۱۵۸، ترجمہ متن فارسی)۔

"فردا علی بن حسین (ع) (امام سجاد) میگوید:-

مگر نہ اینست کہ اگر اقرار نکنم مثل آن مرد دیروزی مرابہم میکشی؟

یزید، لعنۃ اللہ علیہ، میگوید: چرا-

علی بن حسین میگوید:-

أقرت لک بما سألت، أنا عبد مکرہ، فان شئت أمسک، وان شئت فبع.

(اقرار میکنم بہ انچہ خواستی، من بندہ ناراضی ہستم، پس اگر بخواہی نگہم دار، و اکر بخواہی مرا بفروش)-

یزید میگوید:- این برایت بہتر است کہ خونت را حفظ کردی و از شرفت نکاستی-"

(دکتر علی شریعتی، تشیع علوی و تشیع صفوی، ص ۱۵۸)-

ترجمہ:- اگلے روز علی بن حسین علیہ السلام (امام سجاد) فرماتے ہیں:-

اگر میں بھی اس کل والے شخص کی طرح اقرار نہ کروں تو کیا تم مجھے بھی مار ڈالو گے؟

تو یزید، لعنۃ اللہ علیہ کہتا ہے: ہاں کیوں نہیں-

علی بن حسین کہتے ہیں:- جو تو نے چاہا، میں نے اس کا اقرار کیا- میں ایک مجبور غلام ہوں- پس اگر تم چاہو تو مجھے فروخت کر دو اور چاہو تو رہنے دو-

یزید کہتا ہے:- یہ تیرے لئے بہتر ہے کہ تو نے (یہ بات کہہ کر) اپنی جان کو بچا لیا اور اپنے شرف کو بھی کم نہیں ہونے دیا-

شریعتی بعد ازاں اس سلسلہ میں علامہ باقر مجلسی کا قول نقل کرتے ہیں:-

"می فرماید:- در این خبر اشکالی ہست- اہل سیر (مورخین) می گویند:- یزید بہ حج نیامدہ و اساساً در تمام مدت خلافت از شام خارج نشدہ است-"

(علی شریعتی، تشیع علوی، تشیع صفوی، ص ۱۵۹، بحوالہ "بحارالانوار" مجلسی)-

ترجمہ:- (مجلسی) فرماتے ہیں: اس خبر میں اشکال ہے۔ اہل سیر (مؤرخین) کہتے ہیں کہ یزید حج کے لئے آیا ہی نہیں اور اپنی تمام مدت خلافت میں سرے سے شام سے باہر ہی نہیں نکلا۔

اسی سلسلہ میں شریعتی، علامہ مجلسی کے حوالہ سے مزید نقل فرماتے ہیں:-

"با اختلافی که در قول اہل سیره ہست، این خبر صحیحی بنظر میرسد- و می فکر می کنم که این ملاقات و گفتگو بین امام و یزید صورت نگرفته است- (زیرا بعید است که یزید به مدینه آمده باشد) بلکه احتمال می دہم که این ملاقات و گفتگو و اعتراف امام، بین امام و مسلم بن عقبه روی داده است که برای اخذ بیعت از طرف یزید به ماموریت، به مدینه آمده است-" بحار الانوار، علامه مجلسی، جلد یازدہم، ص ۴۳)-(دکتر علی شریعتی، تشیع علوی و تشیع صفوی، ص ۱۶۲)-

ترجمہ:- اس اختلاف کی بناء پر جو اہل سیرت کے قول میں ہے، یہ خبر صحیح قابل غور ہے۔ اور میرا خیال ہے کہ یہ ملاقات و گفتگو امام و یزید کے درمیان نہیں ہوئی (کیونکہ یہ بعید از قیاس ہے کہ یزید مدینہ آیا ہو) بلکہ میرے نزدیک اس بات کا احتمال ہے کہ یہ ملاقات و گفتگو و اعتراف امام، امام اور مسلم بن عقبہ کے مابین ہوا ہو، جو کہ یزید کی طرف سے مامور ہو کر بیعت لینے کے لئے مدینہ آئے۔

تبصره شریعتی بر قول مجلسی

"راست ہم است بخصوص که اصلاً یزید نمیتوانسته به حج بیاید- زیرا که پایگاه عبدالله زبیر بوده- و عبدالله ہمان کسی است که با امام حسین بعنوان سر پیچی از بیعت یزید، مدینه را بسوی مکه ترک کردند- امام بسوی کوفه حرکت کرد، و عبدالله مکه را مرکز قدرت خود ساخت- و خود و سپس پسرش مصعب بر آں حکومت داشتند- و یزید چگونه میتوانسته است به حج آید؟ اما "علامه" به این واقعیت که مجعول بودن آں خبر را علیه امام اثبات میکند، اشاره نمی نماید-

و حتی گفتن مورخین را که میگویند:- یزید اصلاً از شام خارج نشده و بمدینه نیامده، و حج نکرده- و این گفته بہترین سند برای تکذیب خبر است- این بہانه که سخن مورخین قابل اعتماد نیست، مخدوش میسازد-

وبهم دلائل عقلی و نقلی را که بی پایه بودن اتهام زشت را اثبات میکند، عمداً تضعیف مینماید- و "اشکالی" را که به قول خود بر این روایت وارد است، رفع میکند؟ ...... الخ"

(دکتر علی شریعتی، تشیع علوی و تشیع صفوی، ص ۱۵۹)

ترجمہ:- اس سلسلہ میں صحیح بات یہی ہے کہ یزید حج کے لئے آ ہی نہیں سکتا تھا- کیونکہ مکہ عبداللہ بن زبیر کا بنیادی مقام تھا- اور عبداللہ وہ ہیں کہ جو امام حسین کے ہمراہ ہی بیعت یزید سے سرتابی کرتے ہوئے مدینہ چھوڑ کر مکہ کی طرف روانہ ہوئے تھے۔ امام نے کوفہ کی جانب سفر فرمایا، اور عبداللہ نے مکہ کو اپنے اقتدار کا مرکز بنا لیا- اور بذات خود نیز ان کے بعد ان کے بیٹے مصعب نے مکہ پر حکومت فرمائی- پس یزید کیونکر حج کرنے آ سکتا تھا؟

مگر "علامہ" نے اس حقیقت کی طرف جو کہ امام سے منسوب اس خبر کے جعلی ہونے کا اثبات کر رہی ہے، اشارہ تک نہیں کیا- حتیٰ کہ ان مورخین کے قول کو جو کہتے ہیں کہ یزید قطعاً شام سے باہر نہیں گیا، نہ ہی مدینہ آیا اور نہ ہی اس نے حج کیا، اس عذر کی بناء پر مجروح کر رہے ہیں کہ مورخین کی بات قابل اعتماد نہیں- حالانکہ یہ قول اس خبر کی تکذیب کے لئے بہترین سند ہے- اور اس طرح ان تمام عقلی و نقلی دلائل کو عمداً کمزور کر دیا ہے، جو کہ اس تہمت بد کے بے بنیاد ہونے کا اثبات کر رہے ہیں- اور اس "اشکال" کو جو ان کے بقول اس روایت پر وارد ہوا ہے، دور کر رہے ہیں-

ڈاکٹر علی شریعتی نے اپنی معرکۃ الآراء تصنیف "تشیع علوی و تشیع صفوی" میں علامہ باقر مجلسی کی "بحار الانوار" نیز دیگر کتب میں موجود شیعی روایات کا جو تنقیدی جائزہ لیا ہے اس کو علی العموم پیش نظر رکھتے ہوئے مذکورہ روایت کے خصوصی حوالہ سے ان اکابر اہل تشیع کے اقوال کا خلاصہ و نتیجہ درج ذیل ہے:-

۱- شیعہ و نیم شیعہ راویان نے کردار یزید، کربلا و حرہ وغیرہ کے حوالہ سے یزید مخالف جعلی روایات گھڑی ہیں اور اس سلسلہ میں نہ صرف عدل و انصاف اور روایت و درایت کے بہت سے تقاضے مجروح کر بیٹھے ہیں بلکہ یزید دشمنی کے جوش میں خود اپنے ہی ائمہ و اکابر کی اہانت و تنقیص کے بھی مرتکب قرار پائے ہیں- نیز ایسی روایات کی

تنقید و تاویل میں بھی اکابر اہل تشیع باہم شدید اختلافات کا شکار ہیں۔

۲- سیدنا حسینؓ و عبداللہ بن زبیرؓ یزید کی بیعت خلافت سے بچنے کے لئے وفات سیدنا معاویہؓ (۲۲ رجب، ۶۰ھ) کے بعد بیک وقت مدینہ سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ چنانچہ ام المؤمنین سیدہ عائشہؓ کے بھانجے عبداللہ بن زبیرؓ نے مکہ کو مرکز بنا کر اپنی خلافت قائم فرمائی (۶۴-۷۳ھ) اور ام المؤمنین سیدہ خدیجہؓ کے نواسے سیدنا حسینؓ نے کوفیوں کی بیعت ابن عقیلؓ کے بعد عراق میں خلافت حسینی کے قیام کے لئے سفر کوفہ اختیار فرمایا۔ مگر ان دونوں جلیل القدر ہستیوں نے ام المؤمنین سیدہ ام حبیبہؓ (رملہ) کے بھتیجے یزید کی خلافت کے خلاف کوئی مشترکہ شرعی اقدام و کاروائی نہیں فرمائی۔ جبکہ دیگر بقیہ حیات (ڈیڑھ سو سے زائد) صحابہ کرامؓ اور پورے عالم اسلام نے بطور مجموعی نہ تو خلافت یزید کے خلاف بذات خود کوئی اقدام خروج فرمایا اور نہ ہی ان دونوں محترم طالبان خلافت میں سے کسی ایک کا ساتھ دیا۔ نہ ہی واقعہ کربلا و حرہ کے بعد بیعتؓ یزید کو توڑنے یا بیعت ابن زبیرؓ کرنے پر آمادگی ظاہر فرمائی۔ حتی کہ سیدنا حسینؓ نے بھی شیعان کوفہ کی غداری و بیعت یزید کے بعد کربلا میں یزید سے مصالحت و مذاکرات (دست در دست یزید) کی پیش کش فرمائی جسے ابن زیاد نے "دست در دست ابن زیاد" کی شرط سے مشروط کر کے صورتحال بگاڑ دی۔

۳- یزید کے بحیثیت خلیفہ سفر حج اختیار کرنے کی روایت درست قرار نہیں دی جا سکتی۔ کیونکہ مکہ مکرمہ میں وفات یزید تک عبداللہ بن زبیرؓ اور ان کے حامیان کا لشکر موجود تھا۔ البتہ دمشق سے مدینہ براہ راست آنا یزید کے لئے مشکل نہ تھا کیونکہ مدینہ پر یزید کی حکمرانی تھی۔ اسی لئے واقعہ کربلا کے بعد یزید نے سیدنا علی زین العابدینؒ و دیگر پس ماندگان قافلہ حسینی کو باآسانی مدینہ بھجوا دیا۔ نیز بعد ازاں واقعہ حرہ (اواخر ۶۳ھ) میں عمر رسیدہ صحابی رسول مسلم بن عقبہؓ کی قیادت میں لشکر یزید نے اہل مدینہ کے ایک طبقہ (حامیان ابن زبیرؓ) کی بغاوت پر بھی مدینہ پہنچ کر قابو پالیا۔ جبکہ اس موقع پر علی زین العابدینؒ و عبداللہ بن عمرؓ سمیت اکثر اکابر قریش و بنی ہاشم نے باغیان یزید کا ساتھ دینے کے بجائے بیعت یزید کو برقرار رکھا۔

تاہم چونکہ معتبر تاریخی روایات کی رو سے یزید اپنے پورے زمانہ خلافت (رجب

۶۰ھ - ربیع الاول ۶۴ھ) میں ملک شام سے باہر ہی نہیں نکلا، لہذا یزید کے مدینہ آنے کی روایت بھی کمزور تر بلکہ ڈاکٹر علی شریعتی کے نزدیک باطل قرار پاتی ہے۔

۴- مذکورہ بالا حقائق کے پیش نظر علامہ باقر مجلسی کی رائے میں یزید کے بجائے خلیفہ یزید کے نمائندہ (عمر رسیدہ صحابی رسول) امیر مسلم بن عقبہؓ سے امام سجاد (علی زین العابدینؒ) کی ملاقات اور مذکورہ سوال و جواب کا امکان ہو سکتا ہے۔

(مذکورہ روایت کی صحت و عدم صحت سے قطع نظر متعدد روایات میں واقعہ حرہ کے موقع پر امیر مسلم بن عقبہؒ کی علی زین العابدینؒ سے ملاقات اور ملاقات میں ان کے مکتوب بنام یزید کے حوالہ سے یزید کی جانب سے ان سے حسن سلوک کی خصوصی ھدایت کا تذکرہ موجود ہے۔ جس پر امیر مسلم کے سامنے علی زین العابدینؒ نے یزید کے لئے فرمایا:- "وصل الله امير المؤمنين-" "اللہ امیر المؤمنین کو جزا دے")۔

(راجع للتفصیل الکامل، لابن الاثیر ج ۴، ص ۴۵، و الامامہ والسیاسہ، جلد ۱، ص ۲۳۰، وطبقات ابن سعد)

شیعہ راویان، ائمہ شیعہ کے بارے میں کیسی عجیب و غریب روایات نقل کرتے ہیں، اس کی متعدد مثالیں پیش کرتے ہوئے ڈاکٹر علی شریعتی نے درج ذیل روایت بھی علامہ باقر مجلسی کی "بحار الانوار" سے علی زین العابدین (امام سجاد) اور اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان (۶۵-۸۶ھ) کے سلسلہ میں نقل فرمائی ہے:-

امام سجاد در برابر عبدالملک

"حجاج از خلیفه اموی عبدالملک مروان تقاضا می کند که امام سجاد را بکشد- عبدالملک نامه ای به حجاج می نویسد، و از این کار ابامی کند- امام سجاد در بهمان ساعت نامه ای می نویسد به خلیفه که:- الی عبدالملک بن مروان امیر المؤمنین! من علیّ بن الحسین-

اما بعد:- رسول خدا مرا از این امر آگاه کرد، و خدا ازین بابت از تو شکر گزاری کرد و سلطنت را تثبیت کرد......

عبدالملک بار شتری که غلام امام برآن سوار بود و نامه را آورده بود، پر از دینار کرد- (بحار، ج ۱۱، ص ۷ و ۱۳)-

(دکتر علی شریعتی، تشیع علوی و تشیع صفوی، ص ۱۵۲، امام در زین در رابطه با خلیفه)

ترجمہ: **امام سجاد بمقابلہ عبدالملک**

حجاج اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان سے تقاضا کرتا ہے کہ امام سجاد (علی زین العابدینؑ) کو قتل کر دے۔ عبدالملک، حجاج کے نام ایک خط لکھتا ہے اور ایسا کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔ امام سجاد اسی وقت خلیفہ کے نام ایک خط لکھتے ہیں:۔

امیر المؤمنین عبدالملک بن مروان کے نام، علی بن حسین کی جانب سے۔

اما بعد:۔ رسول خدا نے مجھے اس معاملہ سے آگاہ فرمادیا ہے اور خدا نے اس سلسلہ میں آپ کا شکریہ ادا کیا ہے اور آپ کی سلطنت کو ثبات عطا فرمایا ہے۔

عبدالملک نے اس اونٹ کو جس پر امام کا خط لانے والا غلام سوار تھا، دیناروں سے بھر دیا۔

ڈاکٹر علی شریعتی کے بقول ایسی روایات ان ائمہ شیعہ کے بارے میں نقل کی جاتی ہیں جو والی کائنات، معصوم و افضل من الانبیاء قرار دیئے جاتے ہیں۔ اور کئی روایات کے مطابق ایسے اصحاب عزیمت ہیں کہ ایک (عباسی؟) خلیفہ نے جب باغ فدک اس دور کے شیعہ امام کو واپس کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو انہوں نے "فدک حقیقی" کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ جب خلیفہ نے پوچھا کہ "فدک حقیقی کجاست"؟ تو امام نے وضاحت فرمائی: "فدک حقیقی ما کہ شما غصب کردہ اید، از شمال افریقا است، و از مشرق ہند، و از...؟ (علی شریعتی، تشیع علوی و تشیع صفوی، ص ۱۶۲-۱۶۳)

ترجمہ:۔ ہمارا فدک حقیقی جسے تم نے غصب کر رکھا ہے، شمال میں افریقہ سے مشرق میں ہندوستان تک ہے اور---- (یعنی تمام حدود خلافت پر محیط ہے)۔

بہرحال ائمہ شیعہ سے منسوب ان کے شرف و مرتبہ کے منافی ایسے تمام اقوال و روایات کو روایتی اثنا عشری علماء و مجتہدین "تقیہ و مصلحت" پر مبنی قرار دے کر ان کا جواز فراہم کر دیتے ہیں۔ مگر ڈاکٹر علی شریعتی جیسے اثنا عشری مفکرین ان کے اس موقف سے اتفاق نہیں رکھتے۔ جبکہ دیگر شیعہ فرقے (کیسانیہ، زیدیہ، اسماعیلیہ، نور بخشیہ وغیرہ) نہ صرف "تقیہ" کی متعدد اثنا عشری توجیہات و روایات سے شدید اختلاف رکھتے ہیں، بلکہ اثنا عشریہ کے بارہ اماموں میں سے کئی ایک کی "امامت منصوصہ و معصومہ" کا

بھی انکار کر کے اپنے علیحدہ ائمہ پر اعتقاد رکھتے ہیں۔ اور ان شدید اعتقادی و روایاتی اختلافات کی موجودگی میں یزید و کربلا و حرہ کے بارے میں بکثرت منفی شیعی و نیم شیعی روایات بھی تحقیق و تجزیہ کی رو سے ناقابل اعتبار اور گروہی تعصبات پر مبنی قرار دی جا سکتی ہیں۔ و باللہ التوفیق و ھوالمستعان و انه علی کل شئی قدیر۔

۱۶- استاذ شہید سید مرتضیٰ مطہری

(م ۱۹۷۹ء، تہران)

معروف ایرانی مؤلف و مفکر، امام خمینی کے دست راست و شہید انقلاب ایران آیت اللہ العظمیٰ سید مرتضیٰ مطہری (م ۳ مئی ۱۹۷۹ء تہران) حسینؑ و یزید کے علامتی حوالوں سے روایتی مراسم عزاداری کو یزید کے لئے بھی قابل قبول و باعث مسرت بتلاتے ہوئے منفرد انداز میں فرماتے ہیں :-

"عزاداری کا اصل فلسفہ یہ ہے کہ یزید، ابن زیاد اور اس کے ساتھیوں سے اظہار بیزاری کیا جائے اور امام حسین کی طرفداری اور حمایت کی جائے۔ حسین نے ایک وقت میں ایک مکتب کی صورت اختیار کی۔ وہ ایک ہی وقت میں اجتماعی اور معین شدہ سوسائٹی کے طور طریقوں کی مثال بن گئے۔ اور دوسرے معین شدہ طور طریقوں کی نفی کرنے والے بن گئے۔ حقیقت میں ایک آنسو کا قطرہ بہانا ذاتی قربانی کے مترادف ہے۔

سخت ترین یزیدی شرائط اور پابندیوں کی موجودگی میں حزب حسینی میں شمولیت اختیار کرنا، شہداء پر برملا آنسو بہانا، سچوں کی حمایت کا بہ بانگ دہل اعلان کرنا اور اہل باطل کے خلاف اہل حق کے ساتھ مل کر جنگ کرنا، حقیقت میں ذاتی قربانی کی قسمیں ہیں۔ یہ ظاہر کر رہا ہے کہ حسین بن علی کی عزاداری حقیقت میں ایک حرکت ہے، ایک موج ہے اور ایک اجتماعی جنگ ہے۔

لیکن زمانے کے ساتھ ساتھ یہ فلسفہ اور یہ روح معدوم ہوتی گئی اور برتن خالی ہونا شروع ہو گیا۔ حتیٰ کہ برتن کا تمام مواد ختم ہو گیا۔ اور یہ صرف ایک "عادت" بن گئی

کہ کچھ لوگ جمع ہو کر عزاداری کے مراسم میں مشغول رہتے ہیں۔ ان کے بحث و مباحثے کسی ایک اجتماعی سمت کا تعین نہیں کرتے۔ اجتماعی نقطۂ نظر سے اس کو کوئی بامعنی یا نتیجہ خیز عمل قرار نہیں دیا جا سکتا ہے۔ یہ فقط ایک مذہبی فریضہ سمجھا جاتا ہے اور مذہبی رسم کی حیثیت اختیار کر گئی ہے۔ اور اس کا عہد حاضر کے حسینیوں اور عہد حاضر کے یزیدیوں اور عبدالیوں سے کوئی سروکار نہیں رہا۔

یہی وہ مقام ہے جہاں حرکت بنیاد یا عادت میں تبدیل ہو گئی ہے۔ اور یہ ہے برتن کا خالی ہو جانا۔ یہ اتنی رسمی صورت اختیار کر گئی ہے کہ اگر یزید بن معاویہ قبر سے نکل آئے تو نہ صرف خوشی سے اس رسم میں شریک ہو گا بلکہ ان رسوم کی ادائیگی کے لئے ایک بڑے گروہ کی تشکیل بھی کرے گا۔

ان اجتماعوں میں لگاتار آنسو بہانے کا کیا فائدہ؟ یہ بات صحیح ہے۔ اور میں نے کئی اجتماعات میں اس کے متعلق بیان کیا ہے۔ لیکن ہمارے دوست سے سوال یہ ہے کہ آیا ہمارا پرانا کلچر جو کہ روایتی رہبری کی حفاظت میں ہے، کیا چیز ہے؟ کیا سید جمال، مدرس، آیت اللہ خمینی اور طالقانی ان رسوم اور وصنداریوں کے محافظ ہیں؟"

(سید مرتضیٰ مطہری، نہضت ہائے اسلامی در صد سالہ اخیر، اردو ترجمہ از ڈاکٹر ناصر حسین نقوی بعنوان: بیسویں صدی کی اسلامی تحریکیں، ص ۵۶-۵۷، مطبوعہ راولپنڈی، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، نومبر ۱۹۸۰ء)۔

جناب مرتضیٰ مطہری سنی مفکرین کے بارے میں فرماتے ہیں:۔

"اہل بیت کے مکتب کی پیروی کی برکت سے شیعوں کے پیش کردہ نظریات زیادہ گہرے اور زیادہ منطقی ہیں۔ ہم کو اس کی ضرورت نہیں ہے کہ ہم عبدہ، اقبال، فرید وجدی، سید قطب، محمد قطب، محمد غزالی جیسے حضرات کو اپنا ماڈل بنائیں۔"

(مرتضیٰ مطہری، بیسویں صدی کی اسلامی تحریکیں، ص ۶۶، اردو ترجمہ از ڈاکٹر ناصر نقوی)۔

واضح رہے کہ مطہری شیعوں کے پیش کردہ گہرے نظریات اور اہل بیت کے مکتب کی شیعہ انداز میں پیروی کی برکت سے سنی مفکرین کی تقلید کا حاجتمند نہ ہونے کا اعلان کرنے کے باوجود یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اہل تشیع میں سنی اقبال جیسا کوئی ایک مفکر و مداح اہل بیتؑ بھی پیدا نہیں ہو سکا:۔

"اگرچہ اقبال رسمی طور پر سنی مذہب رکھتا تھا لیکن وہ محمدؐ واہلبیت کے ساتھ

بے پناہ عقیدت رکھتا تھا۔ اس نے ان کی شان میں ایسی انقلابی اور تعلیمی نظمیں کہی ہیں جو کہ تمام شیعہ شعراء کی فارسی زبان میں شائع شدہ کتابوں میں نہیں ملتیں۔ تاہم علامہ اقبال کا منتہائے نظر شاعری کرنا نہیں تھا۔ اسکو اس نے صرف مسلم سوسائٹی کو بیدار کرنے کے لئے استعمال کیا۔"

(مرتضیٰ مطہری، بیسویں صدی کی اسلامی تحریکیں، ص ۷۰۳، اردو ترجمہ از ناصر نقوی)۔

اس تناظر میں دیکھا جائے تو شیعہ اثنا عشریہ کے پاس نہ کوئی ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ ہے، نہ کوئی عطار و رومی و رازی و غزالی۔ نہ کوئی جنید و بایزید و علی ہجویری و اویس قرنی ہے، اور نہ شیخ عبدالقادر جیلانی و شہاب الدین سہروردی و بہاء الدین نقشبند و قطب الدین مودود چشتی و ابن عربی (رحمۃ اللہ علیہم اجمعین)۔ غرض ایک لاکھ سے زائد صحابہ کرامؓ، لاکھوں تابعین و مفسرین و محدثین اور فقہاء و علماء و صوفیاء و مؤلفین، سمیت چودہ سو سال سے امت کے نوے فیصد سے زائد حصہ پر محیط "اہل سنت والجماعت" کے مقابلے میں اسلام سے منسوب اور چند فیصد افراد امت پر مشتمل اہل تشیع کے تمام فرقے بطور مجموعی بھی قلیل الزاد ہیں۔ نیز صدر اسلام کے جن معدودے چند اسلاف کو وہ اپنا مخصوص سرمایہ قرار دیتے ہیں وہ بھی بحیثیت اکابر امت دیگر لاکھوں صحابہؓ و تابعینؒ کے ہمراہ اہل سنت کے مقتدا و رہنما ہیں۔ جن پر اہل تشیع کی اجارہ داری نیز ان سے منسوب مختلف و متضاد شیعی روایات کی صحت بھی مختلف شیعہ فرقوں کے علیحدہ علیحدہ و باہم متصادم سلسلہ ہائے امامت و روایت کی موجودگی میں محل نظر ہے۔

۱۷- مجتہد العصر سید علی نقی نقوی

(م ۱۹۸۸ء
لکھنؤ)

یزید پر واقعہ کربلا وغیرہ کے حوالہ سے خلاف حقائق الزام تراشیاں کرنے والے حضرات کے نزدیک خود شرکاء و مقتولین لشکر حسینی کی تعداد کا معاملہ بھی مشکوک و متنازع ہے۔ جس سے جملہ دیگر امور میں بھی مبالغہ آرائی اور حقائق سے چشم پوشی کا امکان واضح ہو جاتا ہے۔ چنانچہ بہتر کے مشہور عدد کے برعکس معروف اثنا عشری شیعہ عالم و مصنف، مجتہد العصر علامہ سید علی نقوی (م ۲۱ مئی ۱۹۸۸ء، لکھنؤ) شہدائے کربلا کی تعداد سو اور دو سو کے درمیان قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"ایک تاریخی صراحت کے مطابق یہ بتیس سوار اور چالیس پیادوں سے زیادہ نہیں تھے۔ اور اسی لئے شہداء کربلا کے لئے بہتر کا لفظ زبان زد خلائق ہے۔ مگر کربلا کے حالات جنگ اور مجاہدین کے ناموں کی تفصیل اور دوسرے متعلقہ واقعات سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ یہ تعداد سو سے زیادہ اور دو سو سے کم تھی۔"

(سید علی نقی نقوی، شہید انسانیت، ص ۳۷۰-۳۷۱)۔

ظاہر ہے اگر شہدا و مقتولین کربلا کی تعداد غیر متعین و مشکوک ہے تو قاتلین کی تعداد و نوعیت کا تعین بھی دشوار تر قرار پاتا ہے۔ اور واقعات کربلا کی جملہ تفصیلات نیز کربلا سے سینکڑوں میل دور دمشق میں مقیم یزید پر اس کی ذمہ داری کا تعین بھی ایک مسئلہ لاینحل قرار پاتا ہے جبکہ یزید کے اہل قافلہ سے حسن سلوک اور انہیں عزت و احترام سے مدینہ روانہ کرنے کی روایات تاریخ میں موجود و منقول ہیں۔

سید علی نقی نقوی نے سیدنا حسنؓ و حسینؓ کے بارے میں صلح حسنؓ و معاویہؓ اور جنگ حسین و لشکر یزید کے بظاہر مختلف و متضاد مواقف میں تطبیق پیدا کرواتے ہوئے سیدنا حسنؓ و حسینؓ کی بیعت معاویہؓ کو شرعاً درست قرار دیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ معاویہ نے حسن کی جانب سے قرآن و سنت کے مطابق حکومت چلانے کی شرط قبول کر لی تھی۔ مگر یزید نے اس کے برعکس محض بیعت کا مطالبہ کیا تھا، کسی قسم کی شرائط قبول کرنے کی پیشکش نہیں کی تھی۔ لہذا سیدنا معاویہ سے صلح اور عصر یزید میں حسینی جنگ میں باہم کوئی تضاد نہیں:۔

"وتلخيصه أن الحسن عليه السلام كانت الصورة الواقعة تجاهه ان معاوية ارسل اليه يطلب منه الصلح على مايشترطه الحسن عليه و قدتسنى له بذلك عرض شرائط نتج تعزيز دين الله و تخفيف وطأة الظلم على عبادالله- فأول ما اشترط عليه أن معاوية بن ابى سفيان يعمل بكتاب الله و سنة رسوله و بذلك كبح جماح السلطة الأموية فهو لم يتقيد باطاعة معاوية بل قيد معاوية بأغلال الشريعة-

واما الحسين فقد طلب منه يزيد المبايعة له- و معناه أن يعتنق الحسين قلادة اطاعته المطلقة و هو فى معصية الله سبحانه- و هذا لو

عرض علی الحسن لکان ینبذہ ویاباہ کما أبی الحسین۔ و ماقبلہ الحسن فقد قبلہ معہ اخوہ الحسین علیہ السلام أیضاً۔ ویقی مستمسکاً بہ طیلۃ عشر سنین مع أخیہ و عشر سنین آخر بعد وفاۃ اخیہ۔ ولو تسنی لہ الیوم أیضاً مثلہ فی قبال یزید لکان یقبلہ کماقبل مثلہ اخوہ الحسن علیہ السلام۔ نخطتھما فی الصلح و الحرب واحدۃ لا خلاف فیھما بینھما اصلاً۔"

(علی نقی النقوی، السبطان فی موقفیھما، ص ۱۵۱-۱۵۲، مطبوعہ اظہار سنز لاہور)

ترجمہ:خلاصہ کلام یہ کہ حسن علیہ السلام کے سامنے عملی صورتحال یہ تھی کہ معاویہ نے حضرت حسن کی شرائط کے مطابق صلح کی خواہش کا پیغام بھیجا تھا۔ جس کی وجہ سے ان کے لئے ایسی شرائط پیش کرنے کا موقع فراہم ہوا جس کے نتیجے میں اللہ کے دین کو تقویت ملے اور اللہ کے بندوں پر ظلم و ستم میں تخفیف ہو۔ پس انہوں نے پہلی شرط یہ عائد کی کہ معاویہ بن ابی سفیان کتاب اللہ اور سنت رسول ؐ کے مطابق عمل کریں گے۔ اس طرح انہوں نے اموی اقتدار کے سرکش گھوڑے کی لگام کھینچ لی۔ پس انہوں نے خود کو معاویہ کی اطاعت کا پابند نہیں بنایا بلکہ معاویہ کو شریعت کی بیڑیوں میں جکڑ دیا۔

مگر حسین سے یزید نے اپنی بیعت طلب کی۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ حسین اس کی مطلق اطاعت کا قلادہ اپنی گردن میں ڈال لیں جبکہ وہ اللہ سبحانہ کی معصیت میں رہے۔ اور یہ بات اگر حسن کے سامنے پیش کی جاتی تو وہ بھی اس کو رد کرتے ہوئے انکار کر دیتے۔ اور جو حسن نے قبول کیا تھا وہ ان کے ہمراہ ان کے بھائی حسین علیہ السلام نے بھی قبول کیا تھا اور اس پر اپنے بھائی کے ہمراہ دس برس تک مضبوطی سے قائم رہے۔ نیز اپنے بھائی کی وفات کے بعد مزید دس سال قائم رہے۔ اور اگر یزید کے دور میں بھی انہیں ویسا ہی موقع فراہم کر دیا جاتا تو وہ اسے قبول فرما لیتے۔ جس طرح ان کے بھائی حسن علیہ السلام نے ایسی پیشکش کو قبول فرمایا تھا۔ پس دونوں کا لائحہ عمل صلح و جنگ میں ایک جیسا ہی ہے جس کے بارے میں دونوں (حسن و حسین) کے درمیان سرے سے کوئی اختلاف موجود نہیں۔

بہر حال سید علی نقی کے اس بیان کی رو سے سیدنا معاویہؓ نے سیدنا حسنؓ کی جانب سے قرآن و سنت کی پابندی قبول فرمائی تھی۔ اور اسی بناء پر سیدنا حسن نے

اپنی وفات (۵۰ھ) تک دس برس اور سیدنا حسینؓ نے وفات سیدنا معاویہؓ (رجب ۶۰ھ) تک بیعت معاویہ کو برقرار رکھا۔ اور اگر یزید کی طرف سے بھی کوئی ایسی پیشکش ہوتی تو سیدنا حسین اسے بھی قبول فرمالیتے۔ اپنی اسی تصنیف میں سید علی نقی نے شیعہ مجتہد اعظم سید شریف مرتضیٰ علم الھدیٰ (م ۴۳۶ھ) مؤلف "الشافی" وغیرہ کے حوالہ سے سیدنا حسین کی جانب سے آخری وقت میں دست در دست یزید کی حسینی پیشکش سمیت تین شرطوں کا ذکر فرمایا ہے۔ اگرچہ سید علی نقی نے سید علم الھدیٰ کی تفصیلی رائے سے علمی و مدلل انداز میں اختلاف کیا ہے مگر مذکورہ حسینی پیشکش کے تناظر میں اس بات کا قوی امکان نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ جس یزید نے رجب ۶۰ھ سے ابتدائے محرم ۶۱ھ تک تقریباً چھ ماہ سیدنا حسینؓ کو اپنی بیعت پر مجبور نہیں کیا اور ان کی شہادت کی خبر پر ابن زیاد پر لعنت بھیجی، وہ سیدنا حسین کے دمشق پہنچ جانے کی صورت میں ان کی شرائط مان کر ان کا اعزاز و اکرام کرتا اور سیدنا عبداللہ بن جعفرؓ و ابن الحنفیہؒ و ابن عباسؓ کی طرح انہیں اپنا دست و بازو تصور کرتا۔ مگر ابن زیاد اور اس کے مشیر شمر بن ذی الجوشن کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے یزید کی لاعلمی میں یہ موقع ضائع ہو گیا۔ تاہم اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ سید علی نقی کے نزدیک بھی یزید کی خلافت قابل قبول ہو سکتی تھی اگر صلح حسنؓ و معاویہؓ کی طرح حسینؓ و یزید کے مابین بھی قرآن و سنت کی بنیاد پر شرائط صلح طے پا جاتیں۔ جبکہ شریف مرتضیٰ علم الھدیٰ جیسے جلیل القدر اکابر اہل تشیع کی رائے میں شیعان کوفہ کی غداری کے بعد دست در دست یزید کی حسینی پیشکش کو دست در دست ابن زیاد کی شرط سے مشروط کرتے ہوئے جنگ کا حکم دینے اور طلب خلافت کے بجائے محض حفظ جان و مال و اہل و عیال کی خاطر سیدنا حسینؓ کو دفاعی جنگ پر مجبور کرنے کی ذمہ داری یزید کے بجائے ابن زیاد پر عائد ہوتی ہے۔

یزید و کربلا و تعداد مجاہدین لشکر حسینی کے حوالہ سے ان مختلف النوع اقوال و آراء کے ساتھ ساتھ سید علی نقی کے درج ذیل بیانات بھی قابل توجہ ہیں۔ جن کے مطالعہ سے اختلافات اکابر اہل تشیع کی روشنی میں یزید و کربلا کے حوالہ سے منفی روایات و عمومی شیعی پروپیگنڈہ کو بھی مشکوک و ناقابل اعتبار و مجموعہ تضادات قرار دینے کا جواز

فراہم ہو سکتا ہے:-

"محققین علمائے شیعہ کا رویہ دیکھا جائے تو وہ ہر اس کتاب یا مجموعہ کو جو معصومین میں سے کسی کی طرف منسوب ہو، بلا چون و چرا صرف اس لئے تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہو جاتے کہ وہ معصومین کی طرف منسوب ہے، بلکہ وہ پوری فراخ حوصلگی کے ساتھ محققانہ فریضہ کو انجام دیتے ہوئے اگر وہ قابل انکار ہوتا ہے تو کھل کر اس کا انکار کر دیتے ہیں، اور اگر مشکوک ہوتا ہے تو شک و شبہ کا اظہار کر دیا کرتے ہیں۔

اور اس طرح بہت سے وہ ذخیرے جو کلام معصومین کے نام سے موجود ہیں، مقام اعتبار میں مختلف درجے اختیار کر چکے ہیں۔ مثلاً "دیوان امیر المؤمنین" بھی تو بطور کلام علیؑ رائج ہے، مگر علماء شیعہ بلا رو رعایت اسے غلط سمجھتے ہیں۔ اس سے بالاتر ذرا درجہ "تفسیر امام حسن عسکری" کا ہے، حالانکہ وہ شہرت میں تقریباً "نہج البلاغہ" سے کم نہیں ہے، اور شیخ صدوق ایسے بلند مرتبہ قدیم محدث نے اس پر اعتماد کیا ہے۔ مگر اکثر علمائے شیعہ اسے تسلیم نہیں کرتے۔ یہاں تک کہ ہمارے قریبی دور کے محقق علامہ شیخ محمد جواد بلاغی نے ایک پورا رسالہ اس کے غلط ہونے کے اثبات میں لکھ دیا ہے۔

"فقہ الرضا" امام رضا علیہ السلام کی طرف منسوب ہے۔ مگر اس کے اعتبار اور عدم اعتبار کی بحث ایک مہتم بالشان علمی مسئلہ بن گئی ہے، جس پر مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں۔ اسی طرح جعفریات اور امام رضا علیہ السلام کا "رسالہ ذھبیہ" وغیرہ کوئی نقد و بحث سے نہیں بچا ہے۔"

(سید علی نقی نقوی، مقدمہ "نہج البلاغہ" مترجمہ مفتی جعفر حسین، ص ۴۳، امامیہ پبلی کیشنز، لاہور، اکتوبر ۱۹۸۸ء)

سید علی نقی "نہج البلاغہ" کے بارے میں بھی فرماتے ہیں کہ یہ چوتھی صدی ہجری کے اواخر میں غیر مربوط انداز میں مرتب ہوئی۔

"نہج البلاغہ امیر المؤمنین علی بن ابی طالب علیہ الصلاۃ والسلام کے کلام کا وہ مشہور ترین مجموعہ ہے جسے جناب سید رضی برادر شریف مرتضیٰ علم الہدیٰ نے چوتھی صدی ہجری کے اواخر میں مرتب فرمایا تھا۔ اس کے بعد پانچویں صدی کے پہلے عشرہ میں آپ کا انتقال ہو گیا۔ اور "نہج البلاغہ" کے انداز تحریر سے پتہ یہ چلتا ہے کہ انہوں نے طویل جستجو کے ساتھ درمیان میں خالی اوراق چھوڑ کر امیر المؤمنین کے کلام کو متفرق مقامات

سے یکجا کیا تھا، جس میں ایک طویل مدت انہیں صرف ہوئی ہوگی۔ اور اس میں اضافہ کا سلسلہ ان کے آخر عمر تک قائم رہا ہوگا۔ یہاں تک کہ بعض کلام جو کتاب کے یکجا ہونے کے بعد ملا ہے، اس کو تعجیل میں انہوں نے اس مقام کی تلاش کئے بغیر جہاں اسے درج ہونا چاہیئے تھا، کسی اور مقام پر شامل کر دیا ہے، اور وہاں یہ لکھ دیا ہے کہ یہ کلام کسی اور روایت کے مطابق اس سے پہلے کہیں درج ہوا ہے۔" (سید علی نقی نقوی، مقدمہ "نہج البلاغہ" اردو ترجمہ و حواشی از مفتی جعفر حسین، ص ۳۲، امامیہ پبلی کیشنز، لاہور، اکتوبر ۱۹۸۸ء)

سید علی نقی نقوی کے ان اقوال و اقتباسات سے تاریخ و مذہب و یزید و کربلا کے حوالہ سے اہل تشیع کی روایات و تالیفات کی جزوی یا کلی صحت و عدم صحت کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ واللہ الموفق۔

۱۸- قائد انقلاب ایران سید روح اللہ خمینی

(م ۱۹۸۹ء، تہران)

قائد انقلاب ایران سید روح اللہ خمینی (۱۹۰۲-۱۹۸۹ء) نے اپنی مشہور تصنیف "کشف الاسرار" میں "مخالفتهای ابوبکر با نص قرآن" (ص ۱۳۴) اور "مخالفت عمر باقرآن خدا" (ص ۱۴۴) جیسے منفی عنوانات باندھنے کے علاوہ سیدنا عثمانؓ و معاویہؓ کو بھی یزید کے ہمراہ اپنے ایک ہی منفی قول میں یکجا کر دیا ہے۔ مگر اس منفی قول میں تحقیق و تجزیہ کے لحاظ سے بعض مثبت نقاط بھی مضمر ہیں اور اسی مناسبت سے اسے یہاں نقل کیا جا رہا ہے:-

"ماخدائیے را پرستش میکنیم و میشناسیم که کارہایش براساس خرد پایدار و بخلاف گفته های عقل هیچ کاری نکند- نه آن خدائی که بنائی مرتفع از خدا پرستی وعدالت و دینداری بناء کند و خود بخرابی آن بکوشد، و یزید و معاویه و عثمان و ازیں قبیل چپاول چی ہائے دیگر را بمردم امارت دهد- و تکلیف ملت را پس از پیغمبر خود برای ہمیشه متعین نکند تادر تاسیس بنای جورو ستمکاری کمک کار نباشد"۔

(روح اللہ خمینی، کشف اسرار، ص ۱۳۵، مطبوعہ ایران، ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۶۳ھ)۔

ترجمہ: ہم ایسے خدا کی پرستش کرتے اور اسے پہچانتے ہیں کہ جس کے تمام افعال عقل کی محکم بنیاد پر قائم ہیں۔ اور جو عقل کے تقاضوں کے منافی کوئی کام نہیں کرتا۔ ہم ایسے خدا کو نہیں مانتے جو خدا پرستی و عدالت و دینداری کی ایک عالی شان

عمارت تعمیر کرے اور پھر خود ہی اس کی بربادی کے لئے کوشاں ہو جائے۔ اور یزید و معاویہ و عثمان نیز اس قسم کے دیگر غارتگروں لٹیروں کو لوگوں کی امارت و حکومت عطا کردے۔ اور جو خدا جور و ستم کی عمارت کی بنیاد رکھنے میں مددگار بننے سے بچنے کے لئے پیغمبر کے بعد ملت کی مستقل رہنمائی کے لئے جانشین کا تقرر نہ کرے۔

قطع نظر اس بات کے کہ وحی الٰہی کے مطابق کلام کرنے والے آخری رسول خدا نے سیدنا ابوبکرؓ کو اپنی جگہ امام نماز مقرر کرکے اپنے بعد ان کی امامت و خلافت کا اشارہ دیدیا تھا۔ جو کہ: ثانی اسلام و غار و بدر و قبر۔ (اقبال) نیز دیگر گوناگوں صفات کے حامل تھے۔ اس طرح خدا اور رسول خدا نے ملت کو بلا اشارہ جانشین نہیں چھوڑا۔ اور پھر سیدنا ابوبکرؓ نے سیدنا عمرؓ کو نامزد کرکے اور سیدنا عمرؓ نے عشرہ مبشرہ کے بشمول سیدنا علیؓ چھ افراد پر مشتمل مجلس شوریٰ برائے انتخاب خلیفہ تشکیل دے کر منشائے خداوندی کو پورا کیا، یہ بات قابل غور ہے کہ امامت و خلافت سیدنا ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کو سیدنا علی و حسن و حسین رضی اللہ عنہم کی بیعت کی تائید حاصل ہے۔ جس کو اگر شیعہ اثنا عشریہ تقیہ پر مبنی قرار دیں تب بھی دیگر شیعہ فرقے (کیسانیہ وزیدیہ وغیرہ) اسے بالخصوص سیدنا ابوبکرؓ و عمرؓ کے حوالہ سے بلا تقیہ اور شرعاً درست قرار دیتے ہیں۔

یہ بھی پیش نظر رہے کہ سیدنا علیؓ کو خدا کی طرف سے بزبان پیغمبر مقرر شدہ جانشین پیغمبر (امام منصوص و خلیفہ بلافصل) ثابت کرنے کے للئے امام خمینی اس انتہا تک چلے گئے کہ ان کے نزدیک ایسے خدا کا تصور بھی ناقابل قبول ہے جو تقرر جانشین پیغمبر نہ کرکے "غلط حکمرانوں" کے جور و ستم میں عملاً مددگار ثابت ہو۔ (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ)۔

مگر خود امام خمینی نے جب بحیثیت نائب امام و صاحب منصب ولایت فقیہ اپنی خداداد عقل و بصیرت کی بناء پر آقائے حسین علی منتظری کو اپنا شرعی جانشین اول و خلیفہ بلافصل نامزد کیا تو علماء ایران کی کثیر تعداد نے اس پر شدید رد عمل ظاہر کیا۔ جس کے نتیجہ میں امام خمینی کو اس جانشین امامت و نیابت کا تقرر منسوخ کرکے بلا تعیین خلیفہ، ہی دنیا سے رخصت ہونا پڑا۔ اور ان کی وفات کے بعد "مجلس الفقہاء" نے "اجماع علماء" کے ذریعے سید علی خامنائی کو خمینی کا جانشین اول منتخب کرکے منصب ولایت فقیہ

پر فائز کر کے عملاً سنی اصول شورائیت کی تائید کر دی۔ جن کے بارے میں امام خمینی نے منسوخی تقرر مستقل کے بعد خصوصی کلمات خیر کہہ کر اشارہ دیا تھا۔

جہاں تک یزید و معاویہؓ و عثمانؓ کو ایک صف میں کھڑا کرنے کا تعلق ہے تو در حقیقت سیدنا ابو بکرؓ و عمرؓ کے بعد دہرے داماد رسول سیدنا عثمان ذوالنورینؓ ان کے بعد داماد رسول سیدنا علی و نواسہ رسول سیدنا حسنؓ کی امامت و خلافت اسی ترتیب فضیلت کے ساتھ منعقد شدہ ہے۔ جس کے بعد سیدنا معاویہؓ کی امامت و خلافت کو سیدنا حسنؓ و حسینؓ کی تائید و بیعت حاصل ہے۔ اس کے بارے میں امام خمینی سے صدیوں پہلے حسنی و حسینی نجیب الطرفین فاطمی و ھاشمی سید، غوث اعظم سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں:۔

"اما خلافۃ معاویۃ فثابتۃ صحیحۃ بعد موت علی و بعد خلع الحسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نفسہ عن الخلافۃ و تسلیمہا الی معاویۃ۔" (شیخ عبدالقادر الجیلانی، غنیۃ الطالبین، ص ۱۲۷)۔

ترجمہ: حضرت علی کی وفات اور حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالی عنہما کے خلافت سے دستبردار ہو کر اسے حضرت معاویہ کے سپرد کر دینے کے بعد حضرت معاویہ کی خلافت درست اور ثابت شدہ ہے۔

چنانچہ سیدنا حسنؓ و حسینؓ اسی خدا کو مانتے ہیں جس نے سیدنا ابو بکر و عمر و عثمان و علی و حسن رضی اللہ عنہم کے بعد سیدنا معاویہؓ کو متفق علیہ امام و خلیفہ مقرر فرمایا۔

نیز سیدنا حسینؓ و علی زین العابدینؒ و محمد الباقرؒ بھی سیدنا محمد بن علی ابن الحنفیہؒ، عبداللہ بن جعفر طیارؓ اور عبداللہ بن عباسؓ وغیرہ کی طرح اسی یزید کے خدا کو مانتے ہیں جس کے ہاتھ میں ہاتھ دینے کی پیشکش شیعان کوفہ و عراق کی غداری و بیعت یزید کے بعد سیدنا حسینؓ نے سنی شیعہ متفق علیہ روایات کی رو سے فرمائی۔ اور جس کی امامت و خلافت کی بیعت ابتداء ہی میں ابن الحنفیہؒ و ابن جعفرؓ و ابن عباسؓ نے فرمائی۔ اور اسے صالح، پابند نماز و سنت، فقہی امور میں گفتگو کرنے والا نیز کار خیر میں سرگرم قرار دیتے ہوئے اس کے حق میں کلمات خیر ارشاد فرمائے۔

اور جس یزید کی بیعت واقعہ کربلا کے بعد دست در دست یزید کی حسینی پیشکش

کی روشنی میں سیدنا علی زین العابدینؒ نے فرمائی۔ اور جسکی بیعت کو نہ صرف واقعہ کربلا کے بعد واقعہ حرہ (۶۳ھ) میں اہل مدینہ کے ایک طبقہ کی بغاوت کے دوران میں برقرار رکھا بلکہ یزید کو خط لکھ کر اپنی حمایت کا یقین دلایا اور یزید کے لئے "وصل اللہ امیرالمؤمنین (اللہ امیرالمؤمنین پر رحمت فرمائے) کے کلمات ارشاد فرمائے۔ (طبقات ابن سعد)۔ بلکہ دوسری روایت کے مطابق واحسن جزائہ- اور اسے بہترین جزاء دے (الامامہ والسیاسہ ۱/۲۰۴) کا بھی اضافہ فرمایا۔

اور جس یزید کی بیعت برقرار رکھنے کے بارے میں امام محمد الباقر بن علی زین العابدینؒ کا ارشاد ہے کہ یزید کے خلاف واقعہ حرہ کے دوران لڑنے کے لئے نہ تو خاندان ابو طالب کا کوئی فرد نکلا اور نہ آل عبدالمطلب کا، بلکہ سب گھروں میں بیٹھے رہے:۔

ما خرج فیها احد من آل أبی طالب ولا خرج فیها احد من بنی عبدالمطلب، لزموا بیوتهم- (طبقات ابن سعد).

بلکہ ان تمام حضرات نے وفات یزید (ربیع الاول ۶۴ھ) تک بیعت خلافت یزید کو برقرار رکھا۔

اور اس کے ساتھ جنگ صفین کے بعد سیدنا علیؓ کی جانب سے اس اعلان عام و مراسلہ کے کلمات پڑھ لئے جائیں تو بات واضح تر ہو جاتی ہے۔ فمن شاء ذکر۔

"ہم میں اور اہل شام میں مقابلہ ہوا۔ اور ظاہر ہے ہمارا اور ان کا خدا ایک، ہمارا اور ان کا نبی ایک، اللہ پر ایمان رکھنے اور اس کے رسول کی تصدیق کرنے میں نہ ہم ان سے زیادہ، نہ وہ ہم سے زیادہ۔ پس معاملہ واحد ہے۔ سوائے اس کے کہ ہم میں اور ان میں خون عثمانؓ کی بابت اختلاف ہوا۔ (نہج البلاغہ، جزو ثانی، ص ۱۵۰)۔

چنانچہ مؤیدین خلافت یزید کے نزدیک امام خمینی کے اس منفی قول کا تاریخی تناظر میں تنقیدی جائزہ سیدنا ابوبکر و عمر کے بعد سیدنا عثمان و علی و حسن و معاویہ رضی اللہ عنہم اور آخر میں یزید کی امامت و خلافت کو اسی ترتیب فضیلت خلافت کے ساتھ صحابہ کرامؓ کے اتفاق و کثرت رائے سے منعقد شدہ حقیقت تسلیم کرانے میں بڑا ممد و معاون ہے۔ اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سیدنا علی و حسن و حسین و علی زین العابدین و محمد الباقر نیز سیدنا ابن جعفر و ابن عباس و ابن حنفیہ اسی خدا کی پرستش کرتے ہیں جو

سیدنا ابو بکر و عمر و عثمان و علی و حسن و معاویہ رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد کمتر درجہ ہی میں سہی، یزید کو بھی منصب امامت و خلافت پر فائز فرماتا ہے۔ اور اگر بالفرض مذکورہ اکابر اہل تشیع کی بیعت خلفاء کو تقیہ پر مبنی قرار دیا جائے تب بھی اول تو مختلف شیعہ فرقے (کیسانیہ و زیدیہ وغیرہ) اثنا عشری مفہوم تقیہ کو تسلیم ہی نہیں کرتے۔ نیز خود امام خمینی اگر ایرانی شاہنشاہیت کے دور میں بلا تقیہ مذکورہ بیان ارشاد فرما رہے ہیں تو امام خمینی سے جری و قوی تر اکابر اہل تشیع کے اقوال و بیعت خلفاء کو تقیہ پر مبنی قرار دینا کیا امام خمینی کے مقام و مرتبہ کو معاذ اللہ ان اکابر اہل تشیع سے برتر ثابت کرنے کا باعث نہ ہوگا۔ پس ایسی جسارت صرف وہی کر سکتا ہے جو سیدنا ابو بکر و عمر و عثمان و علی و حسن و معاویہ و یزید کے مشترکہ خدا کو ماننے سے انکار کر دے۔ و نعوذ باللہ من ذلک۔ اور اس سلسلہ میں اس حقیقت کو بھی نظر انداز کر دے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا ابو بکرؓ و عمرؓ کے داماد، سیدنا عثمانؓ دوہرے داماد رسول اور علیؓ بھی داماد رسول تھے۔ نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیک وقت سیدنا حسنؓ و حسینؓ کے نانا، سیدنا معاویہؓ کے بہنوئی اور یزید کے پھوپھا تھے۔

سیدنا ابو بکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و معاویہؓ و یزید کے بارے میں امام خمینی کے ارشادات کے حوالہ سے درج ذیل نقاط بھی قابل توجہ ہیں:۔

۱۔ سیدنا علیؓ کے کم و بیش اٹھارہ بیٹوں میں سے تین کے نام ابو بکر و عمر و عثمان تھے۔ نیز ابو بکر بن حسنؓ، طلحہ بن حسنؓ اور یزید بن معاویہ بن عبداللہ بن جعفر طیارؓ کے اسماء گرامی بھی فرزندان بنی ہاشم میں شامل اور کتب شیعہ میں مذکور ہیں۔ کیا سیدنا علیؓ و حسنؓ و داماد علیؓ ابن جعفرؓ نے اپنے فرزندوں کے نام معاذ اللہ احکام قرآن کی خلاف ورزی کرنے والے ابو بکرؓ و عمرؓ اور نعوذ باللہ ظالم و بدقماش عثمانؓ و طلحہؓ و معاویہؓ کے ناموں پر رکھے تھے یا وہ ان سب اکابر صحابہؓ کو اپنی ہی طرح صحیح العقیدہ اہل ایمان سمجھتے تھے؟ اسی لئے انہوں نے ان سے محبت و یگانگت کے ثبوت میں بعض مبینہ اختلافات (جمل و صفین وغیرہ) کے باوجود اس قسم کے مبارک نام رکھے۔

۲۔ خود امام خمینی کی عالمی شہرت یافتہ تصنیف "الحکومۃ الاسلامیہ" (ولایۃ الفقیہ)

میں اثنا عشری شیعہ راویان حدیث اور خاصان امام غائب محمد المہدی کے نام عمرو عثمان و یزید و ابن زیاد مذکور ہیں۔ اس سلسلہ میں درج ذیل اقتباسات ملاحظہ ہوں:۔

الف۔ "مقبولة عمر بن حنظلة" (عمر بن حنظلہ کی مقبول روایت حدیث)۔

محمد بن يعقوب عن محمد بن يحيى عن محمد بن الحسين عن محمد بن عيسى عن صفوان بن يحيى عن داؤد بن الحصين عن عمر بن حنظلة: (روح الله الخميني، الحكومة الاسلامية، مطبوعة الحركة الاسلامية فى ايران، ص ٨٦)۔

ب۔ الرواية الثالثة توقيع صدر عن الامام الثانى عشر القائم المهدى (ع) ...... الخ۔ فى كتاب اكمال الدين وا تمام النعمة..... الخ

"واما الحوادث الواقعة فارجعوا فيها الى رواة حديثنا، فانهم حجتى عليكم، واناحجة الله، واما محمد بن عثمان العمرى، فرضى الله عنه و عن ابيه من قبل فانه ثقى و كتابه كتابى۔"

ترجمہ:۔ تیسری روایت ایک رقعہ پر مشتمل ہے جو بارھویں امام، قائم زمانہ مہدی (ع) کی طرف سے جاری ہوا ہے....... الخ۔ کتاب "اکمال الدین واتمام النعمہ" میں بیان ہوا ہے:۔

"جہاں تک آئندہ واقعہ ہونے والے حوادث کا تعلق ہے تو ان میں ہمارے راویان حدیث کی طرف رجوع کرو کیونکہ وہ تم پر میری حجت ہیں اور میں اللہ کی حجت ہوں۔ اور جہاں تک محمد بن عثمان عمری کا تعلق ہے، اللہ ان سے راضی ہو اور ان سے پہلے ان کے والد سے راضی ہو، پس وہ میرے قابل اعتماد اشخاص میں سے ہیں اور ان کی تحریر میری ہی تحریر ہے۔

(روح اللہ الخمینی، الحکومۃ الاسلامیہ، ص ۷۶-۷۷، بحوالہ الوسائل ۱۸/۱۰۱، کتاب القضاءؑ الباب ۱۱، الحدیث ۹۔ رواہ الشیخ الطبرسی فی کتاب (الغیبہ) ورواہ الطبرسی فی الاحتجاج)

ج۔ "بمن تناط مهمة القضاء" (منصب قضاء کن لوگوں کے سپرد کیا جائے)۔

عن محمد بن يحيى عن محمد بن احمدعن يعقوب بن يزيد عن يحيى بن مبارك، عن عبدالله بن جميلة عن اسحاق بن عمار، عن أبى عبدالله عليه السلام قال: قال اميرالمؤمنين صلوات الله عليه لشريح، يا شريح! قد جلست مجلساً لايجلسه (ماجلسه) الانبى أو وصى نبى اوشقى۔"

(الحكومة الاسلامية، ص ٤٣-٤٤، بحواله وسائل الشيعة، كتاب القضاء، الباب ٣، الحديث ٢، و من لايحضره الفقيه، الجزء ٣، ص ٤، مرسلاً)۔

ترجمہ: محمد بن یحییٰ نے محمد بن احمد سے انہوں نے یعقوب بن یزید سے انہوں نے یحییٰ بن مبارک سے انہوں نے عبداللہ بن جمیلہ سے انہوں نے اسحاق بن عمار سے انہوں نے ابو عبداللہ علیہ السلام سے روایت کیا ہے کہ امیرالمومنین (علی) صلوات اللہ علیہ نے (قاضی) شریح سے فرمایا: اے شریح! تو ایسی مجلس میں بیٹھا ہے جس میں یا تو کوئی نبی یا وصی بیٹھ پاتا ہے یا کوئی شقی۔

چنانچہ عمر بن حنظلہ و محمد بن عثمان عمری و یعقوب بن یزید جیسے اسمائے راویان شیعہ کی جانب مختصر اشارہ کے بعد امیرالمومنین علیؓ کے دور خلافت کے قاضی القضاۃ شریح کے بارے میں امام خمینی کا درج ذیل بیان بھی قابل توجہ ہے:-

"وكان شريح هذا قد شغل منصب القضاء قرابة خمسين عاماً- وكان متملقاً لمعاوية، يمدحه ويثنى عليه، و يقول فيه ماليس له بأهل- وكان موقفه هذا هدماً لماتبنيه حكومة اميرالمؤمنين (ع) الا ان علياً (ع) لم يستطع عزله لأن من قبله قدنصبه ولم يكن عزله، بسبب ذلك، فى متناول اميرالمؤمنين الا انه اكتفى بمراقبته، و ردعه عن الوقوع فيما يخالف تعاليم الشرع." (الخمينى، الحكومة الاسلامية، ص ٧٣)-

ترجمہ:- اور یہ شریح تقریباً پچاس سال تک منصب قضاء پر فائز رہے۔ اور وہ معاویہ کی خوشامد کرنے والے تھے، ان کی مدح و ثناء کرتے رہتے تھے۔ اور ان کی تعریف میں ایسی باتیں کہتے تھے جن کے وہ اہل نہ تھے۔ ان کا طرز عمل ان بنیادوں کو منہدم کرنے والا تھا جن پر امیرالمومنین کی حکومت قائم تھی۔ مگر علی انہیں معزول نہ کر سکے کیونکہ ان سے پہلے (خلیفہ) نے انہیں مقرر کیا تھا اور اس وجہ سے انہیں معزول کرنا امیرالمومنین کے بس میں نہ تھا۔ مگر انہوں نے اتنا ضرور کیا کہ اس پر نظر رکھی اور اسے شریعت کی تعلیمات کے برخلاف جانے سے روکتے رہے۔

اگرچہ اس وقت تنقیدی جائزہ پیش نظر نہیں مگر قارئین کے غور و فکر کے لئے یہ بات قابل توجہ ہے کہ امام خمینی کے بقول سیدنا علیؓ نے ایسا قاضی القضاۃ برقرار رکھا جو سیدنا معاویہؓ کی تعریف میں مبالغہ آرائی اور جھوٹ سے کام لیتا تھا۔ جس کا طرز عمل خلافت علیؓ کے شرعی اصولوں کو مسمار کرنے والا تھا اور جس کو شیر خدا و بااختیار امام و خلیفہ ہوتے ہوئے برطرف کرنا محض اس لئے ان کے بس میں نہ تھا کہ ان سے پہلے خلفاء

نے انہیں مقرر کیا تھا۔ یعنی چہ؟ لہذا انہوں نے اس (جھوٹے قاضی) پر نظر رکھنے اور اسے تعلیمات شریعت کے برخلاف جانے سے روکنے پر اکتفاء کیا۔ اس بیان سے ایک غیر جانبدار غیر مسلم قاری و محقق سیدنا علیؓ، انکے دور خلافت، ان کی بحیثیت خلیفہ اہلیت و کارکردگی اور ان کے (خوشامدی جھوٹے) قاضی کے بارے میں اور خود علیؓ کے حوالہ سے شیعہ امامت و اسلامی خلافت کے بارے میں کیا رائے قائم کرتا ہے۔ اس کا تصور ہی ایک مسلمان پر لرزہ طاری کرنے کے لئے کافی ہے۔ ونعوذ باللہ من ذلک.

د- وعن عدة من اصحابنا، عن سهيل بن زياد، عن محمد بن عيسى، عن ابى عبدالله المؤ من، عن ابن مكان، عن سليمان بن خالد عن ابى عبدالله عليه السلام قال: اتقوا الحكومة فان الحكومة انما هى للامام العالم.

(الحكومة الاسلامية، مطبوعة الحركة الاسلامية فى ايران، ص ٤٦، بحواله الوسائل، كتاب القضاء، الباب ٣، الحديث ٣، ١٨/٤ الطبعة الحديثة)-

ترجمہ: ہمارے کئی اصحاب نے سہیل بن زیاد سے، انہوں نے محمد بن عیسی سے انہوں نے ابی عبداللہ مومن سے انہوں نے ابن مکان سے، انہوں نے سلیمان بن خالد سے، انہوں نے ابی عبداللہ علیہ السلام سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: حکومت کے معاملے میں ڈرتے رہو کیونکہ حکومت صرف امام عالم کے لئے ہے۔

ان تفصیلات سے خود امام خمینی نیز ائمہ تشیع کے حوالہ سے ثابت شدہ ہے کہ قرون اولی کے شیعہ امامیہ اثنا عشریہ جعفریہ کے اکابر و محدثین کے اسماء گرامی ابوبکر و عمر و عثمان و معاویہ و یزید و ابن زیاد تھے۔ جس سے حامیان خلافت یزید کے اس موقف کو تقویت ملتی ہے کہ واقعہ کربلا کے بعد طویل عرصہ تک نہ تو ابوبکر و عمر و عثمان و معاویہ کو دشمنان علی تسلیم کیا گیا اور نہ ہی یزید و عمر بن سعد و ابن زیاد کو واقعہ کربلا کا ذمہ دار قرار دیا گیا بلکہ اس سانحہ کی بنیادی ذمہ داری شیعان کوفہ کی غداری و بیعت یزید پر ہی عائد کی گئی اور سانحہ کربلا بھی مختصر وقت میں اس وقت پایہ تکمیل کو پہنچ گیا جب ان ہزاروں کوفیوں نے اپنے وہ خطوط واپس لینے کے لئے لشکر حسینی پر بلہ بول دیا جن کے خطوط کے سیدنا حسین نے حوالے کربلا میں ورود کے بعد اپنی گفتگوؤں میں نام لے

لے کر دئیے تھے اور کوفیوں کو خطرہ تھا کہ اگر یہ خطوط ابن زیاد تک صحیح سالم پہنچ گئے تو وہ سیدنا حسین کو خطوط لکھ کر غلط فہمی میں مبتلا کرنے کے جرم میں ان سب اصحاب خطوط کو قتل کروا دے گا۔ چنانچہ گروہ حسینی و کوفی کی اسی کشمکش میں کئی جوانان بنی ھاشم نیز خود سیدنا حسین و رفقائے حسین شہید ہوئے اور سانحہ کربلا رونما ہوا۔ باقاعدہ جنگ یا لشکر ابن سعد و لشکر حسینی میں کوئی تصادم نہیں ہوا۔ اس نقطہ نظر کو چاہے کتنا ہی کمزور قرار دیا جائے مگر بہر حال اس کے کچھ نہ کچھ شواھد خود اہل تشیع کے ہاں بھی موجود ہیں۔ ورنہ عمر و یزید و ابن زیاد جیسے نام رکھنا جب آج کا غیرتمند اثنا عشری شیعہ گوارا نہیں کرتا تو یہ کیسے تسلیم کیا جائے کہ قرون اولیٰ کے شیعہ چودھویں صدی کے اھل تشیع سے کم غیرت مند یا حقائق سے ناواقف تھے اور دشمنان حسینؓ و شیعہ کے ناموں پر بخوشی نام رکھتے تھے نیز انہیں شیعہ ائمہ کی جانب اپنی احادیث کا راوی اور امام مہدی کا ثقہ فرد ہونے کا شرف بھی حاصل ہوتا رہا۔ وعلی ھذا القیاس۔

اس حوالہ سے سیدہ زینب کا وہ قول بھی قابل توجہ ہے جس میں وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں زاد عمر بن سعد بن ابی وقاصؓ سے سیدنا حسینؓ پر قاتلوں کے غلبہ کے موقع پر خیمہ سے باہر نکل کر اضطراب کے عالم میں فرماتی ہیں:۔

"یا عمر بن سعد! أیقتل ابو عبداللہ و انت تنظر الیہ۔" (طبری، ٦ / ٢٦٠)

ترجمہ:۔ اے عمر بن سعد کیا ابو عبداللہ (حسین) قتل کر دئیے جائیں گے اور تم دیکھتے رہ جاؤ گے اور کچھ بھی نہ کر پاؤ گے۔

چنانچہ شیعہ راوی ابو مخنف کا بیان ہے کہ شہادت حسینؓ کے موقع پر ابن سعد زار و قطار رو رہے تھے اور ان کا چہرہ اور ڈاڑھی آنسوؤں سے تر تھے:۔

"قال فکأنی انظر دموع عمر (بن سعد) وھی تسیل علی خدیه و لحیته۔" (طبری، ج ٦، ص ٢٥٩)۔

ترجمہ:۔ راوی کا بیان ہے کہ گویا میں بچشم خود عمر (بن سعد) کے آنسوان کے رخساروں اور ڈاڑھی پر بہتے دیکھ رہا ہوں۔

ان چند اشارات سے سنی و شیعہ اور مسلم و غیر مسلم محققین کے لئے تحقیق و تجزیہ

کے حوالہ سے پوشیدہ حقائق سامنے آنے کی نئی راہیں وا ہو سکتی ہیں۔ بشرطیکہ اشتعال و تعصب اور فرقہ وارانہ وابستگیوں کو پس پشت ڈال کر صرف عقل و منطق کی رو سے تلاش حقائق کو ترجیح دی جائے۔ اور اس سلسلہ میں اھل تشیع کی ذمہ داری بزعم خویش بھی زیادہ ہے جن کا دعوی ہی عقل و عدل کو اساس تشیع قرار دینے پر مبنی ہے۔ اور اگر سیدنا ابوبکر و عمر و عثمان و معاویہ رضی اللہ عنہم نیز بعد ازاں یزید کے بارے میں امت مسلمہ کے جذبات و احساسات اور تاریخی و تحقیقی حقائق کے منافی خمینی صاحب کے مذکورہ بیان کے طرز پر محض انتہا پسندانہ و غیر منصفانہ تبصرہ آرائی ہی مقصود ہو تو شیعہ خمینی کے مقابلے میں ایک غیر مسلم عالمی شہرت یافتہ مورخ و مستشرق کا درج ذیل تبصرہ غیر جانبدار محققین کے نزدیک زیادہ وقیع قرار پا سکتا ہے (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ):۔

"اخلاف (یعنی آنے والی نسلوں) کا عموماً یہ شعار رہا ہے کہ وہ ناکام مدعیوں کی ناکامی پر جذبات سے مغلوب ہو جاتے ہیں اور بسا اوقات انصاف، قومی امن اور ایسی خانہ جنگی کے ہولناک خطروں کو نظر انداز کر دیتے ہیں جو ابتداء میں نہ روک دی گئی ہو۔ یہی کیفیت اخلاف کی (حضرت) حسین کے متعلق ہے جو ان کو ایک ظالمانہ جرم کا کشتہ خیال کرتے ہیں۔ ایرانی شدید تعصب نے اس تصویر میں خدوخال بھرے اور حسین کو بجائے ایک معمولی قسمت آزما کے جو ایک انوکھی لغزش و خطائے ذہنی اور قریب قریب غیر معمولی حب جاہ کے کارن ہلاکت کی جانب تیز گامی سے رواں دواں ہوں، ولی اللہ کے روپ میں پیش کیا ہے۔ ان کے ہمعصروں میں اکثر و بیشتر انہیں ایک دوسری نظر سے دیکھتے تھے۔ وہ انہیں عہد شکنی اور بغاوت کا قصوروار خیال کرتے تھے۔ اس لئے کہ انہوں نے معاویہ کی زندگی میں یزید کی ولی عہدی کی بیعت کی تھی اور اپنے حق اور دعوی خلافت کو ثابت نہ کر سکے تھے۔"

(تاریخ مسلمانان اسپین، مولفہ، آر ڈوزی، ترجمہ فرانسس گریفن سٹوکس، مطبوعہ لندن، ۱۹۱۳ء، ص ۲۷)۔

پس خمینی اور ڈوزی کے اس قسم کے مختلف و متضاد بیانات کے بعد لازم ہے کہ سنی اکثریت اور اھل تشیع سمیت تمام اقلیتی فرقے اپنے قول و عمل میں احتیاط و اعتدال کا مظاہرہ کریں۔ اور سیدنا ابوبکر و عمر و عثمان و علی و حسن و معاویہ و حسین و یزید کے حوالہ سے کسی مسلم و غیر مسلم کو حقائق کے منافی یا گستاخانہ تبصرہ آرائی کی دلیل و

مثال فراہم نہ کریں۔ کیونکہ اس انتہا پسندانہ سوچ کے نتیجہ میں معاملہ صرف توہین یزید پھر بتدریج توہین خلفاء و صحابہؓ واہل بیتؑ تک بھی محدود نہیں رہتا بلکہ انبیاء و مرسلین سلام اللہ علیہم اجمعین بھی اس کی لپیٹ میں آجاتے ہیں۔ جیسا کہ امام خمینی کے بعض مزید بیانات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے مثلاً امام خمینی فرماتے ہیں:-

۱- ان لائمتنا مقاماً لایبلغه ملک مقرب ولا نبی مرسل- (روح اللہ الخمینی، الحکومۃ الاسلامیۃ، طبع الحرکۃ الاسلامیۃ فی ایران ص ۵۲)

ترجمہ:- ہمارے آئمہ کا وہ مقام ہے جس تک نہ کوئی مقرب فرشتہ پہنچ سکتا ہے اور نہ نبی مرسل۔

۲- شیعہ اثنا عشریہ کے بارھویں امام محمد المہدی جو سن ۳۲۹ھ میں سرمن رای (عراق) میں غائب ہو گئے تھے اور جن کے وجود کو سنی اکثریت کے علاوہ غیر اثنا عشری شیعہ فرقے (کیسانیہ، زیدیہ، اسماعیلیہ، نور بخشیہ وغیرہ) بھی تسلیم نہیں کرتے، ان کے یوم ولادت (پندرہ شعبان، شب برات) اور شخصیت کے بارے میں امام خمینی فرماتے ہیں:-

ان الانبیاء لم یوفقوا فی تنفیذ أغراضهم، فیبعث الله شخصاً فی آخر الزمان لینفذ مواضیع الانبیاء- (مختارت من اقوال الامام الخمینی ج۲، ص ۱۱۳، المترجم محمد جواد المهری، وزارۃ الارشاد الاسلامی طهران، ۱۴۰۲ھ.ق)

ترجمہ:- انبیاء کو اپنے مقاصد کو کماحقہ عملی جامہ پہنانے کی توفیق نہیں دی گئی۔ پس اللہ آخر زمانہ میں ایک ایسے شخص کو بھیجے گا جو انبیاء کے مقاصد کو عملی جامہ پہنائے۔

۳- امام خمینی جشن ولادت مہدی کی وضاحت سے یہ تفصیل بھی بیان فرماتے ہیں:-

"جو نبی بھی آئے، وہ انصاف کے نفاذ کے لئے آئے۔ ان کا مقصد بھی یہی تھا کہ تمام دنیا میں انصاف کا نفاذ کریں۔ لیکن وہ کامیاب نہ ہوئے۔ یہاں تک کہ ختم المرسلین (ص) جو انسان کی اصلاح کے لئے آئے تھے، اور انصاف کا نفاذ کرنے کے لئے آئے تھے، انسان کی تربیت کے لئے آئے تھے، لیکن وہ اپنے زمانے میں کامیاب نہیں ہوئے۔

وہ آدمی جو اس معنی میں کامیاب ہوگا، اور تمام دنیا میں انصاف کو نافذ کرے گا، وہ بھی اس انصاف کو نہیں جسے عام لوگ انصاف سمجھتے ہیں کہ زمین میں انصاف کا معاملہ صرف لوگوں کی فلاح و بہبود کے لئے ہو، بلکہ یہ انصاف انسانیت کے تمام مراتب میں ہو۔ وہ چیز جس میں انبیاء کامیاب نہیں ہوئے، باوجود اس کے کہ وہ اس خدمت کے لئے آئے تھے، خدائے تبارک و تعالی نے ان (حضرت ولی عصر ارواحنالہ الفداء) کا ذخیرہ کیا ہے۔ ان ہی معنی میں جسکی تمام نبیوں کو آرزو تھی لیکن رکاوٹوں کی وجہ سے وہ ان کو نافذ نہ کرسکے، تمام اولیاء کی یہ آرزو تھی، لیکن وہ بھی نافذ کرنے میں کامیاب نہ ہوسکے، وہ اس بزرگوار کے ہاتھوں نافذ ہوجائے۔

لہٰذا اس معنی میں حضرت صاحب۔ ارواحنالہ الفداء، کا جشن میلاد مسلمانوں کے لئے سب سے بڑی عید ہے۔ صرف مسلمانوں کے لئے ہی نہیں بلکہ انسان کے لئے بھی سب سے بڑی عید ہے۔ (نیمہ شعبان ۱۴۰۰ھ کے موقع پر تقریر)

(اتحاد و یکجہتی امام خمینی کی نظر میں، مطبوعہ خانہ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران ملتان پاکستان، ص ۱۵-۱۶)

۴- امام خمینی سقیفہ بنی ساعدہ میں بیعت خلافت ابوبکرؓ کو تمام مصائب امت کی جڑ قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:-

آنچه تاکنون بامسلمان ہا رسیده آثار روز سقیفه باید شمرد-

(امام خمینی، کشف اسرار، تهران، ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۶۳ھ، ص ۱۷۱)

ترجمہ:- آج تک مسلمانوں پر جو کچھ مصیبت آئی ہے اسے سقیفہ (بنی ساعدہ میں بیعت ابوبکر) کے اثرات و نتائج میں شمار کرنا چاہیے۔

امام خمینی کے اس قسم کے افکار و بیانات سے مزید اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ نتائج و عواقب سے بے خبر ہو کر شعوری یا غیر شعوری طور پر غیر منصفانہ و انتہا پسندانہ تنقید اکابر امت کا دائرہ اثر صرف مذمت یزید تک محدود نہیں رہ پاتا بلکہ بتدریج سیدنا معاویہؓ و عثمانؓ و عمرؓ و ابوبکرؓ تک اور دوسری طرف سیدنا حسینؓ و حسنؓ و علیؓ تک حتی کہ صحابہؓ و اہل بیتؓ کے بعد انبیاء و مرسلین و رب العالمین تک جا پہنچتا ہے۔ (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ ثم معاذ اللہ)۔

چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی؟

لہذا توحید و رسالت و قیامت کے تین متفق علیہ اسلامی اصول دین میں "عدل و امامت" کا اضافہ کرنے والے اہل تشیع کے لئے بطور خاص لازم ہے کہ وہ امام خمینی و دیگر قائدین مذہب و ملت کے مثبت افکار و خدمات کی تحسین و اشاعت کے ساتھ ساتھ ان کے خوفناک حد تک غیر معتدل و غیر متوازن انتہا پسندانہ افکار و بیانات کو مسترد کرتے ہوئے تلافی مافات کا انتظام کریں۔ واللہ من و رائھم محیط۔

و باللہ التوفیق وھو المستعان وانہ علی کل شئی قدیر۔

۱۹۰- ڈاکٹر سید موسیٰ موسوی

(نجف اشرف، عراق)

ڈاکٹر سید موسیٰ موسوی اثنا عشری شیعہ مجتہد اعظم آیت اللہ العظمیٰ الامام الاکبر سید ابوالحسن الموسوی الاصفہانی کے پوتے ہیں۔ آپ ۱۹۳۰ء میں نجف اشرف (عراق) میں پیدا ہوئے۔ شیعی علوم و فنون کی مروجہ تعلیم حوزہ علمیہ نجف اشرف سے مکمل کر کے سند اجتہاد مرجع دینی الشیخ محمد الحسین آل کاشف الغطاء سے حاصل کی۔ جس کا متن درج ذیل ہے:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ الذی اجاز للعلماء ما اجاز

و صلی اللہ علی محمد و آلہ مجاز الحقیقۃ و حقیقۃ المجاز

و بعد فان جناب العالم الفاضل ثقۃ الاسلام الاغا موسی حفید المرحوم آیۃ اللہ العظمی السید ابوالحسن الاصفہانی الموسوی رضوان اللہ علیہ، ممن بذل جہدہ فی تحصیل العلوم الشرعیۃ حتی حاز بحمد اللہ تعالیٰ رتبۃ ملکۃ الاجتہاد مقرونۃ بالصلاح والسداد- وقد اجزت لہ لأھلیتہ أن یروی عنی ماصحت لی روایتہ من مشائخی العظام و أساتیذی الکرام- آمل أن لاینسانی فی صالح دعواتہ کما لاأنساہ- واللہ سبحانہ یوفقہ و یرعاہ۔ بدعاء:- محمد الحسین آل کاشف الغطاء-

صدر من مدرستنا العلمیۃ بالنجف الاشرف ۱۳۷۱ھ-

(موسیٰ الموسوی، الشیعہ والتصحیح، اردو ترجمہ از ابو مسعود آل امام بعنوان "اصلاح شیعہ"، ص ۲۷۱، ۲، فروری ۱۹۹۰ء)-

ترجمہ:- سب تعریفیں اس خدا کے لئے ہیں جس نے علماء پر انعام و اکرام فرمایا-

اور درود محمد و آل محمد پر جو مجاز حقیقت اور حقیقت مجاز ہیں۔

بعد ازاں واضح ہو کہ جناب عالم فاضل ثقتہ الاسلام آغا موسی جو آیت اللہ العظمی سید ابوالحسن اصفہانی موسوی رضوان اللہ علیہ کے پوتے ہیں، ان کا شمار ان حضرات میں ہوتا ہے جنہوں نے علوم شرعیہ کے حصول میں محنت و جدوجہد فرمائی۔ یہاں تک کہ بحمد اللہ تعالیٰ صاحب اجتہاد کا رتبہ حاصل کر لیا۔ جس کے ساتھ ساتھ ان میں صلاح وسداد کی صفات بھی موجود ہیں۔ اور میں نے ان کی اعلیت کی بناء پر انہیں اجازت عطا کی ہے کہ مجھ سے وہ تمام علوم روایت فرمائیں جن کا اپنے اساتذہ کرام و مشائخ عظام سے روایت کرنا خود میرے لئے درست اور صحیح ہے۔ مجھے امید ہے کہ وہ اپنی نیک دعاؤں میں مجھے فراموش نہیں کریں گے جیسا کہ میں بھی انہیں فراموش نہ کر پاؤں گا۔ اللہ تعالیٰ انہیں توفیق دے اور ان کی حفاظت فرمائے۔

دعاؤں کے ساتھ:-
محمد حسین آل کاشف الغطاء
(مہر و دستخط)

یہ (سند) ہمارے مدرسہ علیہ،
نجف اشرف سے جاری ہوئی۔
۱۳۷۱ھ

ڈاکٹر موسی الموسوی نے نجف اشرف کی روایتی تعلیم اجتہاد کی تکمیل کے بعد مختلف علوم وفنون میں مختلف جامعات سے اعلیٰ اسناد حاصل کیں اور مختلف علمی و دینی مناصب پر بھی فائز رہے۔ جس کا مختصر بیان درج ذیل ہے:-

"ڈاکٹر موسی الموسوی، الامام الاکبر سید ابوالحسن اصفہانی کے پوتے ہیں۔

۱۹۳۰ء میں بمقام "نجف اشرف" پیدا ہوئے۔ اور وہیں یونیورسٹی میں مروجہ تعلیم مکمل کی اور "اجتہاد" کے موضوع پر فقہ اسلامی میں ایم اے کی ڈگری حاصل کی۔

۱۹۵۵ء میں تہران یونیورسٹی سے اسلامی قانون میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔

۱۹۵۹ء میں پیرس یونیورسٹی سے فلسفہ میں پی ایچ ڈی کی۔

۱۹۶۰ء سے ۶۲ء تک بغداد یونیورسٹی میں اقتصاد اسلامی کے پروفیسر رہے۔
۱۹۶۸ء سے ۷۸ء تک بغداد یونیورسٹی میں اسلامی فلسفہ کے پروفیسر رہے۔
۱۹۷۳ء سے ۷۴ء تک حالہ یونیورسٹی جمہوریہ جرمنی میں، طرابلس یونیورسٹی لیبیا میں مہمان استاذ (Visiting Professor) رہے۔
۱۹۷۵ء سے ۷۶ء تک ہارورڈ یونیورسٹی امریکہ میں استاذ باحث Research Professor کی حیثیت سے کام کیا۔
۱۹۷۸ء میں لاس اینجلس یونیورسٹی میں مہمان استاذ ہو گئے۔
۱۹۷۹ء سے مغربی امریکہ میں "المجلس الاسلامی الاعلی" کے منتخب صدر نشین ہیں۔" (اصلاح شیعہ، مطبوعہ فروری ۱۹۹۰ء، مؤلف کا تعارف از مترجم ابو مسعود آل امام، ص ۵)۔

"موصوف کی اب تک نو عربی کتب طبع ہو چکی ہیں۔ آپ بڑے بلند پایہ شیعہ محقق ہیں۔ ایرانی انقلاب کا انہوں نے نہ صرف قریب سے مشاہدہ کیا بلکہ اس کے لئے بھرپور جدوجہد بھی کی۔ آیت اللہ خمینی کے ساتھ ان کے قریبی روابط رہے۔ جلاوطنی کے ایام میں انہوں نے بارہا ان کی دست گیری کی، ڈھارس بندھائی اور ان کے کام آئے۔ خمینی کے مقتول بیٹے مصطفی خمینی کے ساتھ ان کے خصوصی تعلقات تھے۔

ڈاکٹر موسی موسوی کی تمام کتب قابل مطالعہ ہیں اور اپنے اپنے موضوع پر جدت کا رنگ لئے ہوئے ہیں۔" (اصلاح شیعہ، ص ۶ مؤلف کا تعارف از مترجم ابو مسعود آل امام)۔

ڈاکٹر موسی موسوی کی عظیم الشان علمی و فکری شخصیت کے حوالہ سے یہ بات بطور خاص قابل ذکر ہے کہ جس طرح بعض شیعہ علماء و محققین بالخصوص مفکر ایران ڈاکٹر علی شریعتی (م ۱۹۷۷ء) نے شیعیت اور اثنا عشری عقیدہ پر قائم رہتے ہوئے اپنی تصانیف (بالخصوص "تشیع علوی و تشیع صفوی") میں شیعی عقائد و اصطلاحات کی تشریح جدید کی ہے، اسی تسلسل میں ڈاکٹر موسی موسوی نے اپنی تصانیف بالخصوص "الشیعۃ والتصحیح. الصراع بین الشیعۃ والتشیع" (اردو ترجمہ بعنوان "اصلاح شیعہ") میں شیعیت اور اثنا عشری عقیدہ پر قائم رہتے ہوئے اثنا عشری عقیدہ امامت سمیت مختلف عقائد و اصطلاحات کا تنقیدی جائزہ لیا ہے اور علمی و مدلل انداز میں تجدید فکر شیعی اور تطہیر افکار شیعہ اثنا عشریہ کا کٹھن فریضہ انجام دینے کی کوشش فرمائی ہے۔

"شیعی فکر میں انحراف کی ابتداء" کے زیر عنوان فرماتے ہیں:-

"سن ۳۲۹ ہجری میں امام مہدی کی "غیبت کبریٰ" کے باقاعدہ اعلان کے بعد شیعی فکر میں چند عجیب و غریب امور در آئے جو شیعہ اور تشیع کے درمیان اختلاف کا نقطہ آغاز ثابت ہوئے۔ دوسرے لفظوں میں ان کو عہد انحراف کا آغاز بھی کہا جا سکتا ہے۔

فکری انحراف کے بارے میں ان امور میں سے اولین امر ان آراء کا ظہور تھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت حضرت علی کا حق تھا اور یہ حق نص الٰہی کے ساتھ ثابت ہوتا ہے، اور یہ کہ چند کے علاوہ باقی صحابہ رسول نے ابوبکر کو خلیفہ مقرر کر کے اس کی مخالفت کی۔ جیسا کہ اس زمانے میں چند دیگر آراء کا ظہور ہوا جن کا منشا یہ تھا کہ تکمیل اسلام کے لئے ایمان بالامامت ضروری ہے۔ حتیٰ کہ بعض شیعہ علماء نے تین اصول دین، توحید، نبوت اور معاد کے ساتھ امامت اور عدل کا اضافہ بھی کر دیا۔ جب کہ بعض دوسرے علماء کا خیال تھا کہ یہ عقیدہ (امامت و عدل) اصول دین میں سے نہیں بلکہ اصول مذہب میں سے ہے۔ اور کچھ ایسی روایات سامنے آئیں جنہیں آئمہ شیعہ سے نقل کیا جاتا ہے اور ان میں خلفاء راشدین اور بعض ازواج مطہرات پر طعن و تشنیع ہوتی ہے۔" (موسیٰ موسوی، الشیعہ والتصحیح، اردو ترجمہ بنام "اصلاح شیعہ"، ص ۲۱)۔

ڈاکٹر موسیٰ موسوی فضیلت علی کے شیعی نقطہ نظر کی تائید میں متعدد اقوال نبیؐ و علیؓ نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:-

"مذکورہ بالا فضائل و روایات کی بناء پر حضرت علیؓ کا خود کو دوسروں کے بالمقابل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ بننے کا اولین حق دار سمجھنا طبعی امر ہو گا- یہ بھی طبعی امر ہو گا کہ ایک فرقہ یہ اعتقاد رکھے اور اس کے لئے جوش و جذبہ کا مظاہرہ کرے۔ اور اس انداز فکر کے حامی و مددگار بھی موجود ہوں۔ جیسے یہ بھی طبعی امر ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبی رجحانات اور زبان مبارک سے نکلے ہوئے کلمات سے ہم حضرت علیؓ کو آپ کی وفات کے بعد خلیفہ بنانے کی خواہش کا اندازہ لگا سکتے ہیں:-

امام علیؓ خلفاء کی بیعت کی شرعی حیثیت کو تسلیم کرتے ہیں

لیکن کیا اس سب کچھ کا یہ مطلب ہے (اور یہی بات خلافت کے متعلقات اور اس مسئلہ کے تمام فروعات میں بنیادی پتھر اور مقطع کی حیثیت رکھتی ہے۔) کہ اس مسئلہ میں کوئی آسمانی حکم موجود ہے جو حضرت علیؓ کی بطور خلیفہ تعیین کرتا ہو یا یہ صرف نبی اکرم ﷺ کی ذاتی خواہش تھی؟ حضرت علیؓ خود فرمایا کرتے تھے کہ اس مسئلہ میں کوئی واضح آسمانی نص موجود نہیں ہے۔ ان کے ساتھی اور ان کے معاصرین کا بھی یہی عقیدہ تھا۔ "غیبت کبریٰ" کے زمانہ تک یہی اعتقاد قائم رہا۔ یہی وہ زمانہ ہے جس میں شیعہ کے عقائد میں ردو بدل شروع ہوا اور ان کو بالکل الٹ کر رکھ دیا گیا۔

ہم ایک بار پھر کہتے ہیں کہ ان دو الگ الگ عقیدوں میں بڑا فرق ہے:-

۱- حضرت علیؓ خلافت رسول ﷺ کا دوسروں کی نسبت زیادہ حق رکھتے تھے لیکن مسلمانوں نے کسی دوسرے کو منتخب کر لیا۔

۲- خلافت حضرت علیؓ کا آسمانی حق تھا، لیکن اسے چھین لیا گیا۔

آیئے حضرت علیؓ کی زبانی سنیں، وہ پوری وضاحت اور کامل صراحت کے ساتھ مسئلہ پر گفتگو فرماتے ہیں۔ اور خلفاء کے انتخاب کے شرعی ہونے پر مہر تصدیق ثبت فرماتے ہیں۔ اور بتاتے ہیں کہ خلافت کے مسئلہ میں نص موجود نہیں ہے۔ فرماتے ہیں:-

بلاشبہ جن لوگوں نے ابوبکرؓ و عمرؓ اور عثمانؓ کی بیعت کی تھی، انہی لوگوں نے میری بیعت کی ہے۔ اور اسی شرط پر کی ہے جس پر ان کی بیعت کی تھی۔ اس لئے کسی حاضر کو تردد کا اور کسی غائب کو انکار کا حق نہیں ہے۔ اور بلاشبہ مشورہ مہاجرین و انصار کا حق ہے۔ اگر یہ حضرات کسی پر اتفاق کر لیں اور اسے امام بنا دیں تو یہ اللہ کی رضا کی دلیل ہو گی۔ اور اگر کوئی شخص ان پر طعنہ زنی کرے اور نیا راستہ اختیار کرتے ہوئے ان کے احکامات سے روگردانی کرے تو ان کا حق ہے کہ مسلمانوں کا راستہ چھوڑنے کے سبب اس سے جنگ کریں۔" (نہج البلاغہ، ج ۳، ص ۷)۔

(ڈاکٹر موسیٰ موسوی، الشیعہ والتصحیح، اردو ترجمہ از ابو مسعود آل امام بنام "اصلاح شیعہ" ص ۳۰-۳۱) —

اس کے بعد قرآن و سنت سے طویل دلائل اور مثالیں دیتے ہوئے ڈاکٹر موسوی ثابت فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کا ایک آسمانی پہلو ہے جس

کے متعلق آپ اللہ کے حکم اور وحی کی بنیاد پر دو ٹوک بات کرتے تھے۔ اور دوسری آپ کی ذاتی خواہشات ہیں۔ اور خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اقوال واعمال میں جو حکم خداوندی ہوتے اور ان اقوال و اعمال میں جو ان سے ذاتی حیثیت میں صادر ہوتے اور ان کا آسمان سے کوئی تعلق نہیں ہوتا تھا، پوری کوشش سے فرق سمجھاتے تھے۔
(اصلاح شیعہ، ص ۳۱، ۳۲-۳۹)

پھر ان طویل دلائل و شواہد سے استدلال کے بعد فرماتے ہیں:-

"اور اب میں خلافت کے موضوع کی طرف پلٹتا ہوں۔ اور کہتا ہوں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہتان طراز گروہ کی جانب سے لگائے گئے اندوہناک ترین الزام سے، یہ جانتے ہوئے بھی کہ ان کی زوجہ محترمہ اس الزام سے کامل طور پر بری ہیں، ان کا دفاع خود نہیں کیا، کہ مبادا یہ لوگوں کے زمانہ جاہلیت کی روایات اور سر بر آوردہ سرداروں کی بے قاعدہ اطاعت و فرمانبرداری کی طرف لوٹ جانے کا سبب بن جائے، تو یہ امر معقول نہیں ہے کہ امت کو ایسے خلیفہ کو پسند کرنے پر مجبور کر لیا جو انہیں بذات خود پسند ہے۔ جب کہ اس سلسلہ میں حکم الٰہی موجود نہ تھا۔ اگرچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ذاتی طور پر رغبت رکھتے بھی تھے کہ علیؓ ہی ان کے بعد خلیفہ ہوں، جیسا کے فریقین کی صحیح اسانید کے ساتھ مروی احادیث سے معلوم ہوتا ہے، تو بھی آپ نے امت کو انہیں اولین خلیفہ کے طور پر قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا۔ بالکل اس طرح جیسے کہ انہوں نے اپنی عزیز ترین زوجہ پر بہتان طرازی کے حادثہ میں لوگوں کو باز رہنے کا حکم نہیں دیا۔ اسی طرح جب لوگ اپنی آوازیں آپ کی آواز سے بلند کرتے اور آپ کی موجودگی میں سرگوشیاں کرتے، تو آپ نے ازخود لوگوں پر واجب نہیں کر دیا کہ ان سے اس طریقہ سے پیش نہ آئیں جو حضور کی مجلس کے شایان نہ ہو۔ تا آنکہ آیات کریمہ نازل ہوئیں جن میں لوگوں کو نبی ؐ کے آداب ملحوظ رکھنے کا حکم دیا گیا تھا۔ جس نے لوگوں کو ایسی کھلی آزادی دے دی تھی کہ بعض لوگوں نے اسے نامناسب اور غیر موزوں انداز میں استعمال کرنا شروع کر دیا تھا۔" (موسی موسوی، الشیعہ والتصحیح، اردو ترجمہ بنام "اصلاح شیعہ"، ص ۴۹-۵۰)۔

اس مقام پر ہم ایک روایت ذکر کرتے ہیں جسے ابن عباسؓ نے خلیفہ ثانی عمرؓ

سے نقل کیا ہے۔ اور جو احکام الہیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی پسند و ناپسند کے متعلق صحابہؓ کے طرز عمل کے متعلق مکمل صراحت کرتی ہے۔ ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں:۔

"حضرت عمرؓ کے شام کی جانب اسفار میں ایک بار میں ان کے ساتھ تھا۔ ایک دن اونٹ پر چلتے ہوئے وہ تنہا رہ گئے تو میں آپ کے پیچھے ہو لیا۔ کہنے لگے:۔ اے ابن عباس مجھے تم سے تمہارے عم زاد کی شکایت کرنا ہے۔ میں نے اسے ساتھ آنے کو کہا تو انہوں نے میری بات نہیں مانی۔ میں اسے ناخوش سا دیکھتا آ رہا ہوں۔ تمہارے خیال میں اس کی ناراضی کا سبب کیا ہے؟ میں نے کہا:۔ امیر المومنین! آپ خوب جانتے ہیں۔ کہنے لگے:۔ میں سمجھتا ہوں کہ خلافت نہ ملنے پر ملول رہتے ہیں۔ میں نے کہا:۔ یہی وجہ ہے۔ ان کا خیال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انہیں امیر بنانا منظور تھا۔ کہنے لگے:۔ اے ابن عباس! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں امیر بنانا چاہتے تھے تو کیا ہوا۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے ایسا نہ چاہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک چیز چاہتے تھے، اور اللہ تعالیٰ کا ارادہ دوسری چیز کا تھا۔ کیا جس چیز کو رسول اللہ چاہتے تھے، وہ ہوئی؟ آپ چاہتے تھے کہ ان کا چچا اسلام لے آئے، لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ منظور نہیں تھا لہذا وہ اسلام نہ لایا۔" (شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج ۳، ص ۱۱۳)۔
(موسیٰ موسوی، الشیعہ والتصحیح، اردو ترجمہ بنام "اصلاح شیعہ"، ص ۵۳-۵۴)۔

بعد ازاں ڈاکٹر موسوی فرماتے ہیں:۔

"مذکورہ بالا امور کے علاوہ خلافت کے متعلق صریح طور پر حکم الہیٰ کے تسلیم کرنے میں درج ذیل پانچ رکاوٹیں ہیں:۔

ا۔ صحابۃ الرسول اور خلافت کے متعلق ان کا موقف۔

ب۔ خلافت کے متعلق امام علیؓ کے فرمودات۔

ج۔ امام علیؓ کا خلفاء کی بیعت کر لینا اور خلفاء راشدین کی خلافت کو شریعت کے مطابق قرار دینا۔

د۔ خلفاء راشدینؓ کے حق میں حضرت علیؓ کے ارشادات۔

ر۔ خلفاء راشدینؓ کے متعلق شیعہ اماموں کے اقوال۔"

(ڈاکٹر موسی موسوی، الشیعہ والتصحیح، اردو ترجمہ "اصلاح شیعہ" ص ۵۴)۔

"صحابہ کرامؓ اور خلافت کے متعلق ان کا موقف" کے زیرِ عنوان بعض آیات نقل کرتے ہوئے ڈاکٹر موسوی فرماتے ہیں:۔

"یہی وہ کبار صحابہ، مہاجرین وانصار تھے جو آسودگی ہو یا تنگی ہر حالت میں سائے کی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے۔ تاکہ وہ آئندہ نسلوں کے لئے اچھا نمونہ بنیں۔ اور ہر وقت گھات میں رہنے والے دشمنوں سے دفاع کر سکیں۔ اس پاکیزہ اور امت محمدیہ کی مقدس جماعت کی قرآن کریم میں بڑی روشن تصویر موجود ہے۔ جس کا ہر کلمہ اس دور کی پاکیزگی، عظمت، جلال، صحابہ کے اخلاص، اور اسلام اور پیغمبر اسلام کے دفاع کی راہ میں فدائیت سے عبارت ہے۔ آیئے مل کر یہ آیات پڑھیں:۔

محمد رسول الله والذين معه أشداء على الكفار رحماء بينهم تراهم ركعاً سجداً يبتغون فضلاً من الله و رضواناً سيماهم في وجوههم من أثرالسجود ذلک مثلهم في التوراة و مثلهم في الانجيل- كزرع أخرج شطأه فازره فاستغلظ فاستوى على سوقه يعجب الزراع ليغيظ بهم الكفار وعد الله الذين آمنوا و عملوا اصالحات منهم مغفرة و أجراً عظيماً- (الفتح: ۲۹)

ترجمہ:۔ محمد اللہ کے پیغمبر ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں، وہ کافروں کے حق میں تو سخت ہیں اور آپس میں رحمدل۔ (اے دیکھنے والے) تو ان کو دیکھتا ہے کہ (اللہ کے آگے) جھکے ہوئے سر بسجود ہیں اور اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی طلب کر رہے ہیں۔ (کثرت) سجود کے اثر سے ان کی پیشانیوں پر نشان پڑے ہوئے ہیں۔ ان کے یہی اوصاف تورات میں (مرقوم ہیں) اور یہی اوصاف انجیل میں ہیں۔ (وہ) گویا ایک کھیتی ہیں، جس نے (پہلے زمین سے) اپنی سوئی نکالی، پھر اس کو مضبوط کیا، پھر موٹی ہوئی اور پھر اپنی نال پر سیدھی کھڑی ہو گئی۔ اور لگی کھیتی والوں کو خوش کرنے تاکہ کافروں کا جی جلائے۔ جو لوگ ان میں سے ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے، ان سے اللہ نے گناہوں کی بخشش اور اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔

اسی روشن زمانے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کا ایک اور وصف بھی

ہے جسے حضرت علیؓ نے ذکر کیا ہے۔ اور ہم بھی یہاں درج کرتے ہیں:۔

"میں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو دیکھا ہے۔ ان جیسا کسی کو نہیں دیکھتا۔ صبح ہوتی تو وہ پریشان بال اور غبار آلود ہوتے کہ انہوں نے رات سجدہ و قیام میں بسر کی ہوتی۔ پیشانیاں تھک جاتیں تو اپنے گال زمین پر لگا دیتے۔ اپنی آخرت یاد کر کے گویا انگاروں پر لوٹنے لگتے۔ ان کی آنکھوں کے درمیان کے حصے طویل سجدوں کے سبب بکری کے گھٹنوں کی طرح بن گئے تھے۔ اللہ کا ذکر ہوتا تو ان کی آنکھوں سے آنسو امڈ آتے۔ یہاں تک کہ ان کے گریبان بھیگ جاتے۔ عذاب کے ڈر اور ثواب کی امید میں ایسے ہلتے جیسے سخت آندھی سے درخت ہلتے ہیں۔" (نہج البلاغہ، ج ۱، ص ۱۹)۔

آیئے ایک بار پھر حضرت علیؓ کا فرمان سنیں۔ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے اوصاف، نبی اور ان کی رسالت پر ان کے غیر مشروط اور لامحدود ایمان کی وسعت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:۔

"ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے باپ، بیٹوں، بھائیوں اور چچوں کے خلاف برسر جنگ رہتے تھے۔ اور اس سے ہمارے ایمان و جذبہ تسلیم میں اضافہ ہوتا۔ ہم چند لقموں پر گزر بسر کرتے، تکلیفیں برداشت کرتے اور دشمن کے خلاف جہاد میں مصروف رہتے۔ ایسا بھی ہوتا کہ ایک آدمی ہم میں سے اور ایک آدمی کفار میں سے سانڈوں کی طرح حملہ آور ہوتے۔ ہر ایک گھات لگاتا کہ کون اپنے مدمقابل کو موت کا پیالہ پلاتا ہے۔ کبھی میدان ہمارے ہاتھ رہتا اور کبھی دشمن غالب آتے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ہمارا صدق جانچ لیا، تو ہمارے دشمنوں کو ذلیل کیا اور ہمیں اپنی نصرت سے نوازا۔ یہاں تک کہ اسلام نے ترکش ڈال دی۔ وطن بنا کر قرار گزیں ہوا۔ اللہ کی قسم ہم ان اشیاء کے مرتکب ہوتے جو تم کرتے ہو تو نہ دین کا کوئی ستون استوار ہوتا، نہ اس کا کوئی شجر سرسبز ہوتا۔ اور اللہ کی قسم تم دودھ کی بجائے اس سے خون دوھو گے اور اس کے بعد نادم ہو گے۔" (نہج البلاغہ، ج ۱، ص ۱۰۴)۔

یہاں ایک سوال کئے بغیر چارہ نہیں۔ کیا اس قسم کے ساتھی جن کی اللہ تعالیٰ نے عظیم الشان مدح فرمائی اور امام علیؓ نے توصیف کی، کسی ایسے معاملے میں نص الٰہی کی خلاف ورزی کر سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور شریعت و قانون وارد ہوئی ہو؟

وہ احکام الہیٰ کے محافظ اور انہیں نافذ کرنے والے تھے۔ اور اس کی خاطر انہوں نے ہر چھوٹی بڑی چیز کی قربانی دی تھی۔ خصوصاً جب کہ اس حکم کا براہ راست تعلق مسلمانوں کے مفادات یا ان کے مستقبل کے ساتھ ہو۔ اور ان کی بنیادوں کی تعمیر کے ساتھ ہو جنہیں مضبوط کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔"

(ڈاکٹر موسیٰ موسوی، الشیعہ والتصحیح، اردو ترجمہ "اصلاح شیعہ" ص ۵۷ تا ۶۰)۔

اسی سلسلہ کلام میں "خلافت کے متعلق امام علیؓ کے فرمودات" کے زیر عنوان لکھتے ہیں:۔

خلافت کے متعلق امام علیؓ کے فرمودات

"امام علیؓ فرماتے ہیں:۔

مجھے چھوڑ دو، کسی اور کو تلاش کر لو۔ کیونکہ ایسی صورتحال سامنے آرہی ہے جس کے کئی رخ، کئی رنگ ہیں۔ خوب جان لو اگر میں نے تمہارا کہا مان لیا تو اپنے علم کے مطابق تمہیں چلاؤں گا۔ اگر تم نے مجھے چھوڑ دیا تو میں تم سے کسی ایک کی طرح رہوں گا۔ جسے بھی تم امیر بنا لو گے، میں اس معاملہ میں تمہارا حکم سنوں گا، اس کی اطاعت کروں گا۔ اور میں امیر سے وزیر کے طور پر تمہارے لئے بہتر ہوں۔" (نہج البلاغہ، ج ۱، ص ۱۸۲)۔ (ڈاکٹر موسیٰ موسوی، الشیعہ والتصحیح، اردو ترجمہ بنام "اصلاح شیعہ" ص ۶۰-۶۱) ۔

ڈاکٹر موسوی مزید فرماتے ہیں:۔

"ہمیں امام علیؓ کی وہ تصریحات بھی پڑھنی چاہئیں جن میں پوری صراحت و وضاحت کے ساتھ خلافت کے بارے میں عدم رغبت کا اظہار فرمایا ہے۔ بلکہ وہ تو خود اسے مسترد کرتے تھے۔ البتہ یہ سمجھتے تھے کہ وہ دوسروں کی نسبت اس کے زیادہ حقدار ہیں۔ امامؓ نے کبھی یہ ذکر نہیں کیا کہ اللہ کی جانب سے خلافت کے متعلق صریح حکم وارد ہوا ہے۔ امام فرماتے ہیں:۔

"اللہ کی قسم مجھے خلافت سے کوئی لگاؤ ہے، نہ والی بننے کی خواہش۔ تم نے خود مجھے دعوت دی۔ یہ ذمہ داری مجھ پر ڈالی۔ جب خلافت مجھ تک پہنچی تو میں نے اللہ کی کتاب اور اس کے بتائے ہوئے طریقہ، اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے اسے بروئے کار

لانے کا حکم دیا ہے، کو دیکھا تو اس کی اتباع کی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کو دیکھا اور آپ کی اقتداء کی۔" (نہج البلاغہ، ج ۲، ص ۱۸۴) ۔

ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:-

جس طرح ماں اپنے بچے کی طرف دوڑتی ہے، اس طرح تم میری بیعت کرتے ہوئے آئے۔ میں نے اپنی مٹھی بھینچ لی، تم نے اسے کھولا، میں نے تم سے ہاتھ چھڑایا، تم نے خود اسے پھیلایا۔ (نہج البلاغہ، ج ۲، ص ۲۰)۔

(موسیٰ موسوی، الشیعہ والتصحیح، اردو ترجمہ "اصلاح شیعہ"، ص ۶۲) ۔

ڈاکٹر موسوی مزید دلائل و تفصیلات نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:-

"مسئلہ خلافت میں جو تفصیلات ہم نے بیان کی ہیں، اور یہ حقیقت کہ اگر خلافت اللہ کے صریح حکم سے ہوتی تو کوئی بڑی سے بڑی شان والا بھی اس کی خلاف ورزی نہ کر سکتا، نہ اس کا انکار یا اس سے تغافل برت سکتا (اگر پیش نظر رہیں تو اختلاف کی گنجائش ہی نہیں رہتی)۔ لیکن ہمارا سامنا علماء شیعیت کے ایک بڑے گروہ سے ہے جس نے اس حقیقت کو بالکل نظر انداز کر دیا۔ اور اسی لئے انہیں حضرت علیؓ کی بیعت کی یہ تاویل کرنا پڑی کہ انہوں نے تقیہ کیا، یا خوف زدہ ہو گئے، یا انہیں ان کی خواہش و عقیدہ کے برخلاف ایک کام پر مجبور کر دیا گیا۔

یہاں ان لوگوں کے کردار کی باری آئی جنہوں نے حضرت علیؓ اور ان کی شخصیت کو ختم کرنا چاہا اور بالواسطہ طور پر انہیں الزامات کا نشانہ بنانا چاہا۔ اس طرح زمانۂ رسالت و عہد صحابہؓ کے متعلق ہر چیز کو ختم کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ زمانہ رسالت کو جس میں کبار صحابہ بھی شامل ہیں، تاریک ترین مظہر میں اسی وقت پیش کیا جا سکتا ہے جبکہ اس اسلامی معاشرہ کی اللہ تعالیٰ کے صریح احکام سے بغاوت کا نقشہ کھینچا جائے۔ اور یہ امر اس بات پر موقوف تھا کہ حضرت علیؓ کی خلافت کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے منصوص باور کرایا جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے صحابہ تک اس نص کی تبلیغ اور صحابہ کے اس نص کو جان لینے کے باوصف اس کی خلاف ورزی، اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک دغا باز، مداہنت کیش اور چاپلوس آدمی کی شکل میں تصویر کشی کی جائے۔ جو پچیس برس تک اپنے سے پہلے خلفاء ثلاثہ کا بظاہر دیانتدار مشیر اور گرم جوش

دوست بنا رہا۔ جو ان کی مدح میں رطب اللسان اور ان کی تعریف میں بہترین کلمات نچھاور کرنے والا ہو۔ اور اس کا دل اس کی زبان کے ساتھ نہ تھا۔ جو وہ کرتا تھا، اس پر اس کا ایمان نہ تھا۔ یہاں تک کہ اس نے مجبوری کی حالت میں ہی اپنی بیٹی ام کلثوم، عمرؓ بن خطاب کے عقد میں دے دی۔ اپنے بیٹوں کے نام ابوبکر و عمر و عثمان رکھے حالانکہ وہ یہ نام رکھنے پر راضی نہ تھے۔ وعلی هذا القیاس۔" (موسی موسوی، الشیعہ والتصحیح، اردو ترجمہ "اصلاح شیعہ"، ص ۷۰)۔

ڈاکٹر موسوی "خلفاء راشدین کے متعلق امام علیؓ کے اقوال" کے زیر عنوان ڈاکٹر علی شریعتی (تشیع علوی و تشیع صفوی، ص ۸۵) کی طرح "نہج البلاغہ" کا درج ذیل خطبہ شہادت عمرؓ کے موقع پر بزبان علیؓ نقل کرتے ہیں:-

خلفاء راشدین کے متعقل امامؓ کے اقوال

"آیئے امام علیؓ کو خلیفہ عمرؓ بن خطاب کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے سنیں:-

اللہ اللہ حضرت عمرؓ آزمائش سے کس طرح سرخرو نکلے۔ انہوں نے ٹیڑھا پن نکالا اور بیماری کا علاج کیا، فتنہ ماند کیا اور سنت قائم کی۔ اس حالت میں گئے کہ دامن صاف، عیب نایاب تھا۔ خیر حاصل کی، شر سے بالاتر رہے۔ اللہ تعالیٰ کی کامل اطاعت کی اور کماحقہ تقوی اختیار کیا۔ اب آپ رحلت فرما گئے ہیں تو لوگ چوراہے میں کھڑے ہیں۔ ناواقف کو راہ سجھائی نہیں دیتی اور واقف یقین سے بہرہ مند نہیں ہوتا۔" (نہج البلاغہ، ج ۲، ص ۲۲۲)(موسی موسوی، الشیعہ والتصحیح، اردو ترجمہ "اصلاح شیعہ"، ص ۷۲)

ڈاکٹر موسوی سیدنا عثمانؓ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:-

"اور یہ دیکھئے حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ بن عفان سے محو گفتگو ہیں اور انہیں اللہ کے رسول کے مقرب صحابی کی صفات سے متصف بتا رہے ہیں:-

لوگ میرے پیچھے ہیں۔ انہوں نے مجھے اپنے اور آپ کے درمیان واسطہ بنا کر بھیجا ہے۔ اللہ کی قسم، میں نہیں جانتا کہ آپ کو کیا کہوں؟ میں کوئی ایسی چیز نہیں جانتا، جس سے آپ ناواقف ہوں۔ میں آپ کی رہنمائی کسی ایسے امر کی طرف نہیں کر سکتا، جسے آپ جانتے نہ ہوں۔ آپ بھی وہ کچھ جانتے ہیں، جس کا علم ہمیں ہے۔ ہم

کسی چیز میں آپ سے آگے نہ تھے کہ آپ تک وہ بات پہنچائیں۔ آپ نے بھی ہماری طرح دیکھا اور ہماری طرح سنا۔ آپ نے بھی رسول اللہ کی مصاحبت کی، جیسا کہ ہم نے کی۔ ابن ابی قحافہؓ اور عمرؓ بن خطاب، حق پر عمل کرنے میں آپ سے آگے نہ تھے۔ رشتہ کے لحاظ سے آپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دونوں سے زیادہ قرب رکھتے ہیں۔ آپ کو رسول اللہ کی دامادی کا شرف حاصل ہے، جو ان کو نہ تھا۔ پس اپنے بارے میں اللہ کا تقویٰ اختیار کریں۔ اللہ کی قسم آپ بے بصارت نہیں کہ آپ کو راہ دکھائی جائے۔ آپ جاہل نہیں کہ آپ کو تعلیم دی جائے۔" (نہج البلاغہ، ج ۲، ص ۳۳۳)۔

(موسیٰ موسوی، الشیعہ والتصحیح، اردو ترجمہ "اصلاح شیعہ" ص ۷۴-۷۵)۔

امام کے "معصوم عن الخطاء" ہونے کے عمومی شیعی مفہوم کی تصحیح کرتے ہوئے ڈاکٹر موسوی فرماتے ہیں:-

"عصمت در حقیقت امام کے حق میں نقص کے سوا کچھ بھی نہیں۔ اس میں کوئی مدح نہیں۔ کیونکہ شیعی مفہوم کے مطابق عصمت کا معنی یہ ہے کہ آئمہ اپنی ولادت سے لے کر وفات تک اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے اس کی نافرمانی کے مرتکب نہیں ہوتے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان میں شر پر خیر کو فضیلت و ترجیح دینے کا ارادہ مفقود تھا۔ میں نہیں جانتا کہ جب کوئی شخص ایسے ارادے کی بدولت جو اس کی ذات سے خارج ہے، برائی کرنے پر قادر ہی نہیں ہے، کونسی قابل فخر عصمت ہے؟ ہاں اگر عصمت کا یہ مطلب ہو کہ آئمہ گناہ کرنے پر قادر ہونے کے باوجود عالی نفسی، اخلاق میں قوی ملکہ اور رکاوٹ کی بناء پر ہرگز نافرمانی نہیں کرتے تو یہ بات معقول اور عقل و منطق سے مطابقت رکھتی ہے۔ لیکن اس صورت میں ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ قوت نفس معدودے چند اشخاص کے ساتھ خاص ہے یا صرف ہمارے آئمہ کے ساتھ خاص ہے۔ بلکہ یہ ایسی صفت ہے جس کے ساتھ ہر انسان متصف ہو سکتا ہے۔ بشرطیکہ حدود اللہ کی پابندی کرے، اس کے اوامر کی فرمانبرداری کرے، نواہی سے باز رہے۔"

(ڈاکٹر موسیٰ موسوی، الشیعہ والتصحیح، اردو ترجمہ بعنوان "اصلاح شیعہ" ص ۱۳۵-۱۳۶)۔

ڈاکٹر موسیٰ موسوی "امامت منصوصہ و معصومہ" اور "خلفاء راشدینؓ" کے سلسلہ میں اپنے تفصیلی دلائل و مباحث کے بعد آخر میں "اصلاحی تجاویز" کے زیر عنوان تعلیم

یافتہ، روشن دماغ اور بالغ نظر شیعہ اثنا عشریہ سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"خلافت کے موضوع کو اس حقیقی دائرہ سے باہر نہیں نکلنا چاہئے جس کی تصریح قرآن کریم نے کی ہے:- و امرھم شوری بینھم- (الشوری : ۳۸)۔ وہ اپنے کام آپس کے مشورہ سے کرتے ہیں۔

قرآن اور اجماع مسلمین کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہوئے شیعہ کو چاہئے کہ خلفاء راشدین کو اس نگاہ سے دیکھیں اور ان کے بارے میں وہی رویہ اپنائیں جو امام علیؓ نے اختیار کیا تھا۔ یہ تسلیم کرلیں کہ خلفاء راشدین اسلام کے اولین معماروں میں سے تھے۔ انہوں نے اپنی مدت خلافت میں اجتہاد کیا جس میں کبھی درست فیصلہ تک پہنچے اور کبھی خطائے اجتہادی کا شکار ہوئے۔ ان میں سے ہر ایک نے جہاں تک اس سے ہو سکا، خدمت اسلام انجام دی۔

چنانچہ خلیفہ اول نے اپنی احتیاط، صبر، جرأت اور قطعی فیصلہ کی صلاحیت سے فتنہ ارتداد سے اسلام کو بچایا۔ وہ فتنہ ارتداد جو جنگوں کا سبب بنا جن میں بیس ہزار صحابہؓ اسلام کا دفاع کرتے ہوئے شہید ہوئے۔ اور مسلمان اس آزمائش سے سرخرو ہو کر نکلے۔" (موسی موسوی، الشیعہ والتصحیح، اردو ترجمہ بنام "اصلاح شیعہ"، ص ۸۷)۔

اس کے بعد وفات ابو بکرؓ پر امام علیؓ کا طویل تعریفی خطبہ نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:-

"اور خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ بن الخطاب نے ناقابل فراموش جرأت کے ساتھ مشرق و مغرب میں دائرہ اسلام کو وسعت دیکر اسلام کو عظیم قوت عطا کی۔ وہی ہیں جنہوں نے وسیع و دور دراز علاقوں میں مثلاً شام، مصر و فلسطین اور ایران میں، اسلام کی بنیادیں مضبوط کیں۔

اور خلیفہ ثالث حضرت عثمانؓ بن عفان جنہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دوہری دامادی کا شرف حاصل ہوا، اگر وہ اپنے بہت سے ساتھیوں میں ممتاز مقام کے حامل نہ ہوتے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے نکاح میں اپنی دو بیٹیاں نہ دیتے۔ زمانہ دعوت میں انہوں نے بڑی جدوجہد کی۔ ان کے لئے یہی فخر کافی ہے کہ اغنیاء قریش میں سے تھے۔ ایک ہزار سرخ اونٹ کے مالک تھے۔ انہوں نے وہ اونٹ بیچے اور ان کی قیمت رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے راستے میں اور مسلمانوں پر خرچ کردی۔ اس زمانے کے حساب کے مطابق ان کی قیمت کا اندازہ دس لاکھ طلائی سکے لگایا گیا تھا۔ آپ کا عہد خلافت وہ زمانہ تھا جس میں اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوتے ہوتے ہندوستان کے آس پاس پہنچ گیا۔ زندگی کے اواخر میں بھی وہ امور خلافت کی ادائیگی میں ناکام نہیں ہوئے۔ بلکہ وہ اسی برس کی عمر کو پہنچنے کے باوجود جب شہید ہوئے تو تلاوت قرآن میں مشغول تھے۔" (ڈاکٹر موسی موسوی، الشیعہ والتصحیح، اردو ترجمہ بعنوان "اصلاح شیعہ"، ص ۸۹-۹۰)۔

ڈاکٹر موسوی بعد ازاں مزید لکھتے ہیں:-

"خلفاء کے متعلق طعنہ زنی اور اخلاق سے گرے ہوئے لب و لہجہ میں ان کی مذمت، جیسا کہ شیعہ کی اکثر کتب میں پائی جاتی ہے، جائز نہیں۔ یہ انداز گفتگو تمام اسلامی اور اخلاقی معیاروں کے منافی ہے۔ حتی کہ امام علیؓ کے کلام اور خلفاء کے حق میں ان کے توصیفی اور تعریفی کلمات سے بھی، جیسا کہ ہم پہلے درج کر چکے ہیں، بالکل متصادم ہے۔

شیعہ پر واجب ہے کہ خلفاء راشدین کا احترام کریں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کا تعلق پہچانیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکرؓ و عمرؓ کے داماد بنے۔ عثمانؓ، نبی کے دوبار داماد بنے۔ حضرت عمرؓ بن الخطاب حضرت علیؓ کے داماد بنے۔ ان کی بیٹی ام کلثومؓ سے نکاح کیا۔ اور میں اس دعوت تصحیح شیعیت میں شیعہ سے ہرگز یہ مطالبہ نہیں کروں گا کہ امام سے پہلے ہونے والے تین خلفاء کے متعلق ان کے بارے میں امام علیؓ کے فرامین سے بڑھ کر کچھ اعتقاد رکھیں۔ اگر شیعہ حضرت علیؓ کے رویہ کو اپنا لیں تو امت اسلامیہ پر فکری امن و سلامتی کا دور دورہ ہو جائیگا جس میں عظیم اسلامی وحدت کی ضمانت ہے۔"

۲- ان شیعہ کتب کی تطہیر جن میں خلفاء راشدین کے متعلق ائمہ شیعہ سے روایات ذکر کی گئی ہیں۔ اور مندرجات کی چھان پھٹک کے بعد ان کتابوں کو دوبارہ چھاپنا۔

۳- شیعہ کو یقینی طور پر یہ عقیدہ بنالینا چاہیے کہ وہ تمام روایات جو شیعہ کتب میں خلفاء کے متعلق اور خلافت کے موضوع پر نصوص الہیہ کے بارے میں ہیں، یہ وہی

روایات ہیں جو زمانہ غیبت کبریٰ کے بعد وضع کی گئیں۔ اور یہ اس زمانے میں ہوا جب کہ شیعہ کے آخری امام، مہدی، تک رسائی کے تمام دروازے بند ہو چکے تھے۔ جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ اسی لئے خلفاء راشدین کے حق میں طعن و تشنیع پر مشتمل روایات اور خلافت کے موضوع پر نصوص الہیہ کے بارے میں امام حسن عسکری کے زمانے تک کوئی نام و نشان نہیں ملتا، جو شیعہ کے گیارہویں امام تھے اور شیعہ ان تک براہ راست رسائی حاصل کر کے ان روایات کی صحت کے بارے میں دریافت کر سکتے تھے۔ جو ان کے آباء و اجداد اماموں کی طرف منسوب کی جا رہی تھیں۔ لیکن بارہویں امام کے غائب ہو جانے اور اس غیبت کے بعد انہیں دیکھنے کا دعویٰ کرنے والے کی کھلے لفظوں میں تکذیب کے باقاعدہ اعلان کے بعد ائمہ شیعہ کے نام سے بعض راویوں نے روایات وضع کرنا شروع کیں۔ کیونکہ امام تک پہنچنا اور ان روایات کی صحت و سقم کے بارے میں سوال کرنا محال ہو چکا تھا۔ چنانچہ ایسی احادیث اور قصے وضع ہوئے جنہیں پڑھتے ہوئے شرم کے مارے پیشانی عرق ندامت سے شرابور ہو جاتی ہے۔

۴۔ شیعہ دلوں میں نفرت رکھنے کی پالیسی سے دست کش ہوں۔ اور اگر یہ درحقیقت حضرت علیؓ کے انصار میں سے ہیں تو ان کے طرز عمل کو بھی اپنائیں اور اپنے بیٹوں کے نام خلفاء راشدین کے ناموں، اور بیٹیوں کے نام ازواج رسول کے ناموں پر رکھا کریں۔ میری مراد عائشہؓ و حفصہؓ سے ہے۔ کیونکہ شیعہ ان دو ناموں سے ناک بھوں چڑھاتے ہیں۔ امام علیؓ نے اپنے بیٹوں کے نام ابوبکر و عمر و عثمان رکھے۔ ائمہ شیعہ بھی اسی راہ پر چلے۔ ائمہ کی کتنی ہی بیٹیوں کا نام عائشہ و حفصہ ہو گا۔ یہ قطع نظر اس سے ہے کہ خلفاء راشدین کے ناموں پر نام رکھنے میں فرقہ بندی کے جذبات اور گروہ بندی میں بند رہنے سے نجات اور مسلمانوں کے ساتھ وسیع تر اتحاد میں داخل ہونے کا راستہ بھی ہے۔ (موسیٰ موسوی، الشیعۃ والتصحیح، اردو ترجمہ "اصلاح شیعہ" ص ۹۰-۹۱)۔

اس حوالہ سے یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ سیدنا جعفر الصادق کی ایک عابدہ اور زاہدہ بیٹی کا نام عائشہ تھا۔ جو عقیدہ توحید میں اتنی راسخ تھیں کہ اس بناء پر انہیں جہنم سے نجات کا یقین کامل تھا۔ (من قال لا الہ الا اللہ دخل الجنۃ)۔

مولانا اشرف علی تھانوی بیان فرماتے ہیں:۔

حضرت عائشہ بنت جعفر صادقؒ کا ذکر

ان کا رتبہ ناز کا تھا۔ یوں کہا کرتیں: اگر مجھ کو دوزخ میں ڈالا، میں سب سے کہہ دوں کی کہ میں اللہ کو ایک مانتی تھی، پھر مجھ کو عذاب دیا۔ ۱۴۵ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ اور باب قرافہ مصر میں مزار ہے۔" (اشرف علی تھانوی، بہشتی زیور، حصہ ہشتم ص ۴۳، تاج کمپنی لمٹیڈ لاہور، کراچی، پنڈی)۔

نیز امام موسیٰ کاظمؒ کی ایک بیٹی اور امام علی نقیؒ کی اکلوتی بیٹی کا نام بھی عائشہ تھا۔ (بحوالہ: جنگ، ۲۴ مارچ ۲۰۰۹ء)۔

ام المومنین سیدہ حفصہؓ بنت عمرؓ کی عظیم اسلامی خدمات میں امت پر آپ کا تاقیامت یہ خصوصی احسان ناقابل فراموش اور سرفہرست ہے کہ سیدنا ابوبکرؓ نے سیدنا عمرؓ کے مشورہ پر اجماع صحابہؓ سے جو اولین نسخہ قرآن جمع و تدوین کے ذریعے سرکاری و تحریری طور پر مرتب کروایا، وفات خلیفہ اولؓ و شہادت خلیفہ ثانی عمر فاروقؓ کے بعد ام المومنین سیدہ حفصہ کے پاس محفوظ رہا۔

اور امام و خلیفہ ثالث سیدنا عثمانؓ نے اسی "مصحف صدیقی" کو سیدہ حفصہ سے حاصل کر کے اختلاف قرأت کو دور کیا اور وہ مصحف عثمانی تیار ہوا جو آج تک پورے عالم اسلام میں زیر تلاوت ہے اور تاقیامت رہے گا۔

اس مصحف عثمانی کے سلسلہ میں شیعہ عالم شیخ جعفر سبحانی امام خمینی کے حوالہ سے فرماتے ہیں۔

واذا کان قدحصل ماحصل فی زمن الخلیفۃ الثالث فانہ لم یکن سوی توحید تلفظ مفردات القرآن، و ذلک حسب لھجۃ قریش لان القرآن الکریم نزل بلھجۃ ام القری ولاریب فی ان تلک اللھجۃ یجب ان تبقی مصانۃ۔"

(الشیخ جعفر السبحانی، ملامح القرآن، مقالہ در عربی مجلۃ "التوحید" طھران، ذوالقعدۃ، ذوالحجۃ ۱۴۲۰ھ، ص ۸۱)۔

ترجمہ:- خلیفہ ثالث (عثمانؓ) کے زمانہ (خلافت) میں صرف یہ کیا گیا کہ قرآن کے مفردات کے تلفظ کو قریش کے لہجہ کے مطابق یکساں (کر کے اختلاف قرأت دور) کر دیا گیا۔ کیونکہ قرآن "ام القریٰ" (مکہ) کے لہجہ میں نازل ہوا تھا اور بے شک اس لہجہ کو محفوظ رکھنا واجب ہے۔

ام المومنین سیدہ عائشہؓ و حفصہؓ کے حوالہ سے یہ بھی واضح رہے کہ قرآن مجید بنے

ان سمیت تمام ازواج رسول کو نہ صرف "امہات المؤمنین" قرار دیا ہے (وازوجہ امہاتھم۔ احزاب:٦) بلکہ تمام خواتین کائنات میں "یکتا و بے مثال" (یانساء النبی لستن کاحد من النساء۔ (احزاب : ٣٢) اور "اہل بیت رسول" و "مطہرات" (لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا۔ احزاب : ٣٣) بھی قرار دیا ہے۔ نیز سیدہ عائشہؓ کی عصمت و عفت اور تعظیم و برائت کے سلسلہ میں واقعہ افک کے بعد سورہ نور کی آیات نازل ہوئیں اور انہی سیدہ عائشہؓ کے حجرہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیگر ازواج مطہراتؓ کی اجازت سے آخری ایام گزارے اور یہیں وفات پائی پھر یہی حجرہ عائشہؓ روضہ رسولؐ قرار پایا۔ جس میں بعدازاں ثانی اثنین (توبہ : ٤٠) ابوبکرؓ ثم شہید مسجد نبوی عمر فاروقؓ مدفون ہوئے۔

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ (م ١٧ رمضان ٥٨ ھ، بروایت مشہور) نے وفات نبوی کے بعد تقریباً نصف صدی تک (١١ - ٥٨ھ) ہزاروں صحابہ و تابعینؒ کو قرآن و حدیث، فقہ و تفسیر اور دیگر علوم شرعیہ و عربیہ کی تعلیم دی۔ نیز دو ہزار سے زائد احادیث نبویہ آپ سے مروی ہیں۔ اور جس نبی نے سیدہ فاطمہؓ کو خاتون جنت قرار دیا، اسی نبی نے سیدہ عائشہؓ کے بارے میں فرمایا:۔

١۔ لا تؤذیننی فی عائشة۔ (متفق علیہ مشکاۃ المصابیح باب مناقب ازواج النبی)

ترجمہ:۔ عائشہ کے بارے میں مجھے تکلیف نہ پہنچاؤ۔

٢۔ فضل عائشة علی النساء کفضل الثرید علی سائر الطعام۔ (متفق علیہ، مشکاۃ المصابیح، باب بدء الخلق و ذکر الانبیاء علیھم السلام)

ترجمہ:۔ عائشہ کو تمام عورتوں پر اسی طرح فضیلت حاصل ہے جس طرح "ثرید" (عربوں کا نفیس ترین کھانا) کو تمام کھانوں پر فضیلت حاصل ہے۔

٣۔ سیدہ فاطمہؓ سے سیدہ عائشہؓ کے بارے میں جناب رسالت مآب نے فرمایا:۔

یابنیة! ألاتحبین ما احب؟ قالت: بلی۔ قال: فأحبی ھذہ۔ متفق علیہ مشکاۃ المصابیح، باب مناقب ازواج النبی)

ترجمہ:۔ اے میری بیٹی! کیا جس سے مجھے محبت ہے، تو اس سے محبت نہیں رکھے گی (سیدہ فاطمہؓ نے) فرمایا: ہاں کیوں نہیں۔ تو آپ نے فرمایا: پس اس خاتون

(عائشہ) سے محبت رکھو۔

۴۔ جبریل علیہ السلام نے سیدہ عائشہؓ کے بارے میں بطور خاص نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا:۔

هذه زوجتک فی الدنیا والاخرة۔ (مشکاة المصابیح، باب مناقب ازواج النبی)

ترجمہ:۔ یہ دنیا و آخرت میں آپ کی زوجہ ہیں۔

ان تمام آیات قرآن و احادیث صحاح ستہ کے پس منظر میں شیعہ عالم و مفکر ڈاکٹر موسی موسوی کا جنگ جمل کے حوالہ سے یہ بیان ملاحظہ ہو:۔

"شیعہ تو سیدہ عائشہؓ کو اس جنگ میں حضرت علیؓ کے مقابل نکلنے کو معاف کرنے پر آمادہ نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ام المومنین کے ساتھ ان کا رویہ، امام کے رویہ سے متعارض ہے۔ میں اس مقام پر وہ امور ذکر نہیں کرنا چاہتا جو سیدہ عائشہؓ کے حامی امام علیؓ کے بالمقابل ان کے خروج کو جائز ثابت کرنے کے لئے ذکر کرتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ معروف چیزیں ہیں۔ کتابوں کی دسیوں جلدوں میں یہ تذکرہ پھیلا ہوا ہے، انہیں دہرانے کا کوئی فائدہ نہیں، نہ ان کی کچھ ضرورت ہے۔

میں تو خالص شیعی منطق کے ساتھ نظریاتی دنگل کا خاتمہ کرنا چاہتا ہوں۔ یعنی امام علیؓ نے اس جنگ کی ذمہ داری سیدہ عائشہؓ پر نہیں ڈالی بلکہ انہیں اس سے بری قرار دیا جس کی انہوں نے قیادت کی امامؓ ہی وہ خلیفہ تھے جو لوگوں کے درمیان حق کے مطابق فیصلے فرماتے اور اس سے سر مو انحراف نہ کرتے جب حضرت امام نے یہ ذمہ داری اس گروہ پر ڈالی جنہوں نے ام المومنینؓ کی سادگی سے فائدہ اٹھا کر ایک منتخب شرعی خلیفہ کے خلاف جنگ کی قیادت کے لئے انہیں ان کے گھر سے نکالا، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ امام علیؓ کی نگاہ میں حضرت عائشہ جنگ جمل کے تمام متعلقات اور نتائج سے بری ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے سیدہ عائشہ کے ساتھ عزت و احترام کے ساتھ پیش آنے اور مدینہ واپس پہنچانے کا حکم دیا جیسا کہ تمام کتب تاریخ متفق ہیں تاکہ ثابت کرسکیں کہ حضرت امام جو عادل قاضی تھے، کی نگاہ میں سیدہ عائشہ بے گناہ تھیں۔ اب کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ حضرت امام کے عمل اور رائے کو چیلنج کرتے ہوئے حضرت عائشہ پر اعتراض کرے یا زبان طعن دراز کرے کہ حضرت امامؓ، جنگ جمل اور ام المومنین کی

ناکام قیادت پر گفتگو کرتے ہوئے بڑے زوردار انداز میں صراحت فرما چکے ہیں:۔

ان کا احترام اب بھی پہلے کی طرح واجب ہے، حساب لینا اللہ کا کام ہے۔"

(نہج البلاغہ، ج ۲، ص ۴۸) ۔

بہت سے مقامات پر حضرت علیؓ نے اس مسئلہ میں ان لوگوں کو ذمہ دار ٹھہرایا ہے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم پاک کے نام سے ناجائز فائدہ اٹھایا اور آپ کے الفاظ میں انہیں اپنے پیچھے لگا لیا۔ (نہج البلاغہ، ج ۳، ص ۸۴)۔

حسن اتفاق ہے کہ شیعہ علماء میں سے بھی بعض نے یہی موقف اختیار کیا جو ام المؤمنینؓ کے لائق ہے اور ان کے بارے میں جارحانہ کلام سے روکتے رہے چنانچہ سید مہدی طباطبائی جو بارہویں صدی کے شیعہ علماء میں سے تھے اپنے فقہی قصیدہ میں حضرت عائشہ کو مخاطب کر کے کہتے ہیں:۔

أیا حمیرا وسبک محرم۔ لأجل عین الف عین یکرم۔

اے حمیرا تمہیں سب وشتم کرنا حرام ہے

ایک آنکھ کی خاطر ہزار آنکھ کا احترام ضروری ہو جاتا ہے۔"

(ڈاکٹر موسیٰ موسوی، الشیعہ والتصحیح، اردو ترجمہ بنام "اصلاح شیعہ" ص ۸۱-۸۲)

ڈاکٹر موسیٰ موسوی کے معتدل شیعی نقطہ نظر کے حامل اس بیان کے تسلسل میں سنی نقطہ نظر سے یہ بھی پیش نظر رہے کہ نبی و علی کی پھوپھی صفیہؓ کے فرزند، سیدہ خدیجہؓ کے بھتیجے اور سیدہ عائشہؓ کے بہنوئی سیدنا زبیرؓ بن عوام نیز طلحہؓ بن عبید اللہ جنگ جمل میں سیدہ عائشہؓ کے زیر قیادت طالب قصاص عثمانؓ تھے احادیث صحاح ستہ کے مطابق دونوں "عشرہ مبشرہ" میں شامل اور بلسان نبوت جنتی قرار دیئے گئے ہیں:۔

طلحة فی الجنة و الزبیر فی الجنة۔ "طلحہ جنتی ہیں اور زبیر جنتی ہیں۔

(مشکاۃ باب مناقب العشرۃ، بروایت ابن ماجہ والترمذی) ۔

نیز حدیث نبوی کے مطابق نہ صرف قاتل زبیر جہنمی ہے (قاتل الزبیر فی النار) بلکہ طلحہ بن عبید اللہ کو بشارت شہادت ملی ہے۔

من سره ان ینظر الی شهید یمشی علی وجه الارض فلینظر الی طلحة بن عبیدالله۔ (مشکاة المصابیح باب مناقب العشرة، بروایت الترمذی)

ترجمہ:- جو اس بات سے خوش ہونا چاہے کہ زمین کے سینہ پر چلتے پھرتے کسی شہید کی زیارت کرے۔ تو وہ طلحہ بن عبیداللہ کو دیکھ لے۔

نیز امام ربانی مجدد الف ثانیؒ جنگ جمل کے ساتھ ساتھ جنگ صفین کے حوالہ سے بھی فرماتے ہیں:-

"غزالیؒ نے وضاحت فرمائی ہے کہ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کی جنگ خلافت کا مسئلہ نہیں تھی۔ یہ تو حضرت عثمانؓ کے قصاص کا اجتماعی مسئلہ تھا۔ شیخ ابن حجر نے تو اسے اہل سنت کے عقائد کا ایک حصہ قرار دیا ہے۔"

(صحابہ کرامؓ مکتوبات حضرت مجدد الف ثانیؒ کے آئینے میں، مؤلفہ پیرزادہ اقبال احمد فاروقی ص ۳۹، مکتبہ نبویہ لاہور ۱۹۹۷ء)

پس سیدہ عائشہؓ کے زیر قیادت سیدنا طلحہؓ کا جنگ جمل میں شرعاً شہید قرار پانا اور قاتل زبیرؓ ابن جرموز وغیرہ کا جہنمی قرار پانا (خواہ وہ لشکر علیؓ میں ہوں) بلسان نبوت ثابت شدہ ہے۔ بہرحال اس بحث سے قطع نظر کہ سیدہ عائشہؓ و طلحہؓ و زبیرؓ کے مشترکہ موقف طلب قصاص عثمان اور سیدنا علیؓ کے موقف بسلسلہ قصاص عثمانؓ کے حوالہ سے جنگ جمل میں کس کا موقف شرعاً زیادہ مضبوط تھا، شیعی نقطہ نظر سے یہ بات قابل ذکر ہے کہ شہادت طلحہؓ و زبیرؓ پر اظہار رنج و غم کرتے ہوئے جنگ جمل کے حوالہ سے سیدنا علیؓ نے یہ بھی فرمایا:-

ووددت انی مت قبل هذا الیوم بعشر بن سنة-

(علی شریعتی؛ قاسطین، مارقین، ناکثین، ص ۱۱۲، طہران، انتشارات قلم، ابانماہ ۱۳۵۸، چاپ دوم)

ترجمہ:- کاش میں آج کے دن سے بیس سال پہلے مر گیا ہوتا۔

ڈاکٹر موسی موسوی، سیدہ عائشہؓ کے بھتیجے (قاسم بن محمد بن ابوبکرؓ اور بھتیجی (اسماء بنت عبدالرحمن بن ابوبکرؓ) کے نواسے، امام جعفر الصادقؒ کے حوالہ سے یہ بھی فرماتے ہیں:-

"اور اس مقام پر ایک اور چیز غور و فکر کے لائق ہے۔ حضرت ابوبکرؓ سمیت خلفاء راشدین پر طعن و تشنیع کے متعلق شیعہ راویوں کی جملہ روایات کا خاتمہ کرنے کے لئے اس پر توجہ مرکوز کرنا ضروری ہے۔ وہ یہ کہ امام صادق جو اثنا عشری جعفری مذہب

کے بانی اور سربراہ سمجھے جاتے ہیں، کئی مقام پر فخریہ کہتے ہیں:-

"ابوبکر دو اعتبار سے میرے جد امجد ہیں۔"

امام صادق کا نسب دو طریقوں سے ابوبکر تک پہنچتا ہے۔ ایک تو ان کی والدہ فاطمہ بنت قاسم بن محمد بن ابی بکرؓ کے توسط سے، اور نانی اسماء بنت عبدالرحمان بن ابی بکر کے واسطہ سے جو فاطمہ بنت قاسم بن محمد بن ابی بکرؓ کی والدہ تھیں۔ لیکن تعجب کی بات ہے کہ ہمارے راویوں نے (اللہ انہیں معاف کرے) اسی امام سے جو اپنے جد امجد ابوبکرؓ پر فخر کرتا ہے، ایسی بے شمار روایات ذکر کی ہیں جن میں حضرت ابوبکرؓ پر حرف گیری کی گئی ہے۔ تو کیا یہ معقول ہے کہ ایک طرف تو امام اپنے جد امجد پر فخر کریں اور دوسری طرف ان پر زبان طعن دراز کریں؟ اس قسم کی بات عام بازاری آدمی سے تو صادر ہو سکتی ہے، لیکن معاذ اللہ اس امام سے صادر نہیں ہو سکتی جسے اپنے زمانہ و عہد کا سب سے بڑا فقیہ اور متقی سمجھا جاتا ہے۔"

(ڈاکٹر موسی موسوی، الشیعہ والتصحیح، اردو ترجمہ بعنوان "اصلاح شیعہ" ص ۸۵-۸۶)-

شیعہ زیدیہ فضیلت علیؓ کا عقیدہ رکھنے کے باوجود غیر افضل کی امامت درست سمجھتے ہیں اور اس بناء پر ابوبکرؓ و عمرؓ کو شرعی امام و خلیفہ تسلیم کرتے ہیں۔ ڈاکٹر موسوی شیعہ اثنا عشریہ کے بارے میں اسی موضوع کے حوالہ سے فرماتے ہیں:-

"شیعہ اور دیگر اسلامی فرقوں کے مابین اختلاف پر غور و فکر کے دوران میں اس قطعی نتیجے پر پہنچا کہ ان کے درمیان وجہ اختلاف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت یا حضرت علیؓ کا کسی دوسرے کے مقابلے میں خلافت کا زیادہ حقدار ہونا نہیں ہے۔ کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ زیدی شیعہ جو کروڑ سے زائد آبادی پر مشتمل فرقہ ہے، حضرت علیؓ کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت کا زیادہ حقدار ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ لیکن ان کے اور اہل سنت کے درمیان اخوت و محبت اور یگانگت کی فضا قائم ہے۔ لہذا ثابت ہوا کہ شیعہ اور دیگر اسلامی فرقوں کے مابین تنازع کا بنیادی سبب مسئلہ خلافت نہیں بلکہ خلفاء راشدین کے متعلق شیعہ کا رویہ اور ان پر طعن و تشنیع کرنے کی روش بد ہے۔ یہی وہ امر ہے جس سے زیدی شیعہ اور بعض دوسرے فرقے محفوظ ہیں۔ اگر امامیہ شیعہ بھی زیدی شیعہ کی روش پر اکتفاء کر لیتے تو یہ چپقلش کم ہو جاتی اور

اختلافات کے فاصلے سمٹ جاتے۔ لیکن شیعہ نے خلفاء راشدین کی تنقیص اور توہین شروع کر دی۔ جس سے فتنہ برپا ہوا۔"

(موسی موسوی، الشیعہ والتصحیح، اردو ترجمہ "اصلاح شیعہ"، ص ۹، مقدمہ)

سیدنا معاویہؓ کی خلافت اور صلح حسنؓ و معاویہؓ کے حوالے سے فرماتے ہیں:۔

"اگر امامت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور بارھویں امام تک صرف حضرت علیؓ کی اولاد میں منحصر ہوتی جیسے کہ شیعہ کا مذہب ہے تو ضروری تھا کہ حضرت علیؓ اپنے بیٹے حسنؓ کو اپنے بعد خلیفہ اور امام کے طور پر مقرر کرتے۔ جب کہ راویوں اور مورخوں کا اتفاق ہے کہ امام نے بھی ابن ملجم مرادی کی زہر آلود تلوار سے وار کے بعد جب بستر شہادت پر تھے اور ان سے پوچھا گیا کہ وہ کس کو خلیفہ بنا کر جا رہے ہیں تو فرمایا:۔

"میں تمہیں ویسے ہی (بلا تعیین خلیفہ) چھوڑ کر جا رہا ہوں جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چھوڑ کر گئے تھے۔"

امام کی وفات کے بعد مسلمان جمع ہوئے اور ان کے فرزند حضرت حسنؓ کو خلیفہ چن لیا اور خلیفۃ المسلمین کے طور پر ان کی بیعت کر لی۔ لیکن امام حسنؓ نے معاویہؓ کے ساتھ صلح کر لی اور خلافت سے دستبردار ہو گئے۔ امام نے صلح کی وجہ یہ بتائی کہ یہ مسلمانوں کی خونریزی روکنے کیلئے ہے۔

تم خود سوچو اگر خلافت منصب الٰہی ہوتا تو کیا حضرت امام حسنؓ خونریزی روکنے کیلئے اس حق سے دستبردار ہو سکتے تھے؟ جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ جب اللہ کے حکم اور شریعت کا دفاع کیا جا رہا ہو تو اس مقام پر خونریزی روکنے کا معنی ہی کچھ نہیں ہے۔ ورنہ پھر اللہ کی راہ میں اس کے دین و شریعت اور اوامر و نواہی کی مضبوطی کے لئے جہاد و قتال کے حکم کیا مطلب رہ جاتا ہے؟"

(ڈاکٹر موسی موسوی، الشیعہ والتصحیح، اردو ترجمہ بعنوان "اصلاح شیعہ"، ص ۸۳-۸۴)

ڈاکٹر موسوی، صلح حسنؓ و معاویہؓ کے حوالہ سے دوسری جگہ فرماتے ہیں:۔

"جہاں تک امام حسنؓ کا تعلق ہے جو شیعہ کے دوسرے امام تھے تو وہ بھی تقیہ اور لوگوں کو فریب دینے سے سب سے زیادہ پرہیز کرنے والے تھے۔ معاویہؓ کے ساتھ ان کی صلح اس کی شہادت دے رہی ہے۔ امام حسنؓ کا صلح کر لینا انقلابی اقدام تھا۔ اور

اس زمانہ کی رائے عامہ جو امام کو گھیرے ہوئے تھی، کے خلاف تھا۔ چنانچہ امام کو اپنے والد کے بہت سے ساتھیوں کی جانب سے جو کہ صلح نہیں چاہتے تھے، کھلی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ یہاں تک کہ سلیمان بن صرد نے جو کہ امام علیؑ کے بڑے حامیوں میں سے تھے، امام حسنؓ کو یہ کہہ کر مخاطب کیا:۔

السلام علیک یا مذل المؤمنین!

السلام علیک مومنوں کو ذلیل کرنے والے!

اس صلح کے مخالفین متشدد اور طاقتوار تھے۔ امام کو ان کی جانب سے بہت کچھ برداشت کرنا پڑا۔ لیکن اس سب نے امام کو کمزوری دکھانے پر مائل نہیں کیا۔ بلکہ انہوں نے اس مخالفت کا بہادروں کی طرح مقابلہ کیا۔ اب تم خود سوچ لو کہ اگر امام حسنؓ کے دل میں تقیہ کا کوئی مقام ہوتا تو کیا وہ معاویہؓ سے صلح کرتے یا ان لوگوں کی آواز پر لبیک کہتے جو انہیں اس بات پر آمادہ کرنا چاہتے تھے کہ اس وقت تک جنگ کی جائے جب تک معاویہ مسلمانوں کے ایک منتخب شرعی خلیفہ مان کر امام حسنؓ کی بیعت نہیں کر لیتے۔" (ڈاکٹر موسی موسوی، الشیعہ والتصحیح، اردو ترجمہ بعنوان "اصلاح شیعہ"، ص۹۹)۔

ڈاکٹر موسوی، قصہ حسینؓ و یزید کے حوالہ سے فرماتے ہیں:۔

"جب امام حسینؓ، یزید بن معاویہ کی خلافت کا تختہ الٹنے کے لئے اٹھے ہیں اور اپنے بیٹوں اور ساتھیوں سمیت کربلا میں شہید ہو گئے تو انہوں نے کبھی یہ نہیں کہا تھا کہ وہ آسمانی خلافت کا دفاع کر رہے ہیں جسے یزید نے چھین لیا ہے۔ بلکہ وہ صرف یہ کہتے تھے کہ وہ یزید کی نسبت زیادہ حق رکھتے ہیں اور یہ کہ ان جیسا آدمی یزید کے ہاتھ پر بیعت نہیں کر سکتا........"۔

(موسی موسوی، الشیعہ والتصحیح، اردو ترجمہ بعنوان "اصلاح شیعہ"، ص۸۵)۔

شیعان کوفہ کی غداری اور ابن زیاد کی جانب سے دست در دست یزید کی حسینی پیشکش کو بیعت ابن زیاد سے مشروط کرنے کے بعد کی صورتحال کے پس منظر میں اسی موضوع پر دوسری جگہ فرماتے ہیں:۔

"پھر امام حسینؓ کا دور آتا ہے جو یزید بن معاویہؓ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور انہوں نے ان لوگوں کی نصیحت بھی نہیں سنی جنہوں نے انہیں مدینہ میں رہنے

کامشورہ دیا تھا اور عراق کی طرف جانے سے منع کیا تھا۔ جو شخص بھی حسینی تحریک کا مطالعہ کرتا ہے، واضح طور پر جان لیتا ہے کہ امام حسینؓ اور ان کی اولاد و اصحاب کی شہادت اور ان کے اہل بیت کی گرفتاری معرکے سے پہلے ہی انکی نظروں کے سامنے تھی۔ اور یقین کی حد تک انہیں اس کا علم تھا۔ چنانچہ دس محرم کی رات کو حسین نے اپنے ساتھیوں کو جمع کیا اور کہا: کل جنگ ہونے والی ہے اور لامحالہ وہ شہید ہو جائیں گے۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں کو بیعت توڑنے کا اختیار دیا اور ان لوگوں کو جو اس اندھیری رات میں میدان جنگ چھوڑ کر جانا چاہتے تھے، جانے کی اجازت دیدی اور انہیں کہا:-

رات کو (اونٹ کی طرح) سواری بنالو اور اپنے ٹھکانوں کی طرف کوچ کر جاؤ۔

چنانچہ جانے والے چلے گئے اور ساتھ رہنے والے شہادت پانے اور بقائے دوام پانے والوں میں اپنا نام لکھوانے کے لئے ٹھہرے رہے۔ کیا اس قسم کی انقلابی تحریک میں شیعہ کو تقیہ یا کوئی ایسی چیز جس کا اس مزعومہ تقیہ سے دور کا بھی تعلق ہو نظر آتی ہے؟" (موسیٰ موسوی، الشیعہ والتصحیح، اردو ترجمہ بعنوان "اصلاح شیعہ"، ص ۹۹-۱۰۰)۔

ڈاکٹر موسوی کے ان تمام بیانات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ سیدنا معاویہؓ و حسنؓ و حسینؓ و یزید کے حوالہ سے مسئلہ امامت و خلافت نص الہیٰ کے بجائے صرف افضل و غیر افضل یا شرعاً زیادہ حقدار اور کم حقدار کا مسئلہ تھا، معرکہ کفر و اسلام کی حیثیت کا حامل ہرگز نہ تھا۔ نیز جن صحابہؓ و اکابر اہل تشیع (ابن جعفرؓ و ابن عباسؓ و ابن الحنفیہؒ وغیرہ) نے سیدنا حسینؓ کو عراق جانے سے منع فرمایا تھا، ان کی رائے میں خلافت یزید کے خلاف شیعان کوفہ و عراق کے بھروسے پر خروج ان کی سیدنا علیؓ و حسنؓ کے ساتھ سابقہ غداریوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے مناسب نہ تھا۔ جبکہ سیدنا حسینؓ نے بظاہر ان اکابر کی رائے کو اہمیت دینے کے باوجود شیعان کوفہ و عراق کو آل علیؓ سے اپنی وفاداری ثابت کرنے اور ماضی کی بےوفائیوں کی تلافی کا آخری موقع فراہم کرنے کا فیصلہ اس وقت فرمایا، جب مسلمؒ بن عقیلؓ کے توسط سے تصدیق اخلاص کوفیان ہو گئی۔ اور مسلم نے ہزاروں شیعان کوفہ کی دست مسلم پر بیعت حسینؓ کی بناء پر حسینؓ کو کوفہ تشریف لانے کا پیغام دے دیا۔ مگر ابن زیاد کے امیر کوفہ مقرر ہوتے ہی شیعان

کوفہ غداری کرتے ہوئے بیعت ابن زیاد کر گئے۔ اور شہادت حسینؓ و سانحہ کربلا کا باعث بن گئے۔اناللہ و انا الیہ راجعون۔

ڈاکٹر موسی موسوی نے اپنی معرکتہ الارا تصنیف "الشیعہ والتصحیح" (اردو ترجمہ بعنوان "اصلاح شیعہ، ۲۷۱ صفحات) میں دائرہ تشیع کے اندر رہتے ہوئے جن شیعی موضوعات پر تفصیلی بحث اور سعی اصلاح و تصحیح فرمائی ہے، ان میں درج ذیل موضوعات شامل ہیں:۔

امامت و خلافت۔ امام مہدی۔ تحریف قرآن۔ نماز جمعہ۔ اذان میں تیسری شہادت۔ جمع بین الصلاتین۔ خاک کربلا پر سجدہ۔ تقیہ، متعہ۔ رجعت۔ بدا۔ غلو۔ قبورِ ائمہ کی زیارت۔عاشوراء محرم کے روز ماتم۔ دہشت گردی۔ تحریک اصلاح و تصحیح۔۔۔

ڈاکٹر موسی موسوی ماتم و زنجیر زنی کے حوالے سے لکھتے ہیں:۔

"۱۳۵۲ ہجری میں جب شام کے سب سے بڑے شیعی عالم سید محسن امین عاملی نے ان جیسے اعمال کے حرام ہونے کا اعلان کیا اور اپنی رائے کے اظہار میں عدیم النظیر جرات کا مظاہرہ کرتے ہوئے شیعہ سے مطالبہ کیا کہ وہ یہ طوفان برپا کرنے سے باز آجائیں تو انہیں علماء کی صفوں میں سے ہی بعض مذہب کے ٹھیکیداروں کی طرف سے بڑی زور دار مخالفت کا سامنا کرنا پڑا، اور مذہب کے ان اجارہ داروں کے پیچھے حضرت علی (رض) کے الفاظ میں "کمینے، بے لگام اور بے وقوف" لوگوں کی طاقت تھی۔ اور قریب تھا کہ سید امین کے یہ "اصلاحی اقدامات ناکامی سے دوچار ہوتے، اگر ہمارے دادا مرحوم سید ابوالحسن شیعہ کے زعیم اعلی کی حیثیت سے ان کے موقف کی تائید کرکے ان کی پشت پناہی نہ کرتے۔ جد امجد نے ان اعمال کے خلاف سید امین کی رائے کے حق میں غیر مشروط تائیدی اعلان کیا اور اس کی حمایت میں فتوی جاری فرمایا۔

سید امین کی اصلاحی تحریک کے حق میں ہمارے دادا مرحوم کے تائیدی موقف کے بڑے دور رس اثرات ظاہر ہوئے۔ اگرچہ سید ابوالحسن کے خلاف بھی کئی مجتہدین اور فقہاء نے آواز اٹھائی، جیسا کہ اس سے قبل سید امین کا ان سے پالا پڑا تھا، مگر سید ابوالحسن نے بالاخر اپنے ارفع و اعلی مقام و مرتبہ کی وجہ سے سب کو زیر کر لیا۔ اور جمہور شیعہ نے اس بزرگ ترین رہنما کا فتوی تسلیم کرتے ہوئے اس کی اطاعت شروع کر دی۔ اور

آہستہ آہستہ ان اعمال شنیعہ میں کمی واقع ہونے لگی۔ اور یہ شیعیت کی سکرین سے غائب ہونے لگے۔ لیکن اس کے آثار بالکل مٹنے نہ پائے تھے، بلکہ کچھ کمزور سے مظاہر ابھی باقی تھے کہ جد امجد رحمہ اللہ ۱۳۶۵ھ میں وفات پا گئے تو شیعیت کی نوخیز لیڈر شپ نے نئے سرے سے لوگوں کو ان اعمال کے لئے اکسانا شروع کر دیا اور ان کے اثرات پھر سے شیعی دنیا میں رونما ہونے لگے، لیکن وہ صورت حال دوبارہ نہیں آئی جو ۱۳۵۲ھ سے پہلے تھی۔"

(ڈاکٹر موسی موسوی، الشیعہ والتصحیح، اردو ترجمہ بعنوان اصلاح شیعہ از ابو مسعود آل امام، مطبوعہ پاکستان، فروری ۱۹۹۰ء، ص ۱۷۹-۱۸۰)

ڈاکٹر موسی موسوی جیسے دانشور، سید محسن امین عاملی اور سید ابوالحسن اصفہانی جیسے جلیل القدر شیعہ علماء کے فتاوی وافکار کی تائید اور صفویوں کی رائج کردہ رسومات محرم کی مذمت کرنے کے بعد علماء و مفکرین کی ترجمانی کرتے ہوئے اصلاح احوال کے لئے فرماتے ہیں:-

"امامیہ شیعہ کے تعلیم یافتہ اور مہذب طبقہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ جاہل عوام کو ہر ممکن کوشش کرکے اس قسم کے کاموں سے روکیں جنھوں نے حضرت امام حسینؓ کی انقلابی تحریک کا چہرہ مسخ کرکے اس کی شکل بگاڑ دی ہے۔ اور مبلغ اور واعظ حضرات پر تو اس سے بھاری ذمہ داری ہے کہ وہ اس بارے میں واضح ترین کردار ادا کریں۔ یہاں میں پوری صراحت ووضاحت سے اس حقیقت کا اظہار کر دینا چاہتا ہوں کہ عاشورۂ محرم کو شہادت حسین کا مقصد و سبب، اس سے بہت بلند و بالا اور ارفع واعلی تھا جس کی تصویر آج شیعہ پیش کرتے ہیں۔ آپ نے ہرگز جام شہادت اس لئے نوش نہیں کیا تھا کہ لوگ ان کے غم میں روئیں، چہرے پیٹیں اور درماندہ مسکین کی سی صورت اختیار کریں، بلکہ امام ممدوح تو ظلم و استبداد کے مقابلے میں شجاعت و بہادری، عزم بالجزم اور جان تک قربان کر دینے کا موثر ترین درس دینا چاہتے تھے۔

چنانچہ (اگر ضروری بھی ہو تو) شہادت حسین کی یاد میں منعقد محفل امام کے مقام و مرتبہ کے شایاں شان اور طوفان بدتمیزی، جہالت، بیک وقت مضحکہ خیز اور رلا دینے والے اعمال سے ہٹ کر ہونی چاہیے۔ وہ ثقافتی اجتماعات کس قدر خوبصورت ہوں جن

میں بلیغ خطبے اور قصائد پیش کئے جائیں جو راہ حق میں جان دینے اور جہاد کرنے سے متعلق ہوں۔

اس طریقے سے تعمیری انداز میں حسینؓ کی یاد میں اپنی تربیت کرنی چاہئے۔ تخریبی انداز اختیار کر کے اپنے کو ہلاک نہیں کرنا چاہئے۔ اور ہم پر یہ فرض ہے کہ حمایت و مدافعت کے میدان میں حسین کا حق ادا کریں، نہ کہ مسئلے کا حلیہ بگاڑ کر موصوف کے ساتھ اہانت و بد سلوکی کے مرتکب ہوں۔ اگر ہم امام حسینؓ کے ساتھ محبت و نصرت کا جذبہ صادق رکھتے ہیں تو ہمیں مذکورہ طریقہ کار اختیار کرنا ہو گا۔"

(ڈاکٹر موسی موسوی، اصلاح شیعہ، ص ۱۸۱)۔

ماتم و زنجیر زنی کے حوالہ سے جانشین خمینی سید علی خامنائی کا یہ ارشاد بھی ملاحظہ ہو:۔

"لندن (ریڈیو رپورٹ) ایران کے روحانی پیشوا آیت اللہ خامنہ ای نے سوگواران حسین کو تلقین کی ہے کہ رسم عزاداری میں محض جوش و جنون کی بجائے ایمان اور ایثار کا مظاہرہ کیا جائے۔ بی بی سی کے مطابق انہوں نے کہا کہ زنجیر زنی اور ماتم سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شیعہ مسلمان باطل اعتقاد پر مبنی رسومات کے اسیر ہیں۔ ادھر ایرانی حکام نے عوام سے اپیل کی ہے کہ انہیں محرم کے موقع پر خون کے عطیات دے کر زیادہ معقول انداز میں جذبہ ایثار کا اظہار کرنا چاہئے۔ ریڈیو تہران نے ان مقامات کا اعلان کیا ہے جہاں نویں اور دسویں محرم کو انتقال خون کے یونٹ کام کر رہے ہوں گے۔"

(بحوالہ روزنامہ جنگ لاہور، مورخہ ۸ جون ۱۹۹۵ء/ ۹ محرم ۱۴۱۶ھ، ص ۸، کالم ۴ و بقیہ ص ۵، کالم ۸)

ڈاکٹر موسی موسوی اپنی مذکورہ تصنیف کے آخر میں "تحریک اصلاح و تصحیح" کے زیر عنوان فرماتے ہیں:۔

"افکار و آراء کی ہلاکت خیز اور غیر فطری دسیسہ کاریوں کی اصلاح کو قرآن کریم، سنت رسول، عقل اور فطرت سلیمہ سبھی فرض قرار دیتے ہیں۔ بلاشبہ جن پر تاثیر نصائح کے سوتے ان مصفی چشموں سے پھوٹیں گے، یقیناً صاف دلوں اور آمادہ بکار نفوس کو اپنی طرف کھینچ لیں گے اور ایسے قلب و مزاج کے لوگ فوج در فوج و رشد و ہدایت سے بہرہ ور ہوں گے۔" (موسی موسوی، الشیعہ والتصحیح، اردو ترجمہ بنام "اصلاح شیعہ" ص ۲۶۱)۔

ڈاکٹر موسوی یہ بھی فرماتے ہیں:۔

تحریک اصلاح و تصحیح جس کے لئے ہم نے شیعہ اور شیعیت کی تاریخ میں پہلی مرتبہ آواز بلند کی ہے بلاشبہ اسے شیعی دنیا کی سطح پر مختلف قسم کے رد عمل کا سامنا کرنا پڑے گا اور یہ رد عمل ہر طبقہ کے اعتبار سے ہو گا جہاں تک تحریک اصلاح کی آواز پہنچے گی اور یہ طبعی امر ہے کہ دینی زعماء اور فرقہ پرستی کے تاجروں کے گروہ جن کی قیادت مذہبی رہنما کریں گے اس تحریک اصلاح کے مقابلہ کے لئے پوری قوت و کوشش صرف کر دیں گے۔ ان لوگوں کو اس رد عمل کے اظہار میں جو کہ شدید بھی ہو سکتا ہے ہم معذور سمجھتے ہیں کیوں نکہ تحریک اصلاح و تصحیح کے خطرے نے ان کے عزو شرف، بے پناہ اختیارات نیز اس ڈھانچہ کو چیلنج کر رکھا ہے جس پر انہوں نے کئی صدیوں سے وسیع و عریض امیدوں کے محلات کی بنیاد رکھی تھی۔ البتہ اس میں بھی شک نہیں کہ فرزندان شیعہ میں تعلیم یافتہ، ہوشمند لوگوں کی واضح اکثریت اس پکار پر لبیک کہے گی اور سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح اس کا دفاع کرے گی کیونکہ اس میں دنیا کی عزت بھی ہے اور آخرت کی بھلائی بھی۔

اس مقام پر میں بیدار مغز طبقہ۔ جس کے ساتھ تحریک اصلاح کی کامیابی کی امیدیں وابستہ ہیں۔ کو نصیحت کرتے ہوئے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ کلمہ حق میں فی نفسہ ایک طاقت ہوتی ہے جو اسے زور دار بناتی ہے لوگوں کو اس کی طرف بلانے کیلئے کسی تشدد اور سنگدلی کے مظاہرہ کی ضرورت نہیں ہوتی اور ہمارے لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بہترین نمونہ ہے جیسا کہ اللہ تعالی انہیں مخاطب کر کے فرماتا ہے۔

ولو کنت فظا غلیظ القلب لا نفضوا من حولک۔

اگر تم بدخو اور سخت دل ہوتے تو یہ تمہارے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے۔"

ایک اور مقام پر مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے :

ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجا دلھم بالتی ھی احسن۔

اے پیغمبر! لوگوں کو دانش اور نیک نصیحت سے اپنے پروردگار کے راستے کی طرف بلاؤ اور بہت ہی اچھے طریقے سے ان سے مناظرہ کرو۔"

اس لئے جن لوگوں کے کندھوں پر دعوت اصلاح و تصحیح کی ذمہ داری ہے ان کا فرض ہے کہ دوسروں سے مخاطب ہوتے وقت خوش خلقی اور عدم تشدد کی راہ اختیار کریں۔" (ڈاکٹر موسیٰ موسوی، الشیعہ والتصحیح، اردو ترجمہ "اصلاح شیعہ" ص ۲۶۲-۲۶۳)۔

ڈاکٹر موسیٰ موسوی "تحریک اصلاح و تصحیح کے حوالہ سے مزید فرماتے ہیں:-

"ہم نے اس تحریک کی بنیاد کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور حضرت علیؓ کے قول و عمل پر رکھی، جنہیں خود شیعہ مذہب کے فقہاء اپنے لئے حجت مانتے ہیں۔

اس کے بعد اس تحریک کی بنیاد عقل کے مضبوط ستون پر قائم ہے جسے علماء شیعہ شرعی احکام کے استنباط کے ارکان میں سے چوتھا رکن مانتے ہیں۔یہ چاروں ستون علماء شیعہ پر حجت ہیں اور وہ کسی حالت میں بھی ان سے صرف نظر نہیں کر سکتے اور نہ انہیں منہدم کر سکے ہیں نہ کر سکیں گے۔"

اس مقام پر شروع کے مضمون کو دہراتے ہوئے صراحت کے ساتھ اشارہ کرنا ضروری ہے۔شیعہ روایات کی کتب خصوصاً وہ کتابیں جو ہمارے فقہاء کے نزدیک ثقہ اور قابل اعتماد تصور کی جاتی ہیں، ائمہ کی طرف منسوب ایسی روایات سے خالی نہیں ہیں جو ضروریات دین، اسلام کے بنیادی اصولوں سے واضح طور پر متصادم ہیں اور ان چاروں اصولوں سے بھی ٹکراؤ رکھتی ہیں۔جنہیں شیعہ فقہاء فقہی احکام کے استنباط کے لئے بنیاد مانتے ہیں۔ان کتابوں میں اس قسم کی من گھڑت اور آئمہ شیعہ کی طرف منسوب روایات، جنہوں نے مخالف کتاب و سنت اپنی طرف منسوب ہر روایت کو رد کر دینے کا حکم دیا، کو تحریک اصلاح اور اس کے مقاصد کے راستہ میں رکاوٹ ڈالنے کا ذریعہ بنایا جا سکتا ہے۔

اسی لئے ہم ہوشمند تعلیم یافتہ طبقہ کو جسے ہم اصلاح کا اول و آخر سہارا سمجھتے ہیں، تنبیہ کرتے ہیں کہ ایسی روایات میں، جن پر ہمارے فقہاء و علماء شیعہ مذہب میں اضافہ کی گئی بدعات کو ثابت کرنے کے لئے اعتماد کرتے ہیں،کتاب اللہ، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور عقل سلیم کو فیصل بنائیں اور ہر شخص کو ان غلط، صحیح، رطب و یابس باتوں کے معاملے میں جو انہیں آئمہ سے وارد ہونے والی روایات کے نام سے سنائی جاتی ہیں، خود فیصل بننا ہو گا۔صدیوں سے شیعہ کے قلوب و اذھان پر ڈالی گئی زنجیروں کے بندھنوں سے خلاصی پانے کا یہی واحد طریقہ ہے۔" (اصلاح شیعہ ص ۲۶۶-۲۶۷)۔

باب چہارم

فکر شیعی میں یزید

خلاصہ و نتیجہ بحث و تحقیق

۴- فکر شیعی میں یزید - خلاصہ و نتیجہ بحث و تحقیق

قرن اول سے عصر جدید تک مختلف زمان و مکان سے تعلق رکھنے والے اہم اکابر اہل تشیع کے ان اقوال و بیانات سے نہ صرف شیعی نقطہ نظر سے مسئلہ امامت و خلافت کے مختلف و متنوع پہلو سامنے آتے ہیں، بلکہ سیدنا ابوبکر و عمر و عثمان نیز سیدنا علی و حسن و معاویہ رضی اللہ عنہم کی امامت و خلافت کے تسلسل میں یزید کی امامت و خلافت کی شرعی حیثیت کے بارے میں بھی مختلف پوشیدہ امور واضح ہو جاتے ہیں۔ اور سیرت و بیعت یزید، شیعان کوفہ کی جانب سے سیدنا حسینؓ کو کوفہ میں بہتر خلافت حسینی کے قیام کی دعوت اور بعد ازاں ان سے غداری و بیعت یزید و ابن زیاد کے حوالہ سے بھی اصل حقائق منکشف ہو جاتے ہیں۔ علاوہ ازیں بدلے ہوئے حالات میں دست در دست یزید کی حسینی پیشکش اور ابن زیاد کا پہلے اپنی بیعت پر اصرار کر کے صورتحال بگاڑ دینا نیز واقعات کربلا سمیت مختلف متعلقہ امور خود افکار اہل تشیع کی رو سے واضح تر ہو جاتے ہیں۔ جن کی روشنی میں مذہبی و تاریخی حقائق وہ نہیں قرار پاتے جو بنوامیہ اور یزید کی امامت و خلافت کے حوالہ سے صدیوں کے منفی شیعی پروپیگنڈہ کے نتیجہ میں مشہور و معروف اور زبان زد عام ہیں۔ مگر جن کی تردید خود مختلف اکابر اہل تشیع کے اقوال و افعال کرتے ہوئے شخصیت و خلافت یزید کو شرعاً یا عملاً قابل قبول قرار دیتے ہیں۔ نیز قتل حسینؓ اور حادثہ کربلا کی بنیادی ذمہ داری بھی یزید کے بجائے اولاً شیعان کوفہ اور ثانیاً ابن زیاد پر عائد کرتے ہیں۔ ان تمام علمی و تاریخی حقائق کا غیر جذباتی اور بلا تعصب تحقیقی مطالعہ خود عصر جدید کے اہل تشیع کے لئے غور و فکر کی ایسی راہیں وا کر سکتا ہے جو مختلف شیعہ اکابر اور فرقوں (کیسانیہ، زیدیہ، اسماعیلیہ، اثنا عشریہ، نور بخشیہ وغیرہ) کے مختلف و متضاد مواقف میں عقلی و تاریخی لحاظ سے حتی الامکان ربط و یکسانیت

پیدا کرنے کا باعث ہو۔ نیز یہ مختلف النوع افکار و اقوال اکابر اہل تشیع عصر جدید کے تمام علماء و محققین اسلام و تشیع کو بھی اس موضوع پر نو دریافت شدہ علمی و تاریخی حقائق کی روشنی میں از سر نو غور و فکر کی دعوت دیتے ہیں۔

وباللہ التوفیق وھوالمستعان وانہ علی کل شئی قدیر۔

ان اقوال اکابر اہل تشیع بسلسلہ یزید سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ امامت و خلافت و مقام یزید کے بارے میں عمومی شیعی نقطہ نظر، عقیدہ امامت منصوصہ و معصومہ علیؓ و آل علیؓ سے مربوط و منسلک ہے۔ اس عقیدہ امامت منصوصہ و معصومہ کا موضوع بحث محض امامت و خلافت یزید نہیں بلکہ اس سے پہلے صحابہ راشدینؓ سیدنا ابوبکر و عمر و عثمان نیز علی و حسن و معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم کی امامت و خلافت کی نوعیت و حیثیت بھی ہے۔ چنانچہ کم و بیش تمام شیعہ فرقوں کا بطور مجموعی، عقیدہ امامت منصوصہ و معصومہ علیؓ و آل علیؓ پر ایمان ہے۔ اور اسے توحید و رسالت و قیامت کے تین متفق علیہ اسلامی اصول دین کی طرح اصول دین میں شمار کرتے ہیں۔ اور اسی عقیدہ امامت منصوصہ و معصومہ کی بناء پر امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور دیگر متقدم و متاخر اکابر امت، اہل تشیع کو منکرین ختم نبوت قرار دیتے ہیں:۔

"امام باصطلاح ایشان معصوم، مفترض الطاعه، منصوب للخلق است، و وحی باطنی در حق امام تجویز می نمایند. پس در حقیقت ختم نبوت رامنکر اند، گو بزبان آنحضرت صلی اللہ علیه وسلم را خاتم الأنبیاء می گفته باشند۔"

(شاہ ولی اللہ، تفہیمات الہیہ، ص ۲٦٦)۔

ترجمہ: شیعوں کی اصطلاح کے مطابق امام، معصوم، اس کی اطاعت فرض اور وہ مخلوق کے لئے (اللہ کی طرف سے) مقرر و نامزد ہوتا ہے۔ نیز وہ امام کے لئے وحی باطنی کے قائل ہیں۔ پس اگرچہ وہ زبان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الأنبیاء کہتے ہیں، مگر در حقیقت ختم نبوت کے منکر ہیں۔

امام الہند شاہ ولی اللہ "موطا امام مالک" کی عربی شرح "المسوی" میں عقیدہ امامت منصوصہ و معصومہ کے حاملین کو زندیق قرار دیتے ہوئے رقمطراز ہیں:۔

"او قال ان النبی صلی اللہ علیه وسلم خاتم النبوة لکن معنی هذا

الكلام أنه لا يجوز أن يسمى بعده أحد بالنبی- وأما معنی النبوة وهو كون الانسان مبعوثاً من الله تعالى الى الخلق، مفترض الطاعة معصوماً من الذنوب و من البقاء على الخطاء فيما يرى فهو موجود فی الأئمة بعده، فذلک هو الزنديق- وقد اتفق جماهير المتأخرين من الحنفية والشافعية على قتل من يجری ذلک المجری-"

(شاہ ولی اللہ، المسوی شرح الموطا للامام مالک، دھلی، ۱۲۹۳ھ، ج ۲، ص ۱۱۵)-

ترجمہ: یا جو شخص یہ کہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبوۃ (خاتم النبیین) ہیں- لیکن اس کا مطلب اور تقاضا بس یہ ہے کہ آپ کے بعد کسی کو نبی کا نام نہیں دیا جائیگا- البتہ نبوت کا جو معنی و مفہوم ہے یعنی کسی انسان کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے مخلوق کی طرف مبعوث و نامزد ہونا، اس کی اطاعت کا فرض ہونا، اس کا گناہوں سے اور رائے میں غلطی اور اس پر قائم رہنے سے محفوظ و معصوم ہونا، تو یہ سب صفات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اماموں میں موجود ہیں- پس ایسے خیالات رکھنے والے زندیق ہیں- اور جمہور متاخرین حنفیہ و شافعیہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ لوگ (شرعی حکومت کے تحت) سزائے موت کے مستحق ہیں-

(شاہ ولی اللہ کی طرح اہل تشیع کو عقیدہ امامت منصوصہ و معصومہ کی بناء پر منکرین ختم نبوت قرار دینے والے اکابر اہل سنت کے افکار و فتاویٰ سے واقفیت کے لئے ملاحظہ ہو:- خمینی اور شیعہ کے بارے میں علماء کرام کا متفقہ فیصلہ، مطبوعہ "الفرقان" لکھنؤ اشاعت خاص، دسمبر ۱۹۸۷ تا جولائی ۱۹۸۸، و مطبوعہ پاکستان)-

بہر حال اگر عقیدہ امامت منصوصہ و معصومہ کو عقیدہ ختم نبوت کے منافی قرار دینے کے سلسلہ میں شاہ ولی اللہؒ سمیت جملہ اکابر اہل سنت کی آراء و فتاویٰ کو یہاں زیر بحث نہ لایا جائے تو خالص شیعی نقطہ نظر سے عقائد و اقوال اکابر اہل تشیع کی روشنی میں درج ذیل نقاط بطور خلاصہ و نتیجہ قابل توجہ ہیں- جن سے مدلل جزوی یا کلی اختلاف کا حق ہر ناقد و محقق کو حاصل ہے:-

۱- اہل تشیع کے اول امام منصوص و معصوم سیدنا علیؓ نے اپنی امامت و خلافت منصوصہ و معصومہ قائم کرنے کے بجائے شورائیت و اجماع صحابہؓ کی بنیاد پر منتخب شدہ امام اول و دوم و سوئم، سیدنا ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کی امامت و خلافت

(۱۱-۳۵ھ) کی بیعت فرمائی۔ اور شہادت عثمانؓ (۱۸ ذوالحج ۳۵ھ) تک مسلسل پچیس برس تک ان ائمہ و خلفاء ثلاثہ کی یکے بعد دیگرے بیعت کر کے اس پر سختی سے قائم رہے۔ نیز ان غیر منصوص و غیر معصوم ائمہ ثلاثہ کے مشیر و معاون بنے رہے۔ اور آپ کے ہمراہ اہل تشیع کے دوسرے اور تیسرے امام منصوص و معصوم سیدنا حسنؓ و حسینؓ بھی سیدنا ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ کی امامت و خلافت کی بیعت پر قائم رہے۔ (اگرچہ شیعہ اثنا عشریہ بالعموم اس بیعت کو تقیہ پر مبنی قرار دیتے ہیں مگر دیگر شیعہ فرقے (زیدیہ تفضیلیہ وغیرہ) اسے بلا تقیہ بیعت شرعیہ قرار دیتے ہیں۔ اور افضل (علیؓ) کی موجودگی میں غیر افضل (ابوبکرؓ و عمرؓ) کی امامت کو درست تسلیم کرتے ہیں۔ نیز زیدیہ وغیرہ کے نزدیک علیؓ کے حق میں شخصاً و صراحتاً نص نہ تھی)۔

۲- اہل تشیع کے دوسرے امام منصوص و معصوم سیدنا حسنؓ شہادت علیؓ (رمضان ۴۰ھ) کے بعد چند ماہ منصب امامت و خلافت امت پر فائز رہے۔ پھر کاتب الوحی و برادر ام المؤمنین سیدنا معاویہؓ کے حق میں دستبردار ہو کر سیدنا حسینؓ کے ہمراہ ان کی امامت و خلافت کی بیعت کر لی۔ جس پر سیدنا حسنؓ اپنی وفات (۵۰ھ) تک دس سال قائم رہے۔ اور آپ کے بعد تیسرے امام منصوص و معصوم سیدنا حسینؓ نے مزید دس برس وفات معاویہؓ (رجب ۶۰ھ) تک کل بیس برس اس بیعت معاویہؓ کو قائم رکھا۔ اور سیدنا معاویہؓ کے مقابلے میں نہ سیدنا حسنؓ نے اور نہ ہی بعد ازاں سیدنا حسینؓ نے کوئی متوازی امامت و خلافت منصوصہ و معصومہ قائم فرمائی۔

۳- تمام اہل تشیع کے متفق علیہ منصوص و معصوم، امام اول و دوم و سوئم سیدنا علیؓ و حسنؓ و حسینؓ کے بعد شیعہ اثنا عشریہ کے چوتھے امام منصوص و معصوم علی زین العابدینؒ کے مقابلے میں (بروایت دیگر اس سے بھی پہلے حسنؓ و حسینؓ کے مقابلے میں) ان کے چچا امام محمد بن علیؓ (ابن الحنفیہؒ) نے اپنی امامت کا دعویٰ فرمایا اور شیعہ فرقہ کیسانیہ وجود میں آیا۔

۴- شیعہ اثنا عشریہ کے پانچویں امام منصوص و معصوم سیدنا محمد الباقر کے مقابلے میں ان کے بھائی امام زید بن علی زین العابدینؒ نے اپنی امامت کا دعویٰ فرمایا اور شیعہ فرقہ زیدیہ وجود میں آیا۔ جس کے پیروکار آج بھی بلاد یمن وغیرہ میں کئی ملین کی

تعداد میں موجود ہیں۔

۵- شیعہ اثنا عشریہ کے چھٹے امام منصوص و معصوم سیدنا جعفر الصادقؓ نے جب اپنے بڑے بیٹے اسماعیل بن جعفر کی اچانک وفات پر امامت اپنے چھوٹے بیٹے موسی الکاظم کو منتقل فرمائی تو امام اسماعیل کے فرزند محمد المکتوم نے اپنے چچا موسی الکاظم کے مقابلے میں اپنی امامت کا دعویٰ فرمایا۔ جس سے شیعہ فرقہ اسماعیلیہ وجود میں آیا۔ جس کے کئی ملین پیروکار برصغیر، افریقہ، یورپ وغیرہ میں موجود ہیں۔

۶- شیعہ اثنا عشریہ کے ساتویں امام موسی الکاظم کی اولاد میں سے امام سید محمد نور بخش (۷۹۵-۸۶۹ھ) نے ایران میں اپنی امامت نیز اثنا عشری بارھویں امام محمد المہدی کے مقابلے میں مہدی آخرالزماں ہونے کا دعوی فرمایا اور شیعہ فرقہ "امامیہ نور بخشیہ" وجود میں آیا۔ جس کے پیروکار آج بھی گلگت و بلتستان اور کشمیر و ایران میں لاکھوں کی تعداد میں موجود ہیں۔

اس طرح مختلف شیعہ فرقے کیسانیہ، زیدیہ، اسماعیلیہ، نور بخشیہ، اثنا عشریہ وغیرہ ایک دوسرے کے مختلف ائمہ کا انکار کر کے عقیدہ امامت منصوصہ و معصومہ کو باہم مجروح و منسوخ کرنے کا باعث ہیں۔ اگر ائمہ اہل تشیع نبیوں رسولوں کی طرح اللہ کی طرف سے مقرر شدہ (منصوص من اللہ) اور "معصوم عن الخطا" ہوتے تو کم از کم تمام شیعہ فرقوں کا ان کی تعداد اور انکی امامت منصوصہ و معصومہ پر مکمل اتفاق و اتحاد ہوتا۔ اور مختلف فرقوں کے ائمہ کرام اپنے ہی بھائیوں بھتیجوں کے مقابلے میں امامت کے دعویدار نہ بتلائے جاتے۔ اور نہ ہی اختلاف امامت کی بناء پر مختلف شیعہ فرقے ایک دوسرے کے ذخیرہ تفسیر و حدیث و اصول و عقائد وغیرہ کو باہم مسترد کرتے۔

(جب کہ اس کے برعکس نوے فیصد سے زائد مسلمانوں پر مشتمل "اہل سنت و الجماعت" چودہ صدیوں سے قرآن و حدیث، اصول و عقائد، فقہ و تفسیر اور تاریخ و تصوف کے مشترکہ ذخیرہ کے حامل ہیں اور ایک لاکھ سے زائد صحابہ کرامؓ کے ساتھ ساتھ مذکورہ تمام ائمہ اہل تشیع کو بھی صحیح العقیدہ غیر منصوص و غیر معصوم اکابر امت تسلیم کرتے ہوئے ان سے منسوب منفی شیعی روایات و احادیث کو غلط قرار دیکر ان کی عظمت و احترام کا تحفظ کرتے ہیں)۔

۷۔ "اگر امامت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور بارہویں امام تک صرف حضرت علیؓ کی اولاد میں منحصر ہوتی، جیسے کہ شیعہ کا مذہب ہے، تو ضروری تھا کہ حضرت علیؓ اپنے بیٹے حسنؓ کو اپنے بعد خلیفہ اور امام کے طور پر مقرر کرتے۔ جبکہ راویوں اور مؤرخوں کا اتفاق ہے کہ امام نے بھی ابن ملجم کی زہر آلود تلوار سے وار کے بعد جب بستر شہادت پر تھے اور ان سے پوچھا گیا کہ وہ کس کو خلیفہ بنا کر جا رہے ہیں تو فرمایا:-

"میں تمہیں ویسے ہی (بلا تعیین خلیفہ) چھوڑ کر جا رہا ہوں جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چھوڑ کر گئے تھے۔"

امام کی وفات کے بعد مسلمان جمع ہوئے اور ان کے فرزند حضرت حسنؓ کو خلیفہ چن لیا اور خلیفۃ المسلمین کے طور پر ان کی بیعت کر لی۔ لیکن امام حسن نے معاویہؓ کے ساتھ صلح کر لی اور خلافت سے دستبردار ہو گئے۔ امام نے صلح کی وجہ یہ بتائی کہ یہ مسلمانوں کی خونریزی روکنے کیلئے ہے۔

تم خود سوچو اگر خلافت منصب الٰہی ہوتا تو کیا امام حسن خونریزی روکنے کیلئے اس حق سے دستبردار ہو سکتے تھے؟ جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ جب اللہ کے حکم اور شریعت کا دفاع کیا جا رہا ہو تو اس مقام پر خونریزی روکنے کا معنی ہی کچھ نہیں ہے۔ ورنہ پھر اللہ کی راہ میں اس کے دین و شریعت اور اوامر و نواہی کی مضبوطی کے لئے جہاد و قتال کے حکم کیا مطلب رہ جاتا ہے؟" (ڈاکٹر موسی موسوی، اصلاح شیعہ، ص ۷۵)۔

۸۔ "عصمت درحقیقت امام کے حق میں نقص کے سوا کچھ بھی نہیں۔ اس میں کوئی مدح نہیں۔ کیونکہ شیعی مفہوم کے مطابق عصمت کا معنی یہ ہے کہ آئمہ اپنی ولادت سے لیکر وفات تک اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے اس کی کسی نافرمانی کے مرتکب نہیں ہوتے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان میں شر پر خیر کو فضیلت و ترجیح دینے کا ارادہ مفقود تھا۔ میں نہیں جانتا کہ جب کوئی شخص ایسے ارادے کی بدولت جو اس کی ذات سے خارج ہے، برائی کرنے پر قادر ہی نہیں، کونسی قابل فخر عصمت ہے؟ ہاں اگر عصمت کا یہ مطلب ہو کہ آئمہ گناہ پر قادر ہونے کے باوجود عالی نفسی، اخلاق میں قوی ملکہ اور رکاوٹ کی بناء پر ہرگز نافرمانی نہیں کرتے تو یہ بات معقول اور عقل و منطق سے مطابقت رکھتی ہے۔ لیکن اس صورت میں ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ قوت نفس معدودے

چند اشخاص کے ساتھ خاص ہے۔ یا صرف ہمارے آئمہ کے ساتھ خاص ہے۔ بلکہ یہ یسی صفت ہے جس کے ساتھ ہر انسان متصف ہو سکتا ہے۔ بشرطیکہ حدود الہی کی پابندی کرے، اس کے اوامر کی فرمانبرداری کرے، نواہی سے باز رہے" (ڈاکٹر موسی موسوی، اصلاح شیعہ، ص ۱۴۵-۱۴۶)

"علوی تشیع میں عصمت

یعنی ایسے فکری و اجتماعی رہنماؤں کے تقوی و پاکیزگی پر اعتقاد رکھنا جو لوگوں کے ایمان و علم و حکمت کے ذمہ دار پیشوا ہیں۔ یعنی خیانت کار حکومت کی نفی، غیر صالح عالم، غیر صحیح روحانی پیشوا اور زدستگاہ خلافت سے وابستہ رہنماؤں کا انکار کرنا۔"
(ڈاکٹر علی شریعتی، تشیع علوی و تشیع صفوی، ص ۲۵۹)۔

"صفوی تشیع میں عصمت"

یعنی ان غیبی وجودوں کی ذات مخصوص اور استثنائی صفت جو نوع انسان خاکی میں سے نہیں ہیں۔ اور خطاء و لغزش کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے۔ اور اس بات پر اعتقاد کہ وہ چودہ تن اسی قسم کی ذات ہای والا صفات تھیں۔"
(ڈاکٹر علی شریعتی، تشیع علوی و تشیع صفوی، ص ۲۵۹)۔

۹- بنوامیہ کا صد سالہ دور خلافت (۴۱-۱۳۲ھ) عظیم الشان اسلامی دور ہے:-

"یقین جانئے صحیح اسلام جامد نہیں بلکہ متحرک و فعال تھا اور ہے۔ امویوں کے شاندار عہد میں وہ فعال و متحرک، سیدھا سادہ، خالص و بے میل رہا۔ اور اس کی بنیادیں کشادہ اور گہری رہیں۔ اتنی کشادہ اور گہری کہ آئندہ کی تمام کمزوریوں کے باوجود، منگولوں کی تاخت و تاراج کے، اور اس کے بعد اس سے بھی زیادہ خطرناک یورپ دشمنی کے باوجود وہ قائم و برقرار رہا۔

آپ اپنے مؤرخین سے مطالبہ کیجئے اور اپنے مفکرین سے کہئے کہ وہ اس شاندار صد سالہ اموی دور پر اپنی توجہ مرکوز کریں۔ اور اس کے سیدھے سادے عقیدے، کشادہ ذہنیت، نیز قانونی اور متکلمانہ جکڑ بندیوں سے آزاد و فعال خصوصیت کو بطور مثال کے سامنے رکھیں" (سر آغاخان، فروری ۱۹۵۱، کراچی، بعنوان اسلامی مملکتوں کی تاریخ عروج و زوال و مستقبل کی توقعات)۔

"دنیائے اسلام کی صدیوں کی تباہی اور بربادی کے بعد پاکستان بحیثیت سب سے پہلی عظیم ترین اسلامی مملکت کے عالم وجود میں آیا ہے۔ اس لئے یہ موزوں ترین وقت ہے کہ اسلامی تاریخ کے اس عظیم الشان دور یعنی بنی امیہ کے درخشاں دور صد سالہ کی بھی تاریخ لکھی جائے اور پاکستانی پبلک کے سامنے پیش کی جائے۔ جن کو اپنے ماضی کے سچے اور بے لاگ تناظر و تبصرے کی شدید حاجت ہے۔"

(اقتباس پیش لفظ نوشتہ سر سلطان محمد شاہ آغا خان، مندرجہ "دی گریٹ امیہ" مؤلفہ محمد اے حارث)۔

۱۰- سیدنا معاویہؓ کے بعد یزید کی ولی عہدی اور امامت و خلافت، باپ کے بعد بیٹے کی تقرری کے حوالہ سے شیعی نقطہ نظر سے قابل اعتراض قرار نہیں دی جا سکتی کیونکہ شیعی عقیدہ امامت و خلافت کی رو سے باپ کے بعد بیٹا ہی منصب امامت و خلافت منصوصہ و معصومہ کے لئے نامزد و جانشین قرار پاتا ہے اور سیدنا علیؓ و حسنؓ و حسینؓ کے بعد اولاد حسینؓ میں یہ سلسلہ جاری و ساری رہا۔ نیز سیدنا علیؓ کے بعد سیدنا حسنؓ نے منصبِ خلافت سنبھالا تو کسی نے یہ اعتراض نہیں کیا تھا کہ باپ کے بعد بیٹے کا خلیفہ بننا خلاف شریعت ہے۔ اسی طرح یزید سے افضل افراد کی موجودگی میں یزید کا امام و خلیفہ بننا بھی قابل اعتراض نہیں کیونکہ اہل تشیع (زیدیہ و تفضیلیہ وغیرہ) افضل کی موجودگی میں غیر افضل کی امامت درست قرار دیتے ہیں۔

۱۱- یزید پر فاسق و فاجر ہونے کا الزام اس لئے غلط و ناقابل اعتبار قرار پاتا ہے کہ برادر حسینؓ و امام شیعہ کیسانیہ امام محمد بن علیؓ (ابن الحنفیہؒ) نے یزید پر شراب نوشی و فسق و فجور کا الزام لگانے والوں کے جواب میں یزید کے پابند نماز و سنت، مسائل فقہ سے واقف اور کار خیر میں سرگرم ہونے کی علی الاعلان شہادت دی اور بیعت یزید توڑنے سے انکار کر دیا۔

"وقد حضرته وأقمت عنده فرأيته مواظباً على الصلاة، متحرياً للخير، يسأل عن الفقه، ملازماً للسنة." (ابن كثير، البداية ۲۳۳/۸، وشیعہ کتاب سرالجلیل)

میں یزید کے پاس گیا ہوں اور اس کے ہاں مقیم رہا ہوں پس میں نے اسے نماز کا پابند، کار خیر میں سرگرم، مسائل فقہ پر گفتگو کرنے والا اور پابندِ سنت پایا ہے۔

عمزاد نبی و علیؓ، اہل بیت ہاشمی، ترجمان القرآن عبداللہ بن عباسؓ نے مکہ میں وفات معاویہؓ کی خبر سن کر دعائے مغفرت کے بعد یزید کو ان کے خاندان کا صالح فرد قرار دیا۔ اور لوگوں کو اس کی بیعت کرنے کی تلقین کی:۔

"ان ابنه يزيد لمن صالحي اهله فالزموا مجالسكم واعطوا بيعتكم"۔

ان کا بیٹا یزید ان کے خاندان کے صالحین میں سے ہے پس اپنی اپنی جگہ ٹکے رہو اور بیعت کرلو۔ (بلاذری، انساب الاشراف، جز ۴، قسم ثانی، ص ۴، والامامہ والسیاسہ ص ۲۱۳)۔

۱۲- یزید کی امامت و خلافت کی بیعت سیدنا حسینؓ و عبداللہ بن زبیرؓ اور ان کے رفقاء و مؤیدین کی ایک مختصر جماعت کے سوا پچاس لاکھ سے زائد مربع میل پر مشتمل پورے عالم اسلام کے جملہ صحابہؓ و اہل بیتؓ نیز تابعین و عامۃ المسلمین نے کی۔ جن میں اکابر اہل تشیع سیدنا عبداللہ بن عباسؓ ہاشمی قرشی، داماد علیؓ سیدنا عبداللہ بن جعفر طیارؓ ہاشمی قرشی، جابر بن عبداللہ انصاریؓ، برادر حسینؓ محمد بن حنفیہؒ ہاشمی قرشی اور دیگر اکابر قریش و بنی ہاشم سر فہرست تھے۔ یہ تمام پیکران جرأت و شجاعت جلیل القدر صحابہؓ و اہل بیتؓ نہ تو باطل سے دبنے والے تھے اور نہ کسی غیر شرعی حکومت کی تائید کرنے والے تھے۔ حتیٰ کہ ابن عباس و ابن جعفر و ابن الحنفیہ جیسے اکابر صحابہ و اہل بیت رضی اللہ عنہم نے سیدنا حسینؓ کو بھی شیعان کوفہ کے بھروسے پر خروج سے منع کرنے کی بھرپور کوشش فرمائی۔

۱۳- "جب امام حسین، یزید بن معاویہ کی خلافت کا تختہ الٹنے کے لئے اٹھے ہیں اور اپنے بیٹوں اور ساتھیوں سمیت کربلا میں شہید ہو گئے تو انہوں نے کبھی یہ نہیں کہا تھا کہ وہ آسمانی خلافت کا دفاع کر رہے ہیں جسے یزید نے چھین لیا ہے۔ بلکہ وہ صرف یہ کہتے تھے کہ وہ یزید کی نسبت زیادہ حق رکھتے ہیں۔" (ڈاکٹر موسیٰ موسوی، اصلاح شیعہ، ۸۵)۔

سیدنا ابن عباس و ابن جعفر و ابن الحنفیہ کی رائے کے برخلاف سیدنا حسین کا شیعان کوفہ کے بھروسہ پر خروج کا فیصلہ اس اختلاف رائے کا مظہر ہے جس کی بنیاد ہر فرد کے اپنے ذہن اور علامات فتح و شکست کے اس کے نزدیک قوی و ضعیف ہونے پر ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ ابن عباس و دیگر منع کرنے والے اکابر قریش و بنی ہاشم کی نظر سے شیعان کوفہ کے وہ تمام خطوط و مراسلات، عہد و پیمان اور وفود نہ گزرے ہوں

جن سے حسینؓ واقف تھے اور جن کی بنیاد پر وہ خروج کی کامیابی کا امکان سمجھتے تھے۔ بہر حال ابن عباس وغیرہ کا سیدنا حسین سے اختلاف بسلسلہ خروج وعدم خروج اختلاف فکر و ذہن و احوال و معلومات پر مبنی ہے۔ (شریف مرتضیٰ، تنزیہ الانبیاء، ۱۷۹-۱۸۲، وطوسی، تلخیص الشافی، ۱۸۲/۴-۱۸۸، وعلی نقی نقوی، السبطان فی موقفیہما، ۱۰۵)۔

۱۴- سیدنا حسینؓ نے جنگ صفین میں لشکر امام علیؓ کے بجائے طلب قصاص عثمانؓ کے حوالہ سے لشکر معاویہؓ میں شامل اپنے تایا سیدنا عقیلؓ بن ابی طالب کے فرزند مسلم بن عقیلؓ کو ہزاروں خطوط نیز وفود شیعان کوفہ کی موصولی کے بعد کوفہ روانہ کیا۔ تاکہ سیدنا علیؓ و حسنؓ سے بارہا غداری و بے وفائی کرنے والے شیعان کوفہ کی تحقیق احوال کرنے کے بعد ہی خروج یا عدم خروج کا حتمی فیصلہ کیا جائے۔ چنانچہ مسلم بن عقیلؓ مکہ سے کوفہ پہنچے جبکہ بزرگ صحابی رسول سیدنا نعمانؓ بن بشیر امیر کوفہ تھے۔ آپ نے عوسجہ نامی شخص کے گھر قیام فرمایا اور بارہ ہزار اشخاص نے آپ کے ہاتھ پر بیعت حسینؓ کر لی۔ اس کارروائی کی اطلاع عبداللہ بن مسلم بن شعبہ حضرمی نے امیر کوفہ نعمانؓ بن بشیر کو دی اور کہا کہ:- یا تو آپ واقعتہً کمزور ہیں یا کوفہ والوں نے آپ کو کمزور سمجھ رکھا ہے، دیکھتے نہیں کہ شہر کی صورتحال مخدوش ہو رہی ہے؟ اس پر حضرت نعمانؓ نے فرمایا کہ میری ایسی کمزوری جو بربنائے اطاعت الٰہی ہو، وہ مجھے اس قوت و طاقت سے زیادہ پسند ہے جو اس کی معصیت میں ہو۔ مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ جس امر پر اللہ تعالیٰ نے پردہ ڈالے رکھا ہے، خواہ مخواہ اس پردے کو فاش کروں۔ اس پر عبداللہ مذکور نے یہ سارا ماجرا یزید کو لکھ بھیجا جس نے مشورہ کے بعد سیدنا علی کے معتقد خاص زیاد بن ابیہ کے فرزند عبیداللہ بن زیاد کو بصرہ کے ساتھ ساتھ کوفہ کا بھی گورنر مقرر کر دیا۔

ابن زیاد کی آمد کے بعد مسلم بن عقیلؓ عوسجہ کا گھر چھوڑ کر ہانی بن عروہ مرادی کے گھر مقیم ہو گئے۔ اور انہوں نے حضرت حسینؓ کی خدمت میں لکھ بھیجا تھا کہ بارہ ہزار کی تعداد میں لوگوں نے ہماری بیعت کر لی ہے، لہذا آپ کوفہ تشریف لے آئیں۔

جب ابن زیاد کو پتہ چل گیا کہ مسلم بن عقیل ہانی بن عروہ کے گھر پر ہیں تو اس

نے ہانی کو بلوا کر گرفتار کر لیا۔ حضرت مسلم کو خبر ہوئی تو چالیس ہزار کا لشکر کوفیان جمع کر کے قصر امارت کی طرف روانہ ہوئے۔ ابن زیاد نے سرداران کوفہ کو جمع کر لیا۔ اور جب لشکر قصر امارت پہنچا تو سرداروں نے اپنے اپنے قبیلے کو دیواروں کے اوپر سے گفتگو کر کے سمجھانا شروع کیا۔ جس پر لشکر مسلم کے افراد پلٹنے لگے اور شام تک پانچ سو رہ گئے۔ حتیٰ کہ رات کے اندھیرے میں وہ بھی واپس چلے گئے اور مسلم تنہا رہ گئے۔ انہوں نے ایک عورت کے گھر میں پناہ لی مگر اس کے بیٹے محمد بن اشعث نے ابن زیاد کو خبر کر دی۔ جس پر سپاہیوں نے مسلم کو گرفتار کر کے قصر امارت کی چھت پر لے جا کر قتل کر دیا اور ہانی بن عروہ کو بھی قتل کر دیا گیا۔

ادھر سیدنا حسینؓ، مسلم بن عقیلؓ کی طرف سے بارہ ہزار اہل کوفہ کی بیعت کی خبر نیز کوفہ پہنچنے کی دعوت پر مبنی خط موصول ہونے پر کوفہ کی جانب روانہ ہوئے۔ جب قادسیہ سے تین میل کے فاصلہ پر تھے تو حر بن یزید تمیمی کی سیدنا حسین سے ملاقات ہوئی۔ اس نے شیعان کوفہ کی غداری و بیوفائی اور قتل مسلم کی پوری روداد آپ کو سنائی۔ چنانچہ سارا قصہ سن کر حضرت حسینؓ نے تو واپسی کا ارادہ کر لیا لیکن مسلم کے بھائیوں نے یہ کہہ کر واپس جانے سے انکار کر دیا کہ ہم مسلم کا بدلہ لیں گے یا خود بھی مارے جائیں گے۔ اس پر حضرت حسینؓ نے فرمایا تمہارے بغیر میں جی کر کیا کروں گا۔
(امام محمد الباقر، بروایت طبری، وابن حجر، تھذیب التھذیب)۔

زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ برادران مسلم کو بھی صورتحال کی سنگینی کا اندازہ ہو گیا اور وہ واپسی پر آمادہ ہو گئے۔ مگر تب وقت ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ حر بن یزید تمیمی کے دستہ لشکر نے ابن زیاد کے حکم کے مطابق آپ کو حجاز واپسی سے روک دیا۔ اور آپ سے ابن زیاد کے پاس جا کر اس کا فیصلہ ماننے کا مطالبہ کیا۔ مگر آپ نے یہ بات قبول نہ فرمائی۔

پس جب آپ نے دیکھا کہ نہ تو واپسی کا کوئی راستہ ہے اور نہ کوفہ میں داخل ہونے کی کوئی سبیل، تو آپ نے یزید بن معاویہ کی جانب شام کا راستہ اختیار فرمایا۔ کیونکہ آپ جانتے تھے کہ یزید آپ کے لئے ابن زیاد اور اس کے ساتھیوں کی نسبت رحمدل و مہربان ثابت ہوگا۔ مگر اس موقع پر ابن سعد ایک بڑے لشکر کے ساتھ آن پہنچا

اور شامؓ جانے کا راستہ بھی بند کر دیا۔ بالآخر آپ میدان کربلا میں خیمہ زن ہوئے۔

پس یہ بات کیسے کہی جا سکتی ہے کہ حسین نے خود کو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں ڈالا جبکہ روایت کیا گیا ہے کہ آپ علیہ السلام نے عمر بن سعد سے فرمایا کہ میری کوئی ایک بات مان لو:۔

۱۔ یا تو جس مقام سے آیا ہوں وہاں واپس جانے دو۔

۲۔ یا میں اپنا ہاتھ یزید کے ہاتھ میں دے دیتا ہوں پس وہ میرا چچازاد ہے میرے بارے میں جو رائے مناسب سمجھے گا، اختیار کرے گا۔

۳۔ یا مجھے مسلمانوں کے سرحدی علاقوں میں سے کسی سرحد کی طرف (جہاد کے لئے) نکل جانے دو تاکہ میں وہاں کے لوگوں میں سے ایک بن جاؤں، جو حق ان کا ہے وہی میرا بھی ہو اور جو (جہاد کی) ذمہ داری ان کی ہے وہی میں بھی ادا کروں۔

روایت کے مطابق عمر بن سعد نے آپ کی شرائط منظور کر کے اپنی سفارش کے ساتھ ابن زیاد کو لکھ بھیجیں۔ مگر اس نے "دست در دست یزید" سے پہلے (شمر بن ذی الجوشن کے مشورہ سے متاثر ہو کر) دست در دست ابن زیاد کی شرط رکھ دی جسے قبول نہ کرنے کی صورت میں لڑائی کا حکم دیا۔ مگر حسینؓ، ابن زیاد کے ہاتھوں مسلم بن عقیل کے انجام کو دیکھتے ہوئے جان چکے تھے کہ ابن زیاد کی اطاعت کرنے سے ذلت و رسوائی و موت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ چنانچہ آپ نے "دست در دست یزید" کی پیشکش کو برقرار رکھتے ہوئے دست در دست ابن زیاد کے مطالبہ کو سختی سے مسترد کر دیا۔ اور یزید کے مقابلہ میں دعویٰ خلافت سے دستبرداری کے باوجود جان و مال و اہل وعیال کی حفاظت و دفاع کی خاطر دفاعی جنگ پر مجبور ہو کر اپنے اعوان و انصار کے ہمراہ شہید ہوئے۔ (شریف مرتضیٰ، تنزیہ الأنبیاء، ۱۷۹-۱۸۲، تلخیص الشافی للطوسی، ۱۸۲/۳-۱۸۸، وعلی نقیؒ السبطان فی موقفیھما، ۱۰۳-۱۰۴)۔

"دست در دست یزید" کی مذکورہ حسینی پیشکش جسے ابن زیاد نے "دست در دست ابن زیاد" کی شرط سے مشروط کر کے صورتحال بگاڑ دی، عمومی اسلامی تواریخ کے علاوہ شیعی مصادر تاریخ میں بھی مذکور ہے۔ (ملاحظہ ہو:- تاریخ الطبری، ۲۲۰/۶۔ کتاب الارشاد للشیخ مفید، ۱۳۶۴ھ، ص ۲۱۰۔ شریف مرتضیٰ، تنزیہ الأنبیاء، ۱۳۵۰ھ، ص

۱۷۷- تلخیص الشافی للطوسی، ۱۳۰۱ھ، ص ۴۷۱- فتال نیشا پوری، روضۃ الواعظین، ۱۳۸۵ھ، ۸۲/۱- اعلام الوری للطبرسی، ۱۳۳۸ھ، ص ۲۳۳- باقر مجلسی، بحار الانوار، ۱۳۵۵ھ، ص ۴۴۶- جسٹس سید امیر علی، سپرٹ آف اسلام، اردو ترجمہ بنام "روح اسلام" دھلی، ص ۳۵۸)۔

۱۵- جہاں تک سیدنا حسنؓ کے سیدنا معاویہؓ سے صلح کر لینے اور سیدنا حسینؓ کے پہلے خروج اور آخر میں دست در دست یزید کی حسینی پیشکش فرمانے کی بظاہر متضاد صورتوں میں مطابقت کا تعلق ہے تو وہ واضح ہے۔ کیونکہ سیدنا حسنؓ نے فتنہ کی روک تھام، اپنی ذات و اہل و عیال کے تحفظ، اپنے شیعوں کے معاملے میں خوف اور اپنے ساتھیوں کی جانب سے غداری کے احساس کی بناء پر صلح فرمائی۔

اور حسینؓ کو جب ان لوگوں کی جانب سے جنہوں نے انہیں خط لکھے تھے اور عہد و پیمان باندھے تھے، تائید و نصرت کے گمان کو تقویت ملی تو ان کو انصار حق کی قوت اور مددگاران باطل کی کمزوری کے ایسے اسباب نظر آئے، جن کی بناء پر خروج و طلب خلافت لازم ٹھہرے۔

مگر جب معاملہ برعکس ہو گیا اور غداری و بدقسمتی کی علامات ظاہر ہونے لگیں تو انہوں نے اپنے بھائی حسن علیہ السلام کی طرح صلح و مفاہمت و دستبرداری کا ارادہ فرما لیا۔ مگر انہیں اس سے روک دیا گیا اور ان کے ارادہ "دست در دست یزید" میں ابن زیاد کی جانب سے رکاوٹ پیدا کر دی گئی۔

پس حسن و معاویہ اور حسین و یزید کے معاملہ کی دونوں صورتیں ایک دوسرے سے مطابقت رکھتی ہیں۔ مگر فرق یہ ہے کہ صلح حسن و معاویہ کے معاملہ کے برعکس حسین علیہ السلام سے اسباب خوف ظاہر ہونے پر صلح و طاعت کو قبول نہ کیا گیا اور انہیں یزید سے مصالحت و دست در دست یزید کی پیش کش کو عملی جامہ پہنانے کا موقع فراہم نہ کیا گیا۔ بلکہ اس سے ابن زیاد کی جانب سے سختی کے ساتھ روک دیا گیا۔ یہاں تک کہ حسین دفاعِ جان و مال و اہل و انصار کی خاطر شہید ہو کر جنت رضوان تک جا پہنچے۔ (شریف مرتضیٰ، تنزیہ الانبیاء، ۱۷۹-۱۸۲، و تلخیص الشافی، ۱۸۲-۱۸۸، و علی تقی، السلطان فی موقفیما، ص ۱۰۶-۱۰۷)۔

۱۶- "صدہا باتیں طبع زاد تراشی گئیں، واقعات کی تدوین عرصہ دراز بعد ہوئی۔

رفتہ رفتہ اختلافات کی اس قدر کثرت ہو گئی کہ سچ سے جھوٹ کو، جھوٹ کو سچ سے علیحدہ کرنا مشکل ہو گیا۔ ابو مخنف لوط بن یحیی ازدی کربلا میں خود موجود نہ تھے۔ اس لئے یہ سب واقعات انہوں نے بھی سماعی لکھے ہیں۔ لہذا "مقتل ابو مخنف" پر بھی پورا وثوق نہیں۔ پھر لطف یہ کہ "مقتل ابو مخنف" کے متعدد نسخے پائے جاتے ہیں جو ایک دوسرے سے مختلف البیان ہیں۔ اور ان سے صاف پتہ چلتا ہے کہ خود ابو مخنف واقعات کے جامع نہیں۔ بلکہ کسی اور ہی شخص نے ان کے بیان کردہ سماعی واقعات کو قلمبند کر دیا ہے۔ مختصر یہ کہ شہادت امام حسین کے مشہور و زبان زد عام واقعات ابتدا سے انتہا تک اس قدر اختلافات سے پُر ہیں کہ اگر ان کو فرداً فرداً بیان کیا جائے تو کئی ضخیم دفتر فراہم ہو جائیں۔

صدہا باتیں طبعزاد تراشی گئیں۔ اکثر واقعات مثلاً اہل بیت پر تین شبانہ روز پانی کا بند رہنا، فوج مخالف کا لاکھوں کی تعداد میں ہونا، جناب زینب کے صاحبزادوں کا نو دس برس کی عمر میں شہادت پانا، فاطمہ کبریٰ کا عقد روز عاشورہ قاسم ابن حسن کے ساتھ ہونا، عباس علمدار کا اس قدر جسیم اور بلند قامت ہونا کہ باوجود سواری اسپ ورکابہ آپ کے پاؤں زمین تک پہنچتے تھے۔ جناب سید الشہداء کی شہادت کے موقع پر آپ کی خواہر گرامی جناب زینب بنت امیر المومنین کا سروپا برہنہ خیمہ سے نکل کر مجمع عام میں چلا آنا، شمر کا سینہ مطہر پر بیٹھ کر سر تن سے جدا کرنا، آپ کی لاش مقدس سے کپڑوں تک کا اتار لینا، نعش مطہر لکد کوب سم اسپاں کیا جانا، سرادقات اہل بیت کی غارتگری اور نبی زادیوں کی چادریں تک چھین لینا، شمر کا سکینہ بنت حسین کے منہ پر طمانچہ مارنا، سکینہ کی عمر تین سال کی ہونا، روانگی اہل بیت کے وقت جناب زینب کی پشت پر درے لگائے جانا، اہل بیت رسالت کو بے مقنع و چادر ننگے اونٹوں پر سوار کرنا، سید الساجدین کو طوق و زنجیر پہنا کر ساربانی کی خدمت دیا جانا، علاوہ کوفہ و دمشق کے اثناء راہ میں جابجا اہل حرم کو نہایت ذلت و خواری کے ساتھ تشہیر کرنا، محبس دمشق میں عرصہ دراز تک نبی زادیوں کا قید رہنا، ہندہ زوجہ یزید کا قید خانہ میں آنا یا اس کا اہل بیت کی روبکاری کے وقت محل سرائے شاہی سے سر دربار نکل آنا، سکینہ کا قید خانہ ہی میں رحلت پانا، سید الساجدین کا سرہائے شہداء لیکر اربعین (۲۰ صفر) کو کربلا واپس آ

جانا اور چالیسویں روز سرہانے شہداء کو سپرد خاک کرنا، وغیرہ وغیرہ زبان زد خاص و عام ہیں۔

حالانکہ ان میں سے بعض سرے سے غلط، بعض مشکوک، بعض ضعیف بعض مبالغہ آمیز اور بعض من گھڑت ہیں۔" (شاکر نقوی، مجاہد اعظم، ص ۱۷۷-۱۷۸)۔

علاوہ ازیں مفکر انقلاب ایران ڈاکٹر علی شریعتی شہید تاریخی تحقیق و تنقید اور شیعہ اصول روایت و درایت کی رو سے اس بات کو بھی غلط قرار دیتے ہیں کہ کسری فارس یزد گرد یا ایران کے شاہی خاندان کی کوئی شہزادی شہر بانو نامی تھیں جو خلافت فاروقی میں فتح فارس کے بعد قید ہو کر مدینہ آئیں اور انکی حضرت حسینؓ سے شادی ہوئی یا وہ والدہ فرزند حسینؓ تھیں۔ (علی شریعتی، تشیع علوی و تشیع صفوی، عروس مدائن در مدینہ، ص ۹۱-۱۰۲)۔

۱۷۔ کربلا میں مبینہ بندش آب فرات کے بعد حضرت حسینؓ نے ایک کدال اٹھائی اور عورتوں کے خیمہ سے باہر کی طرف انیس قدم جانب قبلہ چلے اور زمین کو تھوڑا سا کھودا تو اچانک آب شفاف و گوارا زور سے نکل پڑا۔ آپ کے ساتھیوں نے نوش فرمایا اور مشکیں بھی بھر لیں۔ (سپہر کاشانی، ناسخ التواریخ، ج ۶، از کتاب دوم، ص ۲۳۵)۔

نیز دسویں محرم کو حضرت حسینؓ نے تیس سواروں اور بیس پیادوں کو بھیجا تو وہ پانی کی چند مشکیں بھر کر لائے۔ چنانچہ آپ نے وضو فرمایا اور لوگوں سے بھی کہا کہ وضو اور غسل کر لو۔ (عباس قمی، منتہی الآمال، ۱/۳۰۹)۔

۱۸۔ شہدائے کربلا ایک تاریخی صراحت کے مطابق بتیس سوار اور چالیس پیادوں سے زیادہ نہیں تھے۔ اور اسی لئے شہداء کربلا کے لئے بہتر کا لفظ زبان زد خلائق ہے۔ مگر کربلا کے حالات جنگ اور مجاہدین کے ناموں کی تفصیل اور دوسرے متعلقہ واقعات سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ یہ تعداد سو سے زیادہ اور دو سو سے کم تھی۔ (علی نقی نقوی، شہید انسانیت، ص ۳۷۰-۳۷۱)۔

۱۹۔ حضرت حسینؓ کے سب ساتھی شہید ہو گئے۔ جن میں دس سے بیس کے درمیان ان کے گھرانے کے جوان بھی تھے۔ اسی اثناء میں ایک تیر آیا جو حضرت کے ایک چھوٹے بچے کو لگا جو گود میں تھا۔ آپ اس کا خون پونچھتے جاتے تھے اور فرما رہے تھے:- اے اللہ ہمارے اور ان لوگوں کے مابین انصاف فرما جنہوں نے ہمیں یہ کہہ کر

بلایا کہ ہماری مدد کریں گے پھر وہی ہمارے قاتل بن بیٹھے ہیں۔

اس کے بعد خود تلوار ہاتھ میں لی، مردانہ وار مقابلہ کیا اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ اور یہ شخص جس کے ہاتھ سے حسین شہید ہوئے قبیلہ مذحج کا آدمی تھا۔ اگرچہ اس بارے میں دوسرے اقوال بھی تاریخوں میں مذکور ہیں۔

مذحج ہانی کا وہی قبیلہ تھا، جس نے قصر امارت پر چڑھائی کی تھی۔ یہ شخص حضرت کا سر تن سے جدا کرکے ابن زیاد کے پاس لے گیا۔ ان نے اس شخص کو آپ کا سر مبارک دیکر یزید کے پاس بھیج دیا۔ جہاں جا کر یزید کے سامنے رکھ دیا گیا۔

ادھر ابن سعد بھی حضرت کے اہل خانہ کو لیکر ابن زیاد کے پاس پہنچ گئے۔ ان کا صرف ایک لڑکا بچارہ گیا تھا۔ اور وہ بچہ علی بن الحسین زین العابدین تھے جو روایت کے راوی ابو جعفر، الباقر کے والد تھے۔ یہ عورتوں کے ساتھ اور بیمار تھے۔ ابن زیاد نے حکم دیا، اس بچے کو بھی قتل کر دیا جائے۔ اس پر ان کی پھوپھی زینبؓ بنت علیؓ اس کے اوپر گر پڑیں اور فرمایا کہ جب تک میں قتل نہ ہو جاؤں اس بچے کو قتل نہ ہونے دوں گی۔ اس صورت حال کے نتیجے میں ابن زیاد نے اپنا یہ حکم واپس لے لیا اور بعد میں اسیران جنگ کو یزید کے پاس بھیج دیا۔

جب حضرت حسینؓ کے بچے کھچے یہ افراد یزید کے دربار میں پہنچے تو چند درباریوں نے حسب دستور یزید کو تہنیت فتح پیش کی۔ ان میں سے ایک شخص نے یہاں تک جسارت کر ڈالی کہ ایک لڑکی کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ امیر المومنین! یہ مجھے دے دیجئے۔ یہ سنکر حضرت زینب بنت علیؓ نے کہا! بخدا یہ نہیں ہو سکتا، بجز اس صورت کے کہ یزید دین الہٰی سے نکل جائے۔ پھر اس شخص نے دوبارہ کہا تو یزید نے اسے ڈانٹ دیا۔

اس کے بعد یزید نے ان سب کو محل سرا میں بھیج دیا۔ چند روز بعد انکی خواہش کے مطابق ان کو تیار کرا کے مدینہ روانہ کر دیا۔ (روایت محمد الباقر، طبری و ابن حجر، تہذیب التہذیب)۔

۲۰- میدان کربلا میں سیدہ زینبؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں زاد عمر بن سعد بن ابی وقاصؓ کو مخاطب کرکے فرمایا:- اے عمر بن سعد کیا ابو عبداللہ (حسین)

قتل کر دیئے جائیں گے اور تم (مجبور و بے بس) دیکھتے رہ جاؤ گے۔ (طبری، ۲۶۰/۶)۔

ابن سعد پر شہادت حسینؓ سے اس قدر رنج و صدمہ طاری ہوا کہ زاور قطار رونے لگے۔ راوی (ابو مخنف) کہتا ہے کہ گویا میں عمر (بن سعد) کے آنسو ان کے گالوں اور ڈاڑھی پر بہتے سامنے دیکھ رہا ہوں۔ (طبری، ۲۵۹/۶)۔

سانحہ کربلا کے بعد ابن سعد نے حکم دیا کہ حسین کی بیبیوں، کنیزوں اور خاندان کی عورتوں کو پردہ دار محملوں میں اونٹوں پر سوار کیا جائے۔ (الاخبار الطوال لدینوری، ۲۷۰)۔

سیدہ زینبؓ و ام کلثومؓ بنت علیؓ و سیدہ فاطمہ بنت حسینؓ و علی زین العابدینؒ نے اہل کوفہ کے سامنے اپنے خطبات میں شیعان کوفہ کو سانحہ کربلا و شہادت حسینؓ و رفقائے حسین کا ذمہ دار ٹھہرایا کہ انہوں نے ہزاروں خطوط کے ذریعے دعوت بیعت دیکر غداری کی اور پھر بیعت ابن زیاد کر گئے۔ (مجلسی، جلاء العیون، تہران، جلد دوم، ۵۹۳-۵۹۶)۔

سیدنا حسینؓ و اولاد علیؓ و حسینؓ کے ایسے خطبات سے بھی اس اقلیتی نقطہ نظر کو تقویت ملتی ہے جس کے استدلال کی رو سے جب شیعان کوفہ کے نام لے لے کر سیدنا حسینؓ نے انہیں شرم دلائی کہ ہزاروں خطوط کے ذریعے دعوت بیعت نیز دست مسلم بن عقیل پر بیعت خلافت حسین کرنے کے بعد غداری و بیعت شکنی تمہارے لئے باعث ننگ و عار ہے، تو کوفیوں کو خدشہ ہوا کہ اگر حسین نے یزید سے صلح و مفاہمت کے بعد خطوط کوفیان کے انبار یزیدی حکومت کے حوالے کر دیئے تو ان کے خلاف سرکاری کارروائی ہو گی۔ لہذا انہوں نے اپنے خطوط کے پلندوں کے حصول کیلئے خیمہ ہائے لشکر حسینی پر حملہ کر دیا اور اس یلغار کوفیان میں سیدنا حسینؓ و رفقائے حسین نے شہادت پائی۔ جب ابن سعد کو اس اچانک حملہ کی خبر ملی تو انہوں نے حملہ آوروں کا قلع قمع کر کے جلتے خیموں کی آگ بجھائی۔ اور پس ماندگان کی حفاظت فرمائی۔

۲۱- روایات کے مطابق یزید شہادت حسینؓ کی خبر سن کر روتے ہوئے کہنے لگا کہ:- میں قتل حسین کے بغیر ہی تم لوگوں کی اطاعت سے راضی تھا۔ اللہ کی لعنت ہو ابن زیاد پر۔ خدا کی قسم اگر میں وہاں ہوتا تو حسین کو معاف کر دیتا۔ نیز بولا:- خدا قسم اے حسین! میں تمہارے مقابلے میں ہوتا تو تمہیں قتل نہ ہونے دیتا۔ (طبری، ۳۵۲/۴ وغیرہ)۔

۲۲- یزید ابن زیاد پر لعن طعن اور قتل حسینؓ سے اپنے اعلان برأت کے باوجود ابن زیاد کو سانحہ کربلا کے بعد سزا نہ دے سکا کیونکہ اس صورت میں سیدنا حسین کو بلانے اور بیعت مسلم کرنے نیز پھر حسین سے غداری کرتے ہوئے بیعت ابن زیاد کرنے والے ہزاروں شیعان کوفہ کو بھی سزا دینا لازم ٹھہرتا۔ اور اس طرح انتقام حسین کی آڑ میں شیعان کوفہ کے قتل عام کا الزام مزید بھی اس پر عائد ہو جاتا۔ نیز ابن زیاد و شیعان کوفہ مل کر بغاوت کی آگ بھی بھڑکا سکتے تھے۔ نہ ہی یزید بتقاضائے احوال و مصالح، ابن زیاد کو گورنری کے عہدہ سے معزول کر سکا۔ جس طرح کہ امام و خلیفہ راشد علیؓ مرتضیٰ بتقاضائے احوال و مصالح قاتلین عثمانؓ سے قصاص نہ لے پائے۔ بلکہ مالک اشتر و محمد بن ابی بکر جیسے قاتلین عثمانؓ خلافت علوی میں مصر کی گورنری پر فائز کئے گئے۔ کیونکہ شاید ان کو دشمن بنانے سے صورتحال مزید خراب ہونے کا اندیشہ تھا۔

۲۳- واقعہ کربلا (محرم ۶۱ھ) کے بعد واقعہ حرہ (اواخر ۶۳ھ میں اہل مدینہ کے ایک طبقہ کی یزید کے خلاف بغاوت کا واقعہ) پیش آیا تو سیدنا عبداللہ بن جعفر طیارؓ، سیدنا علی زین العابدینؒ، سیدنا محمد بن الحنفیہؒ جیسے اکابر اہل تشیع نے نہ صرف سیدنا عبداللہ بن عمرؓ کے ہمراہ اکثر اکابر قریش و بنی ہاشم کی طرح بیعت یزید کو برقرار رکھا بلکہ سیدنا ابن زبیرؓ کے نمائندہ عبداللہ بن مطیع کا بغاوت میں ساتھ دینے سے سختی سے انکار کر دیا۔ حتیٰ کہ امام ابن الحنفیہ نے باغیوں کی جانب سے یزید کے خلاف فسق و فجور کے الزامات کی علی الاعلان تردید کرتے ہوئے اپنی ذاتی معلومات کی بناء پر یزید کے پابند صلوۃ و سنت، فقیہ اور کار خیر میں سرگرم ہونے کی شہادت دی۔ اکابر اہل تشیع سمیت اکابر صحابہؓ و اہل بیتؓ کا بیعت یزید کو برقرار رکھنا اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ باطل سے نہ دبنے والے پیکران شجاعت و عزیمت "دست در دست یزید" کی حسینی پیشکش اور شیعان کوفہ کی غداری کے تسلسل میں یزید کی بیعت امامت و خلافت پر واقعہ کربلا کے بعد مزید شدت سے کاربند ہو گئے تھے۔ اور نہ تو یزید کو واقعہ کربلا کا ذمہ دار سمجھتے تھے اور نہ ہی یزید مخالف پروپیگنڈہ سے متاثر ہوتے تھے۔

چنانچہ جب عمر رسیدہ صحابی رسول مسلم بن عقبہ المریؓ کی قیادت میں لشکر یزید نے باغیوں کو تین دن کی مہلت دینے کے بعد ان کے جنگ پر اصرار کی بناء پر لڑائی

کر کے ان پر قابو پالیا تو بعد ازاں یحییٰ بن شبل کے واقعہ حرہ کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں کہ کیا اہل بیت نبوت میں سے کوئی لشکر یزید سے لڑنے کے لئے نکلا تھا؟ تو امام محمد الباقرؒ نے فرمایا کہ نہ تو آل ابی طالب میں سے کوئی لڑنے کے لئے نکلا اور نہ ہی بنو عبدالمطلب میں سے، بلکہ سب اپنے گھروں میں مقیم رہے۔ پس جب مسلم بن عقبہ نے بغاوت فرو کرنے کے بعد علی زین العابدین کے بارے میں استفسار کیا تو وہ ابن الحنفیہ کے دو بچوں کے ہمراہ تشریف لائے۔ مسلم نے انہیں خوش آمدید کہا اور اپنے برابر چارپائی پر جگہ دی، ان کا حال احوال پوچھا اور بتلایا کہ امیرالمومنین (یزید) نے ان کے ساتھ حسن سلوک کی خصوصی ہدایت فرمائی ہے۔ اس پر امام علی زین العابدین نے فرمایا:- اللہ امیرالمومنین (یزید) کو جزائے خیر دے (وصل اللہ امیرالمومنین)۔ (طبقات ابن سعد، والامامہ والسیاسہ، ج ا، ص ۲۳۰)۔

واضح رہے کہ واقعہ حرہ کے موقع پر سیدنا علی زین العابدین نے یزید کو خط لکھ کر اپنی اور اپنے خاندان کی وفاداری کا یقین دلایا تھا جس پر اس نے مسلمؒ بن عقبہ کو آپ سے حسن سلوک کی خصوصی ہدایت دیتے ہوئے فرمایا:-

"اور علی بن حسین کا خاص خیال رکھنا، انہیں کوئی تکلیف نہ پہنچنے دینا، وہ (باغی) لوگوں کے ساتھ شامل نہیں ہیں اور ان کا خط میرے پاس پہنچ چکا ہے۔ (الکامل لابن الاثیر، ۴ تا ۴۵)۔

چنانچہ ان حق پرست و باغیرت اکابر اہل تشیع سمیت اکثر اکابر قریش و بنی ہاشم صحابہؓ و اہل بیتؓ کے واقعہ کربلا و حرہ سے پہلے اور بعد بیعت یزید کو برقرار رکھنے سے وہ منفی روایت بھی باطل قرار پاتی ہے جس کی رو سے لشکر یزید نے باغیوں کی عورتوں کی بے حرمتی کی اور بلاجواز قتل عام کیا۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو باطل سے کسی صورت نہ دبنے والے، شعائر شریعت کے نگہبان و پیکران جرأت و عزیمت جملہ صحابہؓ و اہل بیتؓ اس صورتحال کو ٹھنڈے پیٹوں برداشت نہ کرتے اور بیعت یزید کو برقرار نہ رکھتے۔

۲۴- اواخر ۶۳ھ میں واقعہ حرہ کے بعد آغاز ۶۴ھ میں حرم مکی میں قلعہ بند لشکر سیدنا ابن زبیرؓ سے مقاومت لشکر یزید و باہم سنگباری کے نتیجہ میں شکستگی دیوار کعبہ کے

بعد بھی وفات یزید (۱۴، ربیع الاول ۶۴ھ) تک مکہ و طائف میں سیدنا عبداللہ بن عباسؓ ہاشمی کا نیز دیگر مقامات کے صحابہؓ و اہل بیتؓ کا بیعت یزید کو برقرار رکھنا لشکر یزید پر عمداً بے حرمتی کعبہ کے الزام کو بھی مشکوک تر بنا ڈالتا ہے۔ جبکہ وفات یزید کی خبر سن کر جب مبینہ سنگباری کعبہ کے بعد لشکر یزید دمشق جاتے ہوئے مدینہ سے گزرا تو علی زین العابدین ؒ نے بروایت طبری امیر لشکر حصین بن نمیر کو سامان خورد و نوش دانہ چارہ پیش کیا۔ (طبری ۷/۱۷) اگر یہ لشکر بے حرمتی کعبہ کا مرتکب ہوا ہوتا، اور وہ بھی صحابی رسول امیر حصینؓ بن نمیر کے زیر قیادت (معاذ اللہ) تو امام زین العابدین اس کے استقبال اور ان کی خاطر و مدارات کی زحمت ہرگز نہ فرماتے۔

۲۵- اصل فلسفہ و روح سے عاری عزاداری اتنی رسمی شکل اختیار کر چکی ہے کہ اگر یزید بن معاویہ بھی قبر سے نکل آئے تو وہ نہ صرف خوشی سے اس رسم میں شریک ہو گا بلکہ ان رسوم کی ادائیگی کے لئے ایک بڑے گروہ کی تشکیل بھی کرے گا۔ ان اجتماعوں میں لگاتار آنسو بہانے کا کیا فائدہ؟ یہ بات صحیح ہے اور میں نے کئی اجتماعات میں اس کے متعلق بات کی ہے۔ لیکن ہمارے دوست سے سوال یہ ہے کہ آیا ہمارا پرانا کلچر جو کہ روایتی رہبری کی حفاظت میں ہے، کیا چیز ہے؟ آیا سید جمال، مدرس، آیت اللہ خمینی اور طالقانی ان رسوم اور وضع داریوں کے محافظ ہیں؟ (مرتضی مطہری، بیسویں صدی کی اسلامی تحریکیں، مترجم، ناصر نقوی، ص ۵۶-۵۷)۔

تعزیہ پھرانا، نعش، علم، گھوڑے اور پالکی کی شبیہیں نکالنا، زنجیر زنی، تیغ زنی، موسیقی، مرثیہ خوانی اور اس کی مخصوص نئی رسمی شکلیں مثلاً مصائب خوانی اور اجتماعی نوحہ سرائی وغیرہ مکمل طور پر عیسائیت سے لی گئی ہیں۔ جو بھی ان عیسائی رسوم سے آگاہ ہے، اسے بڑی آسانی سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ یہ تقلید محض ہے۔ (ڈاکٹر علی شریعتی، تشیع علوی و تشیع صفوی، ص ۱۰۷، باب مسیحیت غربی و تشیع صفوی، فرنگی در کربلا)۔

قفل زنی، سینہ زنی، تیغ زنی اور زنجیر زنی آج بھی بالکل اسی طرح ہر سال حضرت مسیح کے یوم شہادت پر لوردز (Lourdes) کی شکل میں موجود ہے۔ اسلامی نقطہ نظر سے ایسے اعمال ناپسندیدہ ہیں اور حقیقی مسلمان علماء نے نہ صرف یہ کہ ان کی تائید نہیں کی، بلکہ سنجیدگی سے مخالفت کی ہے۔ اور ایسے افعال شریعت کے علمی معیارات و

اقدار کے سراسر منافی ہیں۔ لیکن گذشتہ دو تین صدیوں سے ہمیشہ اور ہر سال رائج رہے ہیں۔ یہ امر باعث حیرت ہونے کے ساتھ ساتھ میری اس رائے کی بھی تائید کرتا ہے کہ یہ رسمیں مذہبی نہیں، سیاسی ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ پرشور، مرتب و منظم اور بہت بااثر مظاہرے اگرچہ سوفی صد مذہبی و شیعی نظر آتے ہیں جو امام، خاندان رسالت، ولایت علی اور مذہبی عشق و عقیدت کے نام پر انجام پاتے ہیں، لیکن اس کے باوجود انہیں شیعہ علماء کی تائید حاصل نہیں ہے، بلکہ اکثر و بیشتر علماء اس سلسلے میں مجبوراً تقیہ کرتے رہے ہیں۔ اور ان رسومات کی کھلم کھلا اور سنجیدہ مخالفت سے دامن بچاتے رہے ہیں۔

اس سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ حکومت کی قوت اور اس کی سیاسی مصلحتوں نے یہ مراسم و شعائر علماء پر مسلط کیے ہیں اور ان اعمال کے کرتا دھرتا بھی کم و بیش اس حقیقت سے واقف ہیں کہ کوئی سچا عالم و فقیہ ان افعال کی تائید نہیں کرتا۔ لیکن ان لوگوں نے یہ کہہ کر کہ:- یہ فعل، عشق کا معاملہ ہے، اس میں شریعت کا کیا عمل دخل؟ خود کو علماء کے فتوے سے آزاد کرا لیا ہے۔ (علی شریعتی، تشیع علوی و تشیع صفوی، ۱۷۱-۱۷۲)۔

عاشورہ محرم کو شہادت حسینؓ کا مقصد و سبب، اس سے بہت بلند و بالا اور ارفع و اعلی تھا جس کی تصویر آج شیعہ پیش کرتے ہیں۔ آپ نے ہرگز جام شہادت اس لئے نوش نہیں کیا تھا کہ لوگ ان کے غم میں روئیں، چہرے پیٹیں اور درماندہ مسکین کی سی صورت اختیار کریں۔ بلکہ امام ممدوح تو ظلم و استبداد کے مقابلے میں شجاعت و بہادری، عزم بالجزم اور جان تک قربان کر دینے کا موثر ترین درس دینا چاہتے تھے۔

چنانچہ (اگر ضروری بھی ہو تو) شہادت حسینؓ کی یاد میں منعقد محفل امام کے مقام و مرتبہ کے شایان شان ہو طوفان بد تمیزی، جہالت، بیک وقت مضحکہ خیز اور رلا دینے والے اعمال سے ہٹ کر ہونی چاہیے۔ وہ ثقافتی اجتماعات کس قدر خوبصورت ہوں جن میں بلیغ خطبے اور قصائد پیش کئے جائیں جو راہ حق میں جان دینے اور جہاد کرنے سے متعلق ہوں۔ (ڈاکٹر موسیٰ موسوی، اصلاح شیعہ، ص ۱۸۱)۔

فهرست المراجع (عربی)

١- الله جل جلاله - القرآن الكريم-

٢- أبوداؤد' الإمام سليمان بن الأشعث - السنن (سنن أبی داؤد)

٣- أبوالفرج' الاصفهانی - كتاب الأغانی-

٤- أبومحنف' لوط بن يحيی الأزدی- مقتل أبی مخنف-

٥- إبن الأثير الجزری - اسد الغابة فی معرفة الصحابة-

٦- إبن الأثير الجزری - الكامل فی التاريخ-

٧- إبن حجر العسقلانی - الإصابة فی تمييز الصحابة-

٨- إبن حجر العسقلانی - تهذيب التهذيب-

٩- إبن حجر العسقلانی - فتح الباری شرح البخاری-

١٠- إبن حزم الظاهری- جمهرة أنساب العرب' تحقيق'عبدالسلام محمد هارون' مصر' دارالمعارف' ١٣٨٢ھ/ ١٩٦٢م-

١١- إبن خلدون المالكی المغربی -"مقدمة تاريخ العبر "مصر' مطبعة مصطفی محمد-

١٢- إبن سعد - الطبقات الكبری-

١٣- إبن عبدالبر - الإستيعاب فی معرفة الأصحاب-

١٤- إبن العربی' القاضی أبوبكر - العواصم من القواصم - تحقيق: محب الدين الخطيب' طبع مصر-

١٥- إبن كثير الدمشقی - البداية النهاية-

١٦- إبن قتيبة - الإمامة والسياسة-

١٧- إبن قتيبة الدينوری - كتاب المعارف' تحقيق و تقديم: دكتور' ثروت عكاشة' مصر' دارالمعارف' الطبعة الرابعة' ١٩٨١م-

١٨- إبن ماجة' الامام محمد بن يزيد القزوينى -
السنن سنن إبن ماجة

١٩- إبراهيم' دكتور حسن - تاريخ الاسلام' مصر-

٢٠- أحمد بن حنبل - المسند(مسند أحمد) طبع مصر-

٢١- الأشعرى - مقالات الإسلاميين' طبع مصر-

٢٢- البلاذرى - أنساب الأشراف' طبع يروشلم-

٢٣- البلاذرى - فتوح البلدان-

٢٤- البخارى' الامام محمد بن اسماعيل - صحيح البخارى-

٢٥- الترمذى' الإمام ابوعيسى محمد بن عيسى - سنن الترمذى-

٢٦- الجيلانى' الشيخ عبدالقادر - غنية الطالبين-

٢٧- خليفة' حاجى - كشف الظنون عن آسامى الكتب والفنون'
القسطنطنية' ١٣٨٠هـ-

٢٨- حموى' ياقوت - معجم البلدان-

٢٩- الخطيب التبريزى' الإمام ولى الدين
محمد بن عبدالله - مشكاة المصابيح-

٣٠- الخمينى' سيد روح الله - تحرير الوسيلة' طبع ايران-

٣١- الخمينى' سيدروح الله - الحكومة الإسلامية' بيروت' من
مطبوعات الحركة الإسلاميه فى ايران-

٣٢- الدهلوى' الشاه ولى الله - "المسوى" شرح الموطا'
طبع دهلى' ١٢٩٣هـ-

٣٣- الذهبى - تاريخ الإسلام-

٣٤- الذهبى' ميزان الاعتدال فى نقد الرجال-

٣٥– الزبیری، المصعب ابوعبداللہ = کتاب نسب قریش، تصحیح و تعلیق: إ. لیفی بروقینسال، مصر، دارالمعارف، ١٩٨٢م–

٣٦– زید بن علی، الإمام = مسند الإمام زید، بیروت، دارمکتبة الحیاة،١٩٦٦م–

٣٧– زین الدین ، العلامة – مسالك الأفہام شرح " شرائع الإسلام " للحلی، طبع ایران–

٣٨– الشہرستانی – کتاب الملل و النحل، طبع مصر–

٣٩– الطبرسی = کتاب الإحتجاج، طبع ایران–

٤٠– الطبرسی، فضل بن حسن – إعلام الوری بأعلام الهدی، ایران، ١٣٣٨ھ–

٤١– الطبری، إبن جریر = تاریخ الأمم و الملوك (تاریخ الطبری).

٤٢– الطوسی، أبوجعفر = تلخیص الشافی–

٤٣– العاملی، محمد بن الحسن – وسائل الشیعة–

٤٤– علیؑ بن أبی طالب = نهج البلاغة، ترتیب و تدوین :سید رضی–

٤٥– علی الرضا،الإمام – مسند علی ا لرضی، طبع مع مسند الإمام زید، بیروت، دارمکتبةالحیاة، ١٩٦٦م–

٤٦– عنبة، جمال الدین احمد – عمدة الطالب فی أنساب آل أبی طالب، لکهنو، المطبع الجعفری–

٤٧– فضل اللہ ، محمد جواد – الإمام علی الرضا علیه السلام، بیروت، دارالزهراء–

٤٨– فتال، الشیخ محمد– روضة الواعظین، ایران، ١٣٨٥ھ–

٤٩– القسطلانی – شرح البخاری، دهلی، أصح المطابع، ١٣٥٧ھ–

٥٠- الكلينى، أبوجعفرمحمد بن يعقوب - الكافى (اصول الكافى) طبع لكهنو-

٥١- مالك بن أنس، الإمام - الموطا، بيروت، تحقيق و تعليق: احمد راموش، دار النفائس ١٩٧١ء-

٥٢- المجلسى، الشيخ باقر - بحار الأنوار، طبع ايران، ١٣٥٥ه-

٥٣- المرتضى، الشريف علم الهدى - تنزيه الأنبياء، ١٣٥٠ه-

٥٤- المرتضى، الشريف علم الهدى - الشافى-

٥٥- مسلم بن الحجاج، الإمام، القشيرى النيسابورى- الجامع الصحيح (صيح مسلم) -

٥٦- المفيد، الشيخ محمد بن محمد بن النعمان - الإرشاد فى معرفة حجج الله على العباد، باترجمه و شرح فارسى: سيد هاشم رسولى محلاتى، ايران، انتشارات علمية اسلامية، ١٣٨٧ه-

٥٧- المهرى، محمد جواد - مختارات من أقوال الامام الخمينى المترجم: محمد جواد المهرى، (المجلد الثانى) الطهران، وزارة الإرشاد الإسلامى، ١٤٠٢ه۔

٥٨- النسائى، الإمام احمد بن شعيب - السنن (سنن النسائى)-

٥٩- النعمانى، العلامة شبلى - رسالة الانتقاد-

٦٠- النقوى، السيد على نقى - السبطان فى موقفيهما، لاهور، إظهار سنز لميتيد-

٦١- نوربخش، الإمام المهدى سيد محمد- سراج الاسلام، فقه الأحوط للامامية النور بخشية-

٦٢- مجلة "التوحيد" الطهران ذوالقعدة - ذوالحجة - ١٤١٠ھ-

٦٣- مجلة "الجهاد" الطهران ربيع الأول ١٤٠٤ھ-

فہرست المراجع (فارسی)

٦۴- خمینی، سید روح اللہ- کشف اسرار، تہران، ۵ اربیع الثانی ١٣٦٣ھ-

٦۵- دہخدا، علی اکبر- لغت نامہ زیر نظر دکتر محمد معین، استاد دانشگاہ تہران، ج١٩ (شمارہ مسلسل ٨۵، شمارہ حرف "ع"

بخش دوم: اعل علی بن شجاع) تہران، تیر ١٣۴٢ھ شمسی-

٦٦- دہلوی، شاہ ولی اللہ محدث- ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء،

بریلی، طبع صدیقی، ١٢٨٦ھ-

٦٧- دہلوی، شاہ ولی اللہ محدث- تفہیمات الٰہیہ، طبع ہند-

٦٨- دہلوی، شاہ ولی اللہ محدث- قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین، دہلی،

طبع مجتبائی، ١٣٧٠ھ)

٦٩- دہلوی، شاہ ولی اللہ محدث- وصیت نامہ، کانپور، مطبع مسیحی

باہتمام محمد مسیح الزمان، ١٢٧٣ھ-

٧٠- شریعتی، دکتر علی- تشیع علوی و تشیع صفوی، تہران،

دفتر تدوین و تنظیم مجموعہ آثار دکتر علی شریعتی-

٧١- شریعتی دکتر علی- فاطمہ فاطمہ است، تہران، سازمان

انتشارات حسینہ ارشاد، طبع دوم تیر ماہ ١٣۵٦-

٧٢- شریعتی، دکتر علی- قاسطین، مارقین، ناکثین، تہران،

انتشارات قلم، ابانماہ ١٣۵٨، چاپ دوم-

٧٣- کاشانی، میرزا محمد تقی سپہر- ناسخ التواریخ، طبع ایران-

۷۴- قزوینی، ملا خلیل- صافی شرح اصول کافی طبع لکھنو-

۷۵- قمی، شیخ عباس- منتھی الآمال دراحوالات نبی والآل، ایران، سازمان انتشارات جاویدان، جلد اول ۱۳۸۸ھ، جلد دوم ۱۳۹۹ھ-

۷۶- لنگرانی، آیت اللہ فاضل- تقیہ مداراتی- زمینہ سازوحدت، طبع قم، ایران-

۷۷- مجلسی، ملا باقر- جلاء العیون، طبع تہران-

۷۸- مجلسی، ملاباقر- حق الیقین، طبع تہران-

۷۹- مجلسی، ملاباقر- حیات القلوب، طبع ایران-

۸۰- مجلسی، ملا باقر- زادالمعاد، طبع ایران-

فہرست المراجع (اردو)

۸۱- امداد امام، نواب سید- مصباح الظلم وایضاح السھم، طبع الھند-

۸۲- اسرار احمد، ڈاکٹر- سانحہ کربلا، لاہور، مرکزی انجمن خدام القرآن بار ہفتم، مئی ۱۹۹۳ء-

۸۳- اظہر، مولانا مظہر علی- تحریک مدح صحابہ، لاہور، مکتبہ اردو، مطبوعہ ۱۹۳۹ء/ مابعد)-

۸۴- امیر علی، جسٹس سید- روح اسلام (اردو ترجمہ "سپرٹ آف اسلام" از محمد ھادی حسین، دھلی، اسلامک بک سنٹر لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ- مطبع انصار سنز، بار ہفتم ۱۹۹۰ء-

۸۵- تبریزی، خطیب- اکمال فی اسماء الرجال (اردو ترجمہ) مکتبہ رحمانیہ، لاہور-

۸۶- تھانوی، مولانا محمد اشرف علی- بہشتی زیور، کامل جدید، طبع پاکستان-

۸۷- جامعہ پنجاب 'لاہور' اردو دائرہ معارف اسلامیہ 'لاہور' اکتوبر ۱۹۸۸ء۔

۸۸- حائری' ڈاکٹر شہلا - لاء آف ڈیزائر - اردو ترجمہ و تلخیص بعنوان :
"چاہت کا قانون" از ستار طاہر' مطبوعہ ماہنامہ
"قومی ڈائجسٹ" لاہور' مارچ ۱۹۹۳ء۔

۸۹- جعفر حسین' مفتی- نہج البلاغہ مع اردو ترجمہ و حواشی'
لاہور' امامیہ پبلیکیشنز' اکتوبر ۱۹۸۸ء۔

۹۰- حمید الدین' ڈاکٹر - تاریخ اسلام' لاہور' فیروز سنز لمیٹڈ چھٹا ایڈیشن'
۱۹۸۷ء۔

۹۱- خانہ فرہنگ ایران' ملتان- اتحاد و یک جہتی امام خمینی کی نظر میں'
خانہ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران' ملتان۔

۹۲- خمینی' سید روح اللہ- توضیح المسائل' اردو ترجمہ' مولانا سید صفدر حسین نجفی'
لاہور' امامیہ پبلیکیشنز' محرم ۱۴۰۷ھ۔

۹۳- زاہد علی ڈاکٹر- تاریخ فاطمین مصر۔

۹۴- سنبھلی' مولانا عتیق الرحمٰن- واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر'
ملتان' میسون پبلی کیشنز۔

۹۵- سیالوی' علامہ محمد قمر الدین- مذہب شیعہ' لاہور اردو پریس'
مکتبہ ضیاء شمس الاسلام' سیال شریف' ۱۳۷۷ھ۔

۹۶- عباسی' محمود احمد - تحقیق مزید بسلسلہ خلافت معاویہ و یزید
کراچی" انجمن پریس" جون ۱۹۶۱ء۔

۹۷- عباسی' محمود احمد- خلافت معاویہ و یزید' کراچی' جون ۱۹۶۲ء۔

۹۸- غلام احمد' قاری مفتی- انوار قمریہ' لاہور' طبع اول' اپریل ۱۹۹۱ء۔

۹۹- فاروقی' پیرزادہ اقبال احمد- صحابہ کرامؓ مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی

کے آئینے میں' لاہور' مکتبہ مدنیہ' ۱۹۹۱ء۔

۱۰۰۔ الفاروقی' محمد النعمانی۔ مکہ سے کربلا تک حضرت حسینؓ بن علیؓ کی تین شرطیں'
لاہور' مرکز تحقیق حزب اسلام' ۱۹۹۳ء۔

۱۰۱۔ فیض احمد۔ مقالات مرضیہ المعروف بہ "ملفوظات مہریہ"
پاکستان انٹرنیشنل پرنٹرز' جولائی ۱۹۷۴ء۔

۱۰۲۔ کاشمیری' آغا عبدالکریم شورش۔ تحریک ختم نبوت' لاہور'
چٹان پرنٹنگ پریس' ۱۹۸۰ء۔

۱۰۳۔ مطہری' سید مرتضیٰ' (نہضت ہائے اسلامی در صد سالہ اخیر) بیسویں صدی کی
اسلامی تحریکیں اردو ترجمہ از ڈاکٹر ناصر حسین نقوی' راولپنڈی'
مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان' نومبر ۱۹۸۰ء۔

۱۰۴۔ مودودی' سید ابوالاعلیٰ۔ خلافت وملوکیت' لاہور'
ادارہ ترجمان القرآن' اپریل ۱۹۸۰ء۔

۱۰۵۔ موسوی' ڈاکٹر سید موسیٰ (الشیعہ والتصحیح) "اصلاح شیعہ"
اردو ترجمہ از ابو مسعود آل امام' فروری ۱۹۹۰ء۔

۱۰۶۔ ندوی' مولانا محمد اسحاق صدیقی سندیلوی۔ اظہار حقیقت' مطبوعہ کراچی۔

۱۰۷۔ ندوی' مولانا محمد اسحاق صدیقی سندیلوی۔ اموی خلافت کے بارے میں غلط
فہمیوں کا ازالہ' ماخوذ از اظہار حقیقت جلد سوم' ناشر'
مولانا عبدالرحمٰن کراچی اسلامی کتب خانہ بنوری ٹاؤن۔

۱۰۸۔ ندوی' مولانا سید سلیمان۔ سیرۃ النبی' جلد سوم۔

۱۰۹۔ ندوی شاہ معین الدین احمد۔ تاریخ اسلام' حصہ اول و دوم'
لاہور' ناشران قرآن لمیٹڈ۔

۱۱۰۔ نعمانی' مولانا محمد منظور۔ ایرانی انقلاب' امام خمینی اور شیعیت' لاہور' مکتبہ مدنیہ۔

۱۱۱- نعمانی مولانا محمد منظور- خمینی اور شیعہ کے بارے میں علماء کرام کا متفقہ فیصلہ'
طبع لکھنو و پاکستان' ماخوذ از مجلہ " الفرقان " لکھنو'
اشاعت خاص' دسمبر ۱۹۸۷ء تا جولائی ۱۹۸۸ء-
۱۱۲- نقوی' سید حسین عارف- تذکرہ علماء امامیہ پاکستان' اسلام آباد' ناشر'
مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان' ۱۴۰۴ھ ۱۹۸۴م-
۱۱۳- نقوی' سید شاکر حسین امروہوی- مجاہد اعظم' طبع الھند-
۱۱۴- نقوی' مولانا سید علی نقی- شہید انسانیت-
۱۱۵- نقوی مولانا سید منظور حسین- تحفۃ العوام (کامل جدید)
لاہور' کتب خانہ اثنا عشری ۱۹۶۷ء-
۱۱۶- نور احمد' سید- مارشل لا سے مارشل لا تک'
لاہور' دین محمدی پریس' طبع دوم' فروری ۱۹۶۶ء-
۱۱۷- نیاز احمد' حکیم- تحقیق عمر عائشہؓ' کراچی' مشکور اکیڈمی-
۱۱۸- ہاشمی' قاضی محمد طاہر علی- تذکرہ سیدنا معاویہؓ'
حویلیاں ہزارہ' قاضی چمن پیر الہاشمی اکیڈمی' ۱۹۹۵ء-

اردو مجلّات

۱۱۹- ہفت روزہ " الاسلام " لاہور -
۱۲۰- سہ ماہی اورینٹل کالج میگزین' لاہور' فروری ۱۹۲۵'
مئی ۱۹۲۵ء' اگست ۱۹۲۹ء-
۱۲۱- ماہنامہ " تجلی " دیوبند' جولائی ۱۹۶۰ء -

۱۲۲- مجلہ " فجر " اسلام آباد ' شمارہ ۱۸ ربیع الاول ۱۴۰۵ھ '
رائیزنی فرہنگی جمہوری اسلامی ایران-

۱۲۳- مجلہ " وحدت اسلامی " اسلام آباد ' شمارہ ۱۱ ' جلد ۱ ' محرم ۱۴۰۴ھ '
سفارت جمہوری اسلامی ایران در پاکستان-

۱۲۴- " الہلال " کلکتہ ' اگست ۱۹۲۷ء -

۱۲۵- روز نامہ " جنگ " لاہور-

۱۲۶- روز نامہ " نوائے وقت " لاہور-

فہرست المراجع (انگریزی)

127. Dozy, R. A.- History of Muslim Dynasties in Spain.

128. Haris, Muhammad. A- The Great Umayyad.

129. Shahabi. Mahmood- Shiah,
Qum (Iran) Ansarian Publications.

130. Islamic Review, Crung.

131. The Daily "Star" Alahabad.

کُتب خانہ علویہ

بیاد مولانا رمضان علویؒ ، مولانا سعید الرحمن علویؒ